شاہ ولی اللہ نمبر

الفرقان (بریلی)

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

قال اللہ تعالیٰ

ان ولیّ اللہ الذی نزّل الکتاب وھو یتولّی الصّٰلحین

ماہنامہ

الفرقان (بریلی)

کا

شاہ ولی اللہ نمبر

بیادگار

حکیم الامۃ محی السنّۃ مجدد الملّت وارث کمالات نبوت

استاذ الاساتذہ شیخ المشایخ مجدد صدی دوازدہم

امام الہند سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فاروقی

قدس اللہ روحہ وبرّد مضجعہ ونوّر مرقدہ

مرتبہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

5702

سب سے پہلے میری معذرت اور شکریہ احباب

Acc No. 124778

اخوتی الکرام محبتی فی اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مہینوں کے انتظار کی تکلیف کے بعد یہ "شاہ ولی اللہ نمبر" آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے، آپ کو اس انتظار کی ضرور تکلیف پہونچی ہوگی لیکن واسطۂ "الفرقان" اس زحمت کا آپ کو پہلے سے عادی بنا چکا ہے اور اس باب میں یہ اس کا پہلا گناہ نہیں ہے، اس لیے اگرچہ کسی "معذرت" کی چنداں ضرورت نہ تھی، تاہم آپ کی اطلاع اور اپنے جرم کو ہلکا کرنے کیلئے چند کلمات عرض کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس نمبر کی تیاری کی کوشش ۱۳۵۸ھ کے اواخر ہی سے شروع کر دی گئی تھی جن بزرگوں اور دوستوں سے مقالات لکھانے تھے ان کو گزشتہ ذی الحجہ میں گویا اب سے ٹھیک ایک سال پہلے خطوط لکھ دیئے گئے تھے۔ بلکہ بعض حضرات کی خدمت میں اس سے بھی پہلے درخواست پیش کر دی گئی تھی۔ اور اندازہ تھا کہ چھ مہینے میں انشاء اللہ سارا کام ختم ہو کر رجب یا شعبان ۱۳۵۹ھ تک یہ نمبر شائع ہو سکے گا لیکن اول کچھ تو مقالہ نگار حضرات کی طرف سے تاخیر ہوئی، پھر جمادی الاولی میں اچانک میں علالت کا شکار ہو گیا جس نے [illegible] تک کسی کام کے لائق نہیں رکھا، میری علالت کے شروع ہونے سے قریباً ایک مہینہ پہلے "الفرقان" کے ناظم اور دفتر الفرقان کے مہتمم مولوی محمد عطاء اللہ صاحب قاسمی بہاری اپنے چھوٹے جوان بھائی کی اطلاع وفات پر اپنے وطن (ضلع مونگیر) جا چکے تھے پھر ان کے وہاں پہونچنے پر ان کے دوسرے چھوٹے بھائی اور دو بہنوں نے ان کی موجودگی ہی میں اس دنیا کو خیرباد کہا (اللہ تعالیٰ ان سب مرحومین کو اپنے آغوش رحمت میں جگہ دے) ان پے در پے حوادث نے کچھ دنوں کیلئے ان کو بالکل بیکار کر دیا اور پورے پانچ مہینے کے بعد وہ واپس تشریف لا کر اپنا کام سنبھال سکے ——— غرض میری اس علالت اور ان کی اس طویل غیبوبت نے سارے کام اور پروگرام کو درہم برہم کر دیا۔ تاہم علالت نے جونہی مجھے مہلت دی اپنی نقاہت کے باوجود میں پورے انہماک سے اس نمبر ہی کی ترتیب اور تیاری کے کاموں میں لگ گیا لیکن کام کی کثرت اور اپنی کمزوری اور بے تنہائی کی وجہ سے ہر کام اندازہ سے موخر ہوتا گیا ——— تا آنکہ اس نمبر کی اشاعت کے متعلق آخر ذیقعدہ یا شروع ذی الحجہ کا جو اعلان شعبان کے رسالہ میں کیا گیا تھا اور جو متعدد اعلانوں کے بعد گویا "آخری اعلان" تھا وہ بھی غلط ہو گیا۔ اور اب آخر ذی الحجہ میں اس کی طباعت مکمل ہو سکی ہے ——— جس حالت میں یہ پیش ہو رہا ہے اگر آپ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھ لیں اور آپ کی زحمت انتظار کو بھلا دینے یا اس کی تلافی کر دینے میں یہ کامیاب ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ گناہ کا بار مجھ پر نہیں رہا ——— ورنہ میں مجرم ہی ہوں، اور اس صورت میں صرف آپ کی محبت ہی سے معافی کی درخواست کر سکتا ہوں۔

الفرقان نوازوں کا شکریہ

مقالہ نگار حضرات وغیرہ کا شکریہ تو "ادلیں" کے ذیل میں ادا کیا جا چکا ہے لیکن ایک حیثیت سے میری تشکر و امتنان کے سب سے زیادہ مستحق "الفرقان" کے وہ ناظرین کرام ہیں جن کی قدردانیوں اور الفرقان نوازیوں کے بل بوتے ہی پر باوجود اپنی بے سروسامانی اور بے مائیگی کے ایسے نمبر شائع کرنے کی ہمت کر لیتا ہوں، دوستوں کو معلوم ہے کہ "الفرقان" کے پاس نہ خود کچھ سرمایہ ہے بلکہ وہ ہمیشہ مقروض ہی رہتا ہے اور اس نمبر کے سلسلہ میں مزید چار سو روپیہ کا مقروض ہو گیا ہے نہ دولتمندوں کی سرپرستی ہی حاصل ہے، مالی حیثیت سے توکل علی اللہ کے بعد اس کا ظاہری سہارا صرف یہ خریداروں کا چندہ ہے، اس لئے اس نمبر کی تیاری میں جہاں ہر خریدار کی خاص طور سے عملی و مؤثر شرکت ہے اپنے ان تمام احباب کا بھی میں مخلصانہ شکر گزار ہوں، ہزار ہزار شکر گزار ہوں کہ باوجود الفرقان سے اپنا تعلق قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس کی قدر فرماتے ہیں۔ والسلام

آپ کا دعا گو ——— محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ناظرین کرام سے

چند ضروری دفتری گزارشات

از ناچیز محمد عطاء اللہ قاسمی بہاری غفرلہ

(۱) کئی مہینے کی ہماری مسلسل محنتوں کا ثمرہ "شاہ ولی اللہ نمبر" ہدیۂ خدمت ہے گر قبول افتد زہے عز و شرف !!

(۲) اس میں خالص مضامین کے صفحات چار سو آٹھ ہیں گویا الفرقان کے عام پرچوں کے لحاظ سے اس کی ضخامت آٹھ مہینے کے پرچوں کے برابر ہے لیکن کتابت چونکہ باریک اور گھنی ہے اسلئے مضامین اس نمبر میں سال کے بارہ پرچوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں بایں ہمہ اس کو صرف تین ماہ (رمضان، شوال، ذی القعدہ) کے قائم مقام کرنے کا ارادہ تھا اور ذی الحجہ کا پرچہ الگ اس کے بعد نکالنے کا خیال تھا لیکن چونکہ ماہ ذی الحجہ بھی اب ختم ہو رہا ہے بلکہ غالباً شروع محرم میں یہ نمبر کہیں آپ کے پاس پہنچ سکے گا اسلئے مجبوراً اب اس کو چار ماہ کے قائم مقام کر دیا گیا ہے ـــــ لہذا مستقل خریدار صاحبان اس کو چار مہینے (رمضان، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ) کا مشترک پرچہ سمجھیں گویا الفرقان کی ساتویں جلد (بابت ۱۳۵۹ھ) اس نمبر پر ختم ہو گئی۔ اب اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ سنہ ۱۳۶۰ھ کا پرچہ آخر محرم تک آپ کی خدمت میں پہونچیگا اور وہ آٹھویں جلد کا پہلا پرچہ ہوگا۔

(۳) جن حضرات کی خریداری کا حساب ابتداء سال (ماہ محرم) سے شروع ہوتا ہے انکی مدت خریداری اس نمبر پر ختم ہو گئی لہذا آئندہ سال کیلئے وہ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر ممنون فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ حسب دستور ان کی خدمت میں وی پی روانہ ہوگا جس کا وصول فرمانا ان کا اخلاقی فرض ہوگا ـــــ جن حضرات کو کسی مجبوری سے آئندہ خریدار رہنا منظور نہ ہو وہ براہ کرم فوراً ہی (زیادہ سے زیادہ دو ہفتہ کے اندر) ایک کارڈ لکھ کر انکاری اطلاع دیدیں تاکہ دفتر الفرقان کو وی پی کی زیرباری نہ ہو۔

(۴) پہلے الفرقان کا ایک ارزاں ایڈیشن رف کاغذ پر بھی شائع ہوتا تھا جس کا سالانہ چندہ صرف ۲ تھا چونکہ وہ کاغذ دیگر ممالک سے آتا تھا اور جنگ کی وجہ سے بہت کمیاب ہو گیا ہے اس واسطے اس ایڈیشن کی اشاعت بند کر دی گئی ہے اور اب ڈیڑھ سال سے الفرقان صرف قسم اول (اچھے ہی کاغذ پر) شائع ہوتا ہے اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ ہے اور کاغذ کی بیحد گرانی کی وجہ سے فی الحال اس میں کسی تخفیف و رعایت کی مطلق گنجایش نہیں ہے نیز اس وقت دفتر الفرقان میں کم استطاعت حضرات کیلئے مدِ خیر کی کوئی رقم بھی جمع نہیں ہے لہذا چندہ میں تخفیف کی فرمایش سے ہم کو شرمندہ نہ فرمایئے ـــــ اس اعلان کے بعد جو حضرات تین روپیہ سے کم چندہ ارسال فرمائیں گے انکا منی آرڈر مجبوراً واپس کر دیا جائیگا۔

(۵) جن حضرات کی خریداری کا سلسلہ اس "ولی اللہ نمبر" ہی سے شروع ہو رہا ہے ان کی خریداری ماہ رمضان سے محسوب ہوگی اور اس لحاظ سے اُن کا حساب شعبان سنہ ۶۰ھ پر ختم ہو جائیگا۔ ایسے حضرات کو خاص طور سے نوٹ کر لینی چاہیئے۔

(۶) خواہ آپ منی آرڈر روانہ فرمائیں یا دفتر کو کوئی اطلاع دیں بہرحال اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیئے۔ اس معاملہ میں آپ کا ذرا سا تغافل ہمارے لیے بڑی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور بسا اوقات اندراجات میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔

(۷) جواب طلب امور کیلئے ہمیشہ جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیئے ورنہ عدم جواب کی شکایت معاف !!

ناظم الفرقان بریلی

(یو۔پی)

چندہ سالانہ الفرقان تین روپے ہے

ممالک غیر سے سات شلنگ فی پرچہ ۵ر

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

فہرست مضامین

شاہ ولی اللہ نمبر الفرقان بریلی

جلد ۷ | بابت ماہ رمضان و شوال و ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲

فہرست حصہ نثر

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار حضرات	نمبر صفحات	مجموعی تعداد
۱	نگاہ اولیں	مدیر	ص ع – ۱۰	۱۱
۲	"ارشاد گرامی"	حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہم العالی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند	۱۲	۱
۳	ہندوستان میں قرآن کا چرچا اور شاہ ولی اللہؒ	مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی بی۔ اے ایڈیٹر "صدق" لکھنؤ	۱۳	۱
۴	ہدیہ نایاب ہائے تاریخ و قطعات تاریخ پیش بہا ولی اللہ نمبر	مولانا محمد حسن صاحب بدر سنبھلی فاضل و فاضل دیوبند	۱۶	۴
۵	امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء	مولانا مسعود عالم صاحب ندوی	۱۷ – ۴۰	۲۴
۶	منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ ولی اللہ کا مقام	مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور	۴۱ – ۹۸	۵۸
۷	آفتاب ہوش سے پہلے کا دہلی سے ہندوستان — یا اسلامی ہند کو طرفانی عہد میں ایک فاتح مجدد	مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی دکن	۹۹ – ۲۲۹	۱۳۱
۸	تعارف عکس تحریر حضرت شاہ ولی اللہ رح	مولانا مسعود عالم صاحب ندوی	۲۳۰ – ۲۳۱	۲
۹	امام ولی اللہ رح کی حکمت کا اجمالی تعارف	حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مدظلہ	۲۳۲ – ۳۲۰	۸۸
۱۰	ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کا سبب شاہ صاحب کی نظر میں	حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ	۳۲۱ – ۳۲۵	۴
۱۱	انقلابی یا مجدد؟	مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی ایم اے فاضل دیوبند مدیر "برہان" دہلی	۳۲۶ – ۳۳۳	۸
۱۲	حضرت شاہ ولی اللہ رح بحیثیت مصنف!	مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلماء و مدیر "الندوہ" لکھنؤ	۳۳۴ – ۳۴۶	۱۰
۱۳	شاہ صاحب کا ایک علمی ماخذ	مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ	۳۴۷ – ۳۵۱	۵
۱۴	شاہ ولی اللہ صاحب رح اور انکی بعض علمی خصوصیات	مولانا سید ابو النظر رضوی امروہوی	۳۵۴ – ۳۵۸	۵
۱۵	امام شاہ ولی اللہ اور حنفیت	مولانا محمد یوسف صاحب بنوری استاذ جامعہ اسلامیہ رکن مجلس علمی ڈابھیل	۳۶۰ – ۳۷۰	۱۲
۱۶	حضرت شاہ ولی اللہ اور تقلید	مولانا خیر محمد صاحب جالندھری صدر مدرس خیر المدارس جالندھر	۳۷۳ – ۳۷۸	۶
۱۷	حضرت شاہ ولی اللہ رح اور انکے کام کا مختصر تعارف	مدیر	۳۸۰ – ۴۰۴	۲۵
۱۸	تواریخ جانفزا ۱۱۵۹	مولانا محمد حسن صاحب بدر سنبھلی فاضل دیوبند	۴۰۸	۱

فہرست حصۂ نظم

نمبر شمار	عنوان نظم	شعراء کرام	صفحہ
۱	پیام ولی اللّٰہی	مولوی سید شمس الدین محمد صاحب رضوی امروہوی ایم۔ اے آنرز (علیگ)	۱۴-۱۵
۲	مزار شاہ ولی اللہ پر پہونچکر	مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی رفیق ادارہ الفرقان بریلی	۲۳۰
۳	مجدد وقت!	حضرت ماہر القادری (حیدرآباد دکن)	۳۲۱
۴	شاہ ولی اللہ (قدس سرہ العزیز)	حضرت روش صدیقی جوالاپوری	۳۲۶-۳۲۷
۵	خطاب بروح پرفتوح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	حضرت میر افق کاظمی امروہوی	۳۵۲ تا ۳۵۸
۶	عقیدت کے پھول	حضرت شوقی اسعدی انبالوی	۳۵۹
۷	مناقب مجدد عصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح	حضرت اثر زبیری لکھنوی	۳۷۹
۸	امت مسلمہ سے روح ولی اللّٰہی کا خطاب	جناب سید محمد عبدالرب صاحب صوفی اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بیگ	۴۰۵-۴۰۷
۹	تاریخ منظوم (۱۹۴۰ء)	مولانا محمد حسن صاحب بدر سنبھلی	۴۰۸

نمبر کے تین مقالے کتابی شکل میں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، اور مولانا سندھی کے مضامین اس نمبر کے خاص اور اہم مقالے ہیں۔ جن کی علمی طبقوں میں زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے اسی خصوصی اہمیت کے پیش نظر ان کو علیحدہ علیحدہ کتابی شکل میں بھی تیار کرایا جارہا ہے قیمتوں کی تفصیل یہ ہے:-

مولانا سندھی کا مقالہ "ولی اللّٰہی حکمت کا تعارف"۔ ۹ صفحات ٹائٹل دبیز رنگین قیمت ۸/

مولانا گیلانی کا مقالہ "آغوش موج کا در تابندہ"، ۲۶ صفحات ٹائٹل دبیز رنگین قیمت ۱۰/

مولانا مودودی کا مقالہ "منصب تجدید کی حقیقت اور تاریخ تجدید میں شاہ ولی اللہ کا مقام"۔ ۸۰ صفحات ٹائٹل دبیز رنگین قیمت چھ آنے ۶/

تینوں مقالوں کی مجموعی رعایتی قیمت ۱۲/

یہ تینوں مقالے کتابی شکل میں انشاء اللہ اس مہینے کے آخر تک تیار ہو جائیں گے اور آخر ماہ محرم میں شائقین کو روانہ کیے جاسکیں گے لیکن کاغذ کی گرانی اور اپنی تنگ دامانی کی وجہ سے ان کی صرف ڈھائی سو کاپیاں تیار کرائی جارہی ہیں لہذا جو صاحب طلب فرمانا چاہیں جلد ہی آرڈر دیدیں ہم کو امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نسخے بہت جلد ہاتھوں ہاتھ نکل جائینگے۔ المعلن:- ناظم مکتبہ الفرقان بریلی

اس نمبر کے تمام مضامین کی کاپی رائٹ باضابطہ محفوظ کرلیگئی ہے

لہذا کوئی صاحب کسی مضمون کو بلا اجازت صریح تحریری جزوی یا کلی طور پر شائع کرکے ضابطہ شکنی

کے مرتکب نہ ہوں ورنہ عواقب کی ذمہ داری اُن ہی پر ہوگی

ناظم الفرقان بریلی (یوپی)

بسم اللہ

الولی العزیز الرحیم

سویدائے دل ما یابی اندر پیچ و تاب ایں[1]
نقوش عالم اُمّ الکتابش میتواں گفتن

(حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

[1] یہ شعر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ ہی کا ہے اور حسنِ اتفاق سے اس نمبر پر اس قدر چسپاں ہے کہ گویا حضرت ممدوح نے عالم الغیب میں اس نمبر ہی کیلئے کہا ہے۔ ہم نے اس میں اتنا تصرف کیا ہے کہ پہلے مصرع کے آخر میں "او" تھا اُس کے بجائے "ایں" کر دیا گیا ہے (نعمانی غفرلہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسولنا الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

نگاہِ اولیں

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ لَا نُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

آنانکہ زاد ناس بہی رسند | بالجملہ انوار قدم پیوستند
فیض قدس از ہمت ایشاں میجو | دروازۂ فیض قدس ایشاں ہستند

(حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ)

اب سے قریباً دو سال پہلے "الفرقان" کا "مجدد الف ثانی نمبر" شایع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، جس کے ذریعہ خدا کے ایک مقبول بندے اور مبعوث مجدد[1] حضرت شیخ احمد سرہندی (قدس سرہٗ) کا کام اور پیغام چودھویں صدی کے اُن مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا جو اس وقت اُسی قسم کے جاہلی فتنوں میں گھر رہے ہیں اور گھرتے چلے جا رہے ہیں جس قسم کے فتنوں کو شکست دینے کیلئے ہی حضرت ممدوح کو بشکل مجدد قدرت کی جانب سے کھڑا کیا گیا تھا اور ان فتنوں کے طوفان سے اسلامی ہند کو بچا لینا ہی حضرت کا وہ خاص کارنامہ ہے جس کی وجہ سے آپ کا نام ہی اسلامی تاریخ میں "مجدد الف ثانی" ہے۔

آج اُس سے دو سال کے بعد "شاہ ولی اللہ نمبر" شایع کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اس کے ذریعہ ہم نے دورِ حاضر کے مسلمانوں کے سامنے اُس "چراغِ ہدایت" کی روشنی کو پیش کرنا چاہا ہے جو اب سے قریباً سوا دو سو برس پہلے قدرت کی طرف سے اس ہندوستان میں اُس وقت روشن کیا گیا تھا جب سلطان اسلام غازی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد چاروں طرف سے نہایت مہیب فتنوں کے بادل اسلامی ہند کی طرف کو اُٹھ رہے تھے اور اس ابتلائی اسبابی دور میں اپنی غفلت کیشیوں اور بداعمالیوں کا خمیازہ بھگتنے کے لیئے کفر کی طاقتوں سے زیر ہو جانا ہندی مسلمانوں کیلئے طے ہو چکا تھا۔

یہ چراغِ ہدایت، اس دورِ اخیرہ کے امام بارھویں صدی کے مجدد اعظم حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا وجود مسعود تھا جس کی کتاب و سنت کی صحیح معرفت، خداوندی الہام اور ایمانی بصیرت، ملاءِ اعلیٰ کی اعانت اور مجددانہ فراست کی مدد سے وہ روشنی پیدا کی جو دو صدیاں گزر جانے پر آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے کافی ہو سکتی ہے۔

---

[1] فی الحدیث "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" (ابوداؤد)

نمبروں کے اس سلسلہ سے ہماری غرض

"خاص نمبر" نکالنے کی رسم اگرچہ فی زماننا ایک مبتذل اور بے مقصد رسم بن چکی ہے اور اب علاوہ اس بیگی رسم کے علاوہ اگر اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے تو بس یہی کہ "صحافت کی دکان" کو چند نئے قسموں اور جاذب نظر تصویروں سے سجا کر تجارت کو فروغ دیا جائے ــ اور کوئی شک نہیں کہ ان حضرات کا یہ مقصد بڑی حد تک پورا بھی ہو جاتا ہے مجھے معلوم ہے اور ہر واقف کار کو معلوم ہوگا کہ جن مشہور رسائل کے "خاص نمبر" اور "سالنامے" اچھی شان اور آن بان سے نکلتے ہیں ان کے تمام مصارف صرف اشتہاروں کی اجرت سے پورے ہو جاتے ہیں اور جو قیمت اپنے خریداروں سے ان کو وصول ہوتی ہے وہ "خالص نفع" ہو جاتا ہے ــ لیکن یہاں کا حال اس بارہ میں جو کچھ ہے اس کا اندازہ آپ حضرات خود بھی فرما سکتے ہیں۔ اس نمبر میں ایک پیسہ کی اجرت کا کوئی اشتہار نہیں ہے، قریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ اس پر لاگت آئی ہے، مستقل خریدار صاحبان کو یہ چار مہینے کے پرچوں کے بدلے میں جائیگا، قریباً ایک سو ایسے حضرات کو جائیگا جنہوں نے صرف اس نمبر کیلئے ڈیڑھ روپیہ پیشگی بھیجدیا ہے اس کے بعد ایک سے کچھ کم جو سالانے بچ رہینگے وہ حسب اعلان سابق دو روپیہ کے حساب سے بعد میں منگوانے والے حضرات کو دیئے جاسکیں گے،، اب یہ حساب آپ حضرات خود لگا سکتے ہیں کہ اس اعتبار سے ہم کو کس قدر "نفع" ہوگا یا کتنا خسارہ ــ لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے انشاء اللہ اس میں خسارہ کا کوئی احتمال ہی نہیں، اگر حق جل جلالہ ہماری اس محنت کو قبول فرمالیں اور اس سلسلہ سے ہم مسلمانوں میں جو روح پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کسی درجہ میں بھی پیدا ہو جائے تو ہم مالا مال ہیں اور الحمد للہ کہ یہی ہمارے نزدیک نفع اور نقصان کا واحد معیار ہے۔

دراصل نمبروں کے اس سلسلہ سے ہماری غرض صرف یہ ہے کہ اس طرح ہم اپنے ان مجددین اور مصلحین امت کے کارناموں کو روشن اور ان کی ہدایتوں کو زندہ کر کے مسلمانان حال کے سامنے پیش کرسکیں جنہوں نے گزرے ہوئے زمانہ میں ہندوستان ہی میں اقامت دین، احیاء سنت اور اشاعت کتاب و سنت کے سلسلہ میں وہ خدمات انجام دیں جن کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمان آج تک اس ملک میں باقی ہیں اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام کیلئے جو کچھ اور جیسا کچھ ہندوستان میں ہو رہا ہے بحیثیت مجموعی دوسری جگہ نہیں ہو رہا ــ درحقیقت یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب طفیل اور صدقہ ہے ہمارے انہی مقدس بزرگوں کا جن کے ناموں کو تو ہم نے ناموں کی حد تک ضرور یاد رکھا ہے اور خوب یاد رکھا ہے۔ لیکن ان کے کاموں اور پیغاموں کو ایسا بھلا یا گیا ہے کہ بیچارے عوام دکنار خواص تک نا واقف ہیں۔

ہم نے اس سلسلہ کو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے شروع کیا ہے کیونکہ بقول حضرت امام ربانی رح ہزارہ دوم کے آغاز ہی سے یہاں دین کی "غربت" اور "جاہلیت" کے غلبہ کا خاص دور شروع ہوا ہے اور ہندوستان میں تجدیدی نوعیت کا کام وہیں سے شروع ہوتا ہے (اس سے پہلے یہاں دین کی خدمت کے سلسلہ میں جو کچھ ہوا اس کا ذکر ہمارے ناظرین مولانا محمد نور الحق صاحب علوی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کے اس سلسلہ مضامین میں ملاحظہ فرما رہے ہیں جس کا کافی حصہ پچھلے دو سال میں قسط وار الفرقان میں شایع ہوچکا ہے اور باقی انشاء اللہ آئندہ شایع ہوگا، نیز اس عہد کا اجمالی تاریخ اسی نمبر میں مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کے مقالہ میں بھی آگئی ہے)

بہرحال اس ملک میں تجدیدی نوعیت کا کام چونکہ ہمارے خیال میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ہی سے شروع ہوا ہے اسلئے ہم نے اپنے نمبروں کا سلسلہ بھی وہیں سے شروع کیا ہے۔ مجدد الف ثانی نمبر ہمارے اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی، ہم کو بیحد مسرت ہے کہ علمی حلقوں میں وہ ہماری توقعات سے زیادہ

قبول ہوا بہت زیادہ بڑھ گیا اور ہندوستان کے علمی طبقہ پر اس نے اپنا ایک خاص اثر ڈالا۔

اسی سلسلہ کی یہ دوسری کڑی "شاہ ولی اللہ نمبر" ہے جو اس وقت آپ کے زیر نظر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ جو کچھ اس کے متعلق سوچا گیا تھا اور اعلانوں میں جو وعدے کیے گئے تھے الحمد للہ کہ ان کے لحاظ سے اس میں کوئی خاص کمی نہیں ہے۔

نمبر کے مضامین کے متعلق چند کلمات۔

اس نمبر میں چند مقالات ایسے ہیں جن پر مجھے مستقل تعریفی نوٹ لکھنے چاہیئے تھے، اور ارادہ تھا کہ "نگاہ اولین" کے ذیل میں ہر ہر مضمون کے متعلق پوری تفصیل سے اظہار خیال کروں گا۔ مگر اتفاق کہ اب صفحات میں اس کے لیے کم سے کم بھی گنجائش نہیں ہے — اس کمی کے پورا کرنے کے لیے دس بیس صفحہ کا مزید اضافہ کچھ مشکل نہ تھا لیکن اس وقت جو رسالہ آپ کے ہاتھ میں ہے اگر اس پر ایک ورق کا بھی اور اضافہ کیا جائے تو علاوہ مصارف طباعت وغیرہ کے رسالہ پر محصول ڈاک بھی ڈیوڑھا لگ جائیگا اور اس طرح قریباً چالیس پیسے کا صرف ڈاک خرچ اور بڑھ جائیگا لہذا محض اس غرض کیلئے مناسب نہیں مزید اضافہ کی ہمت نہیں کی جا سکی — علاوہ ازیں اصل مقالات آپ کے سامنے ہیں اور شاید یہی زیادہ اچھا ہو کہ بجائے "عطار" کی زبان سے سننے کے اس کے پیش کردہ "مشک گلاب" کو آپ خود ہی سونگھ کر دیکھ لیں — پھر بھی چند کلمات عرض کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں — سو پہلی بات تو یہ ہے کہ مضامین کی ترتیب میں نہ تو مضامین کی حیثیت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ مضامین نگار حضرات کے مراتب و درجات کا، بلکہ صرف کتابی ترتیب کے لحاظ سے مقالات کو مقدم یا موخر کیا گیا ہے — یعنی اگر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ پر کوئی مستقل کتاب لکھی جاتی تو جو ترتیب اس کے مضامین کی ہوتی اسی کے لحاظ سے اس نمبر کے مقالات کو ترتیب دیا گیا ہے

شروع میں میری معروضات کے بعد متصلاً حضرت مولنا سید حسین صاحب مد ظلہ العالی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علماء ہند کا تاثر ہے اور اس کے بعد مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی اڈیٹر "صدق" لکھنؤ کا ایک گرامی نامہ ہے — اس کے بعد پہلا مقالہ مولنا مسعود عالم صاحب ندوی کا ہے جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر تبصرہ کیا گیا ہے گویا اس مقالہ کا تعلق صرف "اسلامی ہند ما قبل شاہ صاحب" سے ہے، اسی واسطے اسکو سب مقالوں سے مقدم رکھا گیا ہے، اس مقالہ کو کس قدر محنت اور قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو اس قسم کے کاموں سے واسطہ پڑتا ہے اور اس لیے وہی اس کی صحیح قدر بھی کر سکیں گے۔

اس کے بعد دوسرا مقالہ مولنا سید ابو الاعلی صاحب مودودی مدیر ترجمان القرآن لاہور کا ہے جس میں مولنا ممدوح نے "حقیقت تجدید" اور "منصب مجددیت" کے متعلق اصولی بحث فرمانے کے بعد "اسلام میں تجدید کی تاریخ" پر اپنے مخصوص محققانہ انداز میں تبصرہ فرمایا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں جو کام پہلے نہیں ہوا اور آج اس کی ضرورت ہے اسکو بھی انہوں نے اپنے عندیہ کے مطابق پوری جرأت سے پیش کر دیا ہے، محترم مولنا کے مقالہ کا یہ حصہ عصر حاضر میں تجدید دین کا صادق جذبہ رکھنے والوں کیلئے خاص طور پر قابل غور ہے اگرچہ اس کے بعض حصے بہتوں پر زیادہ گراں گذریں گے لیکن اس کے باوجود انکو یہ سمجھ کر کہ یہ بھی دین کے ایک خادم کی رائے ہے ان چیزوں پر غور کر لینا چاہیے، صرف تاثر نا راضی گرانی اور ناگواری سے مشکلیں حل نہیں ہو سکتیں اور کام چل نہیں سکتا — خود راقم سطور کو بھی اس کے بعض اجزاء سے پورا اتفاق نہیں ہے تاہم ان کے ان افکار پر بار بار ہم کو غور کرنا اور ٹھنڈے دل اور آزاد ذہنیت سے غور کرنا چاہیے کہ "عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شر لکم"

تیسرا مقالہ مولنا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ کا ہے ناظرین "الفرقان" کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ بالخصوص مقبولین بارگاہ الہی کی سیرت نگاری میں

مولانا ممدوح ایک نرالے طرز نگارش کے مالک بلکہ موجد ہیں خود مولانا ہی کی اصطلاح میں اگر یہ کہا جائے کہ اس خاص موضوع پر وہ جب لکھتے ہیں تو دماغ نہیں بلکہ دل لکھتے ہیں اور صفحۂ قرطاس پر اپنے دماغی افکار کو نہیں بلکہ قلبی کیفیات و واردات کو ثبت کرتے چلے آتے ہیں تو یہ تعبیر انشاء اللہ حقیقت سے بہت قریب ہوگی ـــ یہ مقالہ بھی مولانا کا اسی قبیل سے ہے ـــ اس میں آپنے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سیاسی ماحول اور اس عہد کے انقلابی وقائع کو کافی تفصیل سے لکھنے کے بعد آپکے کام کو عہد حاضر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ وہ راہ عمل کے انتخاب اور پھر عملی سرگرمیوں میں اُس سے روشنی حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں بعض عصری نظریات کی موافقت یا مخالفت میں بھی ممدوح کو اپنی رائے ظاہر کرنی پڑی ہے اور شدت احساس کی وجہ سے اس میں کہیں کہیں کچھ تیزی بھی آگئی ہے لیکن اس کے متعلق جو نوٹ خود انھوں نے آغاز مضمون میں لکھدیا ہے اس کے بعد کسی معذرت کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ایک دو جگہ محترم مولانا نے وقت کے اقتصادی مسئلہ کی اہمیت کو بہت زیادہ گھٹا دیا ہے ـــ اس بارہ میں آج کل جو "افراط" ہو رہا ہے اس کے ردعمل کے طور پر اگرچہ اس "تفریط" کیلئے جواز نکل سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی سے اس مسئلہ کا جو دائمی اور طبعی تعلق ہے اس کو تسلیم کر کے اُس کا صحیح حل پیدا کرنا ہمارا فرض اور دین اسلام کا اہم باب ہے اور شاید اس نکتہ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ اسلام کے کسی عالم اور مصنف نے نہیں سمجھا ہے جیسا کہ حجۃ اور بدور کے ابواب ارتفاقات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال مولانا محترم کا یہ مقالہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے کام اور اس زمانہ کے احوال پر سب سے زیادہ مبسوط اور جامع مقالہ ہے اور درمیان میں اس میں بہت سے ایسے علمی اور تاریخی افادات بھی آگئے ہیں جن سے ہمارے علمی اور خصوصاً دینی حلقے بہت کچھ روشنی اور بصیرت حاصل کر سکتے ہیں ـــ الفرقان کی خوش نصیبی ہے کہ اُس کو محترم مولانا کی خصوصی نظر عنایت و التفات حاصل ہے ورنہ اتنے بسیط اور پھر ایسے مقالہ کیلئے جو مختلف کتابوں کی ہزارہا صفحات کی اُلٹ پلٹ کے بغیر نہیں لکھا جا سکتا کون اپنا اتنا وقت قربان کر سکتا ہے فاحسن اللہ الیہ فی الدنیا والآخرۃ کما احسن الینا وجزاہ عنا احسن ما یجزی بہ المحسنین

اسکے بعد چوتھا مقالہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی مدظلہ کا ہے جس میں آپنے حضرت شاہ صاحب کی "حکمت" کا تعارف کرایا ہے اور قرآن، حدیث، فقہ، اور تصوف سے متعلق علوم میں شاہ صاحب نے جو تجدید فرمائی ہے اور ان ابواب میں آپکے جو خاص افکار ہیں ان کو مولانا نے اپنی تحقیق کے مطابق اس مقالہ میں پورے طور پہ پیش فرمایا ہے ـــ میں یہاں صفائی کے ساتھ یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مولانا ممدوح جب ہندوستان واپس آئے تو کچھ عرصہ بعد دیکھے چند چیزیں آپکی طرف ایسی پہونچیں جنکی وجہ سے خود مجھے مولانا کی علمی یا سیاسی حیثیت کے متعلق کچھ زیادہ حسن ظن نہیں ہے اس کے باوجود چونکہ عہد حاضر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ کے مولانا ہی سب سے بڑے علمبردار اور داعی ہیں اس لئے میں نے ولی اللہ نمبر کیلئے آپسے مقالہ کی درخواست کی تاکہ ہم جیسے لوگوں کو بھی معلوم ہو سکے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے جس فلسفہ کی طرف وہ دنیا کو دعوت دے رہے ہیں اُنکی تحقیق میں وہ کیا ہے اور جو پروگرام ایک سیاسی مفکر ہونیکی حیثیت سے وہ ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اُس کو اُس فلسفہ سے کیا ربط ہے۔ میں بیحد ممنون ہوں کہ مولانا نے میری پہلی ہی درخواست پر یہ مقالہ بطور املاء قلمبند کرا کے مرحمت فرما دیا۔ اس مقالہ کو کئی دفعہ مطالعہ کر کے بعض جگہ اختلاف رائے کے باوجود مجھے مولانا کی علمی حیثیت کا کافی حد تک قائل ہو جانا پڑا۔ یہ مقالہ مجھے مئی سنہ ۱۹۴۰ء میں مل گیا تھا جولائی میں یکلخت میں بستر علالت پر پڑ گیا اور دو تین مہینے پڑے پڑے کتابیں دیکھنے کے سوا کوئی کام نہ کر سکا اس عرصہ میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی کتابیں ہی میرے زیر مطالعہ رہیں اور یہ مطالعہ جتنا بڑھتا گیا حضرت مولانا سندھی کے اس مقالہ سے میرا اختلاف بھی اسی نسبت سے کم ہوتا گیا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مقالہ کے بعض مقامات کا صحیح مطلب میں شاہ صاحب کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی سمجھ سکا۔ پھر بھی چند مقامات ایسے رہے جہاں مولانا کی فکر سے میں متفق نہ ہو سکا ـــ یہاں تک کہ خاکسار ... آخری اور ... کے پہلے ہفتہ میں اس نمبر کی تیاری کے سلسلہ میں مجھے "بارہ چودہ" دن دہلی رہنا پڑا اس عرصہ میں چند طویل صحبتیں

مولانا کے افکار و نظریات کو خود مولانا ہی کی زبان سے پوری تفصیل سے سننے کا موقع ملا تو اپنے خیالات میں مجھے بہت کچھ ترمیم کرنی پڑی اور مقالہ کے بعض مقامات اس بالمشافہ گفتگو کے بعد سمجھ میں آئے، اور مستقل فیصلہ کن تھا کہ مولانا جو کچھ فرماتے ہیں، بالخصوص جس سیاسی پالیسی کی طرف مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں، اس کی غایت و حقیقت خود مولانا سے سننے کے بعد آخری رائے قائم کرنی چاہیئے (حضرت مولانا معاف فرمائیں) اس باب میں اُن کا طرز عمل قاسمیہ مشائخ کے طریق سے بہت ملتا جلتا ہے، وہ بہت سی ایسی باتیں فرماتے ہیں جن سے خواہ مخواہ ہم جیسوں کو بھی وحشت بلکہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اور جب اس کی حقیقت بیان فرماتے ہیں تو وہ اکثر و بیشتر تو قابل قبول ہوتی ہے ورنہ قابل برداخت تو ہوتی ہی ہے۔ وہ اپنی تعبیرات میں کسی ایک طبقہ کی سہولت کا اتنا لحاظ فرماتے ہیں کہ دوسرے طبقوں کی وحشت اور ان کے تنافر سے بالکل ہی صرف نظر فرما لیتے ہیں۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا مولانا نے نہایت گہرا مطالعہ فرمایا ہے اور وقت کے خاص مسائل کو ان کی روشنی میں حل کرنا مولانا کا خاص فن ہے مولانا خود چاہتے ہیں کہ اُن کے اس مطالعہ اور پچاس سالہ تجربات سے ذی استعداد اور صاحب واقفیت علماء فائدہ حاصل کریں اور اس کی بہترین صورت کم از کم چھ مہینے دو مہینے ان کے پاس قیام کرنا ہے۔ دہلی میں "یادگار شیخ الہند" کے قیام سے اُن کا اصل منشا یہی ہے۔

مولانا کے مزاج میں اپنے خیالات کے بارہ میں ایک خاص قسم کا غیر معمولی تشدد ہے، استفادہ کا ارادہ رکھنے والے رائے کے اختلاف کے باوجود اگر وہ چار دن بھی اس کو برداشت کر سکے (اور برداشت کرنا چاہیئے) تو وہ اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے بھی مولانا سے بہت کچھ حاصل کر سکیں گے ـــــ نیز مولانا کے افکار و خیالات میں کہیں کہیں بے نظمی اور ناہمواری بھی محسوس ہوگی جو نتیجہ ہے غالباً خاص قسم کے حالات کا لیکن صاف اور سلجھی ہوئی ذہنیت رکھنے والا شخص مولانا سے مسلسل استفادہ کے بعد ان افکار کو مرتب کر کے ایک منظم پروگرام اور واضح پالیسی مرتب کر سکے گا۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اپنے ذاتی تجربہ کے بعد لکھا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

مولانا کے "مقالہ" کے متعلق چند ضروری نوٹ اس کے شروع میں بھی لکھ دیئے گئے ہیں وہ وہاں ملاحظہ فرما لیے جائیں۔

یہاں دو باتیں مولانا کی زبانی ہدایت کے مطابق خود مولانا ہی کی طرف سے اور عرض کرنی ہیں:-

مولانا کا ارشاد ہے کہ جن دیانت دار اہل علم کو میرے مضمون کے کسی حصہ سے اختلاف ہو وہ مجھ سے مل کر سمجھنے کی کوشش کریں فقد تحریر بازی کے چکر میں نہ پڑیں میں اس قسم کی کسی چیز کا جواب تحریر سے نہیں دوں گا۔ نیز مولانا کا اعلان ہے کہ جو بات میں ایسی کہوں جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ اور اُن کے مستفیضین تا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے یہاں نہ دکھا سکوں میں اس کو ہر وقت واپس لینے پر تیار ہوں، میں ان اکابر کے علوم سے باہر نہیں جاتا اگر فرق ہوتا ہے تو صرف تعبیر کا۔ (انتہی بلفظہ)

حضرت مولانا سندھی کے بعد پانچواں مقالہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا ہے، اور جیسا کہ اس کے ابتدائی سطور میں تصریح بھی فرما دی گئی ہے وہ انتہائی عدیم الفرصتی کی حالت میں صرف میری درخواست بلکہ میرے اصرار پر لکھا گیا ہے اسی لیے مختصر ہے لیکن اس کے باوجود افادہ کے لحاظ سے مختصر نہیں ہے، میں سید صاحب مدظلہ کا بیحد ممنون ہوں کہ ایسے وقت میں جبکہ ممدوح کو کم سے کم فرصت بھی نہ تھی میری درخواست کو

روانہ فرمایا، اور مجھے امید ہے کہ حضرت شاہ صاحب پر جو کچھ اور جس تفصیل سے لکھنے کو خود آپکا جی چاہتا تھا انشاءاللہ کسی فرصت میں وہ بھی آپ لکھ کر عنایت فرمائیں گے۔ واللہ الموفق!

سید صاحب مدظلہ کے اس مقالہ کے بعد ہمارے محترم دوست اور علمی بھائی مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم اے وفاضل دیوبند کا مقالہ ہے جس میں آج کل کی ایک عام غلطی پر تنبیہ کرتے ہوئے آپ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ شاہ صاحبؒ کا اصل مقام "ایک صاحب عزیمت مجدد دین وقت" کا ہے نہ کہ ایک اصطلاحی "انقلابی" کا اگر یہ مقالہ اس نمبر میں نہ ہوتا تو یقیناً ایک بڑی کمی رہ جاتی۔

اس کے بعد ہمارے محترم اور مخلص ترین دوست مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کا مقالہ ہے جس میں اسلام کی تجدیدی تاریخ پر ایک بصیرت افروز تبصرہ کے بعد اسلامی مصنفین کی صف میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام دکھلایا گیا ہے —— موصوف اس مقالہ کو اس سے بہت زیادہ بسط و تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے تھے لیکن ٹھیک اس وقت جبکہ آپ نے اس کے لکھنے کے لیئے قلم اٹھایا یکلخت علیل ہوگئے اور اسی حالت میں میرے تقاضوں سے مجبور ہو کر یہ مضمون لکھا جو ان کے نزدیک بہت مختصر اور ناکافی ہے لیکن دوسروں کی نظر میں انشاءاللہ کافی ہی ہوگا اور فی الحقیقت بھی وہ کافی ہی ہے۔

اس کے بعد مولانا اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ کا مقالہ ہے جس میں آپ نے بتلایا ہے کہ ہندستانی علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو امتیازی شان اور ایک خاص رنگ نظر آتا ہے تو اس میں خود ان کی ذاتی صلاحیتوں اور جہادی بصیرتوں کے علاوہ اس کا بھی اثر ہے کہ موصوف کو علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملا، اور انھوں نے آپ پر اپنا خاص اثر ڈالا، یہ مضمون بصورت موجودہ اگرچہ مختصر ہے لیکن شاہ صاحب اور امام ابن تیمیہ کی کتابوں کے وسیع اور عمیق مطالعہ کے بعد اس کو بہت زیادہ پھیلایا جاسکتا ہے نیز اس باریک فرق کو بھی معلوم کیا جاسکتا ہے جو اس استفادہ کے باوجود شاہ صاحب اور علامہ موصوف کے نظریات میں ہے کہ علامہ کے یہاں "ظہر" کا غلبہ ہے اور شاہ صاحب کے یہاں "بطن" بھی اپنی پوری تجلیوں کے ساتھ موجود ہے۔

اس کے بعد مولانا ابوالنظر رضوی امروہوی کا مقالہ ہے، موصوف بھی ان اہل علم و نظر میں سے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی کتابوں سے خاص اعتناء اور اشتغال رکھتے ہیں۔ آپ نے اس نمبر کے لیے دراصل ایک اور مقالہ لکھا تھا جو قریباً ۳۰-۳۲ صفحات کا تھا لیکن اس میں چند بحثیں بہت غامض تھیں اور بعض باتیں ایسی بھی تھیں جو قطع نظر اختلاف و اتفاق سے میرے خیال سے وہ عام اسٹیج پر لانے ہی کی نہ تھیں اور عام طبقہ میں ان سے بہت سی غلط فہمیوں کا اندیشہ تھا اس لیئے میں نے موصوف سے اس پر نظر ثانی اور ترمیم کی درخواست کی مولانا نے اس کے بجائے یہ دوسرا مستقل مقالہ سپرد قلم فرماکر روانہ فرما دیا اور اس کو واپس منگوا لیا، مجھے اس پہلے مقالہ کے شائع نہ ہوسکنے پر خود افسوس ہے لیکن اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔ اب مولانا کا جو مقالہ شائع ہو رہا ہے یہ بہت مختصر ہے اور جیسا کہ موصوف نے اپنے گرامی نامہ میں لکھا تھا میرے خط کے پہونچنے پر اسی مجلس میں قلم برداشتہ لکھ دیا ہے، مولانا کی اس مکرر عنایت کا تہ دل سے شکرگزار ہوں۔

اس کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری اور محترمی مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے دو مقالے ہیں جن میں "تقلید" اور "حنفیت" کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کے طرز عمل اور تحقیق سے بحث کی گئی ہے۔ ناچیز راقم سطور کی اس باب میں جو رائے ہے وہ اپنے مختصر مضمون میں ظاہر کر دی گئی ہے جو ان مقالوں کے بعد متصلاً ہی درج ہے اور اسی پر مضامین کا یہ سلسلہ ختم ہے۔

پہلا اصل مقالہ در حقیقت میں نے اس نمبر کے لیے جو مقالہ قریباً آٹھ دس مہینے کے مطالعہ اور محنت کے بعد شاہ صاحب رح کے سوانح و علمی خدمات اور آپ کی مساعی تجدید و ارشاد پر پورے بسط و تفصیل سے لکھا تھا اور جو اس نمبر کے قریباً ڈیڑھ سو صفحات میں سماتا، نمبر کی ضخامت اندازہ سے بڑھ جانے، اور اس سے زیادہ ضخامت کا انتظام نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کو روک لینا پڑا۔ دوسرے حضرات سے جو مقالات حاصل کیے گئے تھے ان میں سے کسی کا روکنا میں نے اخلاقاً ایمانداری نہ سمجھا نیز میں نے اپنے مقالہ کو کسی دوسرے مقالہ پر ترجیح کے قابل بھی نہیں سمجھا اس لیے اسی کو روک لیا، لیکن اب اس اتفاقی مجبوری میں ایک خیر کی صورت بھی پیدا ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ اس نمبر میں حضرت شاہ صاحب اور آپ کے علوم و خدمات کے تعارف کے سلسلہ میں بہت کچھ بلکہ سب کچھ آ جانے کے باوجود آپ کے ان علوم کا حصہ کم آ سکا جس کی آج اسلامی دنیا کو شدید احتیاج ہے میں نے اپنے اصل مقالہ میں قریباً سو صفحات پر آپ کی صرف اس قسم کی تعلیمات کے اقتباسات لیے تھے لیکن چونکہ اس کی تیاری کے وقت صفحات کی محدود وسعت سامنے رکھ لی گئی تھی اس لیے بہت سے مسائل میں پھر بھی اختصار سے کام لینا پڑا تھا اب جبکہ ایک اتفاقی مجبوری سے وہ مقالہ اشاعت سے رہ گیا تو اس کو اب ازسرِنو پھر سے ترتیب دینے کا ارادہ ہے اس طرح کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو مباحث اس "نمبر" میں کافی تفصیل سے آ گئے ہیں ان کو تو اس سے بالکل ہی نکال دیا جائے اور جو مضامین اس میں نہیں آ سکے یا ناکافی درجہ میں آ سکے ہیں ان کو پورے شرح و بسط کے ساتھ لکھا جائے، بالخصوص تفسیر قرآن، شرح حدیث، تنقیح فقہ، تنقید تصوف، مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی اعتقادی و عملی اصلاح، فلسفۂ تشریع احکام کے نظریۂ سیاسی اور نظام خلافت و امارت کی تشریح، اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر اقتصادیات کی تنظیم غرض ان تمام اہم مباحث پر حضرت شاہ صاحب نے اپنی تصانیف کے ہزارہا صفحات میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے، ارادہ ہے کہ اختصار کی کسی کوشش کے بغیر اس کے پورے پورے اقتباسات لیکر اس مقالہ کو ایک مستقل کتاب کر دیا جائے اور "الفرقان" کے دوسرے "شاہ ولی اللہ نمبر" کی حیثیت سے اس کو شائع کر دیا جائے۔ اب یہی طے کر لیا گیا ہے

ولی اللہ نمبر کی نظمیں:

اس نمبر کے مقالات کا مختصر تعارف آپ سے کرایا جا چکا۔ ان مقالات کے علاوہ اس میں چند نظمیں بھی ہیں! ایک غیر شاعر جو شعر کے محاسن کو جانتا بھی نہ ہو اور جس نے عمر بھر میں سلیقہ کا ایک مصرعہ بھی موزوں نہ کیا ہو وہ نظموں کے متعلق اظہار خیال کیا اور کیونکر کرے —— اس فن سے اس کی اجنبیت ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ شعر کی دنیا کے مشاہیر سے بھی اس کو کوئی نیاز حاصل نہیں، جن چند حضرات کا منظوم کلام آپ اس نمبر میں پائیں گے ان سے اس نمبر کے مرتب (راقم سطور) کا تعلق شناسائی صرف اس لیے ہے کہ یہ حضرات شاعر ہونے کے ساتھ اس زمانہ کے اچھے مسلمان بھی ہیں اور ہم جیسوں کے ساتھ بس یہی رشتہ کسی کو ملا دیتا ہے —— بہرحال جیسا کہ عرض کیا گیا میں چونکہ فن شعر سے نابلد ہوں اس لیے رائے دینے کا بھی حق نہیں رکھتا آپ خود ملاحظہ فرمائیں اور رائے قائم کرتے رہیں میرا فرض بس ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی عنایت اور توجہ نے نمبر کی اس کمی کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہتر جزا دے۔

میرے برادر معظم مولانا محمد حسن صاحب بدر (فاضل دیوبند) کو حق تعالیٰ نے "تخریج تاریخ" کا خاص ملکہ عنایت فرمایا ہے جس سے ناظرین الفرقان ناواقف نہیں ہیں —— آپ کی صحت چونکہ عرصہ سے اچھی نہیں رہتی اس لیے اس سال "ولی اللہ نمبر" کی تاریخ کہنے میں نے

ورنہ بھی نہیں کیا تھا مگر آپ نے اب سے کئی مہینے پہلے خود ہی وہ "تاریخیں" نکال کر بھیجدیں جو اس نمبر کے سب سے آخری صفحہ پہ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائینگے لیکن وہ سب ۱۳۵۰ھ اور ۱۳۵۱ھ کے حساب سے تھیں اور اس وقت اشاعت کے متعلق یہی اندازہ اور یہی اعلان بھی تھا اب جبکہ آپ نے دیکھا کہ وہ دونوں گزر گئے تو خود ہی ۱۳۵۲ھ اور ۱۳۵۳ھ کی چند تاریخیں بھی نکال کر بھیجدیں جو ناظرین کرام ص۔۔۔ پر ملاحظہ فرمائینگے

ہاں بڑی ناسپاسی ہوگی اگر یہاں اُن حضرات کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جن کی مدد سے وہ چند فوٹو حاصل ہوئے جو اس نمبر میں ص۔۔۔ اور ص۔۔۔ کے درمیان آپ ملاحظہ فرمائینگے پہلا فوٹو حضرت شاہ ولی اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز شاہ عبدالرحیم رح کے مزارات کا ہے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ مدظلہ کے صاحبزادہ مولانا حفیظ الرحمٰن اور ان کے برادر خورد خلیل الرحمٰن صاحب کی دوڑ دھوپ کا نتیجہ ہے۔

دوسرا فوٹو اکبرآبادی مسجد کا ہے جو آثار الصنادید کے مطبوعہ نسخہ سے لیا گیا ہے اور اس کے لیے میں مولوی عبدالمجید صاحب مالک کتب خانہ رشیدیہ دہلی کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اپنے نسخہ سے یہ فوٹو حاصل کرنے کی اجازت دی۔ تیسرا فوٹو حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا پٹنہ کے کتب خانہ سے محترمی مولنا مسعود عالم صاحب ندوی نے اور چوتھا فوٹو دیوبند کے کتب خانہ سے مولوی سید محبوب صاحب رضوی نے اپنے ہی اہتمام سے تیار کرکے بھیجا ہے اللہ تعالےٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے۔

میری مثال۔

اب یہ نمبر جس حالت میں آپ کے سامنے پیش ہو رہا ہے ترتیب اور انتظام اشاعت یا چند مختصر نوٹوں کے سوا میری کوئی خاص محنت اس میں شریک نہیں ہے آخر میں ایک مختصر سا مضمون صرف ۲ صفحے کا ضرور میرا لکھا ہوا ہے لیکن جیسا کہ میں نے خود اس کے تمہیدی نوٹ میں عرض کر دیا ہے اس کی حیثیت "انگلی کٹوا کے شہید" وں میں نام لکھوانے "سے زیادہ کچھ نہیں ہے ـــــ پس میری مثال اس وقت اُس مالی کی سی ہے جو مختلف باغوں اور مختلف درختوں کے پھول چُن لایا ہے اور ایک خاص ترتیب سے سجا کر گلدستہ کی شکل میں ان کو پیش کر دیتا ہے جس طرح اس گلدستہ کے رنگ و بو میں اُس کی صناعی کو کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی طرح اس نمبر کی خوبیوں میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے اسلیے آپ کی بھی تحسین اور شکریہ کے مستحق فی الحقیقت صرف وہ حضرات ہیں جن کی محنتوں نے اس کو اتنا مکمل کیا ہے ـــ اور میں بھی انہی کا شکرگزار ہوں اور کھلے دل سے معترف ہوں کہ

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح! تری مہربانی

میری آرزو اور حضرات اہل علم سے ایک خاص التجا:۔

کاش میرے پاس وافر سرمایہ ہوتا تو میری آرزو تھی کہ اس نمبر کے ہزاروں نسخے بلا قیمت اُن علماء اور مدارس عربیہ کے اُن طلبہ تک پہنچا سکتا جو اپنی بے مقدوری یا "بے نیازی" کے باعث اس کو حاصل نہیں کر سکیں گے یا حاصل نہیں کریں گے لیکن افسوس کہ مالی حیثیت سے "الفرقان" کی بے سروسامانی میں اس آرزو کیلئے کوئی گنجایش نہیں۔

گونڈل کاٹھیاواڑ کے ایک مخلص صاحب خیر دوست نے اس مد میں پچیس روپیہ ملے اور دہلی کے ایک صاحب خیر بزرگ کے پندرہ

سے بہرہ ور (الفرقان) کو وصول ہونے ہیں چنانچہ ان دونوں رقموں سے تیس اہل علم حضرات کی خدمت میں یہ نمبر مفت بھیجا جائے گا۔ اپنی بے سروسامانی کے باوجود ان حضرات کو دفتر الفرقان کی جانب سے بھی پیش کیا جائے گا ـــــ اس کے علاوہ علمائے کرام سے گزارش ہو کہ جو حضرات اس کو تیناً یا کہیں سے عاریتاً ہی حاصل فرما سکتے ہوں تو حاصل فرماکر ملاحظہ فرمائیں انشاءاللہ وہ ایک رسالہ پڑھنے کے باوجود اس کے ملاحظہ کے بعد محسوس کریں گے کہ وقت کا ایسا بہترین مصرف فرمائیں ـــــ

پھر یہ ضروری نہیں کہ اس میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہو اُس سے آپ کو اتفاق ہی ہو کتاب اللہ کے بعد جمہور اہل علم کے نزدیک صحیح بخاری کا درجہ ہو لیکن اُس میں بھی کتنے ہی ایسے مواقع ہیں کہ آپ حضرات اپنے درس میں وہاں امام بخاری کی رائے اور ان کے اجتہاد سے اختلاف کرتے ہیں اور اُن کی روایت کی ہوئی بعض احادیث پر تنقید بھی کرتے ہیں، تو اس مجموعہ میں بھی لامحالہ ایسی بہت سی چیزیں ہونگی جن سے بہت سے حضرات کو اتفاق نہ ہوگا بالخصوص حضرت مولانا سندھی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مقالات میں ایسی متعدد چیزیں نظر آئیں گی۔ لیکن ایسے مواقع پر ناراض ہو کر نمبر کو ہاتھ سے رکھ نہ دیجئے بلکہ ایک خدا ترس عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس پر غور فرمائیے کہ لکھنے والے نے جو لکھا ہے اس سے آپ کا اختلاف کس بنیاد پر ہو؟ آیا وہ کسی "آیت محکمہ" کے خلاف ہے یا "سنت ثابتہ" کے یا "اجماع معتبرہ" کے۔ اگر ان تینوں میں سے کسی ایک کے بھی خلاف ہے تو مردود و قابل رد ہی بلکہ واجب الرد ـــــ اور اگر آپ کا اختلاف صرف اس بنیاد پر ہو کہ وہ آپ کی یا آپ کے اکابر و اساتذہ کی تحقیق کے یا بعض ممتاز علمی حلقوں کے "خیال عام" کے خلاف ہے تو اگرچہ اس صورت میں بھی آپ کو اس سے اختلاف کا پورا حق ہے لیکن صرف اتنی وجہ سے مضمون یا صاحب مضمون کو "مردود" نہ کہہ دیجئے ضروری نہیں بلکہ غیر اصولی چیزوں میں بھی ہر شخص کا زاویہ نظر وہی ہو جو آپ کا ہو،

مجھے صرف اُن حضرات سے یہ گزارش کرنے کی ضرورت ہے جنھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ کی کتابوں سے استفادہ نہیں کیا ہے ورنہ جن حضرات نے "حجۃ اللہ البالغہ" کا دیباچہ بھی دیکھا ہوگا ان کو معلوم ہوگا کہ حضرت ممدوح نے اپنی تحقیقات پیش کرنے سے پہلے اپنے اہل عصر کے سامنے یہی اصول لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

وانا بریٔ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من کتاب اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او اجماع القرون المشہود لہا بالخیر او ما اختارہ جمہور المجتہدین ومعظم سواد المسلمین فان وقع شیٔ من ذالک فانہ خطأ رحم اللہ تعالیٰ من ایقظنا من سنتنا او نبہنا من غفلتنا۔ اما ہؤلاء الباحثون بالتخریج والاستنباط من کلام الاوائل المنتحلون مذہب المناظرۃ والمجادلۃ فلا یجب علینا ان نوافقہم فی

جو بات کتاب اللہ کی کسی آیت، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قائمہ، یا قرون مشہود لہا بالخیر کے اجماع یا جمہور مجتہدین اور معظم سواد مسلمین کے مسلک مختار کے خلاف ہو میں اس سے بری اور بیزار ہوں، پس اگر ایسی کوئی بات نکلی تو یقیناً وہ خطا اور چوک کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر جو ہم کو خبردار اور غفلت سے متنبہ کرے ـــــ لیکن یہ بعد کے مصنفین جن کا کام ائمہ متقدمین کے کلام سے تخریج اور استنباط ہے اور "بحث و مجادلہ" جن کا شیوہ ہے ضروری نہیں ہے کہ اُن کی تمام باتوں سے ہم اتفاق ہی کریں ـــ وہ بھی انسان ہیں

كل ما يتفوهون به ونحن رجال وهم رجال الامر بيننا وبينهم سجال (حجۃ اللہ البالغہ ص۹)

اور ہم بھی انسان، وہ ہمارا اُن کا معاملہ تقریباً برابر سرابر ہی ہے

نیز ان سطروں سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ نے "اہل السنۃ" کی تحقیق میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے ضروری ہے کہ مسائل اور تحقیقات کے اختلاف کی بنیاد پر کسی کو مقبول یا مردود ٹھیراتے ہوئے ہماری نظر اس پر بھی رہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اہل سنت ہونے کا مدار صرف اُن مسائل پر ہے جن کا ذکر کتاب اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مستفیضہ میں صراحۃً آگیا ہے اور صحابہ و تابعین کا جن پر عقیدہ رہا ہے۔ ان مسائل کو اسی طرح جوں کا توں ماننا اہل سنت ہونے کیلئے بیشک ضروری ہے جیسے کہ عذاب قبر، وزن اعمال، مرور علی الصراط، اور رویت باری تعالیٰ وغیرہ لیکن جن مسائل کا ذکر قرآن و حدیث میں صراحۃً نہیں آیا اور نہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر کبھی کلام کیا اور قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد ہی اہل علم نے بضرورت ان سے بحث کی اور ان کے بارہ میں رائیں مختلف ہوئیں جیسے کہ صفات الٰہیہ کے تفصیلی مباحث اور ابطال ہیولیٰ و اثبات اجزاء لاتتجزیٰ کی بحثیں یا جیسے کہ تفضیلت انبیاء بر ملائکہ کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ، تو اس قسم کے مسائل میں کسی ایک گروہ کے مسلک کا پابند ہونا اہل السنت ہونے کیلئے ضروری نہیں ہے۔ اور اس قسم کے مسائل میں کسی خاص مسلک کی پابندی کی وجہ سے کسی گروہ کو "اہل السنت" اور اس سے اختلاف رکھنے والوں کو "غیر اہل السنۃ" نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اصل سنت تو ان مسائل میں بحث نہ کرنا ہے جس طرح کہ صحابہ کا طرز عمل رہا۔ اور پھر جب بعد میں ان مسائل پر کلام کرنا ناگزیر ہو گیا تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی ایک گروہ نے ان مباحث میں جو کچھ سوچا اور کہا وہ سب صحیح ہی ہو اور دوسروں نے جو کچھ سمجھا وہ سب غلط ہی ہو"۔

اس کے بعد شاہ صاحب رحمہ فرماتے ہیں :-

وما ذكرنا من ان كون الانسان سنياً معتبرٌ بالقسم الاول دون الثاني ترى علماء السنة يختلفون فيما بينهم في كثير من الثاني كالاشاعرة والماتريدية وترى الحذاق من العلماء في كل قرن لا يتحجزون من كل دقيقة لا تخالفها السنة وان لم يقل بها المتقدمون، حجۃ اللہ البالغہ ص۹

اور اسی وجہ سے کہ اہل سنت ہونے کا مدار صرف قسم اوّل کے مسائل پر ہے نہ دوسری قسم کے مسائل میں کسی خاص مسلک کی پابندی پر) تم دیکھو گے کہ خود علماء سنت قسم ثانی کے بہت سے مسائل میں مختلف الرائے ہیں چنانچہ اشاعرہ و ماتریدیہ کے اختلافات اسی قبیل سے ہیں۔ اور نیز تم دیکھو گے کہ کسی زمانہ میں بھی علماء ماہرین ایسے دقائق کے بیان سے باز نہیں رہے جو فی نفسہ "سنت" کے خلاف نہ ہوں اگرچہ متقدمین اُن کے قائل نہ ہوئے ہوں،

الغرض اس نمبر کے کسی مقالہ کے کسی مضمون میں اگر آپ کو کوئی ندرت اور غرابت معلوم ہو تو اعتدال اور توازن کو

بالتفسیر نہ دیکھئے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی ان تحقیقات کی روشنی میں ردّ و قبول کا فیصلہ کیجئے ——— اس طرح انشاء اللہ آپ بہت سی غلطیوں اور بے اعتدالیوں سے بچ جائیں گے اور جو رائے بھی آپ قائم کریں گے وہ بصیرت اور عدل کی رائے ہوگی۔

نیز اس نمبر ہی کے بعض مقالات کا بعض دوسرے مقالات سے تصادم اور تدافع بھی کہیں کہیں آپ کو محسوس ہوگا۔ اور جب مختلف نقطہ ہائے نگاہ رکھنے والے ایک موضوع پر اظہار خیال کریں تو ایسا اختلاف یا تدافع ناگزیر ہی ہے لیکن جن خوش نصیبوں کو شاہ صاحب کی حکمت سے کچھ حصہ ملا ہو ان کی نظروں میں ایسے اختلافات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی ——— امام ابن تیمیہ و حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ اکبر ابن عربی کے خیالات اور تحقیقات میں بظاہر کیسا تدافع اور کس قدر بُعد ہے لیکن شاہ صاحب کی نظر میں یہ اختلاف کچھ مضمحل اور غیر اساسی ہے اسی لئے وہ ان تینوں بزرگوں کو قبول کرتے ہیں بلکہ اُن کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔

اپنے ایک مکتوب میں جو امام ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع ہی کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے یہ اصول بیان فرمانے کے بعد کہ "جو علماء کرام کتاب و سنت اور فقہ کے عالم اور ناشر و مبلغ گزرے ہیں اور جنھوں نے طریقہ سلف (عقیدہ اہلسنت) کی حمایت کی خدمت انجام دی ہے ان کو متعلق اچھا ہی عقیدہ رکھنا چاہئے اگرچہ ان کے کلام میں بعض ایسی چیزیں بھی ملتی ہوں جنکو ہم پسند نہ کرتے ہوں بشرطیکہ انکی یہ باتیں نص کتاب و سنت اور اجماع سلف سے مردود نہوں خواہ یہ باتیں باب عقائد میں ہوں یا مباحث فقہیہ میں یا حقائق وجدانیہ میں" اس اصول کی تحریر کے بعد رقم فرماتے ہیں :-

وعلی هذا الاصل اعتقدنا فی الشیخ الاجل محی الدین محمد بن علی بن العربی وفی الشیخ المجدد احمد بن عبد الاحد السرهندی انهما فی صفوة عباد الله ولم نلتفت الی ما قیل فیهما وکذا الشیخ ابن تیمیه الخ (مکتوبات ص ۲۳)	اور اسی اصول پر شیخ اجل محی الدین محمد بن علی بن العربی اور مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی کی بابت ہمارا اعتقاد ہے کہ یہ دونوں خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے ہیں اور ان پر جو اعتراضات کیئے جاتے ہیں ہم ان کی طرف کوئی التفات نہیں کرتے اور یہی حال ہمارے نزدیک علامہ ابن تیمیہ کا ہے

اور مکتوب مدنی میں شاہ صاحبؒ نے شیخ اکبر کے نظریہ "وحدۃ الوجود" اور امام ربانی کے نظریہ "وحدۃ شہود" میں جہاں تطبیق یا تقریب کی کوشش کی ہے اور علماء اُمت کے خلافیات کے متعلق وہاں جو ایک بصیرت افروز اصولی تقریر فرمائی ہے[1] اس کے ذہن نشین کر لینے کے بعد تو اس قسم کے اختلاف آرا کی اہمیت بہت ہی گھٹ جاتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر مقامات پر تو صرف لفظوں کا پھیر اور تعبیروں کا اختلاف ہی رہ جاتا ہے۔

بہر حال اس نمبر کے بعض مقالات میں جہاں آپ کو اختلاف آرا نظر آئے تو اسکو دو متحارب فریقوں کی لفظی جنگ نہ سمجھا جائے اور علماء کے اختلاف سے زیادہ ان کو کوئی حیثیت نہ دی جائے میں تو جب سے حضرت شاہ صاحبؒ کے ان اصولوں کو اپنا مسلک بنایا ہے الحمد للہ زمانہ ماضی اور زمانہ حال کے علما کے غیر اصولی اختلافات کی اہمیت میری نظر میں بہت گھٹ گئی بلکہ کچھ بھی نہیں رہی، اور اب میں اپنی علمی اور دینی برادری کو پہلے سے بہت زیادہ وسیع پاتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں اللّٰھم زد فزد!! ——— نیز اس نمبر کے کسی مقالہ میں اگر کوئی تاریخی بات ایسی آگئی ہو جس سے کسی فرقہ یا قوم کے جذبات متاثر ہو سکتے ہوں تو اس کے متعلق یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس نمبر کا موضوع تذکرہ اور تاریخ ہے اور مورخ مجبور ہوتا ہے کہ اصل حقیقت کو بلا کم و کاست بیان کرے ورنہ کسی کی دل آزاری ہمارے نزدیک انسانیت کا سخت ترین گناہ ہے اور لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ ہمارے مقدس مذہب کی خاص تاکیدی تعلیم۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

[1] ملاحظہ ہو مکتوبات [illegible]

انشاء اللہ آئندہ سے

"ولی اللّٰہی حکمت" اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت الفرقان کا خاص مشن رہے گا

اپنے اُس مقالہ کے علاوہ جس کو پھر ترتیب دی کر دوسرے **شاہ ولی اللہ نمبر** کی شکل میں پیش کرنے کا ارادہ ہے ــــــ شاہ صاحبؒ کے خاص خاص افادات کو "الفرقان" کے عام پرچوں میں بھی انشاء اللہ پیش کیا جاتا رہیگا، اور حتی الوسع التزام کیا جائیگا کہ "الفرقان" کا کوئی شمارہ آئندہ اس سے خالی نہ رہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اُن خاص مضامین کو جن میں آپ نے اسلام کی "توحید خالص" کو پیش کیا ہے اور امت مسلمہ میں مختلف راہوں سے شرک جن جن شکلوں اور صورتوں میں آ رہا ہے شاہ صاحب نے ایک صاحب عزیمت مجدد وقت کی حیثیت سے اس پر اپنے جن تاثرات کا اظہار فرمایا ہے اور نہایت بے لاگ طریقہ پر خالص فاروقی شان سے جو مدلل اور زبردست تنقید اس پر فرمائی ہے ــــــ

راقم سطور نے ان تمام ولی اللّٰہی افادات و تاثرات کو حجۃ اللہ البالغہ، بدور بازغہ، ازالۃ الخفاء اور تفہیمات الٰہیہ سے جمع کر کے حضرت **شاہ ولی اللہ کا درس توحید** کے عنوان سے ایک مستقل مقالہ اس نمبر کے لیے مرتب کیا تھا وہ بھی عدم گنجایش کی وجہ سے روک لینا پڑا۔ انشاء اللہ ربیع الاول کے پرچہ میں وہ بھی ایک ہی دفعہ بتمامہ شایع کر دیا جائے گا۔ اگر مناسب سمجھا گیا تو شاہ صاحب کا نایاب رسالہ "تحفۃ الموحدین"، جو اسی موضوع پر ہے اور جس کا ذکر ناظرین کرام نمبر ہذا کے صفحہ ۳۰۸ پر میرے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے وہ بھی اس "درس توحید" میں شایع کر دیا جائے گا ــــــ بعض اور مضامین بھی جو اس نمبر ہی کیلئے لکھے گئے تھے اور عدم گنجایش کی وجہ سے اس میں نہ آسکے انشاء اللہ وہ سب الفرقان کے ذریعہ ہدیہ ناظرین ہوں گے۔ واللہ الموفق وھو المستعان!

الفرقان کا دوسرا امتیازی نمبر

انشاء اللہ اسی سنہ ۱۳۶۰ھ میں ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر سکیں گے ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ خدمت اپنی مرضی اور ارادوں کے مطابق لے لے اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے و ما ھو علیہ بعزیز ابھی ضخامت اور قیمت کے متعلق کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ مہینہ کی کوئی تعیین کی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد اگر زندگی رہی اور توفیق الٰہی نے مساعدت کی تو انشاء اللہ آئندہ سال ۱۳۶۱ھ میں امیر المومنین امام المجاہدین حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید (رحمۃ اللہ علیہما) کی یادگار میں ہم اپنے اس سلسلہ کی تیسری کڑی **شہیدین نمبر** پیش کریں گے۔ اس سے پہلے ۱۳۵۴ھ میں بھی الفرقان کا ایک شہید نمبر حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی یادگار میں نکل چکا ہے لیکن اس کی حیثیت کچھ اور تھی اور اس وقت نقطۂ نظر دوسرا تھا اور وہ علمی اور تحقیقی حیثیت سے ناظرین کی خدمت میں ہم ابھی سے دعوت پیش کرتے ہیں۔

ارشادِ گرامی

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند وصدر جمعیت علماء ہند مدظلہ العالی

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس ہستی اُن ممتاز ہستیوں میں سے ہے جن کے وجود باجود سے اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) کو دیگر امم پر امتیاز اور شرف بخشا ہے۔ منبع الفیوض الربانیہ اور قاسم الحکم الالٰہیہ آقائے نامدار حضرت خاتم النبیین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی نسبت رکھنے والے اشخاص جیسی کہ آفتاب سے آئینہ کو ہوتی ہے مرحومہ میں بہت کم نظر آتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب موصوف انھیں میں سے ہیں ان کی علمی تصانیف، اُن کے مضامین عالیہ، اُن کے اعلیٰ پایہ کے تلامیذ، اُن کے سلاسل علوم ظاہریہ اور معارف باطنیہ کا علیٰ مر الدہور جاری ہونا ان کے منتسبین کا تقویٰ اور علم میں بے نظیر ماہر ہونا بتلا رہا ہے کہ یہ مقدس ہستی منظورِ نظرِ الٰہی اور مخلصین عباد اور مجددین اُمت میں خصوصی شان رکھنے والی تھی اور ہے۔ صرف ہندوستان کے مسلمانوں ہی پر ان کی ذات بابرکات سے فیضیاب ہونے کا شرف مخصوص نہیں رہا بلکہ ان کے فیوض سے سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی (شارح قاموس وشارح احیاء العلوم وصاحب عقود الجواہر المنیفہ وغیرہ) حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی ثم المکی حضرت شاہ عبد الغنی صاحب مجددی دہلوی ثم المدنی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات نے ملک عرب، مصر، شام، مغرب اقصےٰ وغیرہ کے مسلمانوں کو بھی بہت بڑی درجے تک مالا مال فرمایا ——— اس ہستی پر اہل ہند جس قدر بھی ناز کریں بجا ہے اور ان کے بحار فیض سے تشنگان معارف جس قدر بھی اپنی پیاس بجھائیں مفید اور کارآمد ہے۔ انھیں کے فیوض غیر متناہیہ ہندوستان اور بیرون ہند کے مسلمانوں کے لیئے آج مشعل ہدایت اور رہنمائی طریقت ہیں۔ دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس دینیۂ ہندوستان انھیں کے انوار کے چراغ ہیں۔ ان کے کمالات متنوعہ کے اظہار کے لیئے دفاتر کی ضرورت ہے "الفرقان" کے ولی اللہ نمبر میں اگرچہ بہت کچھ لکھا گیا ہوگا مگر وہ سب کچھ ان کے بحر کمالات کا غرفہ یعنی چلو یا اس سے بھی کم ہے ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہ العزیز کا ارشاد کہ "مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا کی شکل کف دست سیر کرائی" میں نے اپنے زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا کوئی نہیں دیکھا میری معروضات پر روشنی ڈالتا ہے۔ میں ناظرین نمبر مذکور سے اُمید وار ہوں کہ وہ اس کو ضرور پڑھیں گے اور اس برگزیدہ امت محمدیہ کی محبت وتوقیر سے اپنے دین اور دنیا کو درست کرینگے۔ واللّٰہ الموفق!

(دستخط بقلم خود)

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۵ ذی قعدہ ۵۹ھ

ہندوستان میں قرآن فہمی کا چرچا اور حضرت شاہ ولی اللہ

مکتوب گرامی مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی بی۔ اے مدیر صدق لکھنؤ

[مولانا مد ظلہ سے بھی "ولی اللہ نمبر" کیلئے مقالہ کی درخواست کی گئی تھی اور موصوف نے آمادگی کا کچھ اظہار بھی فرمایا تھا لیکن وہ ارادہ پورا نہ ہو سکا اس کی معذرت کے سلسلہ میں محترم مولانا کا جو گرامی نامہ صادر ہوا تھا وہ بجنسہ ہدیہ ناظرین ہے ——— "مدیر"]

مخدوم و مکرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کے سجائے ہوئے دربار ولی اللہی میں حاضری آپ کے لیے باعث مسرت و شکر گذاری ہو یا نہ ہو بہرحال میری لیے دلیل سعادت و خوش نصیبی تھی ؎

لوح خورشید مداح خود است　　کیں دو چشم روشن و نا مدماست

اور کیا عرض کروں کہ اس سعادت سے محرومی پر دل کیسا خون ہو رہا ہے۔

شاہ صاحب جیسے جامع کمالات پر سرسری نظر ڈالنے کی ہمت تو میں خواب میں بھی نہیں کر سکتا تھا لے دے کے ان کی خدمات قرآن پر کچھ لکھنے کی ہمت کر رہا تھا۔ اس کا جز و اعظم شاہ صاحب کا فارسی ترجمۃ القرآن مع حاشیہ فتح الرحمن تھا اتفاق۔ سے وہی دستیاب نہ ہوا۔ اس کا ایک قدیم نسخہ میرے پاس موجود ضرور ہے بچپن میں بارہا پڑھا ہو لیکن اب وہ محض تبرک ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کام ہی کا نہیں کہ اس سے کام لیا جا سکے۔ کیا عرض کیا جائے کہ آپ کے ارشاد کی عدم تعمیل سے دل کیسا تڑپ تڑپ کر رہا!

ہندوستان میں یہ قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے اور یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شایع ہو چکے ہیں شایع ہو رہے ہیں یا آئندہ شایع ہوں گے۔ ان سب کے اجر کا جزو عظیم یقیناً حضرت شاہ صاحبؒ کے حسنات میں لکھا جائے گا یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے ہیں۔ اگر اس کی ابتدا آپ اپنے مبارک ہاتھوں سے نہ کر جاتے تو نہ شاہ رفیع الدینؒ کا اردو ترجمہ وجود میں آتا، نہ شاہ عبدالقادرؒ کا، اور متاخرین کا تو ذکر ہی کیا، جو شخص اُمت کی بے شمار نسلوں کے لیے اتنی بڑی رحمت کا دروازہ کھول گیا اُس کے اجر بے حساب کا حساب اور مزدِ بے نہایت کا اندازہ ہی کون کر سکتا ہے! ——— جسے تصنیف و تالیف و ترجمہ کا ادنیٰ سا تجربہ بھی ہے وہ جانتا ہے کہ ایک موجود نمونہ کو ترقی دینے، اُسے بڑھانے چڑھانے، اُس میں گل بوٹے پیدا کرنے اور خود ایک نمونہ قایم کرنے کے درمیان کیسا زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے ——— شاہ صاحب کا ترجمہ بالفرض بالکل ناقص ہوتا جب بھی فضل تقدم و شرف اولیت کے لحاظ کے بے مثال ہوتا۔ چہ جائیکہ جب صحت و تحقیق کے لحاظ سے بھی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر ہو، اور فتح الرحمن کو وہ جچے تلے چھوٹے چھوٹے اشارے اور حاشیہ ایجاز و جامعیت میں اپنی نظیر آپ

حالات نے مساعدت کی ہوتی تو ایک مستقل مقالہ شاہ صاحب کے ترجمۃ القرآن کی خصوصیات پر ناظرین الفرقان کی نذر کیا جاتا۔ اولاد صلبی نے جو کچھ خدمت قرآن کی کی وہ تو ظاہر ہی ہے۔ باقی اُس وقت سے اب تک بڑے چھوٹے جتنے بھی خادمانِ قرآن پیدا ہو چکے ہیں یہ سب اگر حضرت کی اولاد معنوی نہیں تو اور کیا ہیں ؟

فقیر عبدالماجد عفی عنہ

پیامِ ولی اللہ

"تمسک بالقرآن"

(از)

جناب مولوی سید انیس الدین احمد صاحب رضوی امروہوی ایم۔اے آنرز (علیگ)

زمانہ آیا کہ زندگی کا شباب پھر رنگ لا رہا ہے
پیامِ "الخلوت" کان میں کوئی چپکے چپکے سنا رہا ہے

عروسِ قسمت کے سر سے آخر سیاہ چادر اتر رہی ہے
نقابِ ظلمت سرک رہا ہے جبیں کی بندی نکھر رہی ہے

طلسمِ عشق و وفا نے دل کو پھر اپنا آماجگہ بنایا
فسردہ جو ہو چکا تھا پودا اب اس نے پھر اپنا سر اٹھایا

حریمِ حسنِ ازل سے پیہم نزولِ انوار ہو رہا ہے
یہ حال ہے صحنِ دل کا گویا کسی کا دربار ہو رہا ہے

یہ کیسے سجدے تڑپ رہے ہیں کہ کائنات اہتزاز میں ہے
کچھ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جانِ شیریں نماز میں ہے

الٰہی ہو تو نہیں رہی ہے فسانۂ عصرِ نو کی تدوین
کہ ذرہ ذرہ ہے خاکِ دل کا بہار پرور بہار آگیں

عروقِ مُردہ میں کس نے آکر نفخت فیہ من روحی کا صُور پھونکا
یہ برقِ انوار کیا تھی جس نے کہ قلب کا کوہِ طور پھونکا
دِل و جگر میں شرار بن کر یہ کس کا پیغام آرہا ہے
نگاہ میں کون پھر رہا ہے، زباں پہ کیا نام آرہا ہے
سروشِ غیبی کے لعل لب سے سرودِ مستانہ بہہ رہا ہے
وہ روح سے ہم کلام ہو کر دبی زباں میں یہ کہہ رہا ہے
ولی اللہ دہلی کے پاس سے آرہا ہوں ارشادِ ناز لے کر
یہاں سے لوٹوں گا ان کے مستوں سے ہدیہ ہائے نیاز لے کر
وہ کہہ رہے ہیں کہ اے مسلماں ترے مرض کا علاج بھی ہے
دوا جو کل کارگر ہوئی تھی ترے مرض کو وہ آج بھی ہے
قبلۂ آفاقِ گل بہ داماں ترے لیئے ہی ترے لیئے ہے
مگر یہ پہلے سمجھ کہ قرآں ترے لیئے ہے ترے لیئے ہے
ترے لیئے ہے کہ اس کو لے کر نشانِ جہد و عمل نکالے
جو حوصلہ ہو تو موڑ بیکس جبینِ قسمت کے بل نکالے
تجھے کلیدِ عمل ملی ہے کہ بابِ افلاک باز کر لے
کتاب جب تیرے ہاتھ میں ہے تو ہاتھ کو پھر دراز کر لے
اصولِ انسانیت ہے پیارے یقینِ ارشاد حق نما پر
فلیس[1] للمرء فی السماء والارض الا بما سعیٰ پر

[1] ارشادِ باری تعالیٰ "وان لیس للانسان الا ما سعیٰ" کی تشریح ۱۲ منہ

"ہدیۂ نایاب مادۂ ہائے تاریخ"

۱۳۶۰ ہجری

"لالہ ہائے رنگا رنگ از محمد حسن بدر سنبھلی علومی"

۱۳۶۰ ہجری

"الفرقان بریلی کا عنقا ولی اللہ نمبر"

۱۳۶۰ ہجری

"الفرقان کا بلند طبع شاہ ولی اللہ نمبر"

۱۳۶۰ ہجری

گلستانِ "ہدی للناس وبینات من الہدیٰ"

۱۳۶۰ ہجری

نزولِ "ھدی للناس وبینات من الھدیٰ والفرقان"

۱۳۶۰ ہجری

"تواریخ بیش بہا ولی اللہ نمبر"

۱۹۴۱ عیسوی

"کواکب درخشاں از محمد حسن بدر سنبھلی علومی"

۱۹۴۱ عیسوی

"الفرقان کا تحفۂ نادر شاہ ولی اللہ نمبر"

۱۹۴۱ عیسوی

پرتوِ نور "وبیّنات من الھدیٰ والفرقان"

۱۹۴۱ عیسوی

قطعۂ خوشرنگ — از محمد حسن بدر سنبھلی

۱۳۶۰ھ — ۱۸۵

۱۹۴۱ عیسوی

غنچۂ طبع من چو گل بشگفت — دید چوں گلستان "ولی نمبر"
بدر تاریخِ سال طبعش گفت — غنچۂ دلستاں "ولی نمبر"

۱۹۴۱ عیسوی

فقیر محمد حسن بدر سنبھلی فاضل دیوبند

۱۹۴۱ عیسوی

امام ولی اللہ دہلوی سے پہلے اسلامی ہند کی دینی حالت اور تدریجی ارتقاء

(از جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی)

ہندوستان پہلی صدی ہجری ہی میں اسلام کی روشنی سے جگمگا چکا تھا اور یہ سرزمین صحابہ و تابعین کے بابرکت قدموں سے یکسر محروم نہ رہی تھی[1] پر یہ بھی واقعہ ہے کہ اسلام کی پہلی کرنیں سندھ کے ریگستان سے آگے نہ بڑھ سکیں اسی طرح عرب تاجر اور جہازراں، جو مغربی ساحل سے گزر کر سیلون اور جنوبی ہند کے دوسرے جزیروں کا رُخ کرتے تھے، ملک کے اندرونی علاقوں میں کم آئے اور اسی لیے ان کا حلقۂ اثر بعض ساحلی علاقوں (ملیبار اور اس کے آس پاس کے خطے) تک محدود رہا[2]

عرب اور مغل فاتحین کا فرق

اس ملک اور خاص کر شمالی خطہ کی انتہائی بدبختی یہ ہوئی کہ یہ عرب فاتحین کے فیض سے تقریباً محروم رہا اور ان کے بدلے ترکوں، مغلوں کی غیر اسلامی حکومت اس کے حصہ میں آئی، حالت یہ تھی کہ درّہ خیبر سے آنے والے سپاہی اور جرنیل اسلام کی خوبیوں سے بالکل ناواقف تھے، ان کے رگ و پے میں ابھی دین حنیف کی سچائیاں سرایت نہ کر سکی تھیں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہ اسلامی رنگ، جسے آج کل کلچر کہتے ہیں، بالکل نہ رچ سکا تھا یہ اسلام بھی ایسے وقت (تیسری صدی ہجری کے بعد) لائے، جب خود اسلامی مرکزوں (حجاز، عراق، شام) میں انحطاط کا آغاز ہو چکا تھا اور عباسی خلافت ترکوں کے ہاتھ میں کھلونا بن گئی تھی، یہ سپہ سالار اکثر ترک غلام تھے جن کے کان اسلام کے قانون جنگ

---

[1] ہندوستان پر بحری حملے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں شروع ہو گئے تھے (بلاذری، باب فتوح السند) اس لئے یہ خیال کوئی بعید نہیں کہ گجرات کے علاقے جہاں یہ حملے ہوئے، صحابہ کرام کے قدموں سے مشرف ہوئے ہوں،

[2] "ہندوستان میں اسلام کیوں کر پھیلا" اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱) عرب و ہند کے تعلقات (علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ) (۲) "ہندوستان میں اسلام کیونکر پھیلا؟" (علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ معارف ۱۹۳۲ء)

(۳) انتشار الاسلام فی الہند (مسعود عالم ندوی، الضیاء ج ۳ عدد ۲) ، الفتح ج ۱۰ ص ۳۵۱ تا ۳۹۰

(۴) دعوت اسلام (آرنلڈ)

بلکہ یہ تاخت تھے، اِن کی فوج کے سپاہی، مال اور لوٹ کے لالچ میں چلے آئے تھے، ان کے دلوں میں نہ ابو عبیدہؓ کی تڑپ تھی اور نہ ان کے فوجی سرداروں میں عمر فاروقؓ کا ولولۂ جہاد ۔۔۔ درۂ خیبر کی راہ سے سب سے پہلا داخل ہونے والا جرنیل محمود غزنوی تھا اس کی سپاہ کا بھی یہی حال تھا، اکثر تو مسلم تھے یہ کچھ نہیں بلکہ اس کی فوج میں ہندو سپاہی بھی تھے۔[1]

مثل تو محمود کے حملہ کے وقت اسلام [illegible] نہیں لائے تھے، [illegible] البیرونی (۹۹۲-۱۰۱۶ ہجری) کے زمانہ تک ان کا شمار کفار میں تھا، یہی حال اکثر افغانی قبائل کا تھا محمود غزنی کے عہد تک وہ حلقہ بگوش اسلام نہیں ہوئے تھے۔ اہل غور بھی بیشتر چوتھی صدی ہجری میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ تو [illegible] کے اسلام کا حال تھا، اب اسلامی تربیت و زندگی کو لیجئے، ان کی آبادیوں میں محمود غزنوی (۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ ہجری) سے پہلے مدرسوں کا رواج نہ تھا۔ دوسرے ذریعوں سے بھی اسلامی تعلیمات [illegible] تھیں پھر ان سے یہ توقع کیسے ہو سکتی تھی کہ ان کے زیر سایہ ہندوستان میں دین حنیف کی اصلی تعلیم پھیلے گی اور صحیح اسلامی حکومت کے قانون جاری ہوں گے؟ نہ یہ توقع ہو سکتی تھی اور نہ ایسا ہوا، ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض نامور بادشاہ ایک طرف تو غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرتے ہیں اور دوسری جانب ان کے عبادت خانوں کے انہدام سے بھی دریغ نہیں کرتے، یہی نہیں بلکہ ان مسلمان نامی مثل فاتحین میں سے بعض ہندو مسلمانوں دونوں کو یکساں موت کے گھاٹ اُتارنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ تیمور اور نادر کے حالات کچھ ڈھکے چھپے نہیں۔ ابن بطوطہ (ج ۳ ص ۱۷ مطبوعہ مصر) کا بیان ملاحظہ ہو:-

"ہرات کے آس پاس کے رہنے والے بڑے بہادر ہیں، اہل ہند پر برابر دھاوا بولتے ہیں اور بسا اوقات مسلمان عورتوں کو بھی لونڈیاں بنا کر لے آتے ہیں الخ"

BHATNIR کو بچانے کے لیے مسلمان راجپوتوں کے دوش بدوش دل کھول کر صرف لڑے ہی نہیں، بلکہ جب فتح کی امیدیں جاتی رہیں، تو راجپوتوں کی طرح وہ بھی اپنی بیوی بچوں کو تہ تیغ کر کے جان دینے کے لیے میدان میں آگئے۔ STUDIES IN INDIAN HISTORY BY S.N. SEN P 119

ہندوستان میں اسلام کی عام حالت

پس آپ نے دیکھا کہ اس ملک کی قسمت میں، اسلام کے ایسے سپاہی تھے، جو اس کے احکام سے بھی صحیح طور پر واقف نہ تھے، اور اگر تھوڑی بہت واقفیت تھی تو اس پر عامل نہیں تھے، نتیجہ ظاہر ہے، بھارت کی سرزمین میں، حجاز سے نکلے ہوئے نکھرے توحیدی مذہب کی مٹی پلید ہو گئی، اللہ کی کتاب عربی زبان میں تھی، اور یہ خدا کے بندے فارسی لکھتے بولتے تھے، عربی سے دور کا لگاؤ بھی نہیں تھا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ تو طاق نسیان کی زینت بن گئی اور دین توحید، دانہ آلودگیوں میں لت پت ہو گیا، اللہ کی کتاب سامنے نہ ہو، تو پھر ہندوانہ عقیدوں اور رسوم کی دو رازکار موشگافیوں کا اسلامی عقائد میں گھل مل جانا تعجب

---

[1] ابن الاثیر ج ۹ ص ۱۲۵، مطبوعہ لیڈن

غیر ہے بلکہ بات یہ ہے کہ محمد بن عبد اللہ (عربی مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین کی جو درگت اس ہندوستان میں بنی، شاید دنیا کے کسی خطہ میں ایسا نہ ہوا ہو۔ ہندوستانی اسلام کی اس بدحالی پر اپنے تو اپنے غیر بھی طعنہ زن ہیں، عبرت کیلئے ایک دو شہادتیں سن لیجئے۔

"ہندوستانی اسلام کا مطالعہ کرتے وقت، ایک شخص کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اس مذہب کی بری طرح مٹی پلید ہوئی ہے" (تمدن ہند فرنچ میں، از لوبن) اردو ترجمہ ص۲۱)

"اگر ہندوستان میں دین محمدی نے اپنے کچھ اثرات چھوڑے ہیں، اور یہاں کے مذہب اور عقائد میں کچھ تبدیلی کی ہے تو اس سے زیادہ وہ خود یہاں کے تمدن اور مذہب سے متاثر ہوا ہے"

(تمدن ہند ص۵۵)

"ہندوان سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے جتنا یہ ہندوؤں سے" (ص۱۳۵)

زیادہ تفصیل کا موقع نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ گو اسلام کے اس دیس پر ہزاروں احسان ہیں اور اس کی روشن تعلیمات کے اثر سے یہاں کے مذاہب میں تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئی ہیں تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ ہندوستان میں اسلام جتنا بھی موثر ہو سکا اس سے زیادہ متاثر ہوا ہے اور یہاں مسلمانوں نے جو زبان، تہذیب، لباس اختیار کیے وہ سب ہندوانہ ہیں، یا ہندو مسلمانوں کے امتزاج کا نتیجہ۔ اور یہ بیچ میل ہندوانہ تہذیب اور معجون مرکب مذہب عوام تو عوام علماء اور صوفیوں کے دل و دماغ پر کچھ ایسا چھا گیا، کہ حضرت مجدد سرہندی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) سے لے کر آج تک تین سو سال سے کچھ اوپر کی مسلسل اصلاحی کوششوں کے بعد بھی یہ صدیوں کا بیٹھا ہوا زنگ دور نہیں ہو سکا ہے اور اللہ جانے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے سچے دین کی اصلی تعلیمات یہاں اپنے سادہ اور اصلی رنگ میں کبھی جلوہ گر ہو بھی سکیں گی یا نہیں؟

دسویں صدی ہجری سے پہلے

یہ ہندوانہ اسلام اور تصوف و ویدانت سے مرکب مذہب تو ہر دور میں دماغوں پر مستولی رہا ہے، پر دسویں صدی ہجری سے پہلے کفر و شرک کی یہ اندھیاری اپنی آخری حد کو پہونچ چکی تھی اور گجرات و سندھ کے ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر، جن کے تعلقات عربی ملکوں سے زندہ تھے، صحیح اسلام کی روشنی کہیں دکھائی نہیں پڑتی تھی، جدھر نگاہ اٹھاؤ، ایرانی ہندی تصوف، حلول، بروز، اور وحدۃ الوجود[1] کے عقیدے، اعمال ہندوانہ، اور مشرکانہ، مگر قرآن و حدیث سے خالی اور کتاب و سنت کے چشمۂ صافی سے پیاس بجھانے والوں کا عام قحط۔

---

[1] ہر قوم میں کسی نہ کسی طرح پر وحدۃ الوجود کے عقیدہ کا رواج رہا ہے، بعض اہل یونان بھی اس کے قائل تھے، نصاریٰ اور یہود کے ہاں بھی اس کا چرچا رہا تھا، اور برہمنوں کے ویدانت کی تو بنیاد ہی اس پر ہے مسلمان صوفیوں کے ہاں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے اس کی اصل قدیم، تو انکے ہاں حلول کے ہم معنی ہو گئی ہیں، ہمارے پاس اس کی کوئی شہادت نہیں کہ ویدانت کا ترجمہ عربی میں ہوا ہو حالانکہ یہ عقیدہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں (حسین بن منصور حلاج کا زمانہ) مسلمان صوفیوں کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ محی الدین بن عربی (م ۶۳۸ھ) کے ہاں جاکر یہ فلسفہ پختہ اور مدون ہو گیا ہے۔

ان بُت پرستانہ عقیدوں اور بدعات کے رواج کی سب سے بڑی وجہ قرآن و حدیث کا جہل ہے۔ وہ کتاب جو نفس کی ہدایت اور تزکیہ کے لئے اُتری تھی، قبروں پر قرآن خوانی کے لئے وقف کر دی گئی، اور سنت کا کیا ذکر کہ شمالی ہند کی سرزمین "حدثنا" اور "اخبرنا" کی آوازوں سے یکسر نا آشنا تھی، یہاں ماوراء النہر سے اسلام آیا اور وہیں سے علم بھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا علم فقہ اور اصول فقہ سے آگے نہ بڑھ سکا، اسی کی جامد تقلید پر یہ قانع ہو گئے اور متاخرین فقہا کی کتابیں "اصل دین" قرار دے دی گئیں، اور یونان کی سڑی ہوئی ہڈیوں پر فاتحہ خوانی دینی خدمت کے ہم معنی سمجھ لی گئی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہندوستان میں حدیث کا چرچا کبھی ہوا ہی نہیں ہاں البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ سندھ اور گجرات کے ساحلی علاقوں کو چھوڑ کر شمالی ہند میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) بلکہ امام ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) سے پہلے سنت کی گرم بازاری نہیں ہوئی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ حسن بن محمد صغانی (م ۶۵۰ھ) سے پہلے، درۂ خیبر سے آنیوالے مسلمانوں میں احدیث کا کوئی مستند عالم پیدا نہیں ہوا۔ نویں صدی ہجری میں بھی جبکہ گجرات میں حدثنا و اخبرنا کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا، دلی اور اس کے نواح میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، تا آنکہ شیخ علی متقی (م ۹۷۵ھ) کا دور آیا اور انھوں نے منقولات اور فروع کی اندھیاری میں حدیث کی شمع روشن کی، لیکن صغانی اور علی متقی دو ناموں سے پانچ چھ سو برس کی اندھیاری کافور نہیں ہو سکتی، اور درۂ خیبر سے آنے والے عالموں، صوفیوں، اور بادشاہوں کی پیشانی کے بدنما داغ ان دو کارناموں سے نہیں مٹ سکتے اور گجرات میں بھی یہ حدیث و سنت کی چہل پہل اسی وقت تک رہی، جب تک شمالی ہند کا سایہ اس پر نہیں پڑا، یعنی دو صدیوں (۷۹۹-۹۸۰ھ) میں، وہ مرکزی حکومت کے دباؤ سے محفوظ رہا تو علم و عمل کی خوب گرم بازاری رہی، اور جب اکبر (۹۶۳-۱۰۱۴ھ) نے مملکت گجرات کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا تو یہاں بھی وہی جہل و تاریکی لوٹ آئی۔

حدیث سے بے اعتنائی کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ تاریخوں میں شیخ نظام الدین اولیا (م ۷۲۵ھ) اور بعض علماء کے مناظرہ کا حال آتا ہے، بحث سماع سے متعلق تھی، اثنا گفتگو میں شیخ نظام الدین اولیاء نے اپنے دعوے کے ثبوت میں "حدیث"(؟) پیش کی تو مقابل والے بول اُٹھے۔

"اس حدیث سے تو شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔"

اس سے حدیث کی وقعت کا اندازہ ہو گا، اب ذرا وہ "حدیث" (؟) بھی سن لیجئے جو بقول فرشتہ موقع استدلال میں لائی گئی تھی، بیان اس طرح آتا ہے۔

"قاضی رکن الدین، شیخ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا "سماع اور غنا کے جواز پر آپ کی دلیل

(سلسلہ صفحہ گزشتہ) ویدانت کا ترجمہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان اکر مسلمان صوفی برہمنوں کے ویدانت سے کچھ نہ کچھ متاثر ہوئے لیکن اس عقیدہ کا پرجوش علمبردار ابن العربی اندلس کا رہنے والا تھا اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ وہ نو افلاطونی فلسفہ سے متاثر ہوا تھا۔

کیا ہے؟ شیخ نے اس حدیث (؟) سے استدلال کیا "السماع مباح لاهله" قاضی بولے: "آپکو حدیث سے کیا تعلق؟ آپ تو امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، اپنے امام کا کوئی قول پیش کیجیے تو ہم اسے دیکھیں" شیخ کا ارشاد ہوا: "بندۂ خدا میں رسول اللہ (ص) کی حدیث بیان کرتا ہوں اور آپ امام ابوحنیفہ کا قول چاہتے ہیں![2]"

علاؤالدین خلجی (۶۹۵-۷۱۶ھ) کے دور کا ایک عبرتناک سانحہ بھی گوش گزار کردیا جائے تو اچھا ہو، مصر سے ایک محدث شمس الدین ترک حدیث کی ترویج اور تبلیغ کے دھن میں ہندوستان تشریف لائے، کہا جاتا ہے کہ وہ اسی غرض سے حدیث و متعلقات کی کوئی چار سو کتابیں اپنے ساتھ لائے تھے ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ایک جامع شرح لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں پر ابھی وہ ملتان ہی تک پہونچے تھے کہ انھیں معلوم ہوا . . . . کہ بادشاہ نماز پنجگانہ کا پابند نہیں، اور نہ جمعہ جماعت کا اسے خیال ہے" رنجیدہ ہوئے اور الٹے پاؤں لوٹ گئے.

بعض مصلحین

دسویں صدی ہجری سے پہلے کی زبوں حالی پر بہت کچھ مسالہ فراہم کیا جاسکتا ہے اندازہ کے لیے اتنا کافی ہے۔ یہاں جہاں ہم نے سندھ، گجرات کے علمبرداران حدیث کا ذکر کیا ہے، وہاں شمالی ہند کے ان نیک نفسوں کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے، جنھوں نے کسی نہ کسی درجہ میں اس صورت حال کے بدلنے کی کوشش کی، اس سلسلہ میں بعض بدعات کا ذکر بھی آئے گا۔

محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ)

اس سلسلہ میں بادشاہوں کے زمرہ میں سب سے پہلے محمد تغلق کا نام زبان پر آتا ہے، محمد تغلق سے پہلے قطب الدین ایبک (۶۰۲-۶۰۹ھ) اور شمس الدین التمش (۶۰۷-۶۳۳ھ) جیسے معتدل اور صاحب حزم فرماں روا بھی گزرے ہیں لیکن دینی تجدید کے سلسلہ میں، ان کا کوئی قابل ذکر کارنامہ ہمارے سامنے نہیں۔ ہمارے علم میں محمد تغلق پہلا بادشاہ ہے جس نے بدعات کی بیخ کنی اور شعائر اسلام کے رائج کرنے کی دلی کوشش کی، اس کے "جنون" اور سخت گیری کے بارے میں جو کچھ کہا جائے، پر ہمیں یہ محبوب ہے، اس لیے کہ اس نے حکومت کی گدی پر بیٹھ کر مذہب کو فراموش نہیں کیا،

ابن بطوطہ (م ۷۷۹ھ) کے سفرنامہ میں اس کے دربار اور اخلاق و عادات کی دلچسپ تفصیلات ملتی ہیں محمد تغلق کے

---

[1] یہ حدیث نہیں بلکہ امام غزالی کا قول ہے، جو احیاء العلوم میں فتوے کے طور پر منقول ہے۔ غالباً فرشتہ نے اسے "حدیث" لکھنے میں غلطی کی ہو اور بہت ممکن ہو کہ خود حضرت "مستدل" کو غلط فہمی ہوئی ہو،

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" (از استاذ محترم حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ) ہمارے سامنے اس وقت اس کا عربی ترجمہ ہے جو "علم الحدیث فی الهند" کے عنوان سے "الضیاء" (جلد ۲ ع ۵۲۳، ۷۶) میں مسلسل شائع ہوا تھا ممکن ہے، ترجمہ در ترجمہ کے وجوہ سے ترتیب کلام میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہو۔

کے متعلق اس حقیقت پر شہادت سے زیادہ مستند بیان نہیں مل سکتا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

"دین کے شعائر اس کے ہاں محفوظ تھے۔ اور نماز کے معاملہ میں وہ سخت گیر ہے۔ تارکین کے لئے سزائیں مقرر ہیں" (جلد ۳ صفحہ ۲۱۶، مطبوعہ پیرس)

"سلطان نمازوں کی حرمت برقرار رکھنے میں بہت سخت تھا، جماعت کی سخت تاکید تھی، ترک صلوٰۃ پر سزائیں دیتا تھا، صرف اس جرم میں اس نے ایک دن نو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جن میں ایک گویا تھا"

"بازار میں اس کے کارندے جاتے، جماعت کے وقت جو کوئی بھی ملتا سزا کا مستوجب ہوتا الخ (صفحہ ۲۸۶)

"پہلے غیر شرعی محصول لیے جاتے، ۷۴۲ھ میں محمد تغلق نے تمام ناجائز ٹیکس منسوخ کر دیئے، صرف زکوٰۃ اور عشر کی وصولی باقی رہی" (صفحہ ۲۸۵)

"آستانہ خلافت سے تعلقات کی تجدید بھی اسی کا کارنامہ ہے۔ عہد فیروز شاہی کے ایک مستند مورخ کے بیان کے مطابق شمس الدین التمش[1] (۶۰۷-۶۳۳ھ) بھی بارگاہ خلافت کے "اذن و منشور" سے مشرف ہوا تھا بعد کے بادشاہوں نے اس سے غفلت برتی۔ اور سلاطین ہند کا رشتہ مصر کی عباسی خلافت سے ٹوٹ گیا، تا آنکہ محمد تغلق سریر آرائے خلافت ہوا، اور اس نے یہ رسم کہن زندہ کی، بادشاہ کو خیال تھا کہ بارگاہ خلافت کی "اذن و منشور" کے بغیر اس کے "احکام شرعی طور پر قابل اتباع نہیں ہوں گے۔ اسی اعتقاد کی بنا پر اس نے ۷۴۴ھ میں حاجی رجب برقعی کو عریضہ اور ہدایا کے ساتھ مصر بھیجا۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ۷۴۵ھ میں محمد تغلق نے بارگاہ خلافت کی شمشیر کمال عقیدت کے ساتھ زیب کمر کی، اس کے بعد پھر ہر سال "مناشیر" خلافت آنے لگے۔ اور محمد تغلق کے انتقال کے بعد، اس کے جانشین فیروز شاہ کو بھی "منشور و خلعت" سے نوازا گیا، اور اب تک ہر سال یہ نوازش ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔

ملخص از سیرت فیروز شاہی مخطوطہ خدابخش لائبریری (صفحہ ۲۵۰-۲۵۵)

سیرت فیروز شاہی کے مندرجہ بالا بیان کی تائید ابن بطوطہ کی اس تفصیل سے بھی ہوتی ہے[2]

"سلطان نے خلیفہ ابو العباس کو مصر ہدایا بھیجے، اور خلیفہ سے ہندوستان اور سندھ پر حکومت کی اجازت طلب کی، خلیفہ نے اس کی درخواست قبول کی، اور مصر کے شیخ الشیوخ، رکن الدین کی معرفت مطلوبہ اجازت نامہ بھیج دیا، شیخ رکن الدین کی آمد پر سلطان نے اس کی توقیر و تعظیم میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا" (صفحہ ۲۴۳ ج ۳)

[1] خلیفہ بغداد نے التمش کی حکومت تسلیم کر لی تھی، اور وہ "اذن" قاصد سے نوازا گیا تھا، یہ ۶۲۶ھ کا واقعہ ہے (خلافت در ہند و ستان صفحہ ۱۲)

[2] نیز ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) (مخطوطہ کتب خانہ پٹنہ صفحہ ۱) ایشیاٹک جلد ۳ صفحہ ۲۲۹-۲۳۰

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ محمد تغلق کو مقام خلافت سے گہری عقیدت تھی، امیر غیاث الدین محمد بن عبدالقاہر بن یوسف بن عبدالعزیز بن مستنصر باللہ عباسی کی آمد دہلی کی توقیر کی جو تفصیلی سرگزشت ابن بطوطہ نے درج کی ہے (جلد ۲ صفحہ ۲۵۸-۲۶۶) اس سے بھی اس کی دلی کیفیت اور عباسیوں سے محبت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مصر کی نام نہاد خلافت جیسی بھی رہی ہو، پر محمد تغلق کی یہ عقیدت مقام خلافت کے ساتھ تھی، جو اپنی جگہ پر مسلمانوں کی بین الاقوامی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قابل قدر اور دوسرے بادشاہوں سے اُسے ممتاز کرتی ہے۔

ابن بطوطہ کے سفرنامہ (جلد ۲ صفحہ ۲۵۲) سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے شاگردوں سے اس کے تعلقات تھے۔

ابن بطوطہ، شیخ عبدالعزیز اردویلی کی آمد دہلی اور سلطان کی طرف سے توقیر و تکریم کا ذکر کرتا ہے (صفحہ ۲۵۲)

یہ شیخ عبدالعزیز دمشق میں امام ابن تیمیہ، جمال الدین المزی (م ۷۴۲ھ) اور حافظ شمس الدین ذہبی (م ۷۴۸ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر چکے تھے، اس لیے سلطان پر ان کا اثر ضرور رہا ہوگا، بھلا یہ کوئی بات ہے کہ ابن تیمیہؒ کا فیض یافتہ دربار میں آئے اور اپنا اثر نہ چھوڑ جائے۔[۱] دینی تجدید کے علاوہ "محمد تغلق اپنی علمی قابلیت کے لحاظ سے بھی ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ممتاز درجہ رکھتا ہے"!

(فہرست مشروح انگریزی خدا بخش لائبریری، جلد ۷، صفحہ ۲)

فیروز تغلق ۷۵۲ء-۷۹۰ھ | محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق نے بھی اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور بہتیری ہندوانہ رسوم کی اصلاح کی، خوش قسمتی سے اس کی اصلاحی کوششوں کی مختصر روداد، خود اسی کی زبانی ہم تک پہونچ گئی ہے، فتوحات فیروز شاہی[۲] سے معلوم ہوتا ہے کہ "اس وقت ہندویت کس حد تک مسلمان دماغوں پر چھا گئی تھی" فیروز شاہ لکھتا ہے۔

---

[۱] ایک طرف ہم ابن تیمیہؒ کے شاگردوں کی آمد کی وجہ سے توقع کرتے ہیں کہ محمد تغلق بدعات سے متنفر رہا ہوگا، دوسری طرف ضیاء برنی سر سالار مسعود کی قبر کی زیارت اور عقیدت مندانہ "نذر و نیاز" کا ذکر کرتا ہے جس سے وحشت ہوتی ہے اور حسن ظن ختم ہوتے لگتا ہے (تاریخ فیروز شاہی برنی ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۲۴۹) بہرحال آٹھویں صدی کے تاریک ہندوستان میں یہ بسا غنیمت تھا۔

[۲] عہد فیروز شاہی کی چار مستند تاریخیں ہمارے سامنے ہیں (۱) تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) (۲) تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف (ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۲۶۹-۳۷۳) (۳) سیرت فیروز شاہی (از نوادر مخطوطات خدا بخش لائبریری) (۴) فتوحات فیروز شاہی۔ ان میں سے پہلی دو مشہور ہیں۔ تیسری نادر ہے اس وقت بحث اس چوتھی کتاب سے ہے، جو ۳۲ صفحات سے زیادہ نہیں۔ اصل کا تو پتہ نہیں چلتا لیکن اس کا مکمل ترجمہ ایلیٹ جلد ۳ صفحہ ۳۷۴-۳۸۸ میں دیدیا گیا ہے، یہ خود فیروز شاہ کے قلم سے ہے (ملاحظہ ہو، فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۱، نیز فہرست مشروح خدا بخش لائبریری جلد ۷، صفحہ ۲۹) فتوحات فیروز شاہی میں جن اصلاحات اور تجدیدی کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے، سیرت فیروز شاہی کو بھی انکی پتہ پتہ تائید ہوتی ہے تاریخ فیروز شاہی

زندیقوں کا ایک گروہ مستقل طور پر لوگوں کو زندقہ اور الحاد کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ رات کو وہ زندیق اور ملحد اہل الحاد کے ساتھ ایک مقررہ جگہ پر جمع ہوتے، شراب کا دور چلتا، اور وہ اسے مذہبی عبادت قرار دیتے۔ وہ اپنی بیویوں، ماؤں اور لڑکیوں کو بھی ساتھ لاتے، جو جس کا دامن پکڑ لیتا اس کے ساتھ اسے صحبت کا حق حاصل تھا۔ میں نے اس فرقہ کے سرغناؤں کو موت کی سزا دی اور باقی کو جلا وطنی اور قید سے نوازا، کہ آئندہ اس جماعت کی دوڑ دھوپ بالکل ختم ہو جائے!

(ملاحظہ ہو اصلاح ص ۶)

فیروز شاہ نے ہندوانہ تصوف پر بھی نگاہ رکھی، گجرات کے ایک صوفی کا حال بیان کرتا ہے :-

گجرات میں ایک شخص نے اپنے کو "شیخ" مشہور کرنا شروع کیا، اپنے مریدوں کے غول میں اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ "انا الحق" کہتا اور سب یک زبان ہو کر اس کی تائید کرتے، وہ اپنے کو "باقی" اور "غیر فانی" بھی کہتا (ملاحظہ ہو، اصلاح ص ۹)

بادشاہ کے حکم سے اس گجراتی زندیق کی ایک کتاب جلا دی گئی، لیکن یہاں تو سارا ملک اس قسم کی آوازوں سے گونج رہا تھا، بیچارہ فیروز شاہ کہاں تک کیا کرتا؟ اس کی زبانی ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسی وقت سے مسلمان عورتیں قبروں کی زیارت کو جانے لگی تھیں، سنئے "شہنشاہ" کہتا ہے:-

مسلمان شہروں میں ایک غیر شرعی رواج عام ہو گیا ہے، متبرک دنوں میں عورتیں پیادہ پا، یا سواریوں پر، جھنڈ کی جھنڈ مقبروں کی زیارت کو جاتی ہیں" (ملاحظہ ہو اصلاح ص ۱۰)

بادشاہ نے اس بُری عادت کے روکنے کی بھی کوشش کی،

تفصیل کہاں تک کی جائے مختصر طور پر، خود فیروز شاہ کی ترتیب کے مطابق، ذیل میں "فتوحات" کا خلاصہ[1] درج کرتے ہیں :-

(۱) پہلی بادشاہتوں میں مسلمانوں پر ناروا ظلم ہوتے تھے، میں نے ان سب کا خاتمہ کر دیا،

(ص ۳۷۵، ملخص)

(۲) خطبہ میں ان بادشاہوں کی یاد تازہ کرائی جن کی بدولت آج اس ملک میں اسلامی چرچہ سننے میں آتا ہے (ص ۳۷۵، مختصر)

(۳) اگلے بادشاہوں کے زمانہ میں ناجائز ٹیکس وصول کیے جاتے تھے، میں نے تمام معاف اور

شمس سراج عفیف نے بھی اسی کو مذہبی کارناموں اور تشدد کا ذکر ہے۔ ضیاء برنی کی کتاب میں عہد فیروز شاہ کے صرف ابتدائی چھ سالوں کا ذکر ہے۔

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ایلیٹ، جلد ۳ ص ۳۷۷ تا ۳۸۲

غیر شرعی منسوخ کر دیئے؛ اور تحصیل کنندہ غیر شرعی ٹیکس وصول کرتا، اسے سزا دی جاتی۔ ... خزانہ عامرہ میں اب صرف وہی محصول داخل ہوں گے، جن کی شرع نے اجازت دی ہے۔[1] (ص ۳۷۵)
نیز ملاحظہ ہو، تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف)

(۴) مجھ سے پہلے یہ رواج تھا کہ مال غنیمت کا صرف ایک خمس سپاہیوں میں تقسیم ہوتا اور باقی سب کا سب خزانہ میں داخل کر لیا جاتا۔ میں نے اس غیر شرعی تقسیم کا سدباب کیا اور حکم دیا کہ
اسٹیٹ صرف ایک خمس لے، باقی چار خمس سپاہیوں میں تقسیم کیا جائے۔[2] (ص ۳۷۶)

(۵) شیعوں کے فرقے نے جسے روافض بھی کہا جاتا ہے، اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی انھوں نے کتابیں اور رسالے لکھے، اور ہمارے مذہب کے پہلے سرداروں FIRST CHEIFS OF OUR RELIGION کی بے حرمتی کی۔ ....
میں نے ان سب کو گرفتار کیا اور سزا دی .... ان کی کتابیں جلا دیں، اور اس طرح پر اللہ کی فضل سے اس فرقہ کا بالکل قلع قمع ہو گیا۔[3] (ص ۳۷۷)

(۶) زندیقوں کے اسی فرقہ کا ذکر ہے جو رات کو جمع ہوتا، اور عورت و مرد آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ہم کنار ہوتے (ص ۳۷۷) مختصر تفصیل اور پرگندی،

(۷) ایک شخص احمد بہاری کا ذکر کرتا ہے، جس نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا اور معتقدوں کا ایک گروہ اس کے گرد جمع ہو گیا تھا، فیروز شاہ نے انھیں سخت سزائیں دیں (ص ۳۷۸ ملخص)

(۸) ایک اور رکن الدین کا ذکر کرتا ہے جس نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا بادشاہ نے اس کی بھی خبر لی اور قتل کا حکم صادر ہوا، وہ کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ حقیر بندہ سے یہ کام لیا، اور اس کے ذریعہ اس شرارت اور الحاد کا خاتمہ ہوا اور صحیح مذہب کی تجدید کی طرف میری رہنمائی کی ..... ان واقعات کو سن کر مذہب کا ہر بہی خواہ فیصلہ کرے گا کہ ان لوگوں کو بجا طور پر سزا دی گئی، اور میں اس

---

[1] محمد تغلق کے کارناموں کے سلسلہ میں بھی اس کا ذکر آتا ہے، ہو سکتا ہے کہ دونوں نے اس غیر شرعی طریقہ کے ختم کرنے کی کوشش کی ہو لیکن صدیوں کا بیٹھا ہوا زنگ آسانی سے تو دور ہوتا نہیں۔

[2] (ایلیٹ، جلد ۳ ص ۳۷۶) بعض ناجائز محصولوں کی تفصیل بھی اس میں درج ہے۔

[3] فیروز شاہ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری ہی میں شیعیت یہاں پھیل چکی تھی، بہرحال، یہ فیروز شاہ کی کوششوں کا اثر ہو یا نا مساعد حالات کا، کہ ہمایوں سے پہلے انھیں سربلندی نہ حاصل ہو سکی تھی۔

پاداش میں، آخرت میں جنا کی توقع رکھتا ہوں" (ملخص)

(۹) گجرات کے ۔۔۔ ملوحدی پیر اس کی سزا اس کتاب کے جلانے کا تذکرہ جوش و خروش کے ساتھ کرتا ہے (ص ۳۹) مختصر تفصیل اوپر گزری"

(۱۰) عورتوں کو قبروں کی عام زیارت سے روکا گیا اس کا ایک کارنامہ ہے خود اسی کی زبانی سنیئے:-

میں نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزارات پر نہیں جا سکتی، اب اللہ کا شکر ہو کہ کوئی شریف مسلمان عورت قبروں کی زیارت کو نہیں جاتی، یہ رواج اب بالکل موقوف ہو گیا ہے (ص ۳۹)

آٹھویں صدی ہجری میں تو یہ مذموم رواج رک گیا تھا، لیکن آج کتاب و سنت کی عام اشاعت اور علماء کی تبلیغی جدوجہد کے باوجود یہ طریقہ عام ہے، البتہ "شریف" عورتیں شاید کھلے بندوں جلوس بنا کر زیارت کو نہ جاتی ہوں، اور فیروز شاہ نے عام "عورتوں" کی زیارت اور میلوں کی شرکت کی تردید بھی نہیں کی ہے۔

(۱۱-۱۲-۱۳) ہند وجوالی جو بیر ہیں سنئے عبادت خانوں کی تعمیر سے روک دیئے گئے جہاں کہیں کسی سنئے مندر کا سراغ ملا، اسے منہدم کر دیا گیا، (ص ۳۸-۴۱)

(۱۴-۱۵-۱۶) اگلے بادشاہ سونے چاندی کے برتن، زریں لباس، اور ریشمی کپڑے عام طور پر استعمال کرتے تھے "میں نے یہ سب چیزیں روک دیں، میں نے یہ حکم دیا کہ صرف وہ برتن استعمال ہوں، جن کی شرع نے اجازت دی ہے"!

نیز ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف) (ص ۴۱-۳۰۲-۳۰۸)

تصویروں سے امتناع کے سلسلہ میں شمس سراج عفیف لکھتا ہے:-

ان بدعات میں سے ایک بادشاہوں کے خاص کمروں میں تصویروں کا رواج تھا، پہلے بادشاہ اسے اچھا سمجھتے تھے لیکن فیروز شاہ نے اللہ کے خوف سے جانداروں کی تصویریں بند کرا دیں اور ان کے بدلے باغات اور مناظر کی تصویر کشی کی اجازت دی"!

(ایلیٹ، جلد ۳ ص ۳۷۳)

ان اصلاحات کے علاوہ، مسجدوں، اور دوسری عام نفع کی عمارتوں کی تعمیر اور متفرق بھلائی کے کاموں کا تذکرہ ہے۔ جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، خاتمہ کی چند سطریں قابل غور ہیں:-

"اس کتاب کے لکھنے سے میرا مقصد اللہ تعالیٰ کی ان عنایات اور احسانات کا شکر ادا کرنا ہے جو اس نے مجھ پر کی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جو لوگ اچھے کام کرنے کے متمنی ہوں،

اسے پڑھیں اور صحیح طریقہ سے واقف ہوں"...... ص۳۰۳

شمس سراج عفیف بعض ایسے واقعات کا ذکر کرتا ہے جن سے فیروز شاہ کی مذہبی پابندی پر مزید روشنی پڑتی ہے اس سے پہلے برہمنوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، عہد فیروز شاہی میں ان پر بھی جزیہ عائد کیا گیا جو ان کے مسلسل احتجاج اور فاقہ کشی کے باوجود قائم رہا (الیٹ جلد ۳ ص ۳۶۶) اسی طرح ایک برہمن کے سر دسبار جلانے کا واقعہ شمس سراج عفیف کی عینی شہادت کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے قصہ یہ ہے کہ دہلی میں ایک برہمن بتوں کی پوجا برسر عام کیا کرتا تھا، جہاں ہندو تو ہندو مسلمان بھی شریک ہوتے، آخر افسروں کو خبر ہوئی، برہمن دربار میں بلایا گیا، اور پھر اسے سزا دی گئی۔ (ص۳۶۵)

سکندر لودی ۸۹۴-۹۲۳ھ سکندر لودی کے متعلق اتنا تو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ عالم، علم دوست اور صالح بادشاہ تھا۔ الفنسٹن نے تاریخ ہند میں اس کی بڑی برائی کی ہے، اور جرم وہی تعصب، بر بربینا اور مذہب کا ہے، اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ واقعی مذہبی لحاظ سے سرگرم اور قابل تعریف ہی ہوگا الفنسٹن کا پورا بیان ملاحظہ ہو:۔

"لیکن وہ ہندوستان کے چند متعصب ترین بادشاہوں میں سے تھا، اس نے مندر گرائے اور لوگوں کو تیرتھ سے باز رکھنے کی کوشش کی، اپنے قلمرو کے اندر بعض دریاؤں پر اشنان کرنے سے بھی منع کیا، کبھی کبھی وہ اپنے جوش میں بے انصافی اور بے رحمی کی حد تک پہونچ جاتا تھا ایک برہمن کو اس حقیقت کی تبلیغ پر:۔

"کہ تمام مذاہب اگر صحیح طور پر برتے جائیں پرمیشور کے نزدیک قابل قبول ہیں"

"تنبیہ کی اور علماء سے مناظرہ پر مجبور کیا، جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا تو اسے تہ تیغ کر دیا۔

"خود ایک مسلمان نے جب اس تیرتھ روکنے پر بحث و حجت کی، تو سکندر تلوار کھینچ کر چلا اٹھا

"خبیث! تو بت پرستی کی حمایت کرتا ہے؟

"اس مسلمان نے جواب دیا:۔

"نہیں! میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بادشاہ رعایا پر تشدد نہ کرے،

ایک دفعہ وہ کسی مہم پر جا رہا تھا، راستہ میں ایک قلندر نے اسی کو مخاطب کر کے (شاید اسکی دہائی دے کر) دعا مانگی: بادشاہ نے جواب دیا۔

اس سے دعا مانگو، جو واقعی اپنی رعایا (مخلوق) کی بھلائی کی فکر رکھتا ہے"،

(تاریخ ہند، الفنسٹن۔ طبع ہفتم ص۴۱۹)

الفنسٹن کے علاوہ، ایک معاصر ہندو مورخ کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی سکندر لودی سے متعلق کچھ حسن ظن پیدا ہوتا ہے:۔

فیروزشاہ کی اصلاحی کوششیں ناکام رہیں، اس لیئے کہ سکندر لودی کو ازسرنو اس کے بعض منع کردہ رسم و رواج کا قلع قمع کرنا پڑا۔[۵]

فیروزؔ کی ان شہادتوں کے علاوہ لودیوں کی مستند تاریخ "تاریخ داؤدی" میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں، نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو:۔

"وہ ایک پرجوش مسلمان تھا، اس نے بت پرستوں کے مختلف عبادت خانے منہدم کرا دیئے، بت پرستی کے مرکز متھرا کی تیرتھ گاہیں تباہ کردیں اور مشہور ہندو عبادت خانوں کو کارواں سرائے اور مدرسوں میں منتقل کردیا۔" (تاریخ داؤدی: الیٹ جلد ۴ صفحہ ۴۴۷)

"اس نے نومسلموں کو مختلف جگہوں میں زمینیں دیں (صفحہ ۴۴۷) اس طرح ہر شہر اس کی خواہش کے مطابق اسلامی رسم و رواج کا پابند ہوگیا (صفحہ ۱)

"سپہ سالار مسعود کے نیزہ کا سالانہ جلوس اس نے یک قلم موقوف کرادیا۔" (صفحہ ۴۴۷)

"عورتیں بھی قبروں کی زیارت سے روک دی گئیں" (صفحہ ۱)

محمد تغلق، فیروز تغلق، سکندر لودی کے متعلق ان بیانات سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مذہب سے لگاؤ تھا، اور وہ جس چیز کو شرعی طور پر برا خیال کرتے تھے، اس کے روکنے اور مٹانے کی بھی کوشش کرتے تھے۔

پر دشواری یہ تھی کہ مذہب کی روح سے ناواقفیت اور اسلام کے قانون حرب سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے وہ اپنے جوش میں ایسے کام بھی کر جاتے تھے جن کی شرع نے اجازت نہیں دی عرب اور درہ خیبر سے آنے والے بادشاہوں کے درمیان یہی بڑا فرق ہے، محمد بن قاسم نے اپنی ساری جنگی مہم میں کوئی ایسا کام نہیں کیا، جسے اسلام کا قانون حرب روا نہ رکھتا ہو، وہ اور اس کے ساتھی صحیح اسلام کا نمونہ دکھلا آئے تھے۔ درۂ خیبر سے آنے والے بیچارے کتاب و سنت سے یکسر ناآشنا۔ بس متاخرین کی فقہ اور اس کی جزئیات میں الجھے ہوئے دین کی اصلی روح سے بیگانہ رہے، اس لیئے

---

[۵] ملاحظہ ہو S. N. Sen کا مضمون (ہندوایت اور مسلم زندیق) HINDUISM AND MOHAMMADAN HERETICS مندرجہ STUDIES IN INDIAN HISTORY اس کی تائید تاریخ داؤدی سے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ مندرجہ کردہ مثالوں سے واضح ہوگا۔

[۶] الفنسٹن اور سین نے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ غالباً تاریخ داؤدی ہی ان کا ماخذ رہی ہے اس لیئے کہ لودیوں کی تاریخ میں یہ مشہور ہے

اگر ان میں فیروز تغلق جیسا زندہ دل پیدا بھی ہوا تو، اسے صحیح راہ دکھانے والا کہاں سے ملتا؟

اس بے راہ روی کا ایک اور نمونہ پیش خدمت ہے، ابھی آپ نے محمد تغلق (م ۷۵۲ھ) فیروز تغلق (م ۷۹۰ھ) اور سکندر لودی[۱] (م ۹۲۳ھ) کو اسلام کے نام پر اصلاح کرتے اور کافروں پر سختیاں کرتے دیکھا ہے، اب آئیے، اسی دوران میں امیر صاحبقران کا اسلامی جہاد بھی ملاحظہ فرمائیے، نویں صدی ہجری کا شروع ہے[۲] اور آل تغلق (۱۳۲۱-۱۴۱۵ء) کا آفتاب غروب ہو رہا ہے۔

فیروز تغلق کی وفات کو ابھی دس سال ہوئے ہیں، دلی کے تخت پر برائے نام مسلمان نامی بادشاہ جلوہ افروز ہوا امیر تیمور (م ۸۰۷ھ) جہاد کا نام لے کر ہندوستان پر فوج کشی کرتا ہے، جہاد کا مقصد ارشاد ہوتا ہے:-

ہندوستان آنے اور ان تمام مشقتوں کے برداشت کرنے سے میرے خاص دو مقصد ہیں۔
سب سے پہلے اسلام کے دشمن، بت پرستوں سے جنگ کرنا۔ دوسرا مقصد دنیوی ہے وہ یہ کہ
بت پرستوں کے مال و دولت کو لوٹ کر اسلام کی سپاہ کچھ حاصل کر سکے۔

(ملفوظات تیموری، الیٹ جلد ۳ ص ۳۹۷)

کیا کہتے ہیں مفتیان شرع متین! اس جہاد (؟) کو جہاد شرعی کہا جائے گا!

اتفاق سے ایک جگہ (BHATNIR) ہندو مسلمان مل کر اس کا مقابلہ کرتے ہیں، وہاں مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ صادر ہوتا ہے۔

اب قلعہ میں مسلمانوں اور بت پرستوں کا حال برا تھا، بت پرستوں نے اپنی بیوی اور بچوں کو گھروں میں بند کر کے آگ لگا دی، اور وہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن اسلام کی راہ سے الگ ہو گئے ہیں، انھوں نے اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالا اور خود جان پر کھیل کر میدان میں کود پڑے (ص ۴۲۶)

یہ تو ہم نے مانا کہ ہندوستان کے یہ مسلمان راہ راست سے الگ ہو گئے تھے، لیکن چنگیز اور ہلاکو کے طریقہ پر یہ قتل و غارتگری اسلام نے کہاں سکھائی ہے؟

ملفوظات میں تیمور بار بار کہتا ہے:-

"کہ یہ مہم ہندوستان کے بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف جاری کی گئی ہے" (ص ۳۹۴، ۳۹۷، ۴۹۰)

لیکن قتل و نہب کے وقت ہندو مسلم کا امتیاز جاتا رہا، ایک جگہ اور کچھ شورہ پشت قطاع طریق کی تنبیہ کے سلسلہ میں

---

[۱] سکندر لودی کا زمانہ تیمور کے تقریباً سو سال بعد ہے یہاں محمد تغلق اور فیروز تغلق کے ساتھ مماثلت کی وجہ سے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

[۲] ملفوظات تیموری میں سمرقند سے روانگی کی تاریخ رجب ۸۰۰ھ (الیٹ: ج ۳ ص ۳۹۷) اور دریائے سندھ کے عبور کی تاریخ محرم ۸۰۱ھ (ص ۴۰۹) درج ہے دہلی پر قبضہ ۸ ربیع الثانی ۸۰۱ھ کو ہوا (ظفرنامہ الیٹ جلد ۳ ص ۵۰۰)

رقم طراز ہے:-

وہ صرف نام کے مسلمان تھے، چوری اور ڈاکہ میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، (ص ۴۲۶)

اب ان "سچے مسلمانوں" کے فردِ عمل و اعتقاد کا جائزہ لیجئے، شیخ فرید گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کے مقبرہ کی زیارت کا حال لکھا:

"مجھے اطلاع دی گئی کہ حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمہ اللہ کا مقبرہ اسی شہر میں ہے، میں فوراً زیارت کے لیئے روانہ ہوا، فاتحہ پڑھی اور امداد کے لیئے دوسری دعائیں پڑھیں۔ . . . اور ان کی مقبول روح سے کامیابی کی التجا کی" (ص ۴۲۱)

ممکن ہے خوش عقیدہ لوگ اس گرفت کو "تو ہب" سے تعبیر کریں، لیکن سچائی سچائی رہے گی، اور قبروں کی پرستش، مردوں سے التجا و درخواست، اور دوسری بدعات کبھی روا نہیں رکھی جاسکتیں؟

بہر حال کہنا یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری سے پہلے کے مسلمان بادشاہ معذور تھے، اس وقت اسلام کی صحیح تعلیم عام نہ ہو سکی تھی، اس لیئے اگر کوئی صاحب دل اور صاحب عمل پیدا بھی ہوا، تو صحیح راستہ پر نہ چل سکا، اور اس کی ذات سے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچ سکتا تھا نہ پہنچ سکا۔

خیر بادشاہوں میں تو بعضوں نے اپنی سمجھ کے مطابق اصلاح کی کوشش بھی کی لیکن "علماء" اور "مشائخ" یا تو تھے ہی نہیں اور تھے تو اپنے فرائض سے غافل، کچھ پاک باز صوفی ضرور تھے، اور یہ انھیں کی خاموش دعوت کا اثر ہے کہ آج اس ملک میں مسلمان نظر آتے ہیں، پر وہ اپنی گوشہ نشینی کے باعث بدعات کے مٹانے سے قاصر تھے، اور تو اور، ان بزرگوں کی قبریں خود بدعات کا آماجگاہ تھیں،

علماء و مشائخ کے زمرہ میں سید محمد جونپوری (۸۴۷-۹۱۱ھ) کا نام آتا ہے جنھوں نے "مہدویت" کا دعویٰ بھی کیا تھا، اصلاح رسوم اور بدعات کی بیخ کنی کے سلسلہ میں ان کی خدمات مشہور ہیں، پر "مہدویت" کے دعوے کی وجہ سے، ان کے متعلق رائیں بہت مختلف ہو گئی ہیں، بعض مستند مورخوں کا خیال ہے کہ وہ "مہدویت" سے صرف "احیاءِ سنت" کا ارادہ کرتے تھے: نامور معاصر مورخ سید ہاشمی فریدآبادی (تاریخ ہند جلد ۳ ص ۱۱۱) کی یہی رائے معلوم ہوتی ہے۔ مولانا ابوالکلام مدظلہ نے تو سید محمد جونپوری کی مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے (ملاحظہ ہو: تذکرہ ص ۲۶-۶۰) ان کے خیال میں سید محمد مہدی سے "مہدی آخرالزماں" نہیں مراد لیتے تھے، سید ہاشمی اور مولانا ابوالکلام دونوں صاحبوں نے حضرت مجددؒ اور شاہ صاحبؒ کی رائیں نقل کی ہیں اور سکوت کو ترجیح دی ہے، ہم بھی سکوت ہی کو ترجیح دیتے ہیں) لیکن اس وقت جو مہدوی فرقہ ان کی طرف منسوب ہے اور نواح مدراس و حیدرآباد میں پایا جاتا ہے اس کے خیالات تو بلاشبہ حد درجہ گمراہانہ ہیں۔

سلہ یہ تمام حوالے ملفوظات تیموری (انگریزی ترجمہ) مندرجہ الیٹ (جلد ۳ ص ۳۸۹-۴۷۷) کے ہیں۔

سید محمد جونپوری کی دعوت کے ثمرات ابھی اچھی طرح ظاہر بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ ان کے ماننے والوں کی ٹولیاں شروع ہو گئیں، یہ دسویں صدی ہجری کا آغاز تھا، اسی زمانہ میں ہمایوں (م ۹۶۳ھ) ایران سے "شیعیت"[۱] کا تحفہ لایا جس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی، اب تک تو خشک فقاہت یا ہندوانہ تصوف ہی کی برائیاں تھیں، اس نئی آمیزش سے ایک نئے فتنہ کی پرورش شروع ہوئی، جو بعد کی صدیوں میں اسلامی ہند کا ایک "مستقل مسئلہ" بن گیا۔

دورِ ضلالت
۹۶۳ - ۱۰۱۴ھ

یہ سب جو کچھ کہا گیا، اُس دور سے پہلے کی سرگزشت تھی جس میں دینِ حنیف کو یکسر مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور جس عہد کو بدقسمتی سے آج ہند و مسلم تاریخ کا "سنہری عہد" کہا جاتا ہے، ہماری مراد اکبر (۹۶۳ - ۱۰۱۴ھ) کا دور ہے، اس سے پہلے کے مسلمان نام رکھنے والے بادشاہ مذہب سے "لاپروا" (IN DIFFERENT) ضرور تھے، لیکن انہیں مذہب سے عناد نہ تھا اور نہ اصول مذہب میں ترمیم و تنسیخ کا خیال ان کے دل میں آیا تھا صرف علاء الدین شاہ سلطان بنگال (۹۰۱ - ۹۲۰ھ) کے متعلق روایت ہے کہ اس نے ستیہ پیر کی عبادت کو رواج دے کر ایک مذہبی معجون تیار کی تھی[۲] ستیہ کے معنی نرائن یا وشنو کے ہیں، ممکن ہے کہ دو ایک مثالیں اور بھی مل جائیں، پر یہ بات اپنی جگہ پر ہے، کہ اکبری راج سے پہلے مذہب اور اصول مذہب میں یہ افراتفری نہیں مچی تھی،

اکبر کی حکومت ۹۶۳ھ سے شروع ہو کر کوئی پچاس برس کے لگ بھگ رہی۔ پہلے بیس سال میں کسی دینی فتنہ کا سراغ نہیں ملتا، اس زمانہ میں عام سنی رعایا مطمئن رہی، ۹۸۳ھ سے اکبری "اجتہاد"[۳] یا الحاد کا دور شروع ہوا جس کا سلسلہ ۱۰۱۴ھ تک جاری رہا، اس دوران میں عام سنی مسلمان سخت مذہبی فتنہ سے دوچار رہے آخری دس سال کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں اس لیے کہ درباری اور معاصر مورخ اپنا کام ۱۰۰۴ھ سے پہلے ختم کر چکے تھے[۴]

اکبر اولاً تو بالکل اَن پڑھ تھا، اس پر معلومات حاصل کرنے کا شوق، مولویوں اور مشائخ سے بحثیں کرتا، سنی، شیعہ، برہمن، عیسائی، یہودی، آتش پرست، ہر جماعت کے مذہبی عالم لائے جاتے اور "شہنشاہ" ان کی باتیں سنتا، جس مذہب کی جو بات اچھی لگتی اُسے لے لیتا، بڑھتے بڑھتے یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ تمام مذاہب حق ہیں، اور اسلام کو کوئی برتری نہیں، یہ نشاۃ

---

[۱] ہمایوں سے پہلے شیعیت ہندوستان میں آ تو چکی تھی جیسا کہ فیروز شاہ کے سلسلہ میں گذرا، پر ہمایوں سے پہلے اسے شاہی رسوخ نہ حاصل ہو سکا تھا اور نہ اس کے ماننے والوں کی کثرت تھی ۱۲

[۲] CULTURAL FELLOWSHIP IN INDIA BY ATULANANDA CHAKARBARTI ص ۲۵

[۳] "الفرقان" کے مجدد نمبر میں "اکبری فتنہ" پر مخدومی مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا بسیط مضمون شائع ہو چکا ہے اس لیے ہم یہاں "دورِ ضلالت" پر مختصر تبصرہ کریں گے اور وہ بھی مضمون کا تسلسل قائم رکھنے کے لیے ۱۲

[۴] اکبری فتنہ کا سب سے بڑا حامی ابوالفضل (صاحب اکبر نامہ و آئین اکبری) ۱۰۱۱ھ میں مقتول ہوا، اور سب سے تلخ نقاد عبدالقادر بدایونی (صاحب منتخب التواریخ) کی وفات ۱۰۰۴ھ میں ہوئی ۱۲

تیز ہوا، ایک نئے دین کی داغ بیل ڈالی گئی۔ دین الٰہی نام پڑا گو دربار سلطانی سے باہر اسے کوئی مقبولیت نہ حاصل ہو سکی، کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ آدمی نئے مذہب میں داخل ہوئے تھے، یہ زیادہ سے زیادہ اندازہ ہے

(ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لفظ اکبر)

مورخین لکھتے ہیں کہ اس نے شیعہ مذہب بھی اختیار کیا تھا، اور سُنی علماء پر بڑی سختیاں کی تھیں، فتح اللہ شیرازی اور عبداللہ یزدی کو خاص مقربانِ بارگاہ میں جگہ ملی، اسی طرح مبارک ناگوری کے بیٹے ابو الفضل (م ۱۰۱۱ھ) اور فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اس کے خاص چہیتے تھے، تا آنکہ وزارت عظمیٰ کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تصوف کی طرف مائل تھا۔

جتنی زبانیں، اتنی باتیں۔ اصل یہ ہے کہ وہ کسی عقیدہ پر جمتا نہیں تھا، تاہم اسے مذہب کے باب میں خبطی کہہ سکتے ہیں۔ آفتاب اور آگ کے سامنے بھی عقیدت سے سرخم کرنا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت مریم کو معبود بنانے اور ستاروں کی پرستش بھی اس کی طرف منسوب ہے، اور تو اور اپنی عقل کو بھی وہ معصوم سمجھنے لگا تھا، اور یہی بد عقلی تھی جس نے اس کا دماغی توازن خراب کر رکھا تھا، اور آئے دن اس کے عقیدہ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی تھیں۔

اکبر کی اس بے راہ روی میں، اس کی غیر مسلم بیویوں کا بھی دخل تھا، انھوں نے اس کے "ہندوانے" میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، حرم میں ہندو عورتوں کی موجودگی ہی ہندوانہ ماحول بنانے کیلئے کافی تھی قصر شاہی میں عبادت خانے بنائے گئے اور بتوں کی پوجا کا انتظام ہوا، ہندو تہواروں کے موقعہ پر، قصر شاہی میں عام عید منائی جاتی، گاؤ کشی جرم قرار دی گئی شام کو جب چراغ جلتے، تو اکبر تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا، درباری لباس بالکل ہندوانہ ہو گیا، ڈاڑھی بھی چہروں سے غائب ہونے لگی، مختصر یہ کہ سارا ماحول یکسر ہندوانہ ہو گیا، اور قصر شاہی کے آداب و اطوار بالکل ہندوانہ رنگ میں رنگ گئے اس دور کے لباس، تعمیر، مصوری، ہر چیز سے "ہندویت" ظاہر ہوتی ہے، فتح پور سیکری کی مسجد ہو، یا شیخ سلیم کا مقبرہ، ہندو اثر بالکل نمایاں ہے، شیخ سلیم چشتی کے مقبرہ کے بارے میں، ونسنٹ اسمتھ اظہار رائے کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"اتنے بڑے پُر جوش مسلمان فقیر کے مقبرہ میں ہندوانہ اثرات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، عمارت کی پوری ساخت ہندو جذبہ کو ظاہر کرتی ہے۔"

AKBAR, THEGREAT MUGHAL P.P.442, 445)

اسی طرح HANELL کی رائے میں "فتح پور سیکری کی مسجد، مسجد سے زیادہ ہندو مندر، معلوم ہوتی ہے"

(A HANDBOOK OF INDIAN ART P.65)

لباس اور مصوری کو بھی اسی پر قیاس کیجیے؛ اس "ہندوانہ" رنگ کی بعض مثالیں آگے آتی ہیں

دور اکبری کی اس کج روی کا بڑا سبب "علماء سوء" بھی ہیں، ان کی آپس کی منافست، دُنیا کی محبت اور دین کی کم فہمی نے آگ پر تیل کا کام کیا، علمائے وقت کی بزدلی اور فرائض سے غفلت ہی کا نتیجہ تھا، کہ انھوں نے ایک مہمل محضر نامہ پر دستخط کیے

(محضرنامہ) اس کا مضمون یہ تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہے، امام عادل ہے، مجتہد العصر ہے، کسی کا پابند نہیں۔ اس کا حکم سب پر بالا ہے الخ الخ

بیشک "خلیفۂ وقت" اور اہل حل و عقد کو ضرور حق اجتہاد حاصل ہے، لیکن یہ حق اجتہاد اکبر، جہانگیر، رضا شاہ کمال اتاترک اور امان اللہ جیسے دین سے بے بہرہ فرماں رواؤں کو نہیں دیا جا سکتا۔ اگر ایسے بادشاہوں کو اجتہاد کا منصب عطا کر دیا جائے اور پھر ابتری اور بد امنی عام نہ ہو، تو تعجب ہے۔ اکبری دور کے علماء سوء مخدوم الملک اور عبدالنبی نے محضر پر دستخط کر کے اپنے کو جس عذاب الیم کا سزاوار بنایا، وہ تو خبیر قادر مطلق ہی جانتا ہے، البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے زیادہ اس زمانہ کے علماء سوء کی نااہلی کا اور کوئی ثبوت نہیں مل سکتا، تلخ نوائی معاف! اور سچی بات تو یہ ہے کہ مختلف زمانوں اور ملکوں میں دین پر جتنے صدمے آئے ہیں، وہ سب انہیں علماء سوء کے ہاتھوں، اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکبری فتنہ کی بڑی ذمہ داری ابوالفضل اور فیضی پر نہیں، بلکہ انہیں دنیا کے کتوں پر ہے جنھوں نے بدنصیبی سے اس وقت علم دین کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، دور اکبری کے ابن حنبل، مجدد سرہندی بالکل صحیح فرماتے ہیں:

> ہر فتورے کہ دریں زماں در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ از شومی علماء سوء است کہ فی الحقیقت شرار مردم و لصوص دین اند، اولئک حزب الشیطان، الا ان حزب الشیطان ھم الخاسرون۔" (بحوالہ تذکرہ، ابوالکلام ص ۲۱)

محضرنامہ نئے مذہب کے اعلان کی تمہید تھا، آخر ۹۹۰ھ میں "دین الٰہی" کی تاسیس کا عام اعلان بھی ہو گیا، گو خاص مقربین بارگاہ کے سوا کسی نے اس سفاہت کا ساتھ نہیں دیا، جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں، اس "الٰہی" مذہب کے پیروؤں کی تعداد بہت محدود رہی لیکن زندگی کے دوسرے شعبے اس فتنہ سامانی سے بُری طرح اثر پذیر ہوئے۔ اسلامی تاریخ کی جگہ "تاریخ الٰہی (جلالی سنہ)" کا اجرا بھی اس دور کی بدعت ہے۔ درباری مصنفین اور ان کے شاگردوں اور ان سے متاثر ہونے والوں کو شاید اپنی مسخ شدہ ذہنیت کا احساس بھی نہیں باقی رہا، عام طور پر مسلمان لکھنے والے اپنی کتابیں حمد و نعت سے شروع کرتے ہیں، لیکن دربار اکبری کے فیض یافتہ اور ان کے شاگرد اپنی ہندی کتابوں یا ہندی اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے کا آغاز "گنیش" یا "سرسوتی" کے "متبرک" ناموں سے کرتے ہیں۔ ان روشن خیال اور "سرسوتی نواز" مصنفوں اور مترجموں کا حال ایک واقف کار ہندو اہل قلم کی زبان سُنیئے، ڈاکٹر تارا چند فرماتے ہیں،

> ایک اہم دلچسپی کی چیز، فارسی اور ہندی لکھنے والوں کا خالق کے سامنے اظہار عجز و نیاز کا طریقہ ہے۔ یہ قابل توجہ بات ہے کہ جہاں ہندو اور مسلمان، دونوں کی مذہبی روایات خالق کے نام سے آغاز پر زور دیتی ہیں ان مصنفوں کے یہاں، خالق کی حمد مذہب کی بنا پر نہیں ہوتی تھی، بلکہ زبان کی بنیاد پر — ہندو و مسلمان دونوں، جب فارسی میں لکھتے، بسم اللہ الرحمن الرحیم سے

شروع کرتے، اور ہندی کتابوں کا آغاز دونوں گنیش، سرسوتی، یا کسی دوسرے ہندو دیوتا کی تعریف سے کرتے۔ پہلی صورت تو عام ہے، دوسری کی چند مثالیں دی جاتی ہیں رحیم MADANA SATAKA کی ابتدا سری گنیش نامہ سے کرتا ہے، جہانگیر کے دور کا ایک انشا پرداز احمد جس نے سمدرک SAMUDRIKA پر ایک کتاب لکھی، اسی کے نقش قدم پر چلتا ہے، احمد اللہ اپنی کتاب سری رام جی سہائے سے شروع کرتا ہے، یعقوب خاں اپنی کتاب RASABHUSHANA شروع کرتے ہوئے سری سرسوتی، سری رادھا کرشن جی، سری گوری شنکر جی تین تین دیوتاؤں کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہے الخ

خطبہ صدارت شعبہ دور مغلیہ۔ تاریخ کانگریس دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۶۔

تارا چند صاحب نے اور بھی مثالیں دی ہیں، ہم اتنے ہی پر بس کرتے ہیں۔ ممکن ہے "متحدہ قومیت" اور اکبری راج کے ثنا خوانوں کے نزدیک یہ کوئی مفید اور قابل ذکر نمونہ ہو، پر ہم تو اسے مسلمانوں کے حق میں ذہنی ارتداد سے کم نہیں سمجھتے۔

اکبری دور کی یہی فتنہ سامانی تھی، جس نے مسلمانوں کی اندرونی زندگی کھوکھلی کر دی، زندگی کا سارا نظام ہندوانہ سانچے میں ڈھلنے لگا، معروف، اور منکر کا امتیاز جاتا رہا، اور خدانخواستہ اگر یہ ارتقاء یا ترقی معکوس برابر جاری رہتی، تو آج ہم آپ اس حال میں نہ ہوتے، ایک ہندو استھان ہوتا، جہاں مسلمان نام رکھنے والے بھی خالد رضؓ اور ابو عبیدہؓ کے بدلے ارجن اور رام چندر جی کے کارناموں پر فخر کرتے (والعیاذ باللہ) اب تک ہندوستان کی تاریخیں خالص دنیاوی بلکہ غیر اسلامی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں، اور اکبر کو ناروا طور پر اکبر اعظم کا لقب دیا گیا ہے ضرورت ہے کہ مسلمان لکھنے والے، اسلامی ہند کی تاریخ کا اسلامی نقطہ نظر سے مطالعہ کریں، اس طرح پر انہیں معلوم ہوگا کہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ میں اکبری راج سے زیادہ برا وقت نہیں آیا، اس لیے اگر ہم اسے "دور ضلالت" سے تعبیر کرتے ہیں، تو کوئی زیادتی نہیں کرتے۔

حضرت مجدد سرہندیؒ ۹۷۱ - م ۱۰۳۴ ہجری

اب ہم اسلامی ہند کے دینی ارتقاء کی تاریخ کے اس نقطہ پر پہونچ گئے ہیں، جہاں سے صحیح اسلامی رہنمائی شروع ہوتی ہے۔ زمین تپتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے، آخر شب کی اندھیاری ہی کے بعد سپیدہ صبح نمودار ہوتا ہے۔ جب مصیبت حد سے گزر جاتی ہے تو رحمت باری جوش میں آتی ہے۔

ؑ اس مضمون کا حق یہ تھا کہ اس میں حضرت مجددؒ کے مشن اور ان کی خدمات پر تفصیلی گفتگو کی جاتی لیکن مجدد نمبر کی اشاعت کے بعد یہ تفصیل بے کار معلوم ہوتی ہے اس لیے ہمارا یہ باب بھی مختصر رہے گا۔

اسی طرح جب زندقہ والحاد نے حکومت کی آغوش میں بال و پر نکالنا شروع کیے، اور سچے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا، اور ملک کے طول و عرض میں ہر طرف "ظلمات بعضہا فوق بعض" کا منظر نظر آنے لگا، اور ایک نئے احمد بن حنبل کی ضرورت محسوس ہوئی، تو قدرت نے ایک درویش کو خلعت تجدید عطا فرمایا، جس نے ہجارت ورثی کی پیتر ہوی میں پہلی مرتبہ بھولے بھٹکوں کی صحیح رہنمائی کی، کفر و شرک کی اندھیاری کا فور کی اور بدعات کی شب تار میں سنت و ہدایت کی شمع روشن کی، محمد بن عبد اللہ (روحی فداہ: صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے دین کو بُت پرستی کی آلودگیوں سے پاک کیا، ہندوانہ تصوف کی جگہ توحید خالص کا بول بالا کیا، اور شریعت کے دامن سے رفض کا داغ دھونے کی کوشش کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ افضل الجہاد کی سنت زندہ کی اور کلمۂ حق، کہکر سینکڑوں، ہزاروں، بلکہ پوری قوم کی توم کے متاع ایمان کی رکھوالی کرلی ——— یہ کون تھا؟ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالے رحمۃ الابرار الصالحین من عبادہ ونوّر ضریحہ، حق یہ ہے کہ وہ "مجدد" کہے جانے کے حق دار ہیں، حسینؓ بن علی، احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اور ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے جو کام اپنے اپنے زمانہ میں انجام دیئے تھے، وہی خدمت اس بوریہ نشین کے حصہ میں بھی آئی، جسے اس نے انجام دیا اور پورے کروفر کے ساتھ، شان استغنار کے ساتھ، اُسی شان محبوبیت کے ساتھ جو ازل سے خاصان خدا کے لیے مقدر ہے۔

حضرت مجددؒ کی دعوت جہانگیر (۱۰۱۴ - ۱۰۳۷) کے دور میں سرسبز ہوئی جب کہ وہ "منکرات" کے مٹانے اور بدعات کا قلع قمع کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے، لاتعداد خلقت آپ کے ہاتھوں ہدایت پذیر ہوئی نزدیک اور دور سے لوگ کھنچ کھنچ کر آنے لگے، آپ تو آپ ان کے خلفا کا یہ عالم تھا کہ فوج میں تبلیغ کرتے اعلیٰ افسرو ماتحت بلاتفریق ان کے ذریعہ ہدایت پاتے،

اوّل اول تو حکومت وقت نے ان پر سختی نہ کی لیکن جب ردّ شیعیت میں ان کی زبان صاف صاف کھلی تو ارکین حکومت میں کھلبلی مچ گئی اور بادشاہ کو طرح طرح سے ان کے خلاف اکسایا گیا........ آخر دربار سے طلبی ہوئی........ آپ تشریف لائے، شان استغنار کے ساتھ اندر داخل ہوئے، سلام مسنون پر اکتفا کی اور زمانہ کے رواج کے مطابق زمین بوس نہ ہوئے، تو اساطین مملکت بپھر گئے........ مجاہد وہاں بھی کلمۂ حق سے باز نہ رہا، تقریر کی جس میں بدعات و منکرات کی کھلم کھلا مذمت تھی...... نتیجہ ظاہر تھا گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیئے گئے، سنت یوسفی وہاں تازہ ہوگئی، تذکیر و ہدایت شروع ہوئی اور آن کی آن میں قیدخانہ کی کایا پلٹ ہوگئی، اور حیوان نما انسان، انسانوں میں تبدیل ہوگئے، بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ اس قیدی نے تو حیوانوں کو انسان اور انسانوں کو فرشتہ بناڈالا" یہ ولی صفت انسان تو قیدخانہ کے قابل نہیں۔

بادشاہ حاضر ہوا اور پایۂ تخت آنے کی دعوت دی، ولی عہد شہزادہ خرم نے استقبال کیا، خود بادشاہ نے خوش آمدید کہا اور معذرت کی، موقع غنیمت تھا، مجاہد نے اپنا فرض ادا کیا، اور مندرجہ ذیل امور کے نفاذ اور ان پر عمل کا مطالبہ کیا۔

(۱) بادشاہ کیلئے سجدہ تعظیمی کی یکسر موقوفی

(۲) گائے ذبح کرنے کی اجازت

(۳) بادشاہ اور ارکین دولت پر باجماعت نماز کی پابندی،

(۴) عہدہ قضا اور شرعی احتساب کے محکمہ کی تجدید،

(۵) تمام بدعات اور شرعی منکرات کا قلع قمع،

(۶) غیر شرعی قوانین کی منسوخی،

(۷) شکستہ اور منہدم مسجدوں کی دوبارہ تعمیر،

شاہی حکم نافذ ہوا اور نصف صدی کی گھٹا ٹوپ اندھیاری کے بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کو اس ملک میں سربلندی حاصل ہوئی اور عام مسلمان اس تبدیلی سے مسرور اور مطمئن ہوگئے،

حضرت مجددؒ کی خدمات کہاں تک گنائی جائیں، دین اور دینی اصلاح کا ہر شعبہ ان کی افادات کا رہین منت ہے، ایک طرف اگر رد روافض" میں ان کے کارنامے آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، تو دوسری طرف شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش بھی انہیں کے ہاتھوں دور ہوئی، انھوں نے اس "باطل تصوف" کی اصلاح کی اتباع سنت پر زور دیا، اور لوگوں کو کتاب وسنت کے چشمۂ صافی کی طرف واپس لانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔

عاجز کے نزدیک ان کا ایک بڑا تجدیدی کارنامہ "بدعت حسنہ" کی پردہ دری ہے، دوسری تیسری صدی ہجری ہی سے علماء سوء اور نام نہاد صوفیہ اپنی منت مئی بدعتوں کی پردہ پوشی "بدعت حسنہ" کے خوبصورت اور جاذب فقرہ سے کیا کرتے تھے، کسی منکر پر حرف گیری کرو، جواب ملے گا "بدعت حسنہ" ہے، کسی بدعت پہ متنبہ کرو فوراً "حسنہ" کی سپر سامنے آجائے گی، اللہ اللہ، رسول اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو ارشاد ہو، من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد" لیکن علماء سوء ہیں کہ دین کے اندر بدعات کا انبار لگاتے جا رہے ہیں، اور پوچھو تو ایک جواب "بدعت حسنہ"، حقیقت یہ ہے کہ دین کے اندر جو اضافہ کیا جائے وہ بدعت ہے اور اس لیے ضلالت بھی ہے، حسنہ اور سیئہ کی کوئی تفریق نہیں ——— "دین کے اندر" کہہ رہا ہوں، رسول کریم (فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) نے "فی امرنا ھذا" فرمایا ہے۔ لباس طعام اٹھنے بیٹھنے کے آداب

اور طریقوں کا سوال نہیں، بحث ان جدتوں اور نوتراشیدہ رسموں سے ہے، جو دین اور دینی اعمال کے اندر پیدا کر لی گئی ہیں، وہ کسی حال میں حسنہ نہیں ہو سکتیں، مجددؒ صاحب کا احسان ہے کہ انھوں نے اس کفوار میں پہلی مرتبہ اس بدعت کا راز فاش کیا، انھوں نے صاف صاف فرمایا:۔

النصیحۃ ھی الدین ومتابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیھم الصلوٰۃ والسلام و اتیان السنۃ السنیۃ والاجتناب عن البدعۃ اللا مرضیۃ وان کانت البدعۃ تری مثل فلق الصبح لانہ فی الحقیقۃ لا نور فیھا ولا ضیاء ولا لعلیل منھا شفاء ولا للداء منھا دواء کیف والبدعۃ اما رافعۃ للسنۃ أو ساکتۃ عنھا والساکتۃ لابد وان تکون متزائدۃ علی السنۃ فتکون ناسخۃ لھا فی الحقیقۃ ایضا لان الزیادۃ علی النص نسخ لہ فالبدعۃ کیف کانت تکون رافعۃ للسنۃ نقیضۃ لھا، فلا خیر فیھا ولا حسن فیھا لیت شعری من این حکموا بحسن البدعۃ المحدثۃ فی الدین الکامل الخ (مکتوب ۱۹ حصہ ششم دفتر دوم)

سچ کہا حضرت مجددؒ نے معلوم نہیں، ان لوگوں نے (دین کامل کے اندر) اختراع کردہ بدعتوں کی بہتری اور اچھائی کا حکم کہاں سے لگا دیا؟

بدعت حسنہ (؟) کی پردہ دری میں مجدد صاحب کے اقوال اس درجہ صاف اور واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں[1] لیکن کتنے ہیں جو مجدد صاحب کی پیروی اور عقیدت کا دم بھرتے ہوئے بھی اس میں لت پت نہیں؟ اللہ ہم سب کو سچائیوں کے پہچاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

شیخ عبدالحق دہلوی ۹۵۸ھ۔م ۱۰۵۲ھ مجدد صاحب کے کارناموں کے ساتھ ساتھ ان کے معاصر شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی کی خدمات کا ذکر بھی ضروری ہے، ان کی ذات سے شمالی ہند میں علم حدیث کو زندگی ملی، اور سنت نبوی کا خزانہ ہر خاص و عام کے لیئے عام ہو گیا، ہمارے نزدیک حدیث کی خدمت اور کتب حدیث کی مزاولت خود بخود دین کی سچی روح سے قریب کرتی ہے، اگلے "علماء" اور صوفی سرتاخرین کی فقہ اور معقولیت میں اُلجھ کر رہ گئے اور کم از کم شمالی ہند میں حدیث کا عام چرچا نہ ہو سکا، بددینی اور بدعقیدگی کا بڑا سبب یہی ہے۔ شیخ عبدالحق نے اس جہل کے دور کرنے کی کوشش کی، اور اس لیئے ہم آج ان کے شکر گزار ہیں اور ان کی علمی خدمات کا دل سے اعتراف کرتے ہیں،

شیخ کی تصنیفات بہت ہیں، فقہا اور صوفیہ دونوں ان کی شان میں رطب اللسان ہیں، معاصرت

---

[1] بدعت حسنہ (؟) کی مذمت میں مکتوبات کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ "الفرقان" کے مجدد نمبر میں جا بجا مختلف اقتباسات آئے ہیں: (ملاحظہ ہو: صفحہ ۴۲، ۴۲، ۴۷، ۵۹، ۳، ۲۷، ۲۶۲)

کی وجہ سے حضرت مجددؒ اور شیخ کے درمیان کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں، جو بشریت کا تقاضا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے، شمس الدین سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) دونوں ایک دوسرے کو اپنی تالیفات میں اس طرح یاد کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، یہاں تو معمولی سوء تفاہم ہوا تھا: جو بعد کو رفع ہوگیا، اور تعلقات استوار ہوگئے، اور دونوں خاندانوں کے اتحاد سے اصلاح و تجدید کے کاموں کو بڑی تقویت پہونچی۔

عالمگیر اورنگ زیب ۱۰۶۸ — ۱۱۱۸ ہجری

یوں تو جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ) ہی کے آخر دور سے حکومت مغلیہ کی پالیسی میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو چکی تھی، اور شاہ جہاں (۱۰۳۷ — ۱۰۶۸ھ) کے زمانے میں مسلمانوں کو اپنے مذہبی معاملات میں پوری آزادی حاصل رہی، نیز بادشاہ کے ستھرے ذوق کے طفیل کم از کم تعمیر اور فنون لطیفہ سے ہندوانہ اثرات زائل ہونے لگے، شاہجہاں کے زمانے کی عمارتیں ایرانی اور ہندی فنون (آرٹ) کے امتزاج کا اچھا نمونہ ہیں اسی طرح روزمرہ کی زندگی میں بھی اعتدال پیدا ہونے لگا۔ . . . . . . پر ایک ایسے فرمان روا کی ضرورت باقی تھی جو اکبر کی پیدا کی ہوئی بیماریوں کا مداوا ہو سکے، اکبر اور اس کے حواری سالہا سال تک فتنۂ الہیہ کی آبیاری کرتے رہے۔ ان کی ذہنی اور قلبی بیماریوں کے جراثیم معاشرت اور سماج کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے ان جراثیم کے دفعیہ اور شجرۂ خبیثہ کے بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لیے بھی ایک صاحب عزم اور صاحب فہم، گلیم پوش سلطان کی ضرورت تھی، جو الحمد للہ کہ ابو المظفر محی الدین عالمگیرؒ (اللہ اس کی آرام گاہ پر جنت کے پھول برسائے) کی تخت نشینی سے پوری ہوگئی تخت نشینی کیا تھی ایک مسلسل جہاد کا عزم ایک نہ ختم ہونیوالی جد و جہد کا آغاز، دارا شکوہ اور عالمگیر کی آویزش صرف دو بھائیوں کی آویزش نہ تھی، صرف ملک گیری کی لڑائی نہ تھی، یہ دو مختلف اصولوں کی جنگ تھی، دو فکر (IDEOLOGY) کی کشمکش تھی، ایک اپنے پردادا کے طور طریقے زندہ کرنا چاہتا تھا، دوسرا اپنے پیغمبر اور ہادی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت پر فریفتہ تھا، کہتے ہیں کہ اگر دارا شکوہ بادشاہ ہوتا، تو آج مغلیہ حکومت زندہ رہتی، ہوسکتا ہے کہ زندہ رہتی (سر دست ہم اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے) پر اسلام کا اس دیس سے جنازہ نکل چکا ہوتا۔ . . . . . . سچی بات یہ ہے کہ اسلامی ہند کی کوئی تاریخ اس بوریہ نشین شہنشاہ کے کارناموں کے بغیر مکمل نہیں کہی جاسکتی، یہ پہلا بادشاہ تھا۔ (اگر ہم تغلق خاندان کے بعض فرمانرواؤں کو الگ کر دیں)۔ جس نے بتوں کی اس سرزمین میں دین حنیفی کو تقویت دی، بدعات اور منکرات کا قلع قمع کیا اور پہلی مرتبہ اس ملک کے مسلمانوں کو فرماں روا قوم کے ایک فرد کی حیثیت دی۔

امام ولی اللہ دہلوی ۱۱۱۴ — ۱۱۷۶ ہجری

ایک طرف چھ سات سو سال کی گمراہیاں تھیں، دوسری طرف ایک فقیر اور ایک شہنشاہ کی مجاہدانہ کوششیں، یہ کوششیں اپنی جگہ پر آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں اور اگر عالمگیر کے جانشین لائق اور صاحب عزیمت ہوتے، تو یقینی یہ کوششیں برگ و بار لاتیں اور ان کے اچھے ثمرات

ظاہر ہوتے، لیکن وہ جو کہ ہند میں ملت کے ناموس کا آخری نگہبان تھا، اس کے جانشین ایسے کمزور اور بودے ثابت ہوئے کہ آن کی آن میں حکومت ڈانوا ڈول ہونے لگی اور فتنوں نے پھر از سر نو سر اٹھایا۔۔۔۔ جب دستور بدعات کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔ ہندوانہ طَور اجو حضرت مجددؒ اور سلطان عالمگیر کی جد و جہد سے مٹنے لگے تھے پھر رواج پانے لگے، شیعیت، آخری کمزور بادشاہوں کی آغوش میں، پھر سر چڑھنے لگی، یہ تو عام فضا تھی "خواص" یعنی اہل درس اور اصحاب مسند کا حال اور برا تھا، صاف صاف کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، پر موقع ایسا آپڑا ہے کہ بے کہے بھی رہا نہیں جاتا۔۔۔ نام نہاد فقرا اور صوفیہ، فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے مال اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، مدرسوں میں ابھی تک ارسطو کی سڑی ہوئی لاش پر عمل جراحی جاری ہے شمس بازغہ اور قاضی مبارک کی دھوم ہے، "قرآن کریم اور حدیث رسول کی کانوں میں بھنک پڑ جائے، تو خیر ہرج نہیں، لیکن ان کی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کیے جائیں، یہ ناممکن!! بڑے بڑے "ملا" کے خانوادے مشکوٰۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھا نا کافی خیال کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر مجدد رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ عبدالحق کی ترغیب و تحریص کے فیض سے کوئی جماعت اگر یکسر محروم رہی ہے، تو انھیں اہل مدرسہ کی۔ اہل فتوی کا حال نہ پوچھو، ان کے ہاں بس متاخرین کے تدوین کردہ فقہ اور فتاوی کی گویا پرستش ہونے لگی، کیا مجال کہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) اور ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے کسی فتوے یا قول سے آپ اختلاف رائے کا اظہار کر سکیں، اور اگر کسی سر پھرے نے کبھی ایسی جرات کی، تو وہ 'وہابی' مبتدع، غیر مقلد، ..... اور دوسری "شرعی" گالیوں کا مستحق ٹھیرا۔

آپ پوچھیں گے کہ اس بزم میں کتاب ربانی کا کیا حال تھا؟ تو سچی بات تو یہ ہے کہ آج تک سننے میں نہیں آیا، کہ یہ ان "اہل مدرسہ" کے ہاں کتاب عزیز کبھی بار پاتی تھی، اور واقعی ان بیچاروں کو "علوم الہیہ" سے اتنی فرصت کہاں ملتی تھی، کہ وہ کلام الہی کی طرف توجہ کرتے پورے "درس نظامی" میں اگر کوئی کتاب واقعی درس سے خارج تھی، تو یہی کتاب ربانی، جسے قرآن کریم کہا جاتا ہے، جس پر ہم آپ ایمان رکھنے کا دعوی کرتے ہیں........

یہ تو علما اور اصحاب درس کی حالت تھی، عوام اور متوسط طبقہ کی حالت اور دردناک تھی، ایک غیر مسلم مبصر کے الفاظ میں فی الجملہ اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیرووں کے ارتداد اور بت پرستی پر بیزاری

---

۵۵ یہ نام محض تمثیلاً لیے گئے ہیں، شکوہ ان کتابوں یا مصنفوں سے نہیں، شکوہ ان پر قرآن کریم کی طرح عمل کرنے والوں سے ہے ۱۲

کا انبار فرماتے تھے[1] - (جدید دنیائے اسلام مصنف STODDARD
مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی)

یہ پُر آشوب زمانہ تھا، اور یہ دردناک حالات تھے کہ غیرت حق کو حرکت ہوئی وقت آیا کہ از سرِ نو پیام محمدی کی تجدید ہو، مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کے دو طالب علم خاص طور پر اس منصب سے نوازے گئے۔ ان میں ایک ہندی نژاد تھا، دوسرا نجد کا بادیہ نشین، آپ سمجھے ؛ یہ طالب علم کون تھے، نجد کا بادیہ نشین محمد بن عبدالوہاب (و ۱۱۱۵ھ - م ۱۲۰۶ھ) اور ہندی نژاد ولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی (و ۱۱۱۴ھ - م ۱۱۷۶ھ) - یہ دونوں کیا تھے ؛ انھوں نے کیا کیا ؟ اس کی تفصیل ضخیم جلدوں کی محتاج ہے، ہم اتنا جانتے ہیں کہ آج ہندوستان میں ایمان اور علم دین کی جو کچھ بُری بھلی متاع ہمارے پاس موجود ہے وہ سب امام ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کا صدقہ ہے اور اس دیس میں آج جہاں کہیں بھی علم اور معرفت کی سبیل جاری ہے، سب کا منبع وہی ذات گرامی ہے جسکی یاد تازہ کرنے کے لیئے آج کی صحبت مرتب کی گئی ہے اور جس کی خدمت میں اس وقت ہم آپ اپنے علم اور حوصلوں کے مطابق اپنی عقیدت اور محبت کی نذر پیش کر رہے ہیں۔

راقم کے ذمہ امام ولی اللہ سے پہلے اسلامی ہند کی دینی تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا مقدور بھر اس نے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے، اگر خامی رہ گئی ہو، تو یہ اس کے علم کا قصور ہے، اور اگر لہجہ میں کہیں تلخی ہو، تو یہ شدت احساس کا نتیجہ ہے، جس کے لیئے معذرت کی ضرورت نہیں ؛

نوا را تلخ ترمی زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز ترمی خواں چو محمل را گراں بینی

---

[1] اسٹاڈرڈ نے اپنی کتاب میں اٹھارھویں صدی عیسوی کی اسلامی دنیا کا جامع اور پر درد نقشہ کھینچا ہے۔ امیر شکیب ارسلان کی رائے میں کوئی حاذق مسلمان بھی اس سے زیادہ صحیح تصویر نہیں کھینچ سکتا تھا، سیرت سید احمد شہید (ص ۱۵۰ - ۵۱) میں شاڈرڈ کا پورا اقتباس درج ہے۔ طوالت یہاں درج کرنے سے مانع ہے ۱۲

[2] اسی طرح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے مجاہدانہ اور مجددانہ کارنامے بھی کچھ کم اہم نہیں، راقم شیخ الاسلام کی مفصل سیرت لکھ رہا ہے۔ جو انشاء اللہ اپنے موضوع پر جامع چیز ہوگی۔

تذکرۂ امام ربانی یعنی الفرقان کا "مجدد الف ثانی نمبر" ۱۳۵۷ھ ہمکو بجا فخر ہے کہ حضرت امام ربانی کے جن تجدیدی کارناموں کو دنیا نے یکسر بھلا دیا تھا، چین سو برس کے بعد ادارۂ "الفرقان" کی اس کوشش نے پھر اس کی یاد تازہ کردی ہے، اس نمبر میں حضرت مجدد الف ثانی کے حالات زندگی اور مساعی احیاء ملت کے متعلق مشاہیر علماء کرام و ارباب تحقیق کے بیس نہایت بلند پایہ مقالے ہیں ضخامت .. ۴ صفحات کے قریب کاغذ قسم اول قیمت عہ کاغذ معمولی قیمت عہ/
ملنے کا پتہ :- مکتبۂ الفرقان بریلی - یو۔پی

Accession Number:
124269
Date 20-12-20

منصب تجدید کی حقیقت

اور

تاریخ تجدید میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام

از

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مدیر ترجمان القرآن لاہور

خاص "الفرقان" کے ولی اللہ نمبر کیلئے لکھا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کی اصطلاحی زبان کے جو الفاظ کثرت سے زبانوں پر آتے ہیں اُن میں سے ایک لفظ مجدد بھی ہے۔ اس لفظ کا ایک مجمل مفہوم تو قریب قریب ہر شخص سمجھتا ہے، یعنی یہ کہ جو شخص دین کو از سرِ نو زندہ اور تازہ کرے وہ مجدد ہے، لیکن اس کے تفصیلی مفہوم کی طرف بہت کم ذہن منتقل ہوتے ہیں۔ کم لوگ جانتے ہیں کہ تجدید کی حقیقت کیا ہے، کس نوعیت کے کام کو "تجدید" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس کام کے کتنے شعبے ہیں، مکمل تجدید کا اطلاق کس کارنامے پر ہو سکتا ہے اور جزئی تجدید کیا ہوتی ہے۔ اسی ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ لوگ اُن مختلف بزرگوں کے کارناموں کی بھی پوری طرح تشخیص نہیں کر سکتے جن کو تاریخِ اسلام میں مجدد قرار دیا گیا ہے۔ وہ بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ عمر ابن عبد العزیز بھی مجدد، امام غزالی بھی مجدد، ابن تیمیہ بھی مجدد، شیخ احمد سرہندی بھی مجدد، اور شاہ ولی اللہ بھی مجدد۔ مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ کون کس حیثیت سے مجدد ہے اور اس کا تجدیدی کارنامہ کس نوعیت اور کس مرتبہ کا ہے۔ اس ذہول و غفلت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جن ناموں کے ساتھ "حضرت"، "امام"، "حجۃ الاسلام"، "قطب العارفین"، "زبدۃ السالکین" اور اسی قسم کے الفاظ لگ جاتے ہیں ان کی عقیدت مندی کا اتنا بوجھ دماغوں پر پڑ جاتا ہے کہ پھر کسی میں یہ طاقت نہیں رہتی کہ آزادی کے ساتھ ان کے کاموں کا جائزہ لے کر ٹھیک ٹھیک تشخیص کر سکے کہ کس نے اس تحریک کے لیے کتنا اور کیا کام کیا ہے اور اس خدمت میں اُس کا حصہ کس قدر ہے۔ عموماً تحقیق کی نپی تُلی زبان کے بجائے ان بزرگوں کے کارنامے عقیدت کی شاعرانہ زبان میں بیان کیے جاتے ہیں جن سے پڑھنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے، اور شاید لکھنے والے کے ذہن میں بھی یہی ہوتا ہے، کہ جس کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ مردِ کامل تھا اور اس نے جو کچھ بھی کیا وہ ہر حیثیت سے کمال کے آخری درجہ پر پہنچا ہوا تھا۔ حالانکہ اگر اب ہم کو تحریکِ اسلامی کی تجدید و احیاء کے لیے کوشش کرنی ہے تو اس قسم کی عقیدت مندی اور اس ابہام و اجمال سے کچھ کام نہ چلے گا۔ ہم کو پوری طرح اس تجدید کے کام کو سمجھنا پڑے گا اور اپنی پچھلی تاریخ کی طرف پلٹ کر دیکھنا ہوگا کہ ان بہت سی صدیوں میں ہمارے مختلف لیڈروں نے کیا کیا کام کس طرح کیا ہے، ان کے کارناموں سے ہم کس حد تک فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اور ان سے کیا کچھ چھوٹ گیا ہے جس کی تلافی پر اب ہمیں متوجہ ہونا چاہیے۔

یہ مضمون ایک مستقل کتاب چاہتا ہے۔ مگر کتاب لکھنے کی فرصت کہاں۔ یہی غنیمت ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ذکرِ خیر چھڑ گیا، جس کی وجہ سے اس مضمون کی طرف چند اشارے کرنے کا موقع نکل آیا۔ شاید کہ ابھی

اسنادعلی سے کسی اللہ کے بندے کو تاریخ تجدید و احیاء دین کی تدوین کا راستہ مل جائے۔

اسلام اور جاہلیت کی اصولی و تاریخی کشمکش تجدید کی حقیقت و نوعیت سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اسلام اور جاہلیت کی اصولی اور تاریخی کشمکش کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے، کیونکہ تجدید دراصل نام ہے جاہلیت کے ہجوم سے اسلام کو نکال کر از سرِ نو چمکا دینے کا۔ پس آدمی نہ تو تجدید کو جان سکتا ہے نہ کسی مجدد کے کام کو پرکھ سکتا ہے جب تک کہ ان دونوں متصادم قوتوں کو اور ان کی کشمکش کو واضح طور پر نہ سمجھ لے۔

دنیا میں انسان کی زندگی کے لیے جو نظام نامہ بھی بنایا جائے گا اس کی ابتدا لامحالہ مابعد الطبیعی یا ایمانی مسائل سے ہوگی۔ زندگی کی کوئی اسکیم بن نہیں سکتی جب تک کہ انسان کے متعلق اور اس کائنات کے متعلق، جس میں انسان رہتا ہے، ایک واضح اور متعین تصور نہ قائم کر لیا جائے۔ یہ سوال کہ انسان کا برتاؤ یہاں کیا ہونا چاہیے اور کس طرح اُسے اس دنیا میں کام کرنا چاہیے، دراصل اس سوال سے گہرا تعلق رکھتا ہے کہ انسان کیا ہے، اس کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے، اور اس کائنات کا نظام کس ڈھنگ کا ہے جس سے انسان کی زندگی کے ڈھنگ کو ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اس سوال کا جو حل بھی تجویز کیا جائے گا اُسی کے لحاظ سے اخلاق کا ایک نظریہ قائم ہوگا، پھر اُسی نظریہ اخلاقی کی نوعیت کے مطابق انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل ہوگی، پھر اسی سانچے کے اندر انفرادی سیرت و کردار اور اجتماعی تعلقات و معاملات کے قوانین اپنی تفصیلی صورتیں اختیار کریں گے، اور آخر کار تمدن کی پوری عمارت انھیں بنیادوں پر تعمیر ہوگی۔ دنیا میں اس وقت تک انسانی زندگی کے لیے جتنے مذہب و مسلک بھی بنے ہیں ان سب کو بہرحال اپنا ایک بنیادی فلسفہ اور ایک اساسی نظریۂ اخلاق مرتب کرنا پڑا ہے اور اصول سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے جزئیات تک میں ایک مسلک کو دوسرے مسلک سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ یہی فلسفہ اور یہی اخلاقی نقطۂ نظر ہے، کیونکہ ہر دستورِ زندگی کا مزاج اسی چیز کی طبیعت کے مطابق بنتا ہے اور یہ اس کے قالب میں روح کی حیثیت رکھتی ہے۔

جزئیات و فروع سے قطع نظر، اصولی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو انسان اور کائنات کے متعلق چار ہی مابعد الطبیعی نظریے قائم ہوسکتے ہیں، اور دنیا میں جتنے دستورِ زندگی پائے جاتے ہیں انھوں نے انہی چار میں سے کسی ایک کو اختیار کیا ہے۔

جاہلیت خالصہ ایک نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا نظام ایک اتفاقی ہنگامۂ وجود و ظہور ہے جس کے پیچھے کوئی حکمت، کوئی مصلحت اور کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے۔ یونہی بن گیا ہے، یونہی چل رہا ہے اور یونہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی خدا نہیں ہے، اور اگر ہے تو اس کے ہونے یا نہ ہونے کا انسان کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ انسان ایک قسم کا جانور ہے جو دوسری چیزوں کی طرح شاید اتفاقاً

یہاں پیدا ہوگیا ہے ہمیں اس سے بحث نہیں کہ اس کو کس نے پیدا کیا اور کس لیئے پیدا کیا۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ اس زمین پر پایا جاتا ہے، کچھ خواہشیں رکھتا ہے جنھیں پورا کرنے کے لیئے اس کی طبیعت اندر سے زور کرتی ہے کچھ قوتیں اور کچھ آلات رکھتا ہے جو ان خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتی ہیں، اور اپنے گرد و پیش زمین کے دامن پر بہت سا سامان پھیلا ہوا دیکھتا ہے جن پر وہ اپنے ان قویٰ اور آلات کو استعمال کرکے اپنی خواہشوں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی زندگی کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنی طبع حیوانی کے مطالبات پورے کرے، اور اس کی انسانی استعدادوں کا مصرف اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان مطالبات کو پورا کرنے کے بہتر سے بہتر ذرائع فراہم کرے۔ انسان سے مافوق کوئی علم کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ موجود نہیں ہے جہاں سے اس کو اپنی زندگی کا قانون مل سکتا ہو، لہٰذا اس کو اپنے گرد و پیش کے آثار و احوال سے اور اپنی تاریخ کے تجربات سے خود ہی ایک قانون عمل اخذ کرنا چاہیئے۔ بظاہر کوئی ایسی حکومت نظر نہیں آتی جس کے سامنے انسان جوابدہ ہو، اس لیئے انسان بجائے خود ایک غیر ذمہ دار ہستی ہے، اور اگر یہ جوابدہ ہے بھی تو آپ اپنے ہی سامنے ہے، یا اس اقتدار کے سامنے جو خود انسانوں ہی میں سے پیدا ہو کر افراد پر مستولی ہو جائے۔ اعمال کے نتائج جو کچھ بھی ہیں بس دُنیوی زندگی کی حد تک ہیں۔ اس کے ماسوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ لہٰذا صحیح اور غلط، مفید اور مضر، قابل اخذ و قابل ترک ہونے کا فیصلہ صرف ان ہی نتائج کے لحاظ سے کیا جائے گا جو اس دُنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

انسان جب جاہلیت محضہ کی حالت میں ہوتا ہے، یعنی جب اپنے محسوسات سے ماوراء کسی حقیقت تک وہ نہیں پہونچتا یا بندگی نفس کی وجہ سے نہیں پہنچنا چاہتا، تو اس کے ذہن پر یہی نظریہ حاوی ہوتا ہے۔ دُنیا پرستوں نے ہر زمانے میں یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔ قلیل مستثنیات کو چھوڑ کر بادشاہوں نے، امیروں نے، [illegible] اور ارباب حکومت نے خوشحال لوگوں اور خوشحالی کے پیچھے جان دینے والوں نے عموماً اسی نظریہ کو ترجیح دی ہے اور جن قوموں کی تمدنی ترقی کے گیت تاریخ میں گائے جاتے ہیں بالعموم ان سب کے تمدن کی جڑ میں یہی نظریہ کام کرتا رہا ہے۔ موجودہ مغربی تمدن کی بنیاد بھی یہی نظریہ ہے۔ اگرچہ اہل مغرب سب کے سب خدا اور آخرت کے منکر نہیں ہیں، نہ علمی حیثیت سے سب مادہ پرستانہ اخلاق کے قائل ہیں، لیکن جو روح ان کے پورے نظام تہذیب و تمدن میں کام کر رہی ہے وہ اسی انکار خدا و آخرت اور اسی مادہ پرستانہ اخلاق ہی کی روح ہے اور وہ کچھ اس طرح ان کی زندگی میں پیوست ہوگئی ہے کہ جو لوگ علمی حیثیت سے خدا اور آخرت کے قائل ہیں اور اخلاق میں ایک غیر مادہ پرستانہ نقطۂ نظر اختیار کرتے ہیں وہ بھی غیر شعوری طور پر اپنی واقعی زندگی میں دہریہ اور مادہ پرست ہی ہیں، کیونکہ ان کے علمی نظریہ کا اُن کی عملی زندگی سے بالفعل کوئی ربط قایم نہیں ہے۔ ایسی ہی کیفیت ان سے پہلے کے متمدنین اور خدا فراموش لوگوں کی بھی تھی، بغداد، دمشق، دہلی، اور غرناطہ کے متمدنین

مسلمان ہونے کی وجہ سے خدا اور آخرت کے منکر نہ تھے، مگر ان کی زندگی کا سارا پروگرام اس طرح بنتا تھا کہ گویا نہ خدا ہے، نہ آخرت ہے، نہ کسی کو جواب دینا ہے، نہ کہیں سے ہدایت لینی ہے، جو کچھ ہیں ہماری خواہشات ہیں ان خواہشات کی تکمیل میں ہر قسم کے ذرائع اور ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے کے لیے ہم آزاد ہیں اور دنیا میں جینے کی جتنی مہلت ملتی ہے اس کا بہترین مصرف بس یہ ہے کہ:

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا، اس نظریہ کی عین فطرت یہی ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک خالص اوباشانہ نظام اخلاق بنتا ہے، خواہ وہ کتابوں میں مدوّن ہو یا صرف ذہنیتوں ہی میں مرتب ہو کر رہ جائے۔ پھر اسی ذہنیت سے علوم و فنون اور افکار و آداب کی آبیاری ہوتی ہے اور پورے نظام تعلیم و تربیت میں الحاد و مادیت کی روح سرایت کر جاتی ہے۔ پھر انفرادی سیرتیں اسی سانچے میں ڈھلتی ہیں، انسان اور انسان کے درمیان تعلقات و معاملات کی تمام صورتیں اسی نقشہ پر بنتی ہیں۔ اور قوانین کا نشوونما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے پھر اس طرز کی سوسائٹی میں سطح پر وہ لوگ اُبھر آتے ہیں جو سب سے زیادہ مکار، بددیانت، جھوٹے، دغاباز سنگ دل اور خبیث النفس ہوتے ہیں۔ تمام سوسائٹی کی سیادت و قیادت اور مملکت کی زمام کار انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ شتر بے مہار کی طرح ہر حساب سے بے خوف اور ہر مواخذہ سے بے پروا ہو کر خلق خدا پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ میکیاویلی کے اصول سیاست پر ان کی ساری حکمت عملی مبنی ہوتی ہے۔ ان کی کتاب آئین میں زور کا نام حق اور بے زوری کا نام باطل ہوتا ہے۔ جہاں کوئی مادی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی وہاں کوئی چیز ان کو ظلم سے نہیں روک سکتی۔ یہ ظلم مملکت کے دائرے میں یہ شکل اختیار کرتا ہے کہ طاقتور طبقے اپنی ہی قوم کے کمزور طبقوں کو کھاتے اور دباتے ہیں۔ اور مملکت کے باہر اس کا ظہور قوم پرستی، امپریلزم، اور ملک گیری و اقوام کشی کی صورت میں ہوتا ہے۔

جاہلیت مشرکانہ دوسرا ما بعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا نظام اتفاقی تو نہیں ہے اور نہ بے خدا ہے مگر اس کا ایک خدا نہیں بلکہ بہت سے خداوند ہیں۔ یہ خیال چونکہ کسی علمی ثبوت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض خیال آرائی پر اس کی بنا ہے، اس لئے موہوم، محسوس اور معقول اشیاء کی طرف خداوندی و الوہیت کو منسوب کرنے میں مشرکین کے درمیان نہ کبھی اتفاق ہو سکتا ہے نہ کبھی ہوا ہے۔ اندھیرے میں بھٹکنے والوں کا ہاتھ جس چیز پر بھی پڑ گیا وہ خدا بنالی گئی اور خداؤں کی فہرست ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ فرشتے، جن، ارواح، سیارے، زندہ اور مردہ انسان، درخت، پہاڑ، جانور، دریا، زمین، آگ، اور معانی مجردہ، مثلاً محبت، حسن، شہوت، قوت تخلیق، بیماری، جنگ، لچھمی، شکتی وغیرہ، اور خیالی مرکبات مثلاً شیر انسان، ماہی انسان، بوزنہ انسان،

چہار سرا، ہزار دستہ، خرطوم بینی وغیرہ مشرکین کے معبودوں میں جگہ پاتے رہے ہیں۔ پھر اس عہد پومالا کے گرد اوہام و خرافات (میتھالوجی) کا ایک عجیب طلسم ہوش ربا تیار ہوا ہے جس میں ہر جاہل قوم کی قوت واہمہ نے اپنی شادابی و نادرہ کاری کے وہ وہ دلچسپ نمونے فراہم کیے ہیں کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جن قوموں میں خداوند عالیٰ یعنی اللہ کا تصور نمایاں پایا گیا ہے، وہاں تو خدائی کا انتظام کچھ اس طرح کا ہے گویا اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے اور دوسرے خدا اس کے وزیر، درباری، مصاحب، عہدہ دار اور اہلکار ہیں، مگر انسان بادشاہ سلامت تک راہ نہیں پا سکتا اس لیے اس کے سارے معاملات ماتحت خداؤں ہی سے وابستہ رہتے ہیں۔ اور جن قوموں میں خداوند اعلیٰ کا تصور بہت دھندلا یا قطعاً مفقود ہے، وہاں ساری خدائی ارباب متفرقین ہی میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

جاہلیت خالصہ کے بعد یہ دوسری قسم کی جاہلیت ہے جس میں انسان قدیم ترین زمانے سے آج تک مبتلا ہوتا رہا ہے، اور ہمیشہ گھٹیا درجہ کی دماغی حالت ہی میں یہ کیفیت رونما ہوئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے اثر سے جہاں لوگ اللہ واحد قہار کی خدائی کے قائل ہو گئے۔ وہاں سے خداؤں کی دوسری اقسام تو رخصت ہو گئیں مگر انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین، مجاذیب، اقطاب، ابدال، علماء، مشائخ اور ظل اللہوں کی خدائی، پھر بھی کسی نہ کسی طرح عقائد میں اپنی جگہ نکالتی ہی رہی۔ جاہل دماغوں نے مشرکین کے خداؤں کو چھوڑ کر ان نیک بندوں کو خدا بنا لیا جن کی ساری زندگیاں بندوں کی خدائی ختم کرنے اور صرف اللہ کی خدائی ثابت کرنے میں صرف ہوئی تھیں۔ ایک طرف مشرکانہ پوجا پاٹ کی جگہ فاتحہ، زیارات، نیاز، نذر، عرس، صندل، چڑھاوے، نشان، علم، تعزیے اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی اعمال کی ایک نئی شریعت تصنیف کر لی گئی۔ دوسری طرف بغیر کسی ثبوت علمی کے ان بزرگوں کی ولادت و وفات، ظہور و غیاب، کرامات و خوارق، اختیارات و تصرفات، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے تقرب کی کیفیات کے متعلق ایک پوری میتھالوجی تیار ہو گئی جو بت پرست مشرکین کی میتھالوجی سے ہر طرح لگا کھا سکتی ہے۔ تیسری طرف توسل اور استمداد روحانی اور اکتساب فیض وغیرہ ناموں کے خوشنما پردوں میں وہ سب معاملات جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں، ان بزرگوں سے متعلق ہو گئے اور عملاً وہی حالت قائم ہو گئی جو اللہ کو ماننے والے ان مشرکین کے ہاں ہے جن کے نزدیک پادشاہ عالم انسان کی رسائی سے بہت دور ہے اور انسان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے تمام امور نیچے کے اہلکاروں ہی سے وابستہ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان کے ہاں یہ اہلکار علانیہ الٰہ، دیوتا، اوتار یا ابن اللہ کہلاتے ہیں، اور یہ انھیں غوث، قطب، اولیاء اور اہل اللہ وغیرہ الفاظ کے پردوں میں چھپاتے ہیں۔

یہ دوسری قسم کی جاہلیت تاریخ کے دوران میں عموماً پہلی قسم کی جاہلیت، یعنی جاہلیت خالصہ کے ساتھ تعاون کرتی رہی ہے۔ قدیم زمانے میں بابل، مصر، ہندوستان، ایران، یونان، روم وغیرہ ممالک کے

تمدن میں یہ دونوں جاہلیتیں ہم آغوش تھیں اور موجودہ زمانہ میں جاپان کے تمدن کا بھی یہی حال ہے۔ اس اختلاط کے متعدد اسباب ہیں جن میں سے چند کی طرف میں اشارہ کرونگا۔

اولاً مشرکانہ جاہلیت میں آدمی کا کوئی تعلق اپنے معبودوں کے ساتھ اس کے سوا نہیں ہوتا کہ یہ اپنے خیال میں ان کو صاحب اختیار اور نافع وضار سمجھ لیتا ہے اور مختلف مراسم عبودیت کے ذریعہ سے اپنے دنیوی مقاصد میں ان کی مہربانی و اعانت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ وہاں اس کو کسی قسم کی اخلاقی ہدایت یا زندگی کا قانون وضا بطہ ملے۔ تو اس کا کوئی امکان ہی نہیں، کیونکہ وہاں کوئی واقع میں خدا ہو تو ہدایت اور قانون بھیجے۔ پس جب ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے تو مشرک انسان لامحالہ خود ہی ایک اخلاقی نظریہ بناتا ہے اور خود ہی اس نظریہ کی بنیاد پر ایک شریعت تصنیف کرتا ہے۔ اس طرح وہی جاہلیت محضہ برسرکار آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالص جاہلیت کے تمدن اور مشرکانہ تمدن میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ ایک جگہ جاہلیت کے ساتھ مندروں، پجاریوں اور عبادات کا سلسلہ ہوتا ہے، اور دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ ورنہ اخلاق و اعمال جیسے یہاں ہوتے ہیں ایسے ہی وہاں بھی ہوتے ہیں۔ یونان قدیم اور بت پرست روم کے اخلاقی مزاج اور موجودہ یورپ کے اخلاقی مزاج میں جو مشابہت پائی جاتی ہے اس کا یہی سبب ہے۔

ثانیاً علوم وفنون فلسفہ وادب، اور سیاسیات ومعاشیات وغیرہ کے لیئے مشرکانہ نظریہ کوئی الگ مستقل بنیاد فراہم نہیں کرتا۔ اس باب میں بھی مشرک انسان جاہلیت محضہ ہی کا رُخ اختیار کرتا ہے اور مشرک سوسائٹی کا سارا دماغی نشو ونما اسی ڈھنگ پر ہوتا ہے جس پر خالص جاہلی سوسائٹی میں ہوا کرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین کی قوت واہمہ حد سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس لیئے ان کے افکار میں خیال آرائی کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے، اور ملاحدہ ذرا عملی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس لیے نرے خیالی فلسفوں سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی، البتہ جب وہ خدا کے بغیر کائنات کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی استدلالی کھینچ تان بھی اُتنی ہی غیر معقول ہوتی ہے جتنی مشرکین کی میتھالوجی۔ بہرحال علمی حیثیت سے شرک اور جاہلیت خالصہ میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہوتا، اور اس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ موجودہ یورپ اپنے نظریات میں قدیم یونان و روم سے اس طرح سلسلہ جوڑتا ہے کہ گویا یہ بیٹا ہے اور وہ باپ۔

ثالثاً مشرک سوسائٹی ان تمام تمدنی طریقوں کو قبول کرنے کے لیئے پوری طرح مستعد ہوتی ہے جن کو خالص جاہلی سوسائٹی اختیار کرتی ہے۔ اگرچہ سوسائٹی کی ترتیب وتعمیر میں شرک اور جاہلیت خالصہ کے ڈھنگ ذرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شرک کی مملکت میں بادشاہوں کو خدائی کا مقام دیا جاتا ہے، روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدہ داروں کا ایک طبقہ مخصوص امتیازات کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، شاہی خاندان اور مذہبی طبقے مل کر ایک

ملی جنگ قایم کرتے ہیں، خاندانوں پر خاندانوں کے اور نسلوں پر نسلوں کے تفوق کا ایک مستقل نظریہ وضع کیا جاتا ہے اور اس طرح جاہل عوام پر مذہب کا جال پھیلا کر ظالمانہ تسلط قایم کر لیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے خالص مادی سوسائٹی میں یہ خرابیاں نسل پرستی، قوم پرستی، قومی امپیریلزم، ڈکٹیٹرشپ۔ سرمایہ داری اور طبقاتی نزاع کی شکل اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جہاں تک روح اور جوہر کا تعلق ہے، انسان پر انسان کی خدائی مسلط کرنے اور انسان کو انسان سے پھاڑنے، اور انسانیت کو تقسیم کرکے ایک ہی نوع کے افراد کو ایک دوسرے کے لیئے صیاد بنانے میں دونوں ایک سطح پر ہیں۔

جاہلیت راہبانہ تیسرا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ یہ دنیا اور جسمانی وجود انسان کے لیئے ایک دار العذاب ہے۔ انسان کی روح اس قفس عنصری میں در اصل ایک سزا یافتہ قیدی کی حیثیت رکھتی ہے۔ لذات و خواہشات اور تمام وہ ضروریات جو اس جسمانی تعلق کی وجہ سے انسان کو لاحق ہوتی ہیں، اصل میں اس قیدخانہ کے طوق وسلاسل ہیں۔ انسان اس دنیا اور اس کی چیزوں سے جتنا تعلق رکھے گا اتنا ہی گندگی سے آلودہ ہوگا اور اُسی قدر مزید عذاب کا مستحق بن جائے گا۔ نجات کی صورت اس کے سوائے کوئی نہیں ہے کہ اس زندگی کے کھیڑوں سے قطع تعلق کیا جائے، خواہشات کو مٹایا جائے، لذات سے کنارہ کشی کی جائے، جسمانی ضروریات اور نفس کے مطالبات کو پورا کرنے سے انکار کیا جائے، ان تمام محبتوں کو جو دنیوی اشیا اور گوشت و خون کی ثرتہ داریوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں، دل سے نکال دیا جائے، اور اپنے اس دشمن یعنی نفس و جسم کو مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ سے اتنی تکلیفیں دی جائیں کہ روح پر اس کا تسلط قایم نہ رہ سکے۔ اس طرح روح ہلکی اور پاک صاف ہو جائگی اور نجات کے بلند مقامات پر اڑنے کی طاقت حاصل کرلے گی۔

یہ نظریہ بجائے خود غیر تمدنی نظریہ ہے، مگر تمدن پر یہ متعدد طریقوں سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کی بنا پر ایک خاص قسم کا نظام فلسفہ بنتا ہے جس کی مختلف شکلیں ویدانتزم، اشراقیت، یوگ، تصوف، مسیحی رہبانیت اور بدھ ازم وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اس فلسفہ کے ساتھ ایک ایسا نظام اخلاق وجود میں آتا ہے جو بہت کم ایجابی اور بہت زیادہ بلکہ تمام تر سلبی نوعیت کا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل جل کر لٹریچر، عقائد، اخلاقیات اور عملی زندگی میں نفوذ کرتی ہیں اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچتے ہیں وہاں افیون اور کوکین کا کام کرتے ہیں۔ پہلی دونوں قسم کی جاہلیتوں کے ساتھ اس تیسری قسم کی جاہلیت کا تعاون عموماً تین صورتوں سے ہوتا ہے۔

(۱) یہ راہبانہ جاہلیت انسانی جماعت کے نیک اور پاکباز افراد کو دنیا کے کاروبار سے ہٹا کر گوشۂ عزلت میں لے جاتی ہے اور بدترین قسم کے شریر افراد کے لیئے میدان صاف ہو جاتا ہے۔ بدکار خدا کی زمین کے متولی بن کر آزادی کے ساتھ فساد پھیلاتے ہیں، اور نیک لوگ اپنی نجات کی فکر میں پسپا کیئے چلے جاتے ہیں۔

(۲) اس جاہلیت کے اثرات جہاں تک عوام میں پہونچتے ہیں وہ ان کے اندر غلط قسم کا صبر و تحمل، اور مایوسانہ نقطۂ نظر پیدا کر کے انہیں ظالموں کے لیئے نرم نوالہ بنا دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمیشہ بادشاہ، امراء اور مذہبی اقتدار رکھنے والے طبقے اس راہبانہ فلسفہ و اخلاق کی اشاعت میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں، اور یہ خوب آرام سے ان کی سرپرستی میں پھیلتا رہا ہے۔ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ امپیریلزم، سرمایہ داری، اور روحانی ریاست سے اس راہبانہ فلسفہ و اخلاق کی کبھی لڑائی ہوئی ہو۔

(۳) جب یہ رہبانی فلسفہ و اخلاق، انسانی فطرت سے شکست کھاتا ہے تو کتاب الحیل کی تصنیف شروع ہو جاتی ہے کہیں کفارہ کا عقیدہ ایجاد ہوتا ہے "تاکہ دل کھول کر گناہ کیا جا سکے اور جنت بھی ہاتھ سے نہ جائے کہیں ہوس رانی کے لیئے عشق مجازی کا حیلہ نکالا جاتا ہے "تاکہ دل کی لگی بجھا بھی لی جائے اور تقدس بھی جوں کا توں قائم رہے۔ اور کہیں ترک دنیا کے پردے میں بادشاہوں اور رئیسوں سے سانٹھ گانٹھ کی جاتی ہے اور روحانی امارت کا وہ جال پھیلایا جاتا ہے جس کی بدترین مثالیں روم کے پاپاؤں، اور مشرقی دنیا کے گدی نشینوں نے پیش کی ہیں۔

یہ تو اس جاہلیت کا معاملہ اپنی ہم جنس بہنوں کے ساتھ ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں جب یہ گھس آتی ہے تو کچھ اور ہی گل کھلاتی ہے۔ خدا کے دین پر اس کی پہلی ضرب یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو دار العمل، دار الامتحان اور مزرعۃ الآخرۃ سمجھنے کا خیال دار العذاب اور "مایا کے جال" کے تصور سے بدل جاتا ہے۔ نقطۂ نظر کے اس بنیادی تغیر کی وجہ سے آدمی اس دنیا میں اپنی ماموریت اور حیثیت خلافت کو بھول کر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں یہاں کام کرنے اور دنیا کے معاملات کو چلانے نہیں آیا ہوں بلکہ گندگی اور نجاست میں پھینکا گیا ہوں جس سے مجھے بچنا اور دور بھاگنا چاہیئے میرے لئے صحیح پوزیشن یہ ہے کہ میں یہاں نان کو آپریٹر کی طرح رہوں اور ذمہ داریاں قبول کرنے کے بجائے ان سے کنارہ کروں۔ اس تصور کے ساتھ آدمی دنیا اور اس کے معاملات پر سہمی ہوئی نگاہ ڈالنے لگتا ہے اور بار خلافت سنبھالنا تو در کنار، بار تمدن کو بھی اپنے سر لیتے ہوئے ڈرتا ہے۔ اس کے لیئے پورا نظام شریعت بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ عبادات اور اوامر و نواہی کا یہ مفہوم بالکلیہ ساقط ہو جاتا ہے کہ یہ حیات دنیا کی اصلاح اور فرائض خلافت کی انجام دہی کے لیئے تیار کرنے والی چیزیں ہیں۔ برعکس اس کے آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ عبادات اور چند خاص مذہبی اعمال اس گناہِ زندگی کا کفارہ ہیں بس انہی کو پورے انہماک سے ٹھیک ناپ تول کے ساتھ انجام دیتے رہنا چاہیئے تاکہ آخرت میں نجات حاصل ہو۔

اس ذہنیت نے انبیاء کی امتوں میں سے ایک گروہ کو مراقبہ و مکاشفہ، چلہ کشی و ریاضت، اوراد و وظائف احزاب و اعمال، سیر مقامات اور حقیقت کی فلسفیانہ تعبیروں کے چکر میں ڈال کر اور مستحبات و نوافل کے التزام میں فرائض سے بھی زیادہ منہمک کر کے اس خلافت الٰہیہ کے کام سے غافل کر دیا جس کو جاری کرنے کے لیئے انبیاء علیہم السلام

آئے تھے، اور دوسرے گروہ میں تقشف، تعمق فی الدین، غلو، موشگافی، چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ناپ تول و جزئیات کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کی بیماری پیدا کر دی تھی کہ ان کے لئے خدا کا دین ایک ایسا نازک آبگینہ بن گیا جو ذرا ذرا سی باتوں سے ٹھیس کھا کر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان بیچاروں کا سارا وقت بس اسی دیکھ بھال کی نذر ہونے لگا کہ کہیں کچھ اونچ نیچ نہ ہو جائے اور یہ شیشے کا برتن جو سر پر رکھا ہے کھیل کھیل ہو کر نہ رہ جائے — دین میں اتنی باریکیاں نکل آنے کے بعد ناگزیر ہے کہ جمود، تنگ خیالی اور کم حوصلگی پیدا ہو۔ ایسے لوگوں میں کہاں یہ قابلیت باقی رہ سکتی ہے کہ نگاہ جہاں بیں سے انسانی زندگی کے بڑے بڑے مسائل پر نظر ڈالیں، دین کے عالمگیر اصول و کلیات پر گرفت حاصل کریں اور زمانہ کی ہر نئی گردش میں دُنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔

اسلام | چوتھا مابعد الطبیعی نظریہ یہ ہے کہ یہ سارا عالم ہست و بود جو ہمارے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے اور جس کا ایک جز ہم خود ہیں، دراصل ایک بادشاہ کی سلطنت ہے اسی نے اس کو بنایا ہے، وہی اس کا مالک ہے، اور وہی اس کا واحد حاکم ہے۔ اس سلطنت میں کسی کا حکم نہیں چلتا۔ سب کے سب تابع امر ہیں اور اختیارات بالکلیہ اسی ایک مالک و فرماں روا کے ہاتھ میں ہیں۔ انسان اس مملکت میں پیدائشی رعیت ہے، یعنی رعیت ہونا یا نہ ہونا اس کی مرضی پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ رعیت ہی پیدا ہوا ہے اور رعیت کے سوا کچھ اور ہونا اس کے امکان میں نہیں ہے۔ اس نظام حکومت کے اندر انسان کی خود مختاری و غیر ذمہ داری کے لئے کوئی جگہ نہیں نہ فطرۃً ہو سکتی ہے۔ پیدائشی رعیت اور ایک جزو مملکت ہونے کی حیثیت سے اس کے لئے کوئی بجز اس کے سوا نہیں ہے کہ جس طرح مملکت کے تمام اجزاء بادشاہ کے امر کی اطاعت کر رہے ہیں اسی طرح یہ بھی کرے۔ یہ خود اپنے لئے طریق زندگی وضع کرنے اور اپنی ڈیوٹی آپ تجویز کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ مالک الملک کی طرف سے جو ہدایت آئے اس کی پیروی کرے۔ اس ہدایت کے آنے کا ذریعہ وحی ہے اور جن انسانوں کے پاس وہ آتی ہے وہ نبی ہیں۔

مگر انسان کی آزمائش کے لئے مالک نے یہ لطیف طریقہ اختیار کیا ہے کہ آپ بھی چھپ گیا اور اپنی سلطنت کا وہ پورا اندرونی انتظام بھی چھپا دیا جس سے وہ تدبیر امر کرتا ہے۔ ظاہر میں سلطنت اس طرح چل رہی ہے کہ نہ اس کا حاکم نظر آتا ہے نہ کارپرداز ہی دکھائی دیتے ہیں۔ انسان صرف ایک کارخانہ چلتا ہوا دیکھتا ہے اس کے درمیان اپنے آپ کو موجود پاتا ہے، اور ظاہر حواس سے کہیں یہ محسوس نہیں کرتا کہ میں کسی کا محکوم ہوں اور کسی کو مجھے حساب دینا ہے، اعیان و شہود میں کوئی ایسی نشانی نمایاں نہیں ہوتی کہ اس پر فرماں روائے عالم کی حاکمیت اور اپنی محکومیت و مسئولیت کا حال غیر مشتبہ طور پر کھل جائے یہاں تک کہ مانے بغیر چارہ نہ رہے۔ نبی بھی آتے ہیں تو اس طرح نہیں کہ ان کے اوپر عیاناً وحی اُترتی دکھائی دے، یا کوئی ایسی صریح علامت ان کے ساتھ اُترے جس کو دیکھ کر ان کی نبوت ماننے کے سوا چارہ نہ رہے — پھر آدمی ایک حد کے اندر اپنے آپ کو بالکل

مختار پاتا ہے۔ بغاوت کرنا چاہے تو اس کی قدرت دیدی جاتی ہے۔ ذرائع بہم پہونچا دیئے جاتے ہیں، اور بڑی لمبی ڈھیل دی جاتی ہے حتیٰ کہ شرارت و عصیان کی آخری حدود کو پہنچنے تک کوئی رکاوٹ اسے پیش نہیں آتی۔ مالک کے سوا دوسروں کی بندگی کرنا چاہے تو اس سے بھی زبردستی اس کو نہیں روکا جاتا، پوری آزادی دی جاتی ہے جس جس کی بندگی، عبادت، اطاعت کرنا چاہے کرے۔ دونوں صورتوں (یعنی بغاوت اور بندگی غیر کی صورتوں) میں رزق برابر ملتا ہے، سامان زندگی، وسائل کار، اسباب عیش حسب حیثیت خوب دیئے جاتے ہیں، اور مرتے دم تک دیئے جاتے رہتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی باغی یا کسی بندۂ غیر سے محض اس جرم کی پاداش میں اسباب دنیا روک لیئے جائیں۔ یہ سارا طرز کارروائی صرف اس لیئے ہے کہ خالق نے انسان کو عقل، تمیز، استدلال، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں دی ہیں، اور اپنی بے شمار مخلوقات پر اس کو ایک طرح کے حاکمانہ تصرف کی جو قدرت بخشی ہے، اس میں وہ اس کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اسی آزمائش کی تکمیل کے لیئے حقیقت پر غیب کا پردہ ڈالا گیا ہے تاکہ انسان کی عقل کا امتحان ہو۔ انتخاب کی آزادی بخشی گئی ہے تاکہ اس امر کا امتحان ہو کہ آدمی حق کو جاننے کے بعد کسی مجبوری کے بغیر خود اپنی رضا و رغبت سے اس کی پیروی کرتا ہے یا خواہشات کی غلامی اختیار کرکے اس سے منہ موڑتا ہے۔ اسباب زندگی کا سرمایہ اور وسائل کار دیئے گئے ہیں، اور عمر بھر کی مہلت دی گئی ہے کیونکہ جب تک کسی کارکن کو سرمایہ، وسائل، اور کام کا موقع نہ دیا جائے اس کی لیاقت و عدم لیاقت کا امتحان نہیں ہوسکتا۔

یہ دنیوی زندگی چونکہ آزمائش کی مہلت ہے اس لیئے یہاں نہ حساب ہے نہ جزا نہ سزا۔ یہاں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ کسی عمل نیک کا انعام نہیں ہے بلکہ امتحان کا سامان ہے۔ اور جو تکالیف، مصائب، شدائد وغیرہ پیش آتے ہیں وہ کسی عمل بد کی سزا نہیں بلکہ اس قانون طبیعی کے تحت جس پر اس دنیا کا نظام قائم کیا گیا ہے، آپ سے آپ ظاہر ہونے والے نتائج ہیں۔ اعمال کے اصلی حساب، جانچ پڑتال اور فیصلہ کا وقت مہلت کی زندگی ختم ہونے کے بعد ہے اور اسی کا نام آخرت ہے۔ لہذا دنیا میں جو کچھ نتائج ظاہر ہوتے ہیں وہ کسی طریقہ یا کسی عمل کے صحیح یا غلط، نیک یا بد، اور قابل اخذ یا قابل ترک ہونے کا معیار نہیں بن سکتے۔ اصلی معیار آخرت کے نتائج ہیں۔ اور یہ علم کہ آخرت میں کس طریقہ اور کس عمل کا نتیجہ اچھا اور کس کا برا ہوگا، صرف اس وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء پر نازل ہوئی ہے۔ جزئیات و تفصیلات سے قطع نظر، فیصلہ کن بات جس پر آخرت کی فلاح یا خسران کا مدار ہے، یہ ہے کہ اولاً انسان اپنی قوت نظر و استدلال کے صحیح استعمال سے اللہ تعالیٰ کے حاکم حقیقی ہونے اور اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے منجانب اللہ ہونے کو پہچانتا ہے یا نہیں۔ ثانیاً اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد وہ آزادی انتخاب رکھنے کے باوجود اپنی رضا و رغبت سے اللہ کی حاکمیت اور اسکے امر شرعی کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے یا نہیں۔

جو وہ نظریہ ہے جسے ابتدا سے انبیاء علیہم السلام پیش کرتے آئے ہیں۔ اس نظریہ کی بنیاد پر تمام واقعاتِ عالم کی مکمل توجیہ ہوتی ہے، کائنات کے تمام آثار کی پوری تعبیر ملتی ہے اور کسی مشاہدہ یا کسی تجربہ سے یہ نظریہ ٹوٹتا نہیں۔ یہ ایک مستقل نظام فلسفہ پیدا کرتا ہے جو جاہلیت کے فلسفوں سے بنیادی طور پر بالکل مختلف ہے۔ کائنات اور خود وجود انسانی کے متعلق معلومات کے ذخیرہ کو ایک دوسرے ڈھنگ پر مرتب کرتا ہے جو جاہلی علوم کی ترتیب سے سراسر متبائن ہے، ادب اور ہنر (آرٹ اور لٹریچر) کے نشوونما کا ایک الگ راستہ بناتا ہے جو جاہلی ادب و ہنر کے تمام راستوں سے متغائر ہے۔ زندگی کے جملہ معلومات میں ایک خاص نقطۂ نظر اور ایک خاص مقصد پیدا کرتا ہے جو جاہلی مقاصد و نقطہائے نظر سے اپنی روح اور اپنے جوہر میں کسی طرح میل نہیں کھاتا۔ اخلاق کا ایک علیٰحدہ نظام بناتا ہے جس کو جاہلی اخلاقیات سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ پھر ان علمی و اخلاقی بنیادوں پر جس تہذیب کی عمارت اٹھتی ہے اس کی نوعیت تمام جاہلی تہذیبوں کی نوعیت سے قطعی مختلف ہوتی ہے اور اس کو سنبھالنے کے لیے ایک اور ہی طرز کے نظام تعلیم و تربیت کی ضرورت ہوتی ہے جس کے اصول جاہلیت کے ہر نظام تعلیم و تربیت سے کامل تضاد کی نسبت رکھتے ہیں۔ فی الجملہ اس تہذیب کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں جو روح کام کرتی ہے وہ اللہ واحد قہار کی حاکمیت، آخرت کے اعتقاد، اور انسان کے محکوم و ذمہ دار ہونے کی روح ہے۔ بخلاف اس کے ہر جاہلی تہذیب کے پورے نظام میں انسان کی خود مختاری، بے قیدی و بے مہاری اور غیر ذمہ داری کی روح سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔ اسی لیے انسانیت کا جو نمونہ انبیاء علیہم السلام کی قائم کی ہوئی تہذیب سے تیار ہوتا ہے اس کے خط و خال اور رنگ و روغن جاہلی تہذیب کے بنائے ہوئے نمونہ سے ہر جزء اور ہر پہلو میں جدا ہوتے ہیں۔

اس کے بعد تمدن کی تفصیلی صورت جو اس بنیاد پر مبنی ہے اس کا سارا نقشہ دنیا کے دوسرے نقشوں سے بدلا ہوا ہوتا ہے، طہارت۔ لباس، خوراک، طرز زندگی، آداب و اطوار شخصی کردار، کسب معاش، صرف دولت، ازدواجی زندگی، خاندانی زندگی، معاشرتی رسوم، سماجی تعلقات، انسان اور انسان کے تعلق کی مختلف شکلیں، لین دین کے معاملات، دولت کی تقسیم، مملکت کا انتظام، حکومت کی تشکیل، امیر کی حیثیت، شوریٰ کا طریقہ، سول سروس کی تنظیم، قانون کے اصول، تفصیلی ضوابط کا اصول سے استنباط، عدالت، پولیس احتساب، مالگذاری، فینانس، امور نافعہ (پبلک ورکس، صنعت و تجارت، خبر رسانی، تعلیمات اور دوسرے تمام محکموں کی پالیسی، فوج کی تربیت و تنظیم، جنگ و صلح کے معاملات، بین الاقوامی تعلقات اور خارجی سیاست، غرض انسانی زندگی کے چھوٹے سے معاملات سے لیکر بڑے سے بڑے معاملات تک اس تمدن کا طور و طریق اپنی ایک مستقل شان رکھتا ہے اور ہر ہر چیز میں ایک واضح خط امتیاز اس کو دوسرے تمدنوں سے الگ کرتا ہے۔ اس کی

ہر چیز میں اول سے آخر تک ایک خاص نقطۂ نظر، ایک خاص مقصد اور ایک خاص اخلاقی رویہ کارفرما ہوتا ہے جس کا براہِ راست تعلق خدائے واحد کی حاکمیتِ مطلقہ اور انسان کی محکومیت و مسئولیت اور دنیا کے بجائے آخرت کی مقصودیت سے جڑا ہوا ہے۔

نبی کے کام کی نوعیت اسی تہذیب و تمدن کو دنیا میں قایم کرنے کے لیئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے۔

رہبانی تہذیب کو مستثنیٰ کرکے ہر وہ تہذیب جو دنیا کی زندگی کے متعلق ایک جامع نظریہ اور کاروبارِ دنیا کو چلانے لیئے ایک ہمہ گیر طریقہ رکھتی ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ جاہلیت کی تہذیب ہو یا اسلام کی، طبعًا اس بات کی طالب ہوتی ہے کہ حاکمانہ اختیارات پر قبضہ کرے، زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے اور زندگی کا نقشہ اپنے طرز پر بنائے۔ حکومت کے بغیر کسی نظریہ و ضابطہ کو پیش کرنا یا اس کا معتقد ہونا محض بے معنی ہے۔ راہب تو دنیا کے معاملات کو چلانا ہی نہیں چاہتا بلکہ ایک خاص قسم کے "سلوک" سے اپنی خیالی نجات کی منزل تک باہر ہی باہر پہنچ جانے کی فکر میں لگا رہتا ہو اس لیئے نہ اس کو حکومت کی حاجت نہ طلب۔ مگر جو دنیا کے معاملات ہی کو چلانے کا ایک خاص ڈھنگ لے کر اٹھے اور اسی ڈھنگ میں انسان کی فلاح و سعادت کا معتقد ہو، اس کے لیئے تو بجز اس کے کوئی چارہ ہی نہیں کہ اقتدار کی کنجیوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اپنے نقشہ پر عملدرآمد کرنے کی طاقت جب تک وہ حاصل نہ کرے اس کا نقشہ واقعات کی دنیا میں قایم نہیں ہوسکتا، بلکہ کافی مدت اور ذہنوں میں بھی زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتا۔ جس تہذیب کے ہاتھ میں زمامِ کار ہوتی ہے، دنیا کا سارا کاروبار اسی کے نقشہ پر چلتا ہے، وہی علوم و افکار اور فنون و آداب کی رہنمائی کرتی ہے، وہی اخلاق کے سانچے بناتی ہے، وہی تعلیم و تربیتِ عامہ کا انتظام کرتی ہے، اسی کے قوانین پہ سارا نظامِ تمدن مبنی ہوتا ہے، اور اسی کی پالیسی ہر شعبۂ زندگی میں کارفرما ہوتی ہے۔ اس طرح زندگی میں کہیں بھی اس تہذیب کے لیئے کوئی جگہ نہیں ہوتی جو اپنی حکومت نہ رکھتی ہو۔ یہاں تک کہ جب ایک طویل مدت تک حکمراں تہذیب کا دَور دَورہ رہتا ہے تو غیر حکمراں تہذیب عمل کی دنیا میں خارج از بحث ہو جاتی ہے اس کی طرف ہمدردانہ نقطۂ نظر رکھنے والوں کو بھی اس امر میں شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ طریقہ دنیا کی زندگی میں چل سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے نام نہاد علم بردار اور اس کی لیڈرشپ کے بزعم خود وارثین تک تہذیب مخالف سے مدارات اور آدھے پونے کا مشترک معاملہ کرنے پر اُتر آتے ہیں حالانکہ حکمرانی میں دو بالکل مختلف الاصول تہذیبوں کے درمیان مقاسمت و مصالحت قطعی غیر ممکن العمل چیز ہے اور انسانی تمدن اس شرک کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ ثانی کو ممکن العمل خیال کرنا عقل کی کمی پہ دلالت کرتا ہے اور اس کے لیئے راضی ہونا ایمان اور ہمت کی کمی پر۔

پس دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے مشن کا منتہائے مقصود یہ رہا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ قایم کرکے اس پورے

نظام زندگی کو نافذ کریں جو وہ خدا کی طرف سے لائے تھے۔ وہ اہل جاہلیت کو یہ حق دینے کے لئے تیار رہتے تھے کہ اپنے جاہلی اعتقادات پر قایم رہیں اور جس حد کے اندر ان کے عمل کا اثر انہی کی ذات تک محدود رہتا ہے اس میں اپنے جاہلی طریقوں پر بھی چلتے رہیں۔ مگر وہ انھیں یہ حق دینے کے لئے تیار نہ تھے اور نظرةً نہ دے سکتے تھے کہ اقتدار کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہیں اور وہ انسانی زندگی کے معاملات کو جاہلیت کے قوانین پر چلائیں۔ اسی وجہ سے تمام انبیاء نے سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ بعض کی مساعی صرف زمین تیار کرنے کی حد تک رہیں، جیسے حضرت ابراہیم۔ بعض نے انقلابی تحریک عملاً شروع کر دی۔ مگر حکومت الٰہیہ قائم کرنے سے پہلے ہی ان کا کام ختم ہو گیا جیسے حضرت مسیح۔ اور بعض نے اس تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہونچا دیا، جیسے حضرت موسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ فی الجملہ تمام انبیاء کے کام پر مجموعی حیثیت سے جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اس کام کی نوعیت یہ پائی جاتی ہے

(۱) عام انسانوں کے اندر فکری و ذہنی انقلاب برپا کرنا۔ خالص اسلامی نقطۂ نظر و طرز فکر اور روبۂ اخلاقی کو ان کے اندر اس حد تک پیوست کر دینا کہ ان کے سوچنے کا طریقہ، زندگی کا مقصد، قدر و قیمت کا معیار، عمل کا ڈھنگ بالکل اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔

(۲) جو لوگ اس تعلیم و تربیت کا اثر قبول کر لیں اُن کا ایک مضبوط جتھا بنا کر جاہلیت کے ہاتھوں سے اقتدار چھیننے کی جد وجہد کرنا اور اس جد وجہد میں تمام ان اسباب سے کام لینا جو وقت کے تمدن میں موجود ہوں۔

(۳) اسلامی نظام حکومت قایم کر کے تمدن کے تمام شعبوں کو خالص اسلام کی اساس پر مرتب کر دینا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا کہ ایک طرف اسلامی انقلاب کا دائرہ روئے زمین پر وسیع ہوتا جائے اور دوسری طرف تبلیغ اور تناسل کے ذریعہ سے جماعت اسلامی میں جتنی نئی بھرتی ہو اس کی ذہنی و اخلاقی تربیت پورے اسلامی طرز پر ہوتی رہے۔

خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا کام ۲۳ سال کی مدت میں تکمیل کو پہونچا دیا آپ کے بعد ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنھوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمام قیادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتدائی چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جما رہا جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قایم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان، جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا، اُن تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں، اس لیئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمان نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اُنھوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی

کوشش کی ہر ایک کی جان کی قربانی بھی اس انقلاب معکوس کو نہ روک سکی۔ آخر کار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا، "ملک عضوض" نے اس کی جگہ لے لی، اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قایم ہو گئی۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے، کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کے بجائے اس کے ہاتھ میں تھی اور اسلام زور حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ "مسلمان" بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا، مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم و صلوٰۃ پر عمل، قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیت صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لیئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اور کوئی مسلمان علانیہ اس کی حمایت نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جایئے تو منافقین ہی نہیں، بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔ اور الٹا آپ کو مورد الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر "مسلمان" کا جلوہ افروز ہونا جاہلی تعلیم کے مدرسے میں "مسلمان" کا معلم ہونا، جاہلیت کے سجادہ پر "مسلمان" کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کر دیں اور ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے چلے گئے۔

جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لیئے اسلام آیا تھا۔ بادشاہوں کو اللہ کہنے کی ہمت کسی میں باقی نہ تھی اس لیئے سلطان ظل اللہ کا بہانہ اختیار کیا گیا اور اس بہانے سے وہی مطاع مطلق کی حیثیت بادشاہوں نے اختیار کی جو اللہ کی ہوتی ہے۔ اس شاہی کی سرپرستی میں امراء، حکام، ولاۃ، اہل لشکر اور مترفین کی زندگیوں میں کم و بیش خالص جاہلیت کا نقطۂ نظر پھیل گیا اور اس نے ان کے اخلاق اور معاشرت کو پوری طرح ماؤف کر دیا۔ پھر یہ بالکل ایک طبعی امر تھا کہ اس کے ساتھ ہی جاہلیت خالصہ کا فلسفہ، ادب اور ہنر بھی پھیلنا شروع ہو اور علوم و فنون بھی اسی طرز پر مرتب و مدون ہوں، کیونکہ یہ سب چیزیں دولت اور حکومت کی سرپرستی چاہتی ہیں، اور جہاں دولت اور حکومت جاہلیت کے قبضہ میں ہوں وہاں ان پر بھی جاہلیت کا تسلط ناگزیر ہے

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یونان اور عجم کے فلسفے اور علوم و آداب نے اُس سوسائٹی میں راہ پائی جو اسلام کی طرف منسوب تھی، اور اس کی دراندازی سے "کلامیات" کی بحثیں شروع ہوئیں، اعتزال کا مسلک نکلا، زندقہ اور الحاد پَر پُرزے نکالنے لگا اور "عقائد" کی موشگافیوں نے نئے نئے فرقے پیدا کر دیئے اسی پر بس نہیں بلکہ رقص، موسیقی اور تصویر کشی جیسے خالص جاہلی آرٹ بھی از سرِ نو اُن قوموں میں بار پانے لگے جن کو اسلام نے ان فتنوں سے بچا لیا تھا۔

جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستہ سے ہٹا کر ان کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے "مسلمانوں" میں رواج نہ پایا ہو۔ پُرانی جاہل قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لیئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پُرانے معبودوں کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں اور پُرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ اس کام میں دنیا پرست علماء نے ان کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات اُن کے رستہ سے دور کر دیں جو شرک کو اسلام کے اندر نصب کرنے میں پیش آسکتی تھیں۔ انھوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات اور احادیث کو توڑ مروڑ کر اسلام میں اولیا پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی، مشرکانہ اعمال کے لیئے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بہم پہونچائے اور اس نئی شریعت کے لیئے رسوم کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ شرکِ جلی کی تعریف میں نہ آسکیں۔ اس فنی امداد کے بغیر اسلام کے دائرے میں شرک بیچارہ کہاں بار پاسکتا تھا؟

جاہلیت راہبانہ نے علماء مشائخ زہّاد اور پاک باز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانی شروع کیں جن کی طرف میں اس سے پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ اس جاہلیت کے اثر سے اشراقی فلسفہ، راہبانہ اخلاقیات اور زندگی کے ہر پہلو میں مایوسانہ نقطۂ نظر مسلم سوسائٹی میں پھیلا اور اس نے نہ صرف یہ کہ ادبیات اور علوم کو متاثر کیا، بلکہ فی الواقع سوسائٹی کے اچھے عناصر کو مارفیا کا انجکشن دے کر سُست کر دیا، پادشاہی کے جاہلی نظام کو مضبوط کیا، اسلامی علوم و فنون میں جمود اور تنگ خیالی پیدا کی اور ساری دینداری کو چند خاص مذہبی اعمال میں محدود کر کے رکھ دیا۔

انہی تینوں قسم کی جاہلیتوں کے ہجوم سے اسلام کو نکالنا اور پھر سے چمکا دینا وہ کام تھا جس کے لیئے دین کو مجددین کی ضرورت پیش آئی، اگرچہ یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس طغیانِ جاہلیت میں اسلام بالکل ختم ہو گیا تھا اور جاہلیت کلیۃً غالب آگئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جو قومیں اسلام سے متاثر ہو چکی تھیں یا بعد میں متاثر ہوئیں ان کی زندگیوں میں اسلام کا اصلاحی اثر تھوڑا بہت ضرور موجود رہا۔ جبّار اور غیر ذمہ دار بادشاہوں تک میں اسلام کے اثر سے کہیں نہ کہیں خوفِ خدا کی جھلک نظر آہی جاتی تھی۔ جن شاہی خاندانوں میں خدائی کا رنگ جما ہوا تھا اُن کی

آغوش میں دیندار، عادل اور متقی انسان بھی پیدا ہو جاتے تھے، اور وہ شاہی اختیارات رکھنے کے باوجود حتی الامکان فرمانروانہ حکومت کرتے تھے۔ اسی طرح امارت و ریاست کے ایوانوں میں، فلسفہ وحکمت کے مدرسوں میں، تجارت وصنعت کی کارگاہوں میں، ترک وتجرید کی خانقاہوں میں، اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلام اپنے بالواسطہ اثرات کم وبیش برابر پہونچاتا رہا، اور عوام کے اندر بھی مشرکانہ جاہلیت کی دراندازی کے باوجود اس نے اعتقاد، اخلاق اور معاشرت میں اصلاحی اور انسدادی دونوں حیثیتوں سے اپنا نفوذ جاری رکھا جس کی وجہ سے مسلمان قوموں کا معیار اخلاق بہر حال غیر مسلم قوموں سے ہمیشہ بلند تر رہا۔ علاوہ بریں ہر زمانے میں ایسے لوگ بھی برابر موجود رہے جو اسلام کی پیروی پر ثابت قدم تھے اور اسلامی علم وعمل کو اپنی زندگی میں، اور اپنے محدود حلقۂ اثر میں زندہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جو مقصدِ اصلی انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تھا اس کے لیے یہ دونوں چیزیں ناکافی تھیں۔ نہ یہ بات کافی تھی کہ اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہو اور اسلام محض ایک ثانوی قوت کی حیثیت سے کام کرے۔ اور نہ یہ بات کافی تھی کہ چند افراد یہاں اور چند وہاں اپنی محدود انفرادی زندگیوں میں اسلام کے حامل بنے رہیں اور وسیع تر اجتماعی زندگی میں اسلام و جاہلیت کے مختلف النوع مرکبات پھیلے رہیں۔ لہٰذا دین کو ہر دور میں ایسی طاقت ور شخصیتوں کی ضرورت ہے جو زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار کو بدل کر پھر سے اسلام کی طرف پھیر دیں، خواہ کلاً یا جزءً۔ انہی شخصیتوں کا نام مجدد ہے۔

کارِ تجدید کی نوعیت اب قبل اس کے کہ ہم مجددین امت کے کارناموں کا جائزہ لیں، ہمیں خود اس کارِ تجدید کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

عموماً لوگ تجدد اور تجدید میں فرق نہیں کرتے اور سادہ لوحی سے ہر متجدد کو مجدد کہنے لگتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیا طریقہ نکالے اور اس کو زور سے چلا دے وہ مجدد ہوتا ہے۔ خصوصاً جو لوگ کسی مسلمان قوم کو برسرِ انحطاط دیکھ کر اس کو دنیوی حیثیت سے سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے زمانہ کی برسرِ عروج جاہلیت سے مصالحت کر کے اسلام و جاہلیت کا ایک نیا مخلوط تیار کر دیتے ہیں، یا فقط نام باقی رکھ کر اس قوم کو پوری جاہلیت کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں، ان کو مجدد کے خطاب سے نواز دیا جاتا ہے[۵]، حالانکہ وہ مجدد نہیں متجدد ہوتے ہیں۔ اور ان کا کام تجدید نہیں تجدد ہوتا ہے۔ تجدید کا کام اس سے بالکل مختلف ہے۔ جاہلیت سے مصالحت کی صورتیں نکالنے کا نام تجدید نہیں ہے، اور نہ اسلام و جاہلیت کا کوئی نیا مرکب بنانا تجدید ہے۔ بلکہ دراصل تجدید کا کام یہ ہے کہ اسلام کو جاہلیت کے تمام اجزاء سے چھانٹ کر الگ کیا جائے، اور کسی نہ کسی حد تک اس کو اپنی خالص صورت میں

۵؎ اسی سادہ لوحی کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے اب سے کچھ عرصہ پہلے ایک مشہور مذہبی و سیاسی انجمن کے خطبہ صدارت میں اتاترک اور عصمت انونو کو بھی مجددین ہی کی فہرست میں جگہ دینے کی کوشش کی تھی ۱۲

پھر سے فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔ اس لحاظ سے مجدد جاہلیت کے مقابلہ میں سخت غیر مصالحت پسند آدمی ہوتا ہے اور کسی خفیف سے خفیف جزو میں بھی جاہلیت کی موجودگی کا روادار نہیں ہوتا۔

مجدد نبی نہیں ہوتا مگر اپنے مزاج میں مزاج نبوت سے بہت قریب ہوتا ہے۔ نہایت صاف دماغ حقیقت رس نظر، ہر قسم کی کجی سے پاک۔ بالکل سیدھا ذہن، افراط و تفریط سے بچ کر توسط و اعتدال کی سیدھی راہ دیکھنے اور اپنا توازن قائم رکھنے کی خاص قابلیت اپنے ماحول اور صدیوں کے جمے اور رچے ہوئے تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنے کی قوت، زمانہ کی بگڑی ہوئی رفتار سے لڑنے کی طاقت و جرأت قیادت و رہنمائی کی پیدائشی صلاحیت اجتہاد اور تعمیر نو کی غیر معمولی اہلیت اور ان سب باتوں کے ساتھ اسلام میں مکمل شرح صدر، نقطہ نظر اور فہم و شعور میں پورا مسلمان ہونا، باریک سے باریک جزئیات تک میں اسلام اور جاہلیت کے درمیان تمیز کرنا، اور مدتہائے دراز کی الجھنوں میں سے امر حق کو ڈھونڈ کر الگ نکال لینا، یہ وہ خصوصیات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص مجدد نہیں ہو سکتا، اور یہی وہ چیزیں ہیں جو نبیوں میں بہت زیادہ بڑے پیمانہ پر نمایاں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ بنیادی چیز جو مجدد کو نبی سے جدا کرتی ہے، یہ ہے کہ نبی اپنے منصب پر امر تشریعی سے مامور ہوتا ہے، اس کو اپنی ماموریت کا علم ہوتا ہے، اس کے پاس وحی آتی ہے، وہ اپنی نبوت کے دعوے سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے، اسے لوگوں کو اپنی طرف دعوت دینی پڑتی ہے، اور اس کے دعوے ہی کو قبول کرنے یا نہ کرنے پر کفر و ایمان کا مدار ہوتا ہے۔ برعکس اس کے مجدد کو ان میں سے کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ اگر مامور بھی ہوتا ہے تو امر تکوینی سے نہ کہ امر تشریعی سے۔ بسا اوقات اس کو خود اپنے مجدد ہونے کی خبر نہیں ہوتی بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی زندگی کے کارنامے سے لوگوں کو اس کے مجدد ہونے کا علم ہوتا ہے، اس پر الہام ہونا ضروری نہیں اور اگر ہوتا ہو تو لازم نہیں کہ اسے الہام کا شعور ہو۔ وہ کسی دعوے سے اپنے کام کا آغاز نہیں کرتا، نہ ایسا کرنے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ اس پر ایمان لانے یا نہ لانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا اگرچہ اس کے زمانہ کے تمام اہل خیر و صلاح رفتہ رفتہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور صرف وہی لوگ اس سے الگ رہتے ہیں جن کی طبیعت میں کوئی ٹیڑھ ہوتی ہے، مگر بہرحال اس کو ماننا مسلمان ہونے کے لئے شرط نہیں ہوتا ان تمام فروق کے ساتھ مجدد کو فی الجملہ اسی نوعیت کا کام کرنا ہوتا ہے جو نبی کے کام کی نوعیت ہے۔

اس کار تجدید کے مختلف شعبے حسب ذیل ہیں:-

(۱) اپنے ماحول کی صحیح تشخیص یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں کس حد تک سرایت کر گئی ہے، کن کن راستوں سے آئی ہے، اس کی جڑیں کہاں کہاں ہیں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں، اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے۔

(۲) اصلاح کی تجویز، یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور

اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے۔

(۳) خود اپنے حدود کا تعین، یعنی اپنے آپ کو تول کر صحیح اندازہ لگانا کہ میں کتنی قوت رکھتا ہوں اور کس راستے سے اصلاح کرنے پر قادر ہوں۔

(۴) ذہنی انقلاب کی کوشش، یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطۂ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا، نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علوم اسلامی کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کر دینا۔

(۵) عملی اصلاح کی کوشش، یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباع شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں۔

(۶) اجتہاد فی الدین، یعنی دین کے اصول کلیہ کو سمجھنا، اپنے وقت کے تمدنی حالات اور ارتقاء تمدن کی سمت کا اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح اندازہ لگانا اور یہ تعین کرنا کہ اصول شرع کے تحت تمدن کے پرانے متوارث نقشے میں کس طرح رد و بدل کیا جائے جس سے شریعت کی روح برقرار رہے، اس کے مقاصد پورے ہوں، اور تمدن کے صحیح ارتقاء میں اسلام دنیا کی امامت کر سکے۔

(۷) دفاعی جد و جہد، یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی طاقت کا مقابلہ کرنا اور اس کے زور کو کم و بیش توڑ کر اسلام کے لیے ابھرنے کا راستہ پیدا کرنا۔

(۸) احیاء نظام اسلامی، یعنی جاہلیت کے ہاتھ سے اقتدار کی کنجیاں چھین لینا اور از سر نو حکومت کو عملاً اس نظام پر قائم کر دینا جسے صاحب شریعت علیہ السلام نے "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(۹) عالمگیر انقلاب کی کوشش، یعنی صرف ایک ملک یا ان ممالک میں جہاں مسلمان پہلے سے موجود ہوں اسلامی نظام کے قیام پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ ایک ایسی طاقتور عالمگیر تحریک برپا کرنا جس سے اسلام کی اصلاحی و انقلابی دعوت عام انسانوں میں پھیل جائے وہی تمام دنیا کی غالب تہذیب بنے، ساری دنیا کے نظام تمدن میں اسلامی طرز کا انقلاب برپا ہو، اور عالم انسانی کی اخلاقی، فکری، اور سیاسی امامت و ریاست اسلام کے ہاتھ میں آ جائے۔

ان شعبوں پر غائر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تین مدات تو ایسی ہیں جو ہر اس شخص کے لیے ناگزیر ہیں جو تجدید کی خدمت انجام دے، لیکن باقی ۶ مدیں ایسی ہیں جن کا جامع ہونا مجدد ہونے کے لیے شرط نہیں ہے، بلکہ جس نے ایک یا دو یا تین یا چار شعبوں میں کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو وہ بھی مجدد قرار دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس قسم کا مجدد، جزوی مجدد ہوگا، کامل مجدد نہ ہوگا۔ کامل مجدد صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو ان تمام شعبوں میں پورا کام انجام دے کر وراثت نبوت کا حق ادا کر دے۔

مجدد کامل کا مقام | تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے۔ قریب تھا

کہ عمر ابن عبدالعزیز اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے اُن میں سے ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ مجددِ کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے۔ مگر عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے، اور دنیا کے حالات کی رفتار متقاضی ہے کہ ایسا "لیڈر" پیدا ہو، خواہ اس دور میں پیدا ہو، یا زمانے کی ہزار گردشوں کے بعد پیدا ہو۔ اسی لیڈر کا نام الامام المہدی ہے جس کے بارے میں صاف پیشگوئیاں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں موجود ہیں[1]۔ آج کل لوگ نادانی کی وجہ سے اس نام کو سن کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ ان کو شکایت ہے کہ کسی آنے والے مردِ کامل کے انتظار نے جاہل مسلمانوں کے قوائے عمل کو سرد کر دیا ہے اس لیے اُن کی رائے یہ ہے کہ جس حقیقت کا غلط مفہوم لے کر جاہل لوگ بے عمل ہو جائیں وہ سرے سے حقیقت ہی نہ ہونی چاہیے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ تمام مذہبی قوموں میں کسی "مردے از غیب" کی آمد کا عقیدہ پایا جاتا ہے لہذا یہ محض ایک وہم ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح پچھلے انبیا نے بھی اپنی قوموں کو

[1] اگرچہ یہ پیشین گوئیاں مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک وغیرہ کتابوں میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں، مگر یہاں اُس روایت کا نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا جو شاطبی نے موافقات میں اور مولانا اسمٰعیل شہید نے منصب امامت میں نقل کی ہے۔

ان اول دینکم نبوۃ ورحمۃ وتکون فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ جل جلالہ

تمہارے دین کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہے اور وہ تمہارے درمیان رہیگی جبتک اللہ چاہیگا۔ پھر اللہ جل جلالہ اس کو اٹھا لیگا۔

ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ جل جلالہ

پھر نبوت کے طریقہ پر خلافت ہوگی جب تک اللہ چاہیگا پھر اللہ اسے بھی اُٹھا لیگا۔

ثم تکون ملکا عاضا فیکون ما شاء اللہ ان یکون ثم یرفعہ اللہ جل جلالہ

پھر بد اطوار بادشاہی ہوگی اور جو کچھ اللہ چاہے گا وہ ہوگا پھر اللہ اسے بھی اُٹھا لیگا۔

ثم تکون ملکا جبریۃ فتکون ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ جل جلالہ

پھر جبر کی فرماں روائی ہوگی اور وہ بھی جب تک اللہ چاہے گا رہیگی۔ پھر اللہ اسے بھی اُٹھا لے گا۔

ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی الاسلام بجرانہ فی الارض یرضی عنہا ساکن السماء وساکن الارض لا تدع السماء من قطر الا صبتہ مدرارا ولا تدع الارض من نباتہا وبرکاتہا شیئا الا اخرجتہ

پھر وہی خلافت بطریق نبوت ہوگی جو لوگوں کے درمیان نبی کی سنت کے مطابق عمل کریگی اور اسلام زمین میں پاؤں جما لیگا۔ اس حکومت سے آسمان والے بھی راضی ہوں گے۔ اور زمین والے بھی۔ آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کریگا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دیگی۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اسناد کے اعتبار سے اس روایت کا کیا مرتبہ ہے۔ مگر معنیً یہ ان تمام روایات سے مطابقت رکھتی ہے جو اس معنی میں وارد ہوئی ہیں۔ اس میں تاریخ کے پانچ مرحلوں کی طرف صاف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے تین گزر چکے ہیں اور چوتھا اب گزر رہا ہے۔ آخری

خوشخبری دی ہو کہ نوع انسان کی دنیوی زندگی ختم ہونے سے پہلے ایک دفعہ اسلام ساری دنیا کا دین بنے گا اور انسان کے بنائے ہوئے سارے "ازموں" کی ناکامی کے بعد آخرکار تباہیوں کا مارا ہوا انسان "ربّ ازم" کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوگا جسے خدا نے بنایا ہے اور یہ نعمت انسان کو ایک ایسے عظیم الشان لیڈر کی بدولت نصیب ہوگی جو انبیاء کے طریقہ پر کام کر کے اسلام کو اس کی صحیح صورت میں پوری طرح نافذ کر دے گا تو اس میں وہم کی کونسی بات ہے؟ بہت ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کلام سے نکل کر یہ چیز دنیا کی دوسری قوموں میں بھی پھیلی ہو اور جہالت نے اس کی روح نکال کر اوہام کے لبادے اس کے گرد لپیٹ دیئے ہوں۔

مسلمانوں میں جو لوگ الامام المہدی کی آمد کے قائل ہیں وہ بھی اُن متجددین سے جو اس کے قائل نہیں ہیں اپنی غلط فہمیوں میں کچھ پیچھے نہیں رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ و صوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے۔ تسبیح ہاتھ میں لیے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے آتے ہی انا المہدی کا اعلان کریں گے، علما اور مشائخ کتابیں لیے ہوئے پہنچ جائیں گے، اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت وغیرہ کا مقابلہ کر کے انھیں شناخت کریں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلان جہاد کر دیا جائے گا، چلے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے، تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لیے برائے نام چلانی پڑے گی اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے چلے گا، پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے، جس کافر پر نظر ماردیں گے تڑپ کر بے ہوش ہو جائے گا اور محض بددعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ عقیدۂ ظہور مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اسی قسم کے ہیں، مگر میں جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھ کو معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا، وقت کے تمام علوم جدیدہ پر اس کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوگی، زندگی کے سارے مسائل مہمہ کو وہ خوب سمجھتا ہوگا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دے گا، اور اپنے عہد کے تمام جدیدوں سے بڑھکر جدید ثابت ہوگا، پھر مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہوگا کہ اس کی علامتوں سے اس کو تاڑ لیا جائے گا۔ نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا، بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوۃ پر قائم کرنے والا جس کی

(سلسلہ صفحہ سابق)
جس پانچویں مرحلہ کی پیشین گوئی کی گئی ہے، تمام قرائن بتا رہے ہیں کہ انسانی تاریخ تیزی کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ انسانی ساخت کے سارے "ازم" آزمائے جا چکے ہیں اور بُری طرح فیل ہوئے ہیں۔ آدمی کے لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تھک ہار کر اسلام کی طرف رجوع کرے۔ ۱۲

آمد کا مژدہ سُنایا گیا تھا[1]۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں، نبی کے سوا کسی کا یہ منصب ہی نہیں ہے کہ دعوے سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھا جانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اس کے کام میں کرامات و خوارق، کشوف و الہامات اور چلّوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایک "انقلابی لیڈر" کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہوگا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (اسکول آف تھاٹ) پیدا کرے گا، ذہنیتوں کو بدلے گا، ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی، جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کارفرما ہوگی، اور دوسری طرف سائنٹیفک ترقی اوج کمال پر پہنچ جائے گی جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ "اس حکومت سے آسمان والے بھی راضی ہوں گے اور زمین والے بھی، آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دے گی"۔

اگر یہ توقع صحیح ہے کہ ایک وقت میں اسلام تمام دنیا کے افکار، تمدن اور سیاست پر چھا جانے والا ہے تو ایسے ایک عظیم الشان لیڈر کی پیدائش بھی یقینی ہے جس کی ہمہ گیر و پرزور قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوگا۔ جن لوگوں کو ایسے لیڈر کے ظہور کا خیال سن کر تعجب ہوتا ہے مجھے ان کی عقل پر حیرت ہوتی ہے۔ جب خدا کی اس خدائی میں لینن اور ہٹلر جیسے ائمۂ ضلالت کا ظہور ہو سکتا ہے تو آخر ایک امام ہدایت ہی کا ظہور کیوں مستبعد ہو؟

جزوی مجددین کے کارنامے تاریخی ترتیب کو چھوڑ کر مستقبل کے مجدد اعظم کا ذکر میں نے پہلے اس لیے کر دیا کہ لوگ پہلے مجدد کامل کے مرتبہ و مقام سے واقف ہو جائیں تاکہ کمال مطلوب کے مقابلہ میں ان کے لیے جزوی مجددین کے مرتبہ و مقام کا اندازہ کرنا آسان ہو جائے۔ اب میں ایک مختصر نقشہ اس تجدیدی کام کا پیش کروں گا جو اب تک انجام پا چکا ہے۔

---

[1] "الفرقان" یہ خط کشیدہ فقرے اب تک کے اپنے معلومات کے صریح خلاف ہونے کی وجہ سے کچھ ادھورا سے معلوم ہوئے لیکن تلاش کے باوجود مجھے اس کے خلاف کوئی ... نہیں مل سکی جس میں تصریح ہوتی کہ حضرت مہدی اپنی مہدویت کے مدعی بھی ہوں گے اور لوگوں کو اس کے ماننے کی دعوت بھی دیں گے، لیکن اس وقت میرے پاس صحاح ستہ اور جمع الفوائد کے علاوہ حدیث کی کوئی اور کتاب بھی نہیں ہے اگر کوئی اور صاحب اس موضوع پر کوئی خاص روشنی ڈال سکیں تو الفرقان میں ان کی تحقیق شکریہ کے ساتھ شائع کی جائیگی۔ ۱۲

عمر بن عبدالعزیز اسلام کے سب سے پہلے مجدد عمر ابن عبدالعزیزؒ ہیں شاہی خاندان میں آنکھ کھولی ہوش سنبھالا تو اپنے باپ کو مصر جیسے عظیم الشان صوبہ کا گورنر پایا۔ بڑے ہوئے تو خود اموی سلطنت کے ماتحت گورنری پر مامور ہوئے۔ شاہانِ بنی امیہ نے جن جاگیروں سے اپنے خاندان کو مالامال کیا تھا اُن میں ان کا اور ان کے گھرانے کا بھی بہت بڑا حصہ تھا، حتیٰ کہ خاص ان کی ذاتی جائداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تک پہونچتی تھی۔ رئیسوں کی طرح پوری شان سے رہتے تھے، لباس، خوراک، سواری، مکان، عادات و خصائل سب وہی تھے جو شاہی حکومتوں میں شاہزادوں کے ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا ماحول اُس کام سے دور کی مناسبت بھی نہ رکھتا تھا جو بعد میں انھوں نے انجام دیا لیکن ان کی ماں حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پچاس ہی برس ہوئے تھے جب وہ پیدا ہوئے[1] ان کے زمانہ میں صحابہ اور تابعین بکثرت موجود تھے۔ ابتدا ہی سے انھوں نے حدیث اور فقہ کی پوری تعلیم پائی تھی یہاں تک کہ محدثین کی صف اول میں شمار ہوتے تھے اور فقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ پس علمی حیثیت سے تو اُن کے لیے یہ جاننے اور سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مہدیین کے عہد میں تمدن کی اساس کن چیزوں پر تھی اور جب خلافت پادشاہی سے بدلی تو ان بنیادوں میں کس نوعیت کا تغیر واقع ہوا۔ البتہ جو چیز عملی حیثیت سے ان کی راہ میں رکاوٹ ہو سکتی تھی وہ یہ تھی کہ اس جاہلی انقلاب کا بانی خود ان کا اپنا خاندان تھا، اُس کے تمام فائدے اور بے حد و حساب فائدے ان کے بھائی بندوں اور خود اُن کی ذات اور ان کے بال بچوں کو پہونچتے تھے اور ان کی خاندانی عصبیت، ذاتی طمع اور اپنی آئندہ نسل کی دنیوی خیر خواہی کا پورا تقاضا یہ تھا کہ وہ بھی تخت شاہی پر فرعون بن کر بیٹھیں اپنے علم اور ضمیر کو ٹھوس مادی فائدوں کے مقابلہ میں قربان کریں اور حق، انصاف، اخلاق اور اصول کے چکر میں نہ پڑیں۔ مگر جب ۴۰ سال کی عمر میں بالکل اتفاقی طور پر تخت شاہی اِن کے حصہ میں آیا اور انھوں نے محسوس کیا کہ کس قدر عظیم الشان ذمہ داری ان پر آپڑی ہے تو دفعتہً ان کی زندگی کا رنگ بدل گیا۔ انھوں نے اس طرح کسی ادنیٰ تامل کے بغیر جاہلیت کے مقابلہ میں اسلام کے راستے کو اپنے لیے منتخب کیا کہ گویا یہ ان کا پہلے سے سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا۔

تخت شاہی انھیں خاندانی طریق پر ملا تھا مگر بیعت لینے وقت مجمع عام میں صاف کہدیا کہ میں اپنی بیعت سے تمھیں آزاد کرتا ہوں تم لوگ جس کو چاہو خلیفہ منتخب کرلو، اور جب لوگوں نے برضا و رغبت کہا کہ ہم آپ ہی کو منتخب کرتے ہیں، تب انھوں نے خلافت کی عنان اپنے ہاتھ میں لی۔

پھر شاہانہ کر و فر، فرعونی انداز، قیصر و کسرےٰ کے درباری طریقے، سب رخصت کیے اور پہلے ہی روز لوازم شاہی کو ترک کرکے وہ طرز اختیار کیا جو مسلمانوں کے درمیان اُن کے خلیفہ کا ہونا چاہیے۔

اس کے بعد ان امتیازات کی طرف توجہ کی جو شاہی خاندان کے لوگوں کو حاصل تھے اور ان کو تمام حیثیتوں سے

---

[1] ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

عام مسلمانوں کے برابر کر دیا۔ وہ تمام جاگیریں جو شاہی خاندان کے قبضہ میں تھیں، اپنی جاگیر سمیت بیت المال کو واپس کیں جن جن کی زمینوں اور جائدادوں پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا وہ سب ان کو واپس دیں ــــ ان کی اپنی ذات کو اس تغیر سے جو نقصان پہونچا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ پچاس ہزار کی جگہ صرف دو سو اشرفی سالانہ کی آمدنی رہ گئی ــــ بیت المال کے روپے کو اپنی ذات پر اور اپنے خاندان والوں پر حرام کر دیا حتیٰ کہ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تنخواہ تک نہ لی۔ اپنی زندگی کا سارا نقشہ بدل دیا۔ یا تو خلیفہ ہونے سے پہلے شاہانہ شان کے ساتھ رہتے تھے۔ یا خلیفہ ہوتے ہی فقیر ہو گئے۔

گھر اور خاندان کی اس اصلاح کے بعد نظام حکومت کی طرف توجہ کی، ظالم گورنروں کو الگ کیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر صالح آدمی تلاش کیئے کہ گورنری کی خدمت انجام دیں۔ عاملین حکومت، جو قانون اور ضابطہ سے آزاد ہو کر رعایا کی جان، مال آبرو پر غیر محدود اختیارات کے مالک ہو گئے تھے، ان کو پھر ضابطہ کا پابند بنایا اور قانون کی حکومت قایم کی ٹیکس عائد کرنے کی پوری پالیسی بدل دی اور وہ تمام ناجائز ٹیکس جو شاہان بنی امیہ نے عائد کر دیئے تھے، جن میں آبکاری تک کا محصول شامل تھا، یک قلم موقوف کیئے، زکوٰۃ کی تحصیل کا انتظام از سر نو درست کیا اور بیت المال کی دولت کو پھر سے عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیئے وقف کر دیا۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو جو ناانصافیاں کی گئی تھیں اُن سب کی تلافی کی، ان کے معابد جن پر ناجائز قبضہ کیا گیا تھا انھیں واپس دلائے، ان کی زمینیں جو غصب کر لی گئی تھیں پھر واگذاشت کیں اور ان کے تمام وہ حقوق بحال کیئے جو شریعت کی رو سے انہیں حاصل ہیں۔ عدالت کو انتظامی حکومت کے دخل سے آزاد کیا اور حکم بین الناس کے ضابطہ اور اسپرٹ دونوں کو شاہی نظام کے اثرات سے پاک کر کے اسلامی اصول پر قایم کر دیا۔ اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں سے اسلامی نظام حکومت دوبارہ زندہ ہوا۔

پھر انھوں نے سیاسی اقتدار سے کام لے کر لوگوں کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی سے جاہلیت کے اُن اثرات کو نکالنا شروع کیا جو نصف صدی کی جاہلی حکومت کے سبب سے اجتماعی زندگی میں پھیل گئے تھے۔ فاسد عقیدوں کی اشاعت کو روکا۔ عوام کی تعلیم کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم کی طرف اہل دماغ طبقوں کی توجہات کو دوبارہ منعطف کیا اور ایک ایسی علمی تحریک پیدا کر دی جس کے اثر سے اسلام کو ابو حنیفہؒ، مالکؒ شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ جیسے مجتہدین میسر آئے۔ اتباع شریعت کی روح کو تازہ کیا۔ شراب نوشی، تصویر کشی اور عیش و تنعم کی بیماریاں جو شاہی نظام کی بدولت پیدا ہو چکی تھیں، ان کا انسداد کیا، اور فی الجملہ وہ مقصد پورا کیا جس کے لیئے اسلام اپنی حکومت قایم کرنا چاہتا ہے۔ یعنی الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔

بہت ہی قلیل مدت میں اس انقلاب حکومت کے اثرات عوام کی زندگی پر اور بین الاقوامی حالات پر مترتب ہونے شروع ہو گئے۔ ایک راوی کہتا ہے کہ ولید کے زمانے میں لوگ جب آپس میں بیٹھتے تو عمارات اور باغوں کے متعلق گفتگو کرتے۔ سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو عوام کا مذاق منفی معاملات کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر جب عمر بن عبدالعزیز حکمران ہوئے تو حالت یہ تھی کہ جہاں چار آدمی جمع ہوئے نماز اور روزہ اور قرآن کا ذکر چھڑ جاتا تھا۔ غیر مسلم رعایا پر اس حکومت کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ ہزار در ہزار آدمی اس مختصر سی مدت میں مسلمان ہو گئے اور جزیہ کی آمدنی دفعۃً اتنی گھٹ گئی کہ سلطنت کے مالیات اس سے متاثر ہو گئے۔ مملکت اسلامی کے اطراف میں جو غیر مسلم ریاستیں موجود تھیں حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور ان میں سے متعدد ریاستوں نے اس دین کو قبول کر لیا۔ اسلامی حکومت کی سب سے بڑی حریف سلطنت اس وقت روم کی سلطنت تھی جس کے ساتھ ایک صدی سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا اور اس وقت بھی سیاسی کشمکش چل رہی تھی۔ مگر عمر ابن عبدالعزیز کا اخلاقی اثر جو روم پر قائم ہوا اس کا اندازہ اُن الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو ان کے انتقال کی خبر سُن کر قیصر روم نے کہے تھے۔ اس نے کہا کہ

> اگر کوئی راہب دُنیا کو چھوڑ کر اپنے دروازے بند کر لے اور عبادت میں مشغول ہو جائے تو مجھے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوتی، مگر مجھے حیرت ہے تو اُس شخص پر جس کے قدموں کے نیچے دُنیا تھی اور پھر اسے ٹھکرا کر اس نے فقیرانہ زندگی بسر کی ،،

اسلام کے اس مجدد اول کو صرف ڈھائی سال کام کرنے کا موقع ملا اور اس مختصر سی مدت میں اس نے یہ انقلاب عظیم برپا کر کے دکھا دیا۔ بنی اُمیہ کا پورا خاندان اس بندۂ خدا کا دُشمن ہو گیا تھا۔ اسلام کی زندگی میں ان لوگوں کی موت تھی۔ وہ اس تجدید کے کام کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے۔ آخر کار انہوں نے سازش کر کے زہر دیا اور صرف ۳۹ سال کی عمر میں یہ خادم دین و ملت دُنیا سے رخصت ہو گیا۔ جس کار تجدید کو اس نے شروع کیا تھا، اُس کی تکمیل میں اب صرف اتنی کسر باقی تھی کہ خاندانی حکومت کو ختم کر کے انتخابی خلافت کا سلسلہ پھر سے قائم کر دیا جاتا یہ اصلاح اس کے پیش نظر تھی، اور اپنے عندیہ کا اس نے اظہار بھی کر دیا تھا، مگر اموی اقتدار کی جڑوں کو اجتماعی زندگی سے اُکھاڑنا اور عام مسلمانوں کی اخلاقی و ذہنی حالت کو خلافت کا بار سنبھالنے کے لیئے تیار کرنا اتنا آسان کام نہ تھا کہ ڈھائی برس کے اندر انجام پا سکتا۔

ائمہ اربعہ | عمر ثانی کی وفات کے بعد اگرچہ سیاسی اقتدار کی کنجیاں پھر اسلام سے جاہلیت کی طرف منتقل ہو گئیں، اور سیاسی پہلو میں اُس پورے کام پر پانی پھر گیا جو انھوں نے انجام دیا تھا، مگر اسلامی ذہنیت میں جو بیداری انھوں نے پیدا کر دی تھی، اور جس علمی حرکت کو وہ اُکسا گئے تھے اُسے کوئی طاقت بار آور ہونے سے نہ روک سکی۔ بنی اُمیہ

ا، بنی عباس کے کوڑے اور اشرفیوں کے توڑے، دونوں ہی اس کے راستے میں حائل ہوئے، مگر کسی کی بھی اس کے آگے پیش نہ چلی اس تحریک کے اثر سے قرآن و حدیث کے علوم میں تحقیق، اجتہاد اور تدوین کا بہت بڑا کام ہوا۔ اصول دین سے اسلام کے قوانین کی تفصیلی شکل مرتب کی گئی اور ایک وسیع نظام تمدن کو اسلامی طرز پر چلانے کیلئے جس قدر ضوابط و مناہج عمل کی ضرورت تھی، وہ تقریباً سارے کے سارے اپنے تمام جزئیات کے ساتھ مدون کر ڈالے گئے۔ دوسری صدی کے آغاز سے تقریباً چوتھی صدی تک یہ کام پوری قوت کے ساتھ چلتا رہا۔

اس دور کے مجددین وہ چار بزرگ ہیں[۱] جن کی طرف آج فقہ کے چاروں مذاہب منسوب ہیں اگرچہ مجتہد ان کے سوا اور بھی کثیر التعداد اصحاب تھے مگر جس لحاظ سے ان حضرات کا مقام مجتہدین سے بلند ہو کر مجددین کے مرتبہ تک پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

اولاً ان حضرات نے اپنی گہری بصیرت اور غیر معمولی ذکاوت و ذہانت سے ایسے مذاہب فکر پیدا کیے جن کی زبردست طاقت سات آٹھ صدیوں تک مجتہد پیدا کرتی رہی، انھوں نے کلیات دین سے جزئیات مستنبط کرنے اور اصول شرع کو زندگی کے عملی مسائل پر منطبق کرنے کے ایسے وسیع و ہمہ گیر طریقے قایم کر دیئے کہ آگے چل کر جس قدر بھی اجتہادی کام ہوا انہی طریقوں پر ہوا اور آئندہ بھی جب کبھی اس سلسلہ میں کوئی کام ہوگا ان کی رہنمائی سے انسان بے نیاز نہ ہو سکے گا۔

ثانیاً ان لوگوں نے یہ سارا کام شاہی نظام حکومت کی امداد کے بغیر، اس کی مداخلت سے بالکل آزاد ہو کر، بلکہ اس کی دراندازیوں کا سخت مقابلہ کر کے انجام دیا اور اس سلسلہ میں وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے بنی امیہ اور بنی عباس دونوں کے زمانہ میں کوڑوں کی مار اور قید کی سزائیں بھگتیں یہاں تک کہ زہر سے ان کا خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ امام مالک کو منصور عباسی کے زمانے میں ۷۰ کوڑوں کی سزا دی گئی اور اس بری طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گیا۔ امام احمد ابن حنبل پر مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانے میں مسلسل مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، اتنا اتنا مارا گیا کہ شاید اونٹ اور ہاتھی بھی اس مار کی تاب نہ لا سکیں، اور پھر متوکل کے زمانے میں شاہی انعام و اکرام اور عقیدت و تعظیم کی وہ بارش ان پر کی گئی کہ گھبرا کر پکار اٹھے کہ ھذا امر اشد علی من ذالک (یہ مجھ پر اس مار اور قید سے زیادہ سخت مصیبت ہے) مگر ان سب باتوں کے باوجود ان اللہ کے بندوں نے علم دین کی ترتیب و تدوین میں نہ صرف خود شاہی نفوذ و اثر کو گھسنے کا

۱؎ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں وفات پائی امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ امام احمد ابن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

پیوستہ تھے بلکہ کچھ ایسی طرح ڈال گئے کہ ان کے بعد بھی سارا اجتہادی و تدوینی کام بالکلیہ درباروں کے دخل سے آزاد ہی رہا اسی کا نتیجہ ہے کہ آج اسلامی قوانین اور علوم حدیث و قرآن کا جتنا معتبر و مستند ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ جاہلیت کے ادنیٰ شائبہ سے بھی ملوث نہیں ہوا ہے۔ یہ چیزیں ایسی پاک صاف صورت میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوئی ہیں کہ صدیوں تک بادشاہوں اور امراء کی نفس پرستیوں اور عوام کے اخلاقی تنزل اور اعتقادی و تمدنی گمراہیوں کا جو مد و جزر رہا وہ گویا ان علوم کے لیے معدوم محض تھا۔

امام غزالی | عمر ابن عبدالعزیز کے بعد سیاست و حکومت کی باگیں مستقل طور پر جاہلیت کے ہاتھوں میں چلی گئیں، اور بنی امیہ، بنی عباس اور پھر ترکی النسل بادشاہوں کا اقتدار قائم ہوا۔ ان حکومتوں نے جو خدمات انجام دیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف یونان، روم اور عجم کے جاہلی فلسفوں کو جوں کا توں لیکر مسلمانوں میں پھیلایا اور دوسری طرف علوم و فنون اور تمدن و معاشرت میں جاہلیت اولیٰ کی تمام گمراہیوں کو اپنی دولت اور طاقت کے زور سے شائع و ذائع کیا۔ عباسی خاندان کے تنزل نے مزید نقصان یہ پہونچایا کہ ابتدائی عباسی خلفاء کے بعد دنیوی اقتدار کی باگیں جن لوگوں کے ہاتھوں میں آئیں وہ علوم دینی سے بالکل ہی کورے تھے ان میں اتنی صلاحیت بھی نہ تھی کہ قضاء اور افتاء کے عہدوں کے لیے اہل آدمیوں کو منتخب کر سکتے اپنی جہالت و سہولت پسندی کی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کی تنفیذ کا کام ایسے لگے بندھے طریقوں پر کرنا چاہتے تھے جن میں کسی کد و کاوش کی ضرورت نہ ہو اور اس کے لیے تقلید جامد ہی کا راستہ موزوں تھا۔ مزید براں دنیا پرست علماء نے ان کو مذہبی مناظروں کی چاٹ بھی لگا دی، اور پھر شاہی سرپرستی میں یہ مرض اتنا پھیلا کہ اس نے تمام مسلم ممالک میں فرقہ بندی، اختلاف اور سر پھٹول کی وبا پھیلا دی۔

پانچویں صدی تک پہونچتے پہونچتے یہ حال ہو گیا کہ

(۱) یونانی فلسفے کی اشاعت سے عقائد کی بنیادیں ہل گئیں۔ محدثین و فقہاء علوم عقلیہ سے ناواقف تھے اس لیے نظام دین کو مقتضیات زمانہ کے مطابق معقول انداز سے سمجھا نہ سکتے تھے اور زجر و توبیخ سے اعتقادی گمراہیوں کو دبانے کی کوشش کرتے تھے۔ علوم عقلیہ میں جن لوگوں کے کمال کا شہرہ تھا وہ نہ صرف یہ کہ علوم دینیہ میں کوئی بصیرت نہ رکھتے تھے، بلکہ فلاسفہ یونان کے بالکل ذہنی غلام تھے اور ان میں کوئی ایسا بالغ النظر آدمی نہ تھا جو تنقید کی نگاہ سے اس یونانی لٹریچر کا جائزہ لیتا۔ متکلمین کا جو گروہ اسلام کی "حمایت" کے لیے اٹھا اس نے بھی یونانی کو نو اٹل سمجھ کر عقل کا قانون تسلیم کر لیا، اور وحی آسمانی کو توڑنا اور مروڑنا شروع کیا تا کہ اس کے مطابق ڈھل جائے۔ ان حالات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ دین کو ایک غیر معقول چیز سمجھنے لگے، اس کی ہر چیز انھیں مشکوک نظر آنے لگی ذہنوں میں یہ خیال جاگزیں ہوتا چلا گیا کہ ہمارا دین ایک چھوئی موئی کا درخت ہے جو عقلی امتحان کی ذرا سی ٹھیس سے مرجھا جاتا ہے

امام ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین نے اس رَو کو بدلنے کی کوشش کی مگر یہ گروہ متکلمین کے علوم سے تو واقف تھا لیکن معقولات کے گھر کا بھیدی نہ تھا، اس لئے وہ اس عام بے اعتقادی کی رفتار کو بدلنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا، بلکہ معتزلہ کی ضد میں اس نے بعض ایسی باتوں کا التزام کر لیا جو فی الواقع عقائد دین میں سے نہ تھیں۔

(۲) جاہل فرماں رواؤں کے اثر سے اور علوم دینی کو مادی وسائل کی تائید بہم پہنچنے کے سبب سے اجتہاد کے چشمے خشک ہو گئے، تقلید جامد کی بیماری پھیل گئی، مذہبی اختلافات نے ترقی کر کے نئے نئے جزئیات پر نئے نئے فرقے پیدا کر دیئے، اور ان فرقوں کی باہمی لڑائیوں سے مسلمانوں کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا علمی تفاحشوں میں مبتلا ہیں۔

(۳) مشرق سے مغرب تک مسلم ممالک میں ہر طرف اخلاقی انحطاط رونما ہو گیا جس کے اثر سے کوئی طبقہ خالی نہ رہا۔ قرآن اور نبوت کی روشنی سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بڑی حد تک خالی ہو گئی۔ علما، امرا، عوام سب بھول گئے کہ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت بھی کوئی چیز ہے جس کی طرف ہدایت و رہنمائی کے لئے کبھی رجوع کرنا چاہیئے۔

(۴) شاہی دربار وں، خاندانوں، اور حکمراں طبقوں کی عیاشانہ زندگی اور خود غرضانہ لڑائیوں کی وجہ سے عملاً رعایا تباہ حال ہو رہی تھی، ناجائز ٹیکسوں کے بار نے معاشی زندگی کو نہایت خراب کر دیا تھا۔ تمدن کو حقیقی فائدہ پہونچانے والے علوم و صنائع روبہ تنزل تھے اور ان فنون کا زور تھا جو شاہی درباروں میں قدر و منزلت رکھتے تھے مگر اخلاق و تمدن کے لئے غارت گر تھے۔ آثار سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ عام تباہی کا وقت قریب آ لگا ہے۔

یہ حالات تھے جب پانچویں صدی کے وسط میں امام غزالی پیدا ہوئے[ا]۔ انھوں نے ابتداءً اسی طرز کی تعلیم حاصل کی جو اس زمانہ میں دُنیوی ترقی کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ انہی علوم میں کمال پیدا کیا جن کی بازار میں مانگ تھی۔ پھر اس جنس کو لے کر وہیں پہنچے جہاں کے لئے تیار ہوئے تھے اور ان بلند ترین مراتب تک ترقی کی جن کا تصور اس زمانہ میں کوئی عالم کر سکتا تھا۔ دُنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی — نظامیہ بغداد — کے ریکٹر مقرر ہوئے۔ نظام الملک طوسی، ملک شاہ سلجوقی اور "خلیفۂ بغداد" کے درباروں میں اعتماد حاصل کیا۔ وقت کے سیاسیات میں یہاں تک دخیل ہوئے کہ سلجوقی فرماں روا اور عباسی "خلیفہ" کے درمیان جو اختلافات پیدا ہوتے تھے ان کو سلجھانے کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ دُنیوی عروج کے اس نقطہ پر پہونچ جانے کے بعد ان کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا۔ اپنے زمانہ کی علمی، اخلاقی، مذہبی، سیاسی اور تمدنی زندگی کو جتنی گہری نظر سے دیکھتے گئے اسی قدر ان کے اندر تجدید کا جذبہ اُبھرتا چلا گیا۔ اور اسی قدر ان کے ضمیر نے زیادہ زور سے صدا لگانی شروع کی کہ تم اس گھسے ہوئے نظام کی خدمت کے لئے نہیں ہو بلکہ تمہارا فرض کچھ اور ہے۔ آخر کار انہوں نے تمام اعزازات اور فوائد و منافع اور مشاغل پر لات مار کر

[ا] ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ ۱۲
۱۰۵۸ع	۱۱۱۱ع

شک کے منجدھار میں پھنسے ہوئے تھے فقیرانہ سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے، گوشوں اور ویرانوں میں رہ کر غور و خوض کیا، عام مسلمانوں کی زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا، اور مجاہدات و ریاضات سے اپنی روح کو صاف کرتے رہے۔ ۳۸ سال کی عمر میں نکلے تھے پورے دس برس کے بعد ۴۸ سال کی عمر میں واپس ہوئے، اور اس طویل غور و فکر و مشاہدہ کے بعد جو کام کیا وہ یہ تھا کہ بادشاہوں کے تعلق، ان کی وظیفہ خواری اور جدال و تعصب سے توبہ ہی نہیں کی، بلکہ ان تعلیمی ادارات میں کام کرنے سے بھی انکار کر دیا جو سرکاری اثر میں ہوں، اور خود اپنا ایک آزاد ادارہ قائم کیا جس میں چیدہ افراد کو اپنے خاص طرز پر تعلیم و تربیت دے کر تیار کرنا چاہتے تھے، مگر غالباً ان کی یہ کوشش کوئی بڑا انقلاب انگیز کام نہ کر سکی کیونکہ پانچ چھ سال سے زیادہ ان کو اس طرز خاص پر کام کرنے کی اجل ہی نے مہلت نہ دی۔

امام غزالی کے تجدیدی کام کا خلاصہ یہ ہے:-

اولاً انھوں نے فلسفۂ یونان کا نہایت گہرا مطالعہ کر کے اس پر تنقید کی اور ایسی زبردست تنقید کی کہ وہ رعب جو مسلمانوں پر چھا گیا تھا کم ہو گیا، اور لوگ جن نظریات کو حقائق سمجھے بیٹھے تھے، جن پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کو منطبق کرنے کے سوا دین کے بچاؤ کی کوئی صورت انھیں نظر نہ آتی تھی، اُن کی اصلیت سے بڑی حد تک آگاہ ہو گئے، امام کی اس تنقید کا اثر مسلم ممالک ہی تک محدود نہ رہا بلکہ یورپ تک پہونچا اور وہاں بھی اس نے فلسفۂ یونان کے تسلط کو مٹانے اور جدید دور تنقید و تحقیق کا فتح باب کرنے میں حصہ لیا۔

ثانیاً اُنھوں نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو فلاسفہ و متکلمین کی ضد میں اسلام کے وہ حامی کر رہے تھے جو علوم عقلیہ میں گہری بصیرت نہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُسی قسم کی حماقتیں کر رہے تھے جو بعد میں یورپ کے پادریوں نے کیں، یعنی مذہبی عقائد کے اثبات کو بعض صریح غیر معقول باتوں پر موقوف سمجھ کر خواہ مخواہ اُن کو اصول موضوعہ قرار دے لیتے اور ان کو بھی عقائد دین میں داخل کر کے ہر اس شخص کی تکفیر کرتے جو ان باتوں کا قائل نہ ہوا، اور ہر اُس برہان یا تجربہ یا مشاہدہ کو دین کے لئے خطرہ سمجھتے جس سے اُن کے مزعومات کی غلطی ثابت ہوتی ہو اسی چیز نے یورپ کو بالآخر دہریت کی طرف دھکیل دیا۔ مگر مسلم ممالک میں امام غزالی نے بروقت اس کی اصلاح کی اور مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے عقائد دینی کا اثبات ان غیر معقولات کے التزام پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے معقول دلائل موجود ہیں، لہذا ان چیزوں پر اصرار فضول ہے

ثالثاً انھوں نے اسلام کے عقائد و اساسیات کی ایسی معقول تعبیر پیش کی جس پر کم از کم اُس زمانہ کے اور بعد کی کئی صدیوں تک کے معقولات کی بنا پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ احکام شریعت اور عبادات و مناسک کے اسرار و مصالح بھی بیان کئے اور دین کا ایک ایسا تصور لوگوں کے سامنے رکھا جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں جنکی بنا پر یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اسلام عقلی امتحان کا بوجھ نہیں سہار سکتا۔

رابعاً، انھوں نے اپنے وقت کے تمام مذہبی فرقوں اور ان کے اختلافات پر نظر ڈالی اور پوری تحقیق کے ساتھ بتایا کہ اسلام اور کفر کی امتیازی سرحدیں کیا ہیں، کن حدود کے اندر انسان کے لیے رائے و تاویل کی آزادی ہے، اور کن حدود سے تجاوز کرنے کے معنی اسلام سے نکل جانے کے ہیں۔ اسلام کے اصلی عقائد کون سے ہیں، اور وہ کیا چیزیں ہیں جن کو خواہ مخواہ عقائد دین میں داخل کر لیا گیا ہے۔ اس تحقیقات نے ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور تکفیر بازی کرنے والے فرقوں کی سرنگوں سے بہت سی بارود نکال دی، اور لوگوں کے زاویہ نظر میں وسعت پیدا کی،

خامساً انھوں نے دین کی فہم کو تازہ کیا، بے شعوری کی مذہبیت کو فضول ٹھیرایا، تقلید جامد کی سخت مخالفت کی، لوگوں کو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے چشمۂ فیض کی طرف پھر سے توجہ دلائی، اجتہاد کی روح کو تازہ کرنے کی کوشش کی، اور اپنے عہد کے تقریباً ہر گروہ کی گمراہیوں اور کمزوریوں پر تنقید کر کے اصلاح کی طرف عام دعوت دی۔

سادساً انھوں نے اس نظام تعلیم پر تنقید کی جو بالکل فرسودہ ہو چکا تھا اور تعلیم کا ایک نیا نظام تجویز کیا۔ اس وقت تک مسلمانوں میں جو نظام تعلیم قائم تھا اس میں دو قسم کی خرابیاں پائی جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ علوم دنیا اور علوم دین الگ الگ تھے اور اس کا نتیجہ لامحالہ تفریق دنیا و دین کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ جو اسلامی نقطۂ نظر سے بنیادی طور پر غلط ہے۔ دوسرے شرعی علوم کی حیثیت سے بعض ایسی چیزیں داخل درس تھیں جو شرعی اہمیت نہ رکھتی تھیں، اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ دین کے متعلق لوگوں کے تصورات غلط ہو رہے تھے۔ اور بعض غیر جنس کی چیزوں کو دینی اہمیت حاصل ہو جانے کی وجہ سے فرقہ بندیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ امام غزالی نے ان خرابیوں کو دور کر کے ایک سوچا ہوا نظام بنایا جس کی ان کے ہم عصروں نے سخت مخالفت کی مگر بالآخر تمام مسلم ممالک میں اس کے اصول تسلیم کر لیے گئے اور جتنے نئے نظامات تعلیم بنے وہ تمام تر انہی خطوط پر بنے جو امام نے کھینچ دیے تھے۔ اس وقت تک مدارس عربیہ میں جو نصاب پڑھایا جا رہا ہے اس کی ابتدائی خط کشی امام غزالی ہی کی رہین منت ہے۔

سابعاً انھوں نے اخلاق عامہ کا پورا جائزہ لیا۔ انھیں علماء، مشائخ، امراء، سلاطین، عوام، سب کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے خوب مواقع ملے تھے خود چل پھر کر مشرقی دنیا کا ایک بڑا حصہ دیکھ چکے تھے۔ اسی مطالعہ کا نتیجہ ان کی کتاب احیاء العلوم ہے جس میں انھوں نے ہر طبقہ کی اخلاقی حالت پر تنقید کی ہے، ایک ایک برائی کی جڑ اور اس کے نفسیاتی اور تمدنی اسباب کا کھوج لگایا ہے اور اسلام کا صحیح اخلاقی معیار پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ثامناً انھوں نے اپنے عہد کے نظام حکومت پر بھی پوری آزادی کے ساتھ تنقید کی، براہ راست حکام وقت کو بھی پیہم اصلاح کی طرف توجہ دلاتے رہے، اور عوام میں بھی یہ روح پھونکنے کی کوشش کی کہ منفعلانہ انداز سے جبر وظلم کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں، بلکہ آزادانہ نکتہ چینی کریں۔ احیاء میں ایک جگہ صاف لکھتے ہیں کہ "ہمارے زمانہ میں سلاطین کے تمام یا اکثر اموال حرام ہیں"! ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ "ان سلاطین کو نہ اپنی صورت

دکھانی چاہیئے، نہ ان کی ڈھینی چاہیئے۔ انسان کے لیئے لازم ہے کہ ان کے ظلم سے بغض رکھے۔ ان کے بقا کو پسند نہ کرے، ان کی تعریف نہ کرے، ان کے حالات سے کوئی واسطہ نہ رکھے اور ان کے ہاں رسائی رکھنے والوں سے بھی دور رہے"۔ ایک اور جگہ اُن آداب پرستش وعبودیت پر سخت نکتہ چینی کرتے ہیں جو درباروں میں رائج تھے اور معاشرت کی مذمت کرتے ہیں جو بادشاہوں اور امرا نے اختیار کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ ان کے محلات، ان کے لباس، ان کی آسائش ہر چیز کو نجس بتلاتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انھوں نے اپنے عہد کے بادشاہ کو ایک مفصل خط لکھا جس میں اسے اسلامی طرزِ حکومت کی طرف دعوت دی، حکمرانی کی ذمہ داریاں سمجھائیں، اور اسے بتایا کہ تیرے ملک میں جو کچھ ظلم ہو رہا ہے، خواہ تو خود کرے یا تیرے عمال کریں، بہرحال اس کی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ ایک دفعہ مجبوراً دربارِ شاہی میں جانا پڑا تو دوران گفتگو میں بادشاہ کے منہ در منہ کہا کہ

"تیرے گھوڑوں کی گردن سازِ زریں سے نہ ٹوٹی تو کیا ہوا پر مسلمانوں کی گردن تو فاقہ کشی کی مصیبت سے ٹوٹ گئی"۔

اسی طرح ان کے آخری زمانہ میں جتنے وزرا سلطنت کے مدبر امر ہوئے ان سب کو بھی امام نے پیہم خطوط لکھے اور رعایا کی تباہ حالی کی طرف توجہ دلائی۔ ایک وزیر کو لکھتے ہیں:

ظلم حد سے گزر چکا ہے۔ چونکہ مجھے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھنا پڑتا تھا اس لیئے تقریباً ایک سال سے میں نے طوس کا قیام ترک کر دیا ہے تاکہ بے رحم وبے حیا ظالموں کی حرکات دیکھنے سے خلاصی پاؤں"

ابن خلدون کے بیان سے یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سلطنت کے قیام کے خواہاں تھے جو خالص اسلامی اصول پر ہو، خواہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو۔ چنانچہ مغرب اقصےٰ میں موحدین کی سلطنت انہی کے اشارہ سے ان کے شاگرد نے قایم کی۔ مگر امام موصوف کے کارنامے میں یہ سیاسی رنگ محض ضمنی حیثیت رکھتا تھا۔ سیاسی انقلاب کیلیئے انھوں نے کوئی باقاعدہ تحریک نہیں اُٹھائی، نہ حکومت کے نظام پر کوئی خفیف سے خفیف اثر ڈال سکے اسی لیئے جاہلیت کی حکمرانی میں مسلمان قوموں کی حالت برابر خراب ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک صدی بعد تاتاری طوفان کے دروازے ان پر ٹوٹ پڑے اور اس نے ان کے پورے تمدن کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی وفکری حیثیت سے چند نقایص بھی تھے، اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیئے جاسکتے ہیں، ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے اُن کے کام میں پیدا ہوئے دوسری قسم اُن نقایص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے۔ اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہو جانے کی وجہ سے تھی۔ ان کمزوریوں سے بچکر امام موصوف کے اصل کام، یعنی

اسلام کی ذہنی و اخلاقی روح کو زندہ کرنے اور بدعت و ضلالت کی آلائشوں کو نظام فکر و نظام تمدن سے چھانٹ کر نکالنے کا کام جس شخص نے انجام دیا وہ ابن تیمیہ تھا۔

ابن تیمیہ امام غزالی کے ڈیڑھ سو برس بعد ساتویں صدی کے نصف آخر میں امام ابن تیمیہ پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دریائے سندھ سے فرات کے کناروں تک تمام مسلمان قوموں کو تاتاری غارت گر پامال کر چکے تھے اور شام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مسلسل پچاس برس کی ان شکستوں نے، دائمی خوف و بدامنی کی حالت نے، اور علم و تہذیب کے تمام مرکزوں کی تباہی نے مسلمانوں کو اس مرتبہ پستی سے بھی بہت زیادہ نیچے گرا دیا تھا جس پر امام غزالی نے انھیں پایا تھا۔ نئے تاتاری حملہ آور اگرچہ اسلام قبول کرتے جا رہے تھے مگر جاہلیت میں یہ حکمراں اپنے پیش رو ترک فرماں رواؤں سے بھی کئی قدم آگے تھے، ان کے زیر اثر آکر عوام اور علماء و مشائخ اور فقہاء و قضاۃ کے اخلاق اور بھی زیادہ گر گئے تقلید جامد اس حد کو پہنچ گئی کہ مختلف فقہی و کلامی مذاہب گویا مستقل دین بن گئے۔ اجتہاد معصیت بن کر رہ گیا۔ بدعات و خرافات نے شرعی حیثیت اختیار کر لی۔ کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ایسا گناہ ہو گیا جو کسی طرح معاف نہ کیا جا سکتا تھا۔ اس دور میں جاہل و گمراہ عوام، دنیا پرست یا تنگ نظر علما اور جاہل و ظالم حکمرانوں کی ایسی گٹھ بن گئی تھی کہ اس اتحاد ثلاثہ کے خلاف کسی کا اصلاح کے لیے اٹھنا اپنی گردن کو قصاب کی چھری کے سامنے پیش کرنے سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گو اس وقت صحیح الخیال، وسیع النظر، حقیقت شناس علماء ناپید نہ تھے نہ اُن سچے اور اصلی صوفیوں کی کمی تھی جو جادۂ حق پر گامزن تھے، مگر جس نے اس تاریک زمانہ میں اصلاح کا علم اُٹھانے کی جرأت کی وہ ایک ہی اللہ کا بندہ تھا۔

ابن تیمیہ حدیث کے امام تھے یہاں تک کہ کہا گیا کل حدیث لا یعرفہ ابن تیمیہ فلیس بحدیث (جس حدیث کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث نہیں ہے) تفقہ کی شان یہ تھی کہ بلاشبہ ان کو مجتہد مطلق کا مرتبہ حاصل تھا۔ علوم عقلیہ منطق، فلسفہ اور کلام میں اتنی گہری نظر تھی کہ جن لوگوں کا سرمایۂ نازیہی علوم تھے وہ اُن کے سامنے بچوں کی حیثیت رکھتے تھے، اور اس پر جرأت و ہمت کا یہ حال تھا کہ اظہار حق میں کبھی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہ ڈرے، حتیٰ کہ متعدد مرتبہ جیل بھیجے گئے اور آخرکار جیل ہی میں جان دی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام غزالی کے چھوڑے ہوئے کام کو ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے ان کے تجدیدی کارنامے کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) انھوں نے یونانی منطق و فلسفہ پر امام غزالی سے زیادہ گہری اور زبردست تنقید کی اور اس کی کمزوریوں کو اس طرح نمایاں کر کے رکھ دیا کہ عقلیات کے میدان پر اس کا تسلط ہمیشہ کیلئے ڈھیلا ہو گیا۔ ان دونوں کی تنقید کے اثرات مشرق ہی تک محدود نہ رہے بلکہ مغرب تک بھی پہنچے۔ چنانچہ یورپ میں ارسطو کی منطق اور اسکی مدرسیت کی

یونانی زدہ فلسفیانہ نظام کے خلاف پہلی تنقیدی آواز ابن تیمیہ کے ڈھائی سو برس بعد اٹھی۔

(۲) انھوں نے اسلام کے عقائد، احکام، اور قوانین کی تائید میں ایسے زبردست دلائل قائم کیے جو امام غزالی کے دلائل سے زیادہ معقول بھی تھے اور اسلام کی اصلی روح کے حامل ہونے میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ امام غزالی کے بیان واستدلال پر اصطلاحی معقولات کا اثر چھایا ہوا تھا۔ ابن تیمیہ نے اس راہ کو چھوڑ کر عقل عام (کامن سنس) پر تفہیم وتبیین کی بنا رکھی جو زیادہ فطری، زیادہ موثر اور زیادہ قرآن وسنت کے قریب ہے۔ یہ نئی راہ پچھلوں کی راہ سے بالکل الگ تھی۔ جو لوگ دین کے علمبردار تھے وہ فقط احکام نقل کر دیتے تھے، تفہیم نہ کر سکتے تھے اور جو کلام میں پھنس گئے تھے وہ تفلسف اور اصطلاحی معقولات کو ذریعہ تفہیم بنانے کی وجہ سے کتاب وسنت کی اصلی اسپرٹ کو کم وبیش کھو دیتے تھے۔ ابن تیمیہ نے عقائد واحکام کو ان کی اصلی اسپرٹ کے ساتھ بے کم وکاست بیان بھی کیا اور پھر تفہیم کا وہ سیدھا سادہ فطری ڈھنگ اختیار کیا جس کے سامنے اہل عقل کے لیے سر جھکا دینے کے سوا چارہ نہ تھا۔ آپ کے زبردست کارنامے کی تعریف امام حدیث علامہ ذہبی نے ان الفاظ میں کی ہے کہ ولقد نصر السنة المحضة والطريقة السلفية واحتج لها ببراهين ومقدمات وامور لم يسبق اليها۔ یعنی ابن تیمیہ نے خالص سنت اور طریقہ سلف کی حمایت کی اور اس کی تائید میں ایسے دلائل اور مقدمات اور ایسے طریقوں سے کام لیا جن کی طرف ان سے پہلے کسی کی نظر نہ گئی تھی۔

(۳) انھوں نے تقلید جامد کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ قرون اولی کے مجتہدین کے طریقہ پر اجتہاد کر کے دکھایا، براہ راست کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے استنباط کر کے اور مختلف مذاہب فقہیہ کے درمیان آزادانہ محاکمہ کر کے کثیر التعداد مسائل میں کلام کیا جس سے راہ اجتہاد از سر نو باز ہوئی اور قوت اجتہادیہ کا طریق استعمال لوگوں پر واضح ہوا۔ اس کے ساتھ انھوں نے اور ان کے جلیل القدر شاگرد ابن قیم نے حکمت تشریع اور شارع کے طرز قانون سازی پر اتنا نفیس کام کیا جس کی کوئی مثال ان سے پہلے کے شرعی لٹریچر میں نہیں ملتی۔ یہ وہ مواد ہے جس سے ان کے بعد اجتہادی کام کرنے والوں کو بہترین رہنمائی حاصل ہوئی اور آئندہ ہوتی رہے گی۔

(۴) انھوں نے بدعات اور مشرکانہ رسوم اور اعتقادی واخلاقی گمراہیوں کے خلاف سخت جہاد کیا اور اس سلسلہ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ اسلام کے چشمہ صافی میں اس وقت تک جتنی آمیزشیں ہوئی تھیں، اس اللہ کے بندے نے ان میں سے ایک کو بھی نہ چھوڑا، ایک ایک کی خبر لی، اور ان سب سے چھانٹ کر ٹھیٹھ اسلام کے طریقہ کو الگ روشن کر کے دنیا کے سامنے رکھ دیا۔ اس تنقید وتنقیح میں اس شخص نے کسی کی رو رعایت نہ کی۔ بڑے بڑے آدمی جن کے فضل وکمال کا اور تقدس کا سکہ مسلمانوں کی ساری دنیا پر بیٹھا ہوا تھا، جن کے نام سن کر لوگوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں، ابن تیمیہ کی تنقید سے نہ بچ سکے۔ وہ طریقے اور اعمال جو صدیوں سے مذہبی حیثیت اختیار کیے ہوئے تھے، جن کے جواز، بلکہ استحباب کی دلیلیں نکال لی گئی تھیں، اور علماء حق بھی جن سے

مداہنت کر رہے تھے، ابن تیمیہ نے ان کو تعلیمِ اسلام کے منافی پایا اور ان کی پُرزور مخالفت کی۔ اس آزاد خیالی و صاف گوئی کی وجہ سے ایک دنیا ان کی دشمن ہو گئی اور آج تک دشمن چلی آتی ہے جو لوگ ان کے عہد میں تھے انھوں نے مقدمات قائم کر کے کئی بار جیل بھجوایا، اور جو بعد میں آئے انھوں نے تکفیر و تضلیل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کیا۔ مگر اسلام خالص و محض کے اتباع کا جو صور اس شخص نے پھونکا تھا اس کی بدولت ایک مستقل حرکت دنیا میں پیدا ہو گئی جس کی آواز بازگشت اب تک بلند ہو رہی ہے۔

اس تجدیدی کام کے ساتھ انھوں نے تاتاری وحشت و بربریت کے مقابلہ میں تلوار سے بھی جہاد کیا۔ اس وقت مصر و شام اس سیلاب سے بچے ہوئے تھے۔ امام نے وہاں کے عام مسلمانوں اور رئیسوں میں غیرت و حمیت کی آگ پھونکی اور انھیں مقابلہ پر آمادہ کیا۔ ان کے ہم عصر شہادت دیتے ہیں کہ مسلمان تاتاریوں سے اتنے مرعوب ہو چکے تھے کہ ان کا نام سُن کر کانپ اُٹھتے تھے اور ان کے مقابلہ میں جاتے ہوئے یوں ڈرتے تھے کانما یساقون الی الموت۔ مگر ابن تیمیہ نے ان میں جہاد کا جوش پھونک کر شجاعت کی سوئی ہوئی روح کو بیدار کر دیا۔ تاہم واقعہ ہے کہ وہ بھی کوئی ایسی سیاسی تحریک نہیں اُٹھا سکے جس سے نظام حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آتیں۔

شیخ احمد سرہندی ساتویں صدی میں فتنۂ تاتار نے ہندوکش سے اس پار کی دنیا کو تو بالکل تاخت و تاراج کر دیا، مگر ہندوستان اس کی دست برد سے بچ گیا تھا۔ اس ڈھیل نے یہاں کے مترفین کو اس غلطی میں ڈال دیا جو ہمیشہ فراغت زینتِ دنیا کو لاحق ہوتی ہے۔ یہاں وہ تمام خرابیاں پرورش پاتی رہیں جو خراسان و عراق میں تھیں، وہی بادشاہوں کی خداوندی، وہی اُمرا و اہل دولت کی عیش پسندی، وہی باطل راستوں سے مال لینا اور باطل راستوں میں خرچ کرنا، وہی جبر و ظلم کی حکومت، وہی خدا سے غفلت اور دین کی صراطِ مستقیم سے بُعد۔ رفتہ رفتہ نوبت اکبر بادشاہ کے دورِ حکومت تک پہونچی جس میں گمراہیاں اپنی حد کو پہونچ گئیں۔ اکبر کے دربار میں یہ رائے عام تھی کہ ملت اسلام جاہل بدوؤں میں پیدا ہوئی تھی کسی مہذب و شایستہ قوم کے لیے موزوں نہیں، نبوت، وحی، حشر و نشر، دوزخ و جنت ہر چیز کا مذاق اُڑایا جانے لگا۔ قرآن کا کلام الٰہی ہونا مشتبہ، وحی کا نزول عقلاً مستبعد، مرنے کے بعد ثواب و عقاب غیر یقینی، البتہ تناسخ ہر آئینہ ممکن بلکہ اقرب الی الصواب۔ معراج کو علانیہ محال قرار دیا جاتا، ذات نبوی پر اعتراضات کیے جاتے خصوصاً آپ کی ازواج کے تعدد پر اور آپ کے غزوات و سرایا پر۔ یہاں تک کہ لفظ احمد اور محمد سے بھی چڑ ہو گئی، اور جن کے ناموں میں یہ لفظ شامل تھا ان کے نام بدلے جانے لگے۔ دنیا پرست علما نے اپنی [illegible] نصیحت لکھنی چھوڑ دی، بعض ظالم [illegible] کر دیا [illegible]

[illegible]

نماز، روزہ، حج اور دوسرے شعائر دینی پر سخت اعتراضات کیے اور ان کا مذاق اُڑایا۔ شعراء نے ان شعائر کی ہجو لکھی جو عوام کی زبانوں تک بھی پہونچی۔

بہائی نظریہ کی بنا بھی دراصل اکبری عہد ہی میں پڑی تھی۔ اُس وقت یہ نظریہ قائم کیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایک ہزار سال گزر چکے ہیں اور اس دین کی مدت ایک ہزار سال ہی تھی؛ اس لیے اب وہ منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ نئے دین کی ضرورت ہے۔ اس نظریہ کو سکوں کے ذریعے سے پھیلایا گیا کیونکہ اس زمانہ میں نشر و اشاعت کا سب سے زیادہ قوی ذریعہ یہی تھا۔ اس کے بعد ایک نئے دین اور نئی شریعت کی طرح ڈالی گئی جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہب کو ملا کر ایک مخلوط مذہب بنایا جائے، تاکہ شاہی حکومت مستحکم ہو۔ دربار کے خوشامدی ہندوؤں نے اپنے بزرگوں کی طرف سے اس قسم کی پیشین گوئیاں سنانی شروع کر دیں کہ فلاں زمانے میں ایک گئو رکھشک مہاتما بادشاہ پیدا ہوگا اور اسی طرح بندۂ زر علماء نے بھی اکبر کو مہدی اور صاحب زماں اور امام مجتہد وغیرہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ایک "تاج العارفین" صاحب یہاں تک بڑھے کہ اکبر کو انسان کامل اور خلیفۃ الزماں ہونے کی حیثیت سے خدا کا عکس ہی ٹھیرا دیا۔ عوام کو سمجھانے کے لیے کہا گیا کہ حق اور صدق (عالمگیر سچائیاں) تمام مذاہب میں موجود ہیں، کوئی ایک ہی دین حق کا اجارہ دار نہیں ہے۔ لہٰذا سب مذہبوں میں سے جو جو باتیں حق ہیں انھیں لے کر ایک جامع طریقہ بنانا چاہیئے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت عام دینی چاہیئے تاکہ ملتوں کے سب اختلافات مٹ جائیں، اسی طریق جامع کا نام "دین الٰہی" ہے۔ اس نئے دین کا کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ تجویز کیا گیا۔ جو لوگ اس دین میں داخل ہوتے ان کو "دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم" سے توبہ کر کے "دین الٰہی اکبر شاہی" میں داخل ہونا پڑتا تھا، اور داخل ہونے کے بعد ان کو لفظ "چیلہ" سے تعبیر کیا جاتا۔ سلام کا طریقہ بدل کر یوں کر دیا گیا کہ سلام کرنے والا "اللہ اکبر" اور جواب دینے والا "جل جلالہ" کہتا (یاد رہے کہ اکبر کا نام جلال الدین تھا) چیلوں کو بادشاہ کی تصویر دی جاتی اور وہ اسے پگڑی میں لگاتے۔ بادشاہ پرستی اس دین کے ارکان میں سے ایک رکن تھی۔ ہر روز صبح کو بادشاہ کا درشن کیا جاتا، اور بادشاہ کے سامنے جب حاضری کا شرف عطا ہوتا تو اس کے سامنے سجدہ بجا لایا جاتا۔ "علماء کرام" اور "صوفیائے باصفا" دونوں اپنے اس "قبلۂ حاجات و کعبۂ مرادات" کو بلا تکلف سجدہ فرماتے تھے اور اس صریح شرک کو "سجدۂ تحیۃ" اور "زمین بوسی" جیسے الفاظ کے پردے میں چھپاتے تھے۔ یہ وہی ملعون حیلہ بازی تھی جس کی پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب لوگ حرام چیز کا نام بدل کر اس کو حلال کر لیا کریں گے۔

اس نئے دین کی بنا تو یہ کہہ کر رکھی گئی تھی کہ اس میں بلا کسی تعصب کے ہر مذہب کی اچھی باتیں لی جائینگی [illegible] ہر مذہب کی نہ پہلائی گئی [illegible] نفرت [illegible] کے لیے صرف اسلام [illegible] تمدن کے نظام

دقیانوسی ہی کو مختص کر لیا گیا تھا۔ پارسیوں سے آتش پرستی لی گئی، اکبری محل میں دائمی آگ کا الاؤ روشن کیا گیا اور چراغ روشن کرنے کے وقت قیام تعظیمی کیا جانے لگا۔ عیسائیوں سے ناقوس نوازی اور تماشائے صورت ثالث ثلاثہ اور اسی قسم کی چند چیزیں لی گئیں۔ سب سے زیادہ نظر عنایت ہندوئیت پر تھی کیونکہ یہ ملک کی اکثر آبادی کا مذہب تھا اور بادشاہی کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے اس کی استمالت ضروری تھی، چنانچہ گائے کا گوشت حرام کیا گیا، ہندو تہوار، دیوالی، دسہرہ، راکھی پونم، شیوراتری وغیرہ پوری ہندوانہ رسوم کے ساتھ منائے جانے لگے، شاہی محل میں ہوم کی رسم ادا کی جانے لگی، دن میں چار وقت آفتاب کی عبادت کی جاتی اور آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا جاپ کیا جاتا، آفتاب کا نام جب زبان پر آتا تو جلّت قدرتہ کے الفاظ کہے جاتے، پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا، دوش و کمر پر جنیو ڈالا جاتا، اور گائے کی تعظیم کی جاتی۔ معاد کے متعلق عقیدۂ تناسخ تسلیم کر لیا گیا اور برہمنوں سے ان کے دوسرے بہت سے اعتقادات سیکھے گئے۔ یہ سارا معاملہ تو تھا دوسرے مذاہب کے ساتھ۔ رہا اسلام تو اس کے معاملہ میں بادشاہ اور درباریوں کی ایک ایک حرکت سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کو اس سے ضد اور چڑ ہو گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے خلاف دوسرے مذہب والوں کی طرف سے جو بات دربار کا رنگ دیکھ کر فلسفیانہ و صوفیانہ انداز میں پیش کر دی جاتی اسے وحی آسمانی سمجھ کر قبول کر لیا جاتا اور اس کے مقابلہ میں اسلامی تعلیم رد کر دی جاتی۔ علماء اسلام اگر اسلام کی طرف سے کوئی بات کہتے، یا کسی گمراہی کی مخالفت کرتے تو انھیں "فقیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا جس کے معنی ان کی اصطلاح خاص میں احمق اور ناقابل التفات آدمی کے ہو گئے تھے۔ چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی مذاہب کی تحقیق کے لیے مقرر کی گئی تھی جس میں تمام مذاہب کا مطالعہ بڑی رواداری بلکہ عقیدتمندی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ مگر اسلام کا نام آتے ہی اس کا مذاق اڑایا جانے لگتا تھا اور اگر اسلام کا کوئی حامی جواب دینا چاہتا تو اس کی زبان بند کر دی جاتی تھی۔ یہ برتاؤ اسی حد تک نہ رہا بلکہ عملاً اسلام کے احکام میں دل کھول کر ترمیم و تنسیخ کی گئی سود، جوئے اور شراب کو حلال کیا گیا۔ شاہی مجلس میں نوروز کے موقع پر شراب کا استعمال ضروری تھا حتیٰ کہ قاضی و مفتی تک پی جاتے تھے۔ داڑھی منڈوانے کا فیشن عام کیا گیا اور اس کے جواز پر دلائل قائم کیے گئے۔ چچازاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح ممنوع ٹھیرایا گیا۔ لڑکے کیلئے ۱۶ سال اور لڑکی کیلئے ۱۴ سال کی عمر نکاح مقرر کی گئی۔ ایک بیوی سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کی گئی۔ حد زنا نہ صرف موقوف کی گئی بلکہ چند ضوابط کے ساتھ زنا کو قانوناً جائز ٹھیرایا گیا۔ ۱۲ سال کی عمر سے پہلے ختنہ کی ممانعت کر دی گئی۔ ریشم اور سونے کے استعمال کو حلال کیا گیا شیر اور بھیڑیے کو حلال کیا گیا۔ سور کو اسلام کی ضد میں نہ صرف پاک بلکہ ایک مقدس جانور قرار دیا گیا، حتیٰ کہ صبح [illegible] ہی سور کو دیکھنا مبارک خیال کیا جاتا تھا۔ مردے کو دفن کرنے کے بجائے جلانا یا پانی میں بہا [illegible] [illegible] دفن ہی کرنا چاہے تو ہدایت کی گئی کہ پاؤں قبلہ کی طرف رکھے جائیں۔ اگر [illegible]

پابند ہونے کا التزام نہ تھا۔ حکومت کی تعلیمی پالیسی بھی سراسر اسلام کی مخالف تھی۔ عربی زبان کی تعلیم اور فقہ و حدیث کے درس کو ناپسندیدہ سمجھا جاتا اور جو لوگ ان علوم کو حاصل کرتے وہ حقیر و ذلیل کیے جاتے۔ علوم دینی کے بجائے حکمت و فلسفہ، ریاضی و تاریخ اور اسی نوع کے علوم کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی، زبان میں ہندیت پیدا کرنے کی طرف خاص میلان تھا اور عربی حروف کو زبان سے خارج کرنے کی بھی تجویزیں تھیں۔ ان حالات کی وجہ سے دینی مدرسے ویران ہونے لگے اور اکثر اہل علم ملک چھوڑ چھوڑ کر نکلنے لگے۔

یہ تو تھا حکومت کا حال۔ اور عوام کا حال یہ تھا کہ جو لوگ باہر سے آئے تھے وہ ایران و خراسان کی اخلاقی و اعتقادی بیماریاں ساتھ لائے تھے اور جو لوگ ہندوستان ہی میں مسلمان ہوئے تھے ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص انتظام نہ تھا اس لیے وہ پرانی جاہلیت کی بہت سی باتیں اپنے خیالات اور اپنی عملی زندگی میں لیے ہوئے تھے۔ ان دونوں قسم کے مسلمانوں نے مل جل کر ایک عجیب مرکب تیار کیا تھا جس کا نام "اسلامی تمدن" تھا۔ اس میں شرک بھی تھا، نسلی اور طبقاتی امتیازات بھی تھے، اوہام و خرافات بھی تھے، اور نوایجاد رسموں کی ایک نئی شریعت بھی تھی، اور دنیا پرست علماء و مشائخ نے نہ صرف اس مخلوطہ سے موافقت کر لی تھی، بلکہ وہ اس نئے مت کے پروہت بن گئے تھے۔ لوگوں کی طرف سے ان کو نذرانے پہونچتے، اور ان کی طرف سے لوگوں کو فرقہ بندی کا تحفہ ملتا۔

پیران طریقت کے ہاتھوں سے ایک اور بیماری پھیل رہی تھی اشراقیت، رواقیت اور ویدانتزم کی آمیزش سے ایک عجیب قسم کا فلسفیانہ تصوف پیدا ہو گیا تھا جسے اسلام کے نظام اعتقادی و اخلاقی میں ٹھونس دیا گیا تھا طریقت و حقیقت، شرع اسلامی سے الگ اور اس سے بے نیاز قرار دی گئی تھی۔ باطن کا کوچہ ظاہر سے جدا بنا لیا گیا تھا اور اس کوچہ کا قانون یہ تھا کہ حدود حلال و حرام رخصت، احکام دین عملاً منسوخ، اور ہوائے نفس کے ہاتھ میں کلی اختیارات، جس فرض کو چاہے ساقط کرے اور جس چیز کو چاہے فرض بلکہ فرض الفرض بنا دے، جس حلال کو چاہے حرام کر دے اور جس حرام کو چاہے حلال کر دے۔ ان عام پیروں سے بہتر جن کی حالت تھی ان پر بھی کم و بیش اس فلسفیانہ تصوف کے اثرات پڑے ہوئے تھے، اور وحدت الوجود کے ایک غلط تصور نے خصوصیت کے ساتھ تمام قوائے عمل کو بیکار کر دیا تھا۔

یہ حالات تھے جب اکبری سلطنت کے ابتدائی ایام میں شیخ احمد سرہندی پیدا ہوئے[۵]۔ ان کی تعلیم و تربیت ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو اس دور کے صالح ترین لوگ تھے، گو اپنے گرد و پیش کے فساد کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے مگر کم از کم اپنے ایمان و عمل کو بچائے ہوئے تھے اور جہاں تک ہو سکتا تھا دوسروں کی اصلاح بھی کر رہے تھے خصوصیت کے ساتھ

[۵] [illegible] ۔ وفات سنہ ۱۰۳۴ھ

شیخ کو سب سے زیادہ فیض حضرت باقی باللہ صاحب سے پہونچا جو اپنے وقت کے ایک بڑے صالح بزرگ تھے۔ مگر خود شیخ کی روحانی صلاحیتوں کا یہ حال تھا کہ جب حضرت موصوف کے ساتھ راہ و رسم کی ابتدا ہوئی تھی اسی وقت انھوں نے شیخ کے متعلق یہ خیالات ایک دوست کو لکھ کر بھیجے تھے کہ۔

"حال میں سرہند سے ایک شخص شیخ احمد نامی آیا ہے نہایت ذی علم ہے۔ بڑی عملی طاقت رکھتا ہے چند روز فقیر کے ساتھ اس کی نشست و برخاست ہوئی ہے۔ اس دوران میں اس کے حالات کا جو مشاہدہ ہوا اُس کی بنا پر توقع ہے کہ آگے چل کر یہ ایک چراغ ہوگا جو دُنیا کو روشن کر دے گا"

یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ ہندوستان کے گوشوں میں بہت سے حق پرست علما اور سچے صوفیہ بھی اُس وقت موجود تھے، مگر ان سب کے درمیان وہ اکیلا شخص تھا جو وقت کے ان فتنوں کی اصلاح اور شریعت محمدی کی حمایت کے لیئے اُٹھا اور جس نے شاہی قوت کے مقابلہ میں یکہ و تنہا احیاء دین کی جد و جہد کی۔ اُس بے سروسامان فقیر نے علی الاعلان اُن گمراہیوں کی مخالفت کی جنھیں حکومت کی حمایت حاصل تھی، اور اُس شریعت کی تائید کی جو حکومت کی نگاہ میں مبغوض تھی۔ حکومت نے اس کو ہر طرح دبانے کی کوشش کی، حتیٰ کہ جیل بھی بھیجا، مگر بالآخر وہ فتنہ کا مُنہ پھیر دینے میں کامیاب ہوگیا، جہانگیر جس نے سجدۂ تحیۃ نہ کرنے پر شیخ کو گوالیار کے قید خانہ میں بھیج دیا تھا، آخر میں شیخ کا معتقد ہوگیا اور اپنے بیٹے خرّم کو جو بعد میں شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا، اُن کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے متعلق حکومت کی معاندانہ روش احترام سے بدل گئی۔ "دین الٰہی اکبر شاہی" اُن تمام بدعتوں کے ساتھ ختم ہوا جو درباری شریعت سازوں نے گھڑی تھیں۔ اسلامی احکام کی جو ترمیم و تنسیخ کی گئی تھی وہ خود منسوخ ہوگئی۔ حکومت اگرچہ شاہی حکومت ہی رہی مگر کم از کم اتنا تو ہوا کہ علوم دینی اور احکام شرعی کی طرف اُس کا رویہ کافرانہ ہونے کے بجائے عقیدت مندانہ ہوگیا۔ شیخ کی وفات کے تین چار ہی سال بعد عالمگیر پیدا ہوا اور غالبًا وہ شیخ ہی کے پھیلائے ہوئے اصلاحی اثرات تھے جن کی بدولت تیموری خاندان کے اُس شاہزادے کو وہ علمی اور اخلاقی تربیت مل سکی کہ اکبر جیسے هادم شریعت کا پرپوتا خادم شریعت ہوا۔

شیخ کا کارنامہ اتنا ہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان میں حکومت کو بالکل ہی کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیرا جو اب سے تین چار سو برس پہلے ہی یہاں اسلام کا نام و نشان مٹا دیتا۔ اس کے علاوہ انھوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی انجام دیئے۔ ایک یہ کہ تصوف کے چشمۂ صافی کو اُن آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اُسمیں سرایت کر گئی تھیں پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا دوسرے یہ کہ اُن تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اُس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلہ بیعت و ارشاد کے ذریعہ سے اتباع شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جس کے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف

ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیا تک پہونچکر عوام کے اخلاق اور عقائد کی اصلاح کے لیئے کوشش کی یہی کام ہے جس کی وجہ سے شیخ سرہندی کا شمار مجددین ملت میں ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے ۸۰ سال بعد اور عالمگیر بادشاہ کی وفات سے چار سال پہلے نواح دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے[1]۔ ایک طرف اُن کے زمانے اور ماحول کو اور دوسری طرف اُن کے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اس نظر، ان خیالات، اس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا۔ فرخ سیر، محمد شاہ رنگیلے اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا۔ اس تاریک زمانے میں نشو ونما پاکر ایسا آزاد خیال مفکر وسیع منظر عام پر آتا ہے جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلہ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور ایسا لٹریچر چھوڑ کر جاتا ہے جس کی زبان، انداز بیان، خیالات، نظریات، مواد تحقیق اور نتائج مستخرجہ کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، حتیٰ کہ اس کے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اُس جگہ لکھی گئی تھیں جس کے گرد و پیش عیاشی، نفس پرستی، قتل و غارت، جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔

شاہ صاحب تاریخ انسانی کے اُن لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے اُلجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر و نظر کی ایک صاف سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دُنیا میں حالات موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی، اور تعمیر نو کا ایسا دل آویز نقشہ پیدا کر کے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریب فاسد و تعمیر صالح کے لیئے ایک تحریک اُٹھتی ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی عملی تحریک اُٹھاتے ہوں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دُنیا بنانے کے لیئے میدان میں نکل آتے ہوں۔ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں اس طرز کے لیڈروں کا اصلی کارنامہ یہی ہوتا ہے کہ وہ تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں، اذہان میں نئی روشنی پیدا کرتے ہیں زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ بنے ہوئے سانچے کو عالم ذہنی میں توڑتے ہیں اور اس کے ملبے میں سے اصلی اور ابدی حقیقتوں کو نکال کر دُنیا کے سامنے رکھ جاتے ہیں، یہ کام بجائے خود اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کی مشغولیتوں سے آدمی کو اتنی فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے کہ خود میدان میں آکر تعمیر کا عملی کام بھی کر سکے۔ اگرچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کرتے ہیں کہ اگر موقعہ و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا[2]

---

[1] پیدائش ۱۱۱۴ھ ۔ وفات ۱۱۷۶ھ

[2] تفہیمات جلد اول ص ۱۰۱۔ فلو فرض ان یکون ہذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب ان یکون صلاح الناس

مگر واقعہ یہی ہے کہ انھوں نے اس طرز کا کوئی کام نہیں کیا، بلکہ اپنے خیالات کی دنیا میں ان کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ خود اُن کے اپنے گھر اور اُن کے قریبی حلقہ میں غیر اسلامی طریقے رائج تھے اور وہ ان کی اصلاح پر بھی توجہ صرف کرنے سے معذور رہے۔ مثلاً السلام علیکم تک کا رواج اُن کے گھر میں نہ تھا۔ "رفیع الدین آداب بجالاتا ہے" "عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے" سلام مسنون کے بجائے اس قسم کے فقرے بولے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کی پوتی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی صاحبزادی جوان بیوہ بیٹھی ہوئی تھیں اور نکاح ثانی میں انھیں اس لیئے تامل تھا کہ ہندوانہ جاہلیت اسے معیوب سمجھتی تھی۔ بی بی کی صحنک اور اسی قسم کی نیازوں کا سلسلہ خود اس خاندان کی خواتین میں بھی جاری تھا۔[1] یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شاہ صاحب کی ساری قوتوں کو تنقید و تعمیر افکار کے بھاری کام نے بالکل اپنے اندر جذب کر رکھا تھا اور ان کو اس کارِ عظیم سے اتنی مہلت بھی نہ ملتی تھی کہ اپنے قریب ترین ماحول کی طرف ہی توجہ کر سکتے۔ جیسا کہ آگے چل کر عرض کیا جائے گا، اُن کے صاف کیے ہوئے راستہ پر عملی جد و جہد کرنے کیلئے کچھ دوسرے لوگوں کی ضرورت تھی، اور وہ نصف صدی کے اندر خود انہی کے حلقۂ تعلیم و تربیت سے نشو ونما پاکر اُٹھے۔

(سلسلہ صفحہ گزشتہ) باقامۃ الحروب ونفث فی قلبہ اصلاحہم لقام ھذا الرجل بامر الحساب انہم قیام وکان اما مًا فی الحرب لا یقاس بالرستم والاسفندیار بل الرستم والاسفندیار وغیرہما طفیلیون علیہ مستمدون منہ مقتدون بہ ۱۲

[1] حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانے کے متعلق یہ اور اسی قسم کے اور بھی چند واقعات بعض لوگ نقل تو کرتے ہیں لیکن باوجود تلاش کے اب تک کوئی قابل اعتبار روایت اور کوئی مستند بیان اس بارہ میں مجھے نہیں ملا۔ اور درایت پوری قوت کے ساتھ ان کو رد کرتی ہے شاہ صاحب اور ان کے جانشینوں کا مرتبہ تو بہت بلند ہے جن لوگوں کے گھروں میں ایسی مکروہ بیہودہ باتیں اور غیر اسلامی رسمیں رائج ہوں اُن کو تو اوسط درجہ کے مسلمانوں میں بھی جگہ نہیں دی جا سکتی، اور جو شخص اپنے گھر کی فضا کو جس میں اس کی نسل کو پرورش پانا ہو ایسی لغویات و خرافات سے بھی پاک نہ کر سکے یا نہ کرے وہ کس طرح تجدید ملت و اصلاح امت کے منصب عظیم کا مستحق ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک یہ کلیہ ہے جس میں انشاء اللہ کوئی استثناء نہیں کہ حقیقی "مصلحین" اپنی اصلاحی جد و جہد کا آغاز اپنی ذات، اپنے گھر اور اپنے قریبی ماحول ہی سے کرتے ہیں، پھر شاہ صاحب کا خانوادہ تو پہلے ہی سے اباً عن جدٍ فضل و کمال اور زہد و تقویٰ کا ممتاز گھرانا تھا، ایسی حالت میں صرف چند واہی حکایتوں کی بنا پر کس طرح باور کرایا جائے کہ خود شاہ صاحب کی موجودگی میں اور آپکے بعد شاہ شہید کے زمانہ تک ایسی اول درجہ کی منکرات اس گھرانے میں ہوتی ہوں۔ میں نے جہاں تک دیکھا ہے اس قسم کی حکایتوں کے اول ناقل وہ لوگ ہیں جن کو حضرت سید صاحب رائے بریلوی اور حضرت شہیدؒ کے بارہ میں غلو ہے اور وہ یہ ثابت کرنے کیلئے کہ خود شاہ صاحب کے گھر سے بھی ان بدعات و منکرات کو انہی حضرات نے مٹایا اس قسم کی بے سرو پا حکایتیں نہ معلوم کہاں سے نقل کرتے ہیں۔ پھر انہی لوگوں سے ان حکایات کو دوسرے حضرات نے بلا تنقید کے لے لیا ہے۔ واللہ اعلم (مدیر)

شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کو ہم دو بڑے عنوانات پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک عنوان تنقید و تنقیح کا، اور دوسرا عنوان تعمیر کا۔ میں ان دونوں کو الگ الگ بیان کروں گا۔

پہلے عنوان کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے پوری تاریخ اسلام پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، شاہ صاحب پہلے شخص ہیں جن کی نظر تاریخ اسلام اور تاریخ مسلمین کے اصولی فرق اور باریک فرق تک پہنچی اور جس نے تاریخ مسلمین پر تاریخ اسلام کے نقطۂ نظر سے نقد و تبصرہ کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ ان بہت سی صدیوں میں اسلام قبول کرنے والی اقوام کے درمیان فی الواقع اسلام کا کیا حال رہا ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مضمون ہے جس کی پیچیدگیوں میں پہلے بھی لوگ الجھے رہے اور اب تک الجھے ہوئے ہیں، چنانچہ شاہ صاحب کے بعد بھی کوئی ایسا صاحب نظر نہ اٹھا جس کے ذہن میں حقیقی تاریخ اسلام کا، تاریخ مسلمین سے الگ کوئی واضح تصور ہوتا۔ شاہ صاحب کے کلام میں مختلف مقامات پر اس کے متعلق اشارات موجود ہیں، مگر خصوصیت کے ساتھ ازالۃ الخفا کی فصل ششم میں انھوں نے صفحہ ۱۲۲ سے صفحہ ۱۵۰ تک[1] مسلسل تاریخ مسلمین پر تبصرہ کیا ہے، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ایک دور کی خصوصیات اور ایک ایک زمانہ کے فتنوں کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں کو بھی نقل کرتے گئے ہیں جن میں ان حالات کی طرف صریح اشارات پائے جاتے ہیں۔ اس تبصرہ میں قریب قریب اُن تمام جاہلی آمیزشوں کی نشان دہی ہوگئی ہے جو مسلمانوں کے عقائد، ان کے علوم، اخلاق، تمدن، اور سیاست میں ہوتی رہی ہیں۔

پھر شاہ صاحب نے خرابیوں کے اس ہجوم میں کھوج لگا کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں بنیادی خرابیاں کونسی ہیں جن سے باقی تمام خرابیوں کا شجرۂ نسب ملتا ہو، اور آخر کار دو چیزوں پر انگلی رکھدی ہے۔ ایک اقتدار سیاسی کا خلافت سے پادشاہی کی طرف انتقال، دوسرے روح اجتہاد کا مردہ ہو جانا اور تقلید جامد کا دماغوں پر مسلط ہو جانا۔

پہلی خرابی پر انھوں نے ازالہ میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ خلافت اور بادشاہی کے اصول و اصطلاحی فرق کو جس قدر واضح صورت میں انھوں نے بیان کیا ہے اور جس طرح احادیث سے اس کی تشریح کی ہے، اس کی کوئی مثال ان سے پہلے کے مصنفین کی تحریروں میں نہیں ملتی۔ اسی طرح اس انقلاب کے نتائج کو بھی جس صراحت کے ساتھ انھوں نے پیش کیا ہے وہ اگلوں کے کلام میں مفقود ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

ارکان اسلام کی اقامت میں فتور عظیم برپا ہوگیا...... حضرت عثمان کے بعد کسی فرماں روا نے حج قائم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے نائب ہی مقرر کر کے بھیجتے رہے، حالانکہ اقامت حج خلافت کے

---

[1] میرے پیش نظر ۱۲۸۶ھ کا نسخہ ہے جو بریلی میں طبع ہوا ہے۔

لوازم میں سے ہے جس طرح تخت پر بیٹھنا، تاج پہننا اور خلفاء ان گذشتہ کی شہ نشین میں بیٹھنا قیصر وکسریٰ کے لیے علامت پادشاہی تھا اسی طرح حج خود اپنی امارت میں قایم کرنا اسلام میں علامت خلافت ہے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"پہلے وعظ وفتوے دونوں خلیفہ کی رائے پر موقوف تھے، خلیفہ کی اجازت کے بغیر نہ وعظ کہا جا سکتا تھا اور نہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز تھا۔ مگر اس انقلاب کے بعد وعظ اور فتویٰ دونوں اس نگرانی سے آزاد ہو گئے بلکہ بعد میں تو فتویٰ دینے کے لئے جماعت صالحین کے مشورے کی قید بھی نہ رہی"

پھر فرماتے ہیں:-

"ان لوگوں کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کے مانند رہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے رہے ہیں۔ ہم اسی تغیر کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں، معلوم نہیں آگے چل کر خدائے تعالےٰ کیا دکھانا چاہتا ہے"۔

یہی دوسری خرابی تو شاہ صاحب نے ازالہ میں، حجت میں، بدور بازغہ میں، تفہیمات میں مسوّیٰ اور مصفّیٰ میں اور قریب قریب اپنی ہر تصنیف میں اس پر ماتم کیا ہے۔

ازالہ میں فرماتے ہیں:-

دولت شام (اموی سلطنت) کے خاتمہ تک کوئی اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہ کہتا تھا، بلکہ سب اپنے اپنے ائمہ اور اساتذہ کے طریقہ پر دلائل شرعی سے استنباط کرتے تھے۔ دولت عراق (عباسی سلطنت) کے زمانہ میں ہر ایک نے اپنا ایک نام معین کیا اور یہ کیفیت ہو گئی کہ جب تک اپنے مذہب کے بڑوں کی نص نہ پاتے کتاب وسنت کی دلیل پر حکم نہ کرتے۔ اس طرح وہ اختلافات جو تاویل کتاب وسنت کی مقتضا سے ناگزیر طور پر پیدا ہوئے تھے، مضبوط بنیادوں پر جم گئے، پھر جب دولت عرب کا خاتمہ ہو گیا (یعنی ترکی اقتدار کا زمانہ آیا) اور لوگ مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے تو ہر ایک نے جو کچھ اپنے مذہب فقہی سے یاد کیا تھا اسی کو اصل بنا لیا۔ پہلے جو چیز مذہب مستنبط تھی اب وہ سنتِ منقولہ بن گئی اب ان کے علم کا مدار اس پر رہ گیا کہ تخریج پر تخریج کریں اور تفریع پر تفریع"۔

مصفّیٰ میں لکھتے ہیں:-

"ہمارے زمانہ کے سادہ لوح اجتہاد سے بالکل برگشتہ ہیں، اونٹ کی طرح ناک میں نکیل پڑی ہے اور کچھ نہیں جانتے کہ کدھر جا رہے ہیں، ان کا کاروبار ہی دوسرا ہے۔ یہ بیچارے ان امور کی سمجھ بوجھ کے لئے مکلف ہی نہیں ہیں"۔

حجت کے مبحث مفتم میں اور الانصاف میں شاہ صاحب نے اس مرض کی پوری تاریخ بیان کی ہے اور ان خرابیوں کی نشاندہی کی ہے جو اس کی بدولت پیدا ہوئیں۔

تاریخی تنقید کے بعد شاہ صاحب اپنے زمانہ کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں اور ایک ایک گروہ کو نام بنام پکار کر اس کے نقائص بیان کرتے ہیں۔ تفہیمات میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"یہ وصی (یعنی خود شاہ صاحب) ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے جبکہ لوگوں میں تین چیزیں غلط ملط ہوگئی ہیں"

(۱) دلیل بازی، اور یہ یونانی علوم کے اختلاط کی بدولت ہے۔ لوگ کلامی مباحث میں مشغول ہوگئے ہیں یہاں تک کہ عام میں کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جو استدلالی مناظرات سے خالی ہو۔

(۲) وجدان پرستی، اور یہ صوفیوں کی مقبولیت اور ان کی حلقہ بگوشی کی وجہ سے ہے جس نے مشرق سے مغرب تک لوگوں کو گھیر رکھا ہے، یہاں تک کہ ان حضرات کے اقوال و احوال لوگوں کے دلوں پر کتاب وسنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ ان کے رموز و اشارات اس قدر دخل پاگئے ہیں کہ جو شخص ان رموز و اشارات کا انکار کرے یا ان سے خالی ہو وہ نہ مقبول ہوتا ہے، نہ صالحین میں شمار ہوتا ہے۔ منبروں پر کوئی واعظ ایسا نہیں جس کی تقریر اشارات صوفیہ سے پاک ہو، اور درس کی مسندوں پر کوئی عالم ایسا نہیں جو ان کے کلام میں اعتقاد اور غور و خوض کا اظہار نہ کرے اور نہ اس کا شمار گدھوں میں ہونے لگتا ہے۔ پھر امراء، رؤسا وغیرہ کی کوئی مجلس ایسی نہیں جن کے ہاں لطف کلام اور بذلہ سنجی اور تفنن طبع کے لیے صوفیہ کے اشعار اور نکات کھلونا بنے ہوئے نہ ہوں۔

(۳) طاعت، اور یہ اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ ملت اسلامیہ میں داخل ہیں

پھر اس زمانہ کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے اور بگٹٹ چلا جا رہا ہے، نہ متشابہات پر جاکر رکتا ہے اور نہ کسی ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے جو اس کے علم سے بالاتر ہو، احکام کے معانی اور اسرار پر ہر ایک اپنی عقل سے کلام کر رہا ہے اور جو کچھ اس نے سمجھ لیا ہے اس پر دوسروں سے مناظرہ و مباحثہ کر رہا ہے۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ فقہ میں حنفی، شافعی وغیرہ کے تحت اختلافات پائے جاتے ہیں، ہر ایک اپنے طریقہ میں تعصب برتتا ہے اور دوسروں کے طریقے پر اعتراض کرتا ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کی کثرت ہے اور حق اس غبار میں چھپ گیا ہے"

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں ان پیرزادوں سے جو کسی استحقاق کے بغیر باپ دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں، کہتا ہوں کہ یہ کیا دھڑے بندیاں تم نے کر رکھی ہیں؟ کیوں تم میں سے ہر ایک اپنے طریقہ پر چل رہا ہے اور کیوں اس طریقہ کو سب نے چھوڑ رکھا ہے جسے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا؟ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے

اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور اپنے آپ کو ہادی و مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ضال و مضل ہے۔ ہم ہرگز الگ نہیں رہتی نہیں ہیں جو دُنیا کے فوائد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، یا اس لیے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراض دنیوی حاصل کریں یا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی خواہشات نفس کی اطاعت ان سے کراتے ہیں، یہ سب رہزن ہیں، دجال ہیں، کذاب ہیں، خود بھی دھوکہ میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں۔ ....

میں اُن طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علما کہتے ہیں کہ بے وقوفو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اس کا نام ہے حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے یا وہ سنت ہے جو رسول سے ثابت ہو........ تم پچھلے فقہا کے استحسانات اور تفریعات میں ڈوب گئے کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہو؟ تم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی کو نبی کی کوئی حدیث پہونچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ یہ پیش کرتا ہے کہ صاحب حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو کاملین و ماہرین کا کام ہے، اور یہ حدیث ائمہ سلف سے چھپی تو رہی نہ ہوگی، پھر کوئی وجہ تو ہوگی کہ انھوں نے اسے ترک کر دیا۔ جان رکھو کہ یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے نبی پر ایمان لائے ہو تو اس کا اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے موافق ہو یا مخالف.........

میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا، حالانکہ تم فراخی کے لیے مامور تھے نہ کہ تنگی کے لیے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔......

میں امراء سے کہتا ہوں کہ تمھیں خدا کا خوف نہیں آتا؟ تم فانی لذتوں کی طلب میں مستغرق ہو گئے اور رعیت کو چھوڑ دیا کہ ایک دوسرے کو کھا جائے، علانیہ شرابیں پی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے، زنا کاری، شراب خواری اور قمار بازی کے اڈے برسرعام بن گئے ہیں اور تم ان کا انسداد نہیں کرتے۔ اس عظیم الشان ملک میں مدتہائے دراز سے کوئی حد شرعی نہیں لگائی گئی۔ جس کو تم ضعیف پاتے ہو اسے کھا جاتے ہو اور جسے قوی پاتے ہو اسے چھوڑ دیتے ہو۔ کھانوں کی لذت عورتوں کے ناز و انداز، کپڑوں اور مکانوں کی لطافت، بس یہ چیزیں ہیں جن میں تم ڈوب گئے ہو کبھی خدا کا خیال

تمھیں نہیں آتا۔ ....

میں ان فوجی آدمیوں سے کہتا ہوں کہ تم کو تو اللہ نے جہاد کے لیے، اعلائے کلمۂ حق کے لیے شرک واہل شرک کا زور توڑنے کے لیے بنایا تھا۔ اس کو چھوڑ کر تم نے گھوڑ سواری اور ہتھیار بندی کو پیشہ بنالیا۔ اب جہاد کی نیت اور قصد سے تمہارے دل خالی ہیں۔ پیسہ کمانے کے لیے سپاہی گری کا پیشہ کرتے ہو۔ بھنگ اور شراب پیتے ہو۔ ڈاڑھیاں منڈاتے اور مونچھیں بڑھاتے ہو۔ بندگان خدا پر ظلم ڈھاتے ہو۔ اور تمھیں کبھی اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ حرام کی روٹی کما رہے ہو یا حلال کی خدا کی قسم تمھیں ایک روز دنیا سے جانا ہے، پھر اللہ تمھیں بتائے گا کہ کیا کرکے آئے ہو۔ .....

میں ان اہل حرفہ اور عوام سے کہتا ہوں کہ تم میں سے امانت و دیانت رخصت ہوگئی ہے اپنے رب کی عبادت سے تم غافل ہو گئے ہو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے ہو۔ تم غیر اللہ کے لیے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو۔ یہ تمہارے بدترین افعال ہیں۔ تم میں سے جو کوئی خوشحال ہوجاتا ہے وہ اپنے لباس اور کھانے پر اتنا خرچ کرتا ہے کہ اس کی آمدنی اس کے لیے کافی نہیں ہوتی، اور اہل وعیال کی حق تلفی کرنی پڑتی ہے یا پھر وہ شراب نوشی اور کرایہ کی عورتوں میں اپنی معاش اور معاد دونوں کو ضایع کرتا ہے۔ ......

پھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو عام خطاب کرکے کہتا ہوں کہ اے بنی آدم! تم نے اپنے اخلاق کھو دیئے، تم پر تنگ دلی چھاگئی اور شیطان تمہارا محافظ بن گیا۔ عورتیں مردوں پر حاوی ہوگئی ہیں اور مردوں نے عورتوں کو ذلیل بنا رکھا ہے۔ حرام میں تمھیں مزا آتا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ بن گیا ہے .... اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کرلی ہیں جن سے دین متغیر ہوگیا ہے۔ مثلاً روز عاشورا کو تم جمع ہوکر باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سب دن اللہ کے ہیں اور سارے حوادث اللہ کی مشیت سے ہوتے ہیں؟ اگر حسین رضی اللہ عنہ اس روز شہید کیئے گئے تو اور کونسا دن ہے جس میں کسی محبوبِ خدا کی موت نہ واقع ہوئی ہو؟ کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنالیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے، پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہئے اگر تم سچے ہو تو اپنے اس خیال اور ان حرکات کے لیے کوئی دلیل لاؤ۔ پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہورہی ہے، مثلاً شادیوں میں فضول خرچی، طلاق کو ممنوع بنالینا، بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا

اس قسم کی رسموں میں تم اپنے مال اور اپنی زندگیوں کو خراب کر رہے ہو اور ہدایت صالحہ کو تم نے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ ان رسموں کو چھوڑ کر اُس طریقے پر چلتے جس میں سہولت تھی نہ کہ تنگی پھر تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے، گویا تم پر کسی نے فرض کر دیا ہے کہ جب کوئی مرے تو اُس کے اقربا خوب کھانا کھلائیں۔ تم نمازوں سے غافل ہو، کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لیے وقت نہیں پاتا اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔ تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں، وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکوٰۃ اور عبادت کی نیت نہیں کرتا۔ تم رمضان کے روزے بھی ضایع کرتے ہو اور اس کے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔ تم لوگ سخت بد تدبیر ہو گئے ہو، تم نے اپنی بسر اوقات کا انحصار سلاطین کے وظائف و مناصب پر کر رکھا ہے اور جب تمہارا بار سنبھالنے کے لیے سلاطین کے خزانے کافی نہیں ہوتے تو وہ رعیت کو تنگ کرنے لگتے ہیں۔۔۔۔۔"

ایک اور تفہیم میں فرماتے ہیں :-

"جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کیلئے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کم تر ہے۔ آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عزیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے اُن کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اُن کے برعکس ان لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ خاص ان کے معاملہ میں شارع کی نص موجود نہیں ہے۔ مگر اصولاً ہر وہ شخص جو کسی مُردے کو زندہ ٹھیرا کر اُس سے حاجتیں طلب کرتا ہے اُس کا دل گناہ میں مبتلا ہے۔"

یہ اقتباسات بہت طویل ہو گئے ہیں۔ مگر تفہیمات جلد دوم کے چند فقرے اور تقاضا کر رہے ہیں کہ ان کو بھی اس سلسلہ میں ناظرین تک پہونچا دیا جائے۔ فرماتے ہیں:-

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کرو گے اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی اُن کے پیچھے جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلی اُمتوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ حضور نے فرمایا اور کون۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنھوں نے صلحا کو ارباب من دون اللہ بنا لیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیا کی قبروں کو

سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام شارع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لیے ہیں اور گناہگار میرے لیے۔ یہ اسی قسم کی بات ہے جیسے یہودی کہتے تھے کہ لن تمسنا النار الا ایاماً معدودۃ (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لیے) سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔ صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں کرتے، خصوصاً مسئلہ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انھیں بالکل پروا ہی نہیں ہے۔ فقہائی فقہ کو دیکھو تو اس میں اکثر وہ باتیں ملتی ہیں جن کے ماخذ کا پتہ ہی نہیں، مثلاً دہ دردہ کا مسئلہ[1] اور کنوؤں کی طہارت کا مسئلہ[2]۔ رہے اصحاب معقول اور شعراء اور اصحاب ثروت اور عوام تو ان کی تحریفات کا ذکر کہاں تک کیا جائے۔"

ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور کس قدر جامعیت کے ساتھ اُن پر تنقید کی ہے۔ اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جن کے ضمیر و ایمان میں زندگی اور جن کے قلب میں برے اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے۔ ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر انھیں کھٹکنے لگتا ہے۔ ان کی قوت امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو تحلیل کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کی قوت ایمانی اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ خارزار جاہلیت کی ہر کھٹک انھیں اصلاح کے لیے بے چین کر دیتی ہے۔ اس کے بعد مجدد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے اُس پر وہ اپنی نظر جما سکیں اور اپنی تمام سعی و عمل کو اس کی سمت میں مرکوز کر دیں۔ یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اُسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا جو اُن کے تنقیدی کام میں آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔

تعمیر کے سلسلہ میں ان کا پہلا اہم کام یہ ہے کہ وہ فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کرتے ہیں جس میں کسی ایک مذہب کی جانبداری اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انھوں نے تمام مذاہب فقہیہ کے اصول اور طریق استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید کی، اس بنا پر کہ دلیل اس کے حق میں پائی، نہ اس بنا پر کہ وہ اس مذہب کی وکالت کا عہد کر چکے ہیں۔ اور جس سے اختلاف کیا، اس بنا پر کیا کہ دلیل اس کے خلاف پائی، نہ اس بنا پر کہ

---

[1] یعنی یہ مسئلہ کہ دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا حوض ہو تب اس کا پانی ماء کثیر ہوگا۔
[2] یعنی یہ مسئلہ کہ کنوئیں میں کس جانور کے گرنے پر کتنے ڈول پانی کے نکالے جائیں۔

انھیں اُس سے عناد ہے۔ اسی وجہ سے کہیں وہ حنفی نظر آتے ہیں، کہیں شافعی، کہیں مالکی، کہیں حنبلی۔ انھوں نے ان لوگوں سے بھی اختلاف کیا ہے جو ایک مذہب کی پیروی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ تمام مسائل میں اسی کا اتباع کریں گے۔ اور اسی طرح وہ اُن سے بھی سخت اختلاف کرتے ہیں جنھوں نے ائمہ مذاہب میں سے کسی کی مخالفت کا عہد کر لیا ہے۔ ان دونوں کے بین بین وہ ایک ایسے معتدل راستے پر چلتے ہیں جس میں ہر غیر متعصب طالب حق کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کا رسالہ انصاف اس مسلک کا آئینہ ہے۔ یہی رنگ مصفیٰ اور حجت اور ان کی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ تفہیمات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور شافعی کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں سب سے زیادہ پیرو بھی انھیں دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں۔ فقہاء، محدثین، مفسرین، متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں۔ اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے متبع ہیں۔ اس وقت جو امر حق ملاء اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے۔ دونوں کے مسائل کو حدیث نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے۔ اور جس کی کوئی اصل نہ ملے اسے ساقط کر دیا جائے۔ پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں اگر وہ دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہوں تو وہ اس لائق ہیں کہ انھیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے، اور اگر ان میں دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلے میں دونوں قول تسلیم کیے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے۔ یا تو ان کی حیثیت ایسی ہوگی جیسی قرآن میں اختلاف قرأت کی حیثیت ہے، یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہوگا، یا کسی مخمصہ سے نکلنے کے دو راستوں کی سی نوعیت ہوگی جیسے تعدد کفارات، یا دو مباح کے مباح طریقوں کا سوال ہوگا، ان چار پہلوؤں کے باہر کوئی پہلو انشاء اللہ تعالےٰ نہ پایا جائے گا۔

انصاف میں انھوں نے اپنی رائے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ دی ہے چنانچہ باب سوم میں "فی اعلم ان التخریج علی کلام الفقہاء" سے لے کر آخر باب تک جو کچھ لکھا ہے وہ اس لائق ہے کہ اہل الحدیث اور اہل تخریج دونوں اس کو غور کی نگاہ سے دیکھیں۔ اس بحث میں انھوں نے جس طریقہ کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ طریق اہل حدیث اور طریق اہل تخریج دونوں کو جمع کیا جائے۔ اسی طرح حجت کے مبحث ہفتم میں فصل و مما لمنیا سب هذا المقام التنبیه علی مسائل ضلت فی بوادیها الافهام کے تحت جو بحث کی ہے وہ بھی سمجھنے کے لائق ہے۔

مسلک معتدل اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری اور تقلید جامد اور لاطائل بحثوں میں تضیع اوقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وسعت نظر کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلتا ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی شاہ صاحب اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اور قریب قریب ان کی تمام کتابوں میں ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح تحقیق و اجتہاد پر اکسایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مصفّٰی کے مقدمہ سے چند فقرے انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

"اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است و مراد از اجتہاد اینجا ... معرفت احکام شرعیہ از ادلۂ تفصیلیہ و تفریع و ترتیب مجتہدانہ اگرچہ بارشاد صاحب مذہبے بودہ باشد۔ و آنکہ گفتیم اجتہاد در ہر عصر فرض است بجہت آنست کہ مسائل کثیرۃ الوقوع غیر محصور اند، و معرفت احکام الٰہی در آنہا واجب؛ و آنچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی، و در آنہا اختلاف بسیار کہ بدون رجوع بادلہ حل اختلاف آں نتواں کرد و طرق آں تا مجتہدین غالباً منقطع، پس بغیر عرض بر قواعد اجتہاد راست نیاید"

یہی نہیں کہ شاہ صاحب نے اجتہاد پر زور دیا ہو بلکہ انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے اصول و قواعد اور اس کی شرائط کو بیان کیا ہے۔ ازالہ، حجۃ، عقد الجید، انصاف، بدور بازغہ، مصفّٰی وغیرہ میں اس مسئلہ پر کہیں اشارات اور کہیں مفصل تقریریں موجود ہیں۔ نیز اپنی کتابوں میں جہاں بھی انھوں نے کسی مسئلہ پر گفتگو کی ہے ایک محقق اور مجتہد کی حیثیت سے کی ہے، گویا ان کی کتابوں کے مطالعہ سے آدمی کو نہ صرف اجتہاد کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس کی ٹریننگ بھی مل جاتی ہے۔

مذکورۂ بالا دو کام تو ایسے ہیں جو شاہ صاحب سے پہلے بھی لوگوں نے کئے ہیں، مگر جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا وہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش روؤں سے بازی لے گئے ہیں اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے ائمہ گزرے ہیں جن کے کام کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ہیں اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ ہی کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔ ان کی کتابوں میں سے حجۃ اللہ اور البدور البازغہ دونوں کا موضوع یہی ہے۔ پہلی کتاب زیادہ مفصل ہے اور دوسری زیادہ فلسفیانہ۔

ان کتابوں میں انھوں نے مابعد الطبیعی مسائل سے ابتدا کی ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص فلسفۂ اسلام کو مدون کرنے کی بنا ڈال رہا ہے۔ اس سے پہلے مسلمان فلسفہ میں جو کچھ لکھتے اور کہتے رہے

اس کو محض نادانی سے لوگوں نے فلسفۂ اسلام کے نام سے موسوم کر رکھا ہے، حالانکہ وہ فلسفۂ اسلام نہیں، فلسفۂ مسلمین ہے جس کا شجرۂ نسب یونان و روم اور ایران و ہندوستان سے ملتا ہے۔ فی الواقع جو چیز اس نام سے موسوم کرنے کے لائق ہے اس کی داغ بیل سب سے پہلے اسی دہلوی شیخ نے ڈالی ہے۔ اگرچہ اصطلاحات وہی قدیم فلسفہ و کلام یا فلسفیانہ تصوف کی زبان سے لی ہیں، اور غیر شعوری طور پر بہت سے تخیلات بھی وہیں سے آگئے ہیں، جیسا کہ اول اول ہر نئی راہ نکالنے والے کے لیے طبعاً ناگزیر ہے، مگر پھر بھی تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی یہ ایک بڑی زبردست کوشش ہے خصوصاً ایسے شدید انحطاط کے دور میں اتنی طاقتور عقلیت کے آدمی کا ظاہر ہونا بالکل حیرت انگیز ہے۔

اس فلسفہ میں شاہ صاحب کائنات کا اور کائنات میں انسان کا ایک ایسا تصور قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں جو اسلام کے نظام اخلاق و تمدن کے ساتھ ہم آہنگ و متحد المزاج ہو سکتا ہو، یا دوسرے الفاظ میں جس کو اگر شجرۂ اسلام کی جڑ قرار دیا جائے تو جڑ میں اور اس درخت میں جو اس سے پھوٹا، عقلاً کوئی فطری مباینت محسوس نہ کی جا سکتی ہو[1]۔ میں حیران رہ جاتا ہوں جب سنتا ہوں کہ شاہ صاحب نے ویدانتی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا جوڑ لگا کر نئی ہندی قومیت کے لیے فکری اساس فراہم کرنے کی کوئی کوشش کی تھی۔ مجھے ان کی کتابوں میں اس کوشش کا کہیں سراغ نہ ملا۔ اور اگر مل جاتا تو باللہ العظیم کہ میں شاہ صاحب کو مجددین کی فہرست سے خارج کر کے متجددین کی صف میں لے جا کر بٹھاتا۔

مابعد الطبیعی بنیاد کو استوار کرنے کے بعد وہ اس پر ایک نظام اخلاق مرتب کرتے ہیں اور اس مقام پر انتہائی جذبۂ اعتراف کے ساتھ میں دیکھتا ہوں کہ وہ یونانی ایتھکس کی غلامی سے پہلو بچا رہے ہیں، اس ایتھکس کی غلامی سے جس میں دوانی جیسے لوگ جا پھنسے اور جس کا اچھا خاصا اثر امام غزالی تک کے ذہن پر قائم رہا۔ مگر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ شاہ صاحب اس ایتھکس کے اثر سے بالکل آزاد ہو چکے تھے۔

نظام اخلاق پر وہ ایک اجتماعی فلسفہ (سوشل فلاسفی) کی عمارت اٹھاتے ہیں جس کے لیے انھوں نے ارتفاقات کا عنوان تجویز کیا ہے، اور اس سلسلہ میں تدبیر منزل، آداب معاشرت، سیاست مدن، عدالت، ضرب محاصل (ٹیکسیشن) انتظام ملکی اور تنظیم عسکری وغیرہ کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان اسباب پر

---

[1] جو فلسفہ مسلمانوں میں رائج تھا وہ اسلام کے علمی، اخلاقی اور اعتقادی نظام سے کوئی ربط نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کا رواج جتنا جتنا بڑھا اسی قدر مسلمانوں کی زندگی بگڑتی چلی گئی، عقیدہ بھی کمزور ہوا، اخلاق بھی ڈھیلے ہوئے، اور قوائے عمل بھی سرد ہو گئے۔ ذہن میں متصادم خیالات کی کشمکش کا یہ طبیعی نتیجہ ہے۔ اور یہی اثرات موجودہ مغربی فلسفہ کے رواج سے بھی رونما ہو رہے ہیں کیونکہ وہ بھی کسی طرح نظام اسلامی کی فکری اساس نہیں بن سکتا۔

روشنی ڈالتے ہیں جن سے تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔

پھر وہ نظام شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس خاص مضمون پر جو کام انھوں نے کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالی نے کیا تھا، اور قدرتی بات ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے آگے بڑھ گئے ہیں۔

آخر میں انھوں نے تاریخ ملل و شرائع پر بھی نظر ڈالی ہے اور کم از کم میرے علم کی حد تک وہ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام و جاہلیت کی تاریخی کشمکش کا ایک دھندلا سا تصور پیش کیا ہے۔

نظام اسلامی کے اس قدر معقول اور اتنے مرتب خاکے کا پیش ہو جانا بجائے خود اس امر کی پوری ضمانت ہے کہ وہ تمام صحیح الفطرت اور سلیم الطبع لوگوں کا نصب العین بن جائے، اور جو لوگ اُن میں سے زیادہ قوت عمل رکھتے ہوں وہ اس نصب العین کے لیے جان و تن کی بازی لگا دیں خواہ اس نصب العین کو سامنے رکھنے والا خود عملاً ایسی کسی تحریک کی رہنمائی کرے یا نہ کرے۔ مگر جو چیز اس سے بھی زیادہ محرک ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ شاہ صاحب نے جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو بالکل نمایاں کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا اور نہ صرف اسلامی حکومت کی خصوصیات صاف صاف بیان کیں بلکہ اس بحث کو بتکرار ایسے طریقوں سے پیش کیا جن کی وجہ سے اصحاب ایمان کے لیئے جاہلی حکومت کو اسلامی حکومت سے بدلنے کی جد و جہد کیئے بغیر چین سے بیٹھنا محال ہوگیا۔ یہ مضمون حجت میں بھی کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ مگر ازالہ تو گویا ہے ہی اسی موضوع پر۔ اس کتاب میں وہ احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ خلافت اسلامی اور بادشاہی، دو بالکل مختلف الاصل چیزیں ہیں۔ پھر ایک طرف بادشاہی کو اور ان تمام لعنتوں کو رکھتے ہیں جو بادشاہی کے ساتھ مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں از روئے تاریخ پیدا ہوئے، اور دوسری طرف خلافت اسلامی کی خصوصیات اور شرائط کو اور اُن رحمتوں کو پیش کر دیتے ہیں جو اسلامی خلافت میں فی الواقع مسلمانوں پر نازل ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ لوگ چین سے بیٹھ جائیں۔

سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گزری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب کی نگاہ کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات، اور شاہ شہید[ا] کی منصب امامت، عبقات، تقویت الایمان اور دوسری تحریریں دیکھیئے۔ دونوں جگہ وہی شاہ صاحب کی زبان بولتی نظر آئے گی۔ شاہ صاحب نے

[ا] سید صاحب ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ شاہ اسمٰعیل صاحب ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ انقلابی تحریک کی چنگاری سید صاحب کے دل میں غالباً ۱۸۱۰ء کے لگ بھگ زمانے ہی میں بھڑک اُٹھی تھی۔ ۱۲

علمأ جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صالح لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کردی، اور پھر ان کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے، خصوصًا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس حلقے کو بہت زیادہ وسیع کردیا یہاں تک کہ ہزارہا ایسے آدمی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے جن کے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفوذ کیئے ہوئے تھے، جن کے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر اُتر چکی تھی، اور جو اپنے علم و فضل اور اپنی عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں شاہ صاحب اور ان کے حلقہ کا اثر قایم ہونے کا ذریعہ بن گئے تھے۔ اس چیز نے اُس تحریک کے لیئے گویا زمین تیار کردی جو بالآخر شاہ صاحب ہی کے حلقہ سے، بلکہ یوں کہیئے کہ انکے گھر سے اُٹھنے والی تھی،

سید صاحب اور شاہ صاحب دونوں روحًا و معنیً ایک وجود رکھتے ہیں اور اس وجودِ متحد کو میں مستقل بالذات مجدد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہوں۔ ان حضرات کے کارنامے کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) انھوں نے عملًا عامۂ خلائق کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا، اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہونچ سکے وہاں زندگیوں میں ایسا زبردست انقلاب رونما ہوا کہ صحابہ کرام کے دور کی یاد تازہ ہوگئی

(۲) انھوں نے اتنے وسیع پیمانے پر، جو انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ہندوستان جیسے پر سر تنزل ملک میں مشکل ہی ممکن ہو سکتا تھا، جہاد کی تیاری کی، اور اس تیاری میں اپنی تنظیمی قابلیت کا کمال ظاہر کردیا۔ پھر غایت تدبّر کے ساتھ آغاز کار کے لیئے شمالی مغربی ہندوستان کو منتخب کیا جو ظاہر ہے کہ جغرافی و سیاسی حیثیت سے اس کام کے لیئے موزوں ترین خطہ ہو سکتا تھا۔ پھر اس جہاد میں ٹھیک وہی اصولِ اخلاق اور قوانینِ جنگ استعمال کیئے جن سے ایک دُنیا پرست جنگ آزما کے مقابلہ میں ایک مجاہد فی سبیل اللہ ممتاز ہوتا ہے، اور اس طرح اُنھوں نے صحیح معنوں میں روحِ اسلامی کا پھر ایک مرتبہ دنیا کے سامنے مظاہرہ کردیا۔ ان کی جنگ ملک و مال یا قومی عصبیت، یا کسی نیوی غرض کے لیئے نہ تھی بلکہ خالص فی سبیل اللہ تھی۔ ان کے سامنے کوئی مقصد اس کے سوا نہ تھا کہ خلق اللہ کو جاہلیت کی حکومت سے نکالیں اور وہ نظام حکومت قایم کریں جو خالق اور مالک الملک کے منشا کے مطابق ہے۔ اس غرض کے لیئے جب وہ لڑے تو حسب قاعدہ اسلام یا جزیہ کی طرف پہلے دعوت دی اور پھر اتمام حجت کر کے تلوار اُٹھائی اور جب تلوار اُٹھائی تو جنگ کے اُس مہذب قانون کی پوری پابندی کی جو اسلام نے سکھایا ہے۔ کوئی ظالمانہ اور وحشیانہ فعل ان سے سرزد نہیں ہوا۔ جس بستی میں داخل ہوئے مصلح کی حیثیت سے داخل ہوئے نہ کہ مفسد کی حیثیت سے۔ ان کی فوج کے ساتھ نہ شراب تھی، نہ بینڈ بجتا تھا، نہ بیسواؤں کی پلٹن ہوتی تھی، نہ ان کی چھاؤنی بدکاریوں کا اڈا بنتی تھی، اور نہ ایسی کوئی مثال ملتی ہے کہ ان کی فوج کسی علاقہ سے گذری ہو اور اس علاقہ کے لوگ اپنے مال اور اپنی عورتوں کی عصمتیں لُٹنے پر ماتم کناں ہوں۔ ان کے سپاہی دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اور رات کو جانماز پر ہوتے تھے۔ خدا سے ڈرنے والے، آخرت کے حساب کو یاد رکھنے والے، اور ہر حال میں راستی پر قایم رہنے والے

خدا اس پر قایم رہنے میں اُن کو فائدہ پہونچے یا نقصان۔ انھوں نے کہیں شکست کھائی تو بزدل ثابت نہ ہوئے اور کہیں فتح پائی تو جبار اور متکبر نہ پائے گئے۔

(۳) اُن کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا اُس میں انھوں نے ٹھیک اُس طرز کی حکومت قایم کی جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوریٰ، وہی عدل وانصاف، وہی حدود شرعیہ، وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا وہی مظلوم کی حمایت اگرچہ ضعیف ہو اور ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاقِ صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا، غرض ہر پہلو میں انھوں نے اسی حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو کبھی صدیق وفاروق نے کی تھی۔

یہ لوگ بعض طبعی اسباب کی وجہ سے، جن کا ذکر آگے آتا ہے، ناکام ہوئے، مگر خیالات میں جو حرکت وہ پیدا کر گئے تھے اس کے اثرات ایک صدی سے زیادہ مدت گزر جانے کے باوجود اب تک ہندوستان میں موجود ہیں۔

اسباب ناکامی اس آخری مجددانہ تحریک کی ناکامی کے اسباب پر بحث کرنا عموماً اُن حضرات کے مذاق کے خلاف ہے جو بزرگوں کا ذکر صرف عقیدت ہی کے ساتھ کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس لیئے مجھے اندیشہ ہے کہ جو کچھ میں اس عنوان کے تحت عرض کرونگا وہ میرے بہت سے بھائیوں کے لیئے تکلیف کا موجب ہوگا لیکن اگر ہمارا مقصد اس تمام ذکر اذکار سے محض سابقین بالایمان کو خراج تحسین ہی پیش کرنا نہیں ہے، بلکہ آئندہ تجدید دین کے لیئے اُن کے کاموں سے سبق حاصل کرنا بھی ہے، تو ہمارے لیئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ تاریخ پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور ان بزرگوں کے کارناموں کا سراغ لگانے کے ساتھ اُن اسباب کا کھوج بھی لگائیں جن کی وجہ سے یہ اپنے مقصد کو پہنچنے میں ناکام ہوئے۔ شاہ صاحب اور ان کے صاحبزادوں نے علماء حق اور صالحین کی جو عظیم القدر جماعت پیدا کی، اور پھر سید صاحب اور شاہ شہید نے صلحاء و اتقیاء کا جو لشکر فراہم کیا، اُس کے حالات پڑھ کر ہم دنگ رہ جاتے ہیں، ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم قرنِ اول کے صحابہ و تابعین کی سیرتیں پڑھ رہے ہیں، اور ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ہم سے اس قدر قریب زمانہ میں اس پایہ کے لوگ ہو گزرے ہیں مگر ساتھ ہی ہمارے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اتنی زبردست اصلاحی و انقلابی تحریک جس کے لیڈر اور کارکن ایسے صالح و متقی اور ایسے سرگرم مجاہد لوگ تھے، انتہائی ممکن سعی و عمل کے باوجود ہندوستان پر اسلامی حکومت قایم کرنے میں کامیاب نہ ہوئی اور اس کے برعکس کئی ہزار میل سے آئے ہوئے انگریز یہاں خالص جاہلی حکومت قایم کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ اس سوال کو عقیدت مندی کے

جوش میں لا جواب چھوڑ دینے کے معنے یہ ہیں کہ لوگ صلاح و تقوے اور جہاد کو اس دنیا کی اصلاح کے معاملہ میں عدیم الاثر سمجھنے لگیں اور یہ خیال کرکے مایوس ہو جائیں کہ جب ایسے زبردست متقیانہ جہاد سے بھی کچھ نہ بنا تو آئندہ کیا بن سکے گا۔ میں اس قسم کے شبہات فی الواقع لوگوں کی زبان سے سن چکا ہوں، بلکہ حال ہی میں جب مجھے علی گڈھ جانے کا اتفاق ہوا تھا تو اسٹریچی حال کے بھرے جلسہ میں میرے سامنے یہی شبہ پیش کیا گیا تھا اور اسے رفع کرنے کے لیے مجھے ایک مختصر تقریر کرنی پڑی تھی۔ نیز مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت علماء صالحین کی جو جماعت ہمارے درمیان موجود ہے وہ بالعموم اس مسئلہ میں بالکل خالی الذہن ہے، حالانکہ اگر اس کی تحقیق کی جائے تو بہت سے ایسے سبق ہمیں مل سکتے ہیں جن سے استفادہ کرکے آئندہ زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح کام ہو سکتا ہے۔

پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور ان کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے باب میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دیدی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ حاشا کہ مجھے فی نفسہٖ اس تصوّف پر اعتراض نہیں ہے جو ان حضرات نے پیش کیا۔ وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوّف ہے، اور اس کی نوعیت "احسان" سے کچھ مختلف نہیں ہے لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور متصوفانہ زبان کا استعمال، اور متصوفانہ طریقہ سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف اس خاص قالب کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے سوا اس کے لیے دوسرا قالب بھی ممکن ہے اس کے لیے زبان بھی دوسری اختیار کی جا سکتی ہے، رموز و اشارات سے بھی اجتناب کیا جا سکتا ہے، اور پیری مریدی اور اس سلسلہ کی تمام عملی شکلوں کو بھی چھوڑ کر دوسری شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ اسی قالب کو اختیار کرنے پر اصرار کیا جائے، حالانکہ یہ پرانا قالب اس بنا پر قابل ترک تھا اور ہے کہ مدتہائے دراز سے اسی قالب میں جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہو رہی ہے اور اس کی کثرتِ اشاعت نے مسلمانوں کو سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کیا ہے، اور اب حال یہ ہو چکا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی ہی صحیح تعلیم دے، اگر یہ قالب جہاں استعمال کیا گیا اور پھر وہی تمام بیماریاں عود کر آتی ہیں جو صدیوں کے رواج عام سے اس کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں پس جس طرح ایک مباح الاصل غذا سے بیمار کو پرہیز کرایا جاتا ہے تاکہ اس کے مرض میں اضافہ نہ ہو، جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہو جاتی ہے۔ جبکہ مریض کے لیے وہ نقصان دہ ہو، اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے کہ اسی کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا سا چسکا لگایا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آ جاتی ہیں۔ جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہیں بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ مریدوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی

جو مریدی کے ساتھ مختص ہوچکی ہے یعنی وہی بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید والی ذہنیت جس کے بعد پیر صاحب اور ارباب من دون اللہ میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔ فکر و نظر معطل، قوت تنقید ماؤف، علم و عقل کا استعمال موقوف، اور دل و دماغ پر بندگی شیخ کا ایسا مکمل تسلط کہ گویا شیخ ان کا رب ہے اور یہ اس کے مربوب پھر جہاں کشف و الہام کی بات چیت شروع ہوئی اور معتقدین کی ذہنی غلامی کے بند اور زیادہ مضبوط ہونے شروع ہوگئے۔ اس کے بعد صوفیانہ رموز و اشارات کی باری آتی ہے جس سے مریدوں کی قوت واہمہ کو گویا تازیانہ لگ جاتا ہے اور وہ انہیں لے کر ایسی اڑتی ہے کہ بیچارے ہروقت عجائبات و طلسمات ہی کے عالم میں سیر کرتے رہتے ہیں اور واقعات کی دنیا میں ٹھیرنے کا موقع غریبوں کو کم ہی ملتا ہے۔ مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے، نہ شاہ صاحب۔ دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے۔ مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہوچکی تھی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر ٹھیک وہی روش اختیار کی تھی جو ابن تیمیہ کی تھی، لیکن شاہ صاحب کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی سید صاحب کی تحریک میں چل رہا تھا اس لیے مرض صوفیت کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی، حتیٰ کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد ہی ایک گروہ ان کے حلقہ میں ایسا پیدا ہوگیا جو شیعوں کی طرح ان کی غیبوبیت کا قائل ہوا اور اب تک اُن کے ظہور ثانی کا منتظر ہے! اب جس کسی کو تجدید دین کے لیے کوئی کام کرنا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات، رموز و اشارات، لباس، اطوار، پیری مریدی، اور ہر اس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔

دوسری چیز جو مجھے تنقیدی مطالعہ کے دوران میں محسوس ہوئی وہ یہ ہے کہ سید صاحب اور شاہ شہید نے جس علاقہ میں جاکر جہاد کیا اور جہاں اسلامی حکومت قائم کی اُس علاقہ کو اس انقلاب کیلئے پہلے اچھی طرح تیار نہیں کیا تھا۔ اُن کا لشکر تو یقیناً بہترین اخلاقی و روحانی تربیت پائے ہوئے لوگوں پر مشتمل تھا مگر یہ لوگ ہندوستان کے مختلف گوشوں سے جمع ہوئے تھے اور شمالی مغربی ہندوستان میں ان کی حیثیت مہاجرین کی سی تھی۔ اُس علاقہ میں سیاسی انقلاب برپا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ خود اس علاقہ ہی کی آبادی میں پہلے اخلاقی و ذہنی انقلاب برپا کر دیا جاتا، تاکہ مقامی لوگ اسلامی نظام حکومت کو سمجھنے اور اس کا بار اُٹھانے کے قابل ہو جاتے۔ دونوں لیڈر غالباً اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ سرحد کے لوگ چونکہ مسلمان ہیں، اور غیر مسلم اقتدار کے ستائے ہوئے بھی ہیں اس لیے وہ اسلامی حکومت کا خیر مقدم کریں گے۔ اسی وجہ سے انہوں نے جاتے ہی وہاں جہاد شروع کردیا۔

اور جتنا ملک قابو میں آیا اُس پر اسلامی خلافت قائم کردی۔ لیکن بالآخر تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ نام کے مسلمانوں کو اصلی مسلمان سمجھنا اور ان سے وہ توقعات وابستہ کرنا جو اصلی مسلمان ہی پوری کرسکتے ہیں محض ایک دھوکا تھا۔ وہ لوگ خلافت کا بوجھ سہارنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جب ان پر یہ بوجھ رکھا گیا تو خود بھی گر پڑے اور اس پاکیزہ عمارت کو بھی لے گرے ۔۔۔ تاریخ کا یہ سبق بھی ایسا ہے جسے آئندہ ہر تجدیدی تحریک میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جب سیاسی انقلاب کی جڑیں اجتماعی ذہنیت، اخلاق اور تمدن میں گہری جمی ہوئی نہ ہوں، وہ نقش بر آب کی طرح ہوتا ہے کسی عارضی طاقت سے ایسا انقلاب واقع ہو بھی جائے تو قائم نہیں رہ سکتا اور جب مٹتا ہے تو اس طرح مٹتا ہے کہ اپنا کوئی اثر چھوڑ کر نہیں جاتا۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس تجدیدی تحریک کے مقابلہ میں کئی ہزار میل دور سے آئے ہوئے انگریزوں کو کس قسم کی فوقیت حاصل تھی جس کی وجہ سے وہ تو یہاں جاہلی حکومت قایم کرنے میں کامیاب ہوگئے اور یہ خود اپنے گھر میں اسلامی حکومت قایم نہ کرسکی؟ اس کا صحیح جواب آپ نہیں پاسکتے جب تک کہ اٹھارھویں اور اُنیسویں صدی عیسوی کے یورپ کی تاریخ آپ کے سامنے نہ ہو۔ شاہ صاحب اور ان کے خلفاء نے اسلام کی تجدید کے لیئے جو کام کیا اُسکی طاقت کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیئے اور دوسرے پلڑے میں اس طاقت کو رکھیئے جس کے ساتھ اُن کی ہم عصر جاہلیت اٹھی تھی، تب آپ کو پورا اندازہ ہوگا کہ اس عالم اسباب میں جو قوانین کارفرما ہیں اُن کے لحاظ سے دونوں طاقتوں میں کیا تناسب تھا۔ میں مبالغہ کرونگا اگر یہ کہوں کہ ان دونوں قوتوں میں ایک تولے اور پچاس من کی نسبت تھی اس لیئے نتیجہ جو فی الواقع رونما ہوا اُس کے سوا اور کچھ ہو نہ سکتا تھا جس دور میں ہمارے ہاں شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ اسمٰعیل شہید پیدا ہوئے، اسی دور میں یورپ قرون وسطےٰ کی نیند سے بیدار ہو کر نئی طاقت کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا اور وہاں ہر علم و فن کے محققین، مکتشفین اور موجدین اس کثرت سے پیدا ہوئے جنھوں نے ایک دنیا کی دُنیا بدل ڈالی۔ وہی دور تھا جس میں ہیوم، کانٹ، فشتے، ہیگل، کونٹ، شلائر ماخر اور مل جیسے فلاسفہ پیدا ہوئے جنھوں نے منطق و فلسفہ، اخلاقیات و نفسیات اور تمام علوم عقلیہ میں انقلاب برپا کیا وہی دور تھا جب طبعیات میں گیلوینی اور وولٹا، علم الکیمیا میں لاوزیئر، پریسٹلے، ڈیوی، ہایوی، اور برزیلیس حیاتیات میں لینے، ہالر، بیشات اور وولف جیسے محققین اُٹھے جن کی تحقیقات نے صرف سائنس ہی کو ترقی نہیں دی بلکہ کائنات اور انسان کے متعلق بھی ایک نیا نظریہ پیدا کردیا۔ اُسی دور میں کوینے، ٹرگوٹ، آدم سمتھ اور مالتھس کی مساعی کاوشوں سے معاشیات کا نیا علم مرتب ہوا۔ وہی دور تھا جب فرانس میں روسو، والٹیر، مونٹسکیو، ڈینس ڈی دیڈیرو، لامیٹری، کیباینس، بفون، ریبنیہ، انگلستان میں ٹامس پین، ولیم گوڈون، ڈیوڈ ہارٹلے، جوزف پریسٹلے، اراسمس ڈارون، اور جرمنی میں گوئٹے، ہرڈر، شیلر، ونکلمان، لسنگ اور بیرن دی ہولباش جیسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے

اخلاقیات، ادب، قانون، مذہب سیاسیات اور تمام علوم عمرانی پر زبردست اثر ڈالا اور انتہائی جرات و بیباکی کے ساتھ دنیائے قدیم پر تنقید کر کے نظریات و افکار کی ایک نئی دنیا بنا ڈالی، پریس کے استعمال، اشاعت کی کثرت، اسالیب بیان کی ندرت، اور مشکل اصطلاحی زبان کے بجائے عام فہم زبان کو ذریعہ اظہار خیال بنانے کی وجہ سے ان لوگوں کے خیالات نہایت وسیع پیمانے پر پھیلے انھوں نے محدود افراد کو نہیں بلکہ قوموں کو بحیثیت مجموعی متاثر کیا، ذہنیتیں بدل دیں، اخلاق بدل دیئے، نظام تعلیم بدل دیا، نظریۂ حیات اور مقصد زندگی بدل دیا اور تمدن و سیاست کا پورا نظام بدل دیا اسی زمانہ میں انقلاب فرانس رونما ہوا جس سے ایک نئی تہذیب پیدا ہوئی اسی زمانہ میں مشین کی ایجاد نے صنعتی انقلاب برپا کیا جس نے ایک نیا تمدن، ایک نئی طاقت اور نئے مسائل زندگی کے ساتھ پیدا کیا اسی زمانہ میں انجینئرنگ کو غیر معمولی ترقی ہوئی جس سے یورپ کو وہ قوتیں حاصل ہوئیں کہ پہلے دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہ ہوئی تھیں اسی زمانہ میں قدیم فن جنگ کی جگہ نیا فن جنگ نئی آلات اور نئی تدابیر کے ساتھ پیدا ہوا۔ باقاعدہ ڈرل کے ذریعے سے فوجوں کو منظم کرنے کا سلسلہ شروع ہوا جس کی وجہ سے میدان جنگ میں پلٹنیں مشین کی طرح حرکت کرنے لگیں اور پرانے طرز کی فوجوں کا ان کے مقابلہ میں ٹھیرنا مشکل ہو گیا، فوجوں کی ترتیب عساکر کی تقسیم اور جنگی چالوں میں بھی پیہم تغیرات ہوتے، اور ہر جنگ کے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اس فن کو برابر ترقی دی جاتی رہی۔ آلات حرب میں بھی مسلسل نئی ایجادیں ہوتی چلی گئیں، رائفل ایجاد ہوئی، ہلکی اور سریع الحرکت میدانی توپیں بنائی گئیں، قلعہ شکن توپیں پہلے سے بہت زیادہ طاقتور تیار کی گئیں اور کارتوس کی ایجاد نے نئی بندوقوں کے مقابلہ میں پرانی توڑے دار بندوقوں کو بیکار کر کے رکھدیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یورپ میں ترکوں کو اور ہندوستان میں دیسی ریاستوں کو جدید طرز کی فوجوں کے مقابلہ میں مسلسل شکستیں اٹھانی پڑیں اور نپولین ذرا سی مٹھی بھر فوج سے مصر پر قبضہ کر لیا۔

معاصر تاریخ کے اس سرسری خاکے پر نظر ڈالنے سے بآسانی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ہمارے ہاں تو چند خاص اشخاص ہی بیدار ہوئے تھے مگر وہاں قومیں کی قومیں جاگ پڑیں۔ یہاں صرف ایک جہت میں تھوڑا سا کام ہوا تھا اور وہاں ہر جہت میں ہزاروں گنا زیادہ کام کر ڈالا گیا بلکہ کوئی شعبۂ زندگی ایسا نہ تھا جس میں تیز رفتار پیش قدمی نہ کی گئی ہو یہاں شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کی اولاد نے چند کتابیں خاص خاص علوم پر لکھیں جو ایک نہایت محدود حلقے تک پہنچ کر رہ گئیں، اور وہاں لائبریریوں کی لائبریریاں ہر علم و فن پر تیار ہو گئیں جو تمام دنیا پر چھا گئیں اور آخرکار دماغوں اور ذہنیتوں پر قابض ہو گئیں۔ یہاں فلسفہ، اخلاقیات، اجتماعیات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ علوم پر طرح نو کی بات جیت محض ابتدائی اور سرسری حد تک ہی رہی جس پر آگے کچھ کام نہ ہوا، اور وہاں انہی دوران میں ان مسائل پر پورے پورے نظام فکر مرتب ہو گئے جنھوں نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا۔ یہاں علوم طبعیہ اور قوائے مادیہ کا عالم وہی رہا جو پانچ سو سال پہلے تھا، اور وہاں اس میدان میں اتنی ترقی ہوئی اور اس ترقی کی بدولت اہل مغرب کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ان کے مقابلہ میں پرانے آلات و وسائل کے زور سے کامیاب ہونا قطعی محال تھا

حیرت تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ میں انگریز بنگال پر چھاگئے تھے اور الہ آباد تک ان کا اقتدار پہنچ چکا تھا، مگر انھوں نے اس نئی اُبھرنے والی طاقت کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں تو دہلی کا بادشاہ انگریزوں کا پنشن خوار ہو چکا تھا اور قریب قریب سارے ہی ہندوستان پر انگریزوں کے پنجے جم چکے تھے مگر اُن کے ذہن میں بھی یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ آخر کیا چیز اس قوم کو اس طرح بڑھا رہی ہے، اور اس نئی طاقت کے پیچھے اسباب طاقت کیا ہیں۔ سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل شہید عملاً اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیئے اُٹھے تھے۔ انھوں نے سارے انتظامات تو کیئے مگر اتنا نہ کیا کہ اہل نظر علما کا ایک وفد یورپ بھیجتے اور یہ تحقیق کراتے کہ یہ قوم جو طوفان کی طرح چھاتی چلی جا رہی ہے، اور نئے آلات نئے وسائل نئے طریقوں اور نئے علوم وفنون سے کام لے رہی ہے اسکی اتنی قوت اور اتنی ترقی کا راز کیا ہے اس کے گھر میں کس نوعیت کے ادارات قایم ہیں، اسکے علوم کس قسم کے ہیں، اسکے تمدن کی اساس کن چیزوں پر ہے، اور اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے جس وقت یہ حضرات جہاد کیلئے اُٹھے ہیں، اُس وقت یہ بات کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصلی طاقت سکھوں کی نہیں، انگریز کی ہے، اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالف طاقت اگر کوئی ہو سکتی ہے تو انگریز ہی کی ہو سکتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہ دور رس سے معاملہ کا یہ پہلو بالکل ہی اوجھل رہ گیا کہ اسلام وجاہلیت کی کشمکش کا آخری فیصلہ کرنے کے لیئے جس حریف سے نپٹنا ہوگا اُس کے مقابلہ میں اپنی قوت کا اندازہ کریں، اور اپنی کمزوری کو سمجھ کر اسے دور کرنے کی فکر کریں۔ بہر حال جب ان سے یہ چوک ہوئی تو اس عالم اسباب میں ایسی چوک کے نتائج سے وہ نہ بچ سکتے تھے۔

مغربی جاہلیت کے مقابلہ میں اسلامی تجدید کی اس تحریک کو جو ناکامی ہوئی اُس سے پہلا سبق تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ تجدید دین کیلئے صرف علوم دینیہ کا احیاء اور اتباع شریعت کی روح کو تازہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ ایک جامع اور ہمہ گیر اسلامی تحریک کی ضرورت ہے جو تمام علوم وافکار، تمام فنون وصناعات اور تمام شعبہائے زندگی پر اپنا اثر پھیلائے اور تمام امکانی قوتوں سے اسلام کی خدمت لے۔ اور دوسرا سبق جو اسی کے قریب المآخذ ہے، یہ ہے کہ اب تجدید کا کام نئی اجتہادی قوت کا طالب ہے۔ محض وہ اجتہادی بصیرت جو شاہ ولی اللہ صاحب یا اُن سے پہلے کے مجتہدین ومجددین کے کارناموں میں پائی جاتی ہے، آج اس کام سے عہدہ برا ہونے کیلئے کافی نہیں ہے۔ جاہلیت جدیدہ بے شمار نئے وسائل کے ساتھ آئی ہے اور اس نے بے حساب نئے مسائل زندگی پیدا کر دیئے ہیں جن کا وہم تک شاہ صاحب اور دوسرے قدماء کے ذہن میں نہ گزرا تھا۔ صرف اللہ جل جلالہٗ کے علم اور اس کی بخشش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت ہی پر یہ حالات روشن تھے لہٰذا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی وہ تنہا ماخذ ہے جس سے اس دور میں تجدید ملت کا کام کرنے کیلئے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور اس رہنمائی کو اخذ کر کے اس وقت کے حالات میں شاہراہِ عمل تعمیر کرنے کیلئے ایسی مستقل قوت اجتہادیہ درکار ہے جو مجتہدین سلف میں سے کسی ایک کے علوم اور منہاج کی پابند نہ ہو، اگرچہ استفادہ ہر ایک سے کرے اور پرہیز کسی سے بھی نہ کرے۔

آغوشِ موج کا ایک دُرِ تابندہ

یا اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں

خدا کا ایک وفادار بندہ

از جناب مولٰنا سیّد مناظر احسن گیلانی
صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

خاص الفرقان کے ولی اللہ نمبر ہی کیلئے لکھا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب :-

(اصل مضمون کے پڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ناظرین یہ دو باتیں پڑھ لیں)

(۱) چند ہی دن ہوئے کہ حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات کے ایک حصہ[1] کی ترتیب سے فارغ ہوا تھا کہ مولنا نعمانی دام مجدہ العالی نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق تیار ہو جانے کا بگل بجا دیا، دماغ تھکا ہوا تھا، نیز یہ سوچ کر کہ شاہ صاحب کی کتابیں چونکہ عام طور پر متداول ہیں ان کے خاص خیالات و نظریات سے لوگ واقف ہیں، بآسانی دوسرے حضرات مقالات لکھ لیں گے، جی چاہا کہ خاموش ہو جاؤں لیکن مولنا کے بار بار تقاضے سے بالآخر آمادہ ہوا۔ یہ خیال کر کے کہ اس زمانہ میں ایک بڑا گروہ ہم میں ایسوں کا پیدا ہو گیا ہے، جو سمجھتا ہے کہ سیاسی برتری جب تک حاصل نہ ہو جائے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق کسی قسم کی خدمت کا امکان نہیں ہے، ان کے نزدیک محکومیت کی لعنت کا اٹھانا ہر کام اسی پر موقوف ہے، لیکن عراق سے جب تک تریاق آئے کیا مارگزیدہ کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے؟ ———— اسی خیال نے مجھے آمادہ کیا کہ ہندوستان کی تاریخ کا وہ دور جب اس ملک میں مسلمان اپنی سیاسی قوت اگر بالکلیہ کھو نہیں چکے تھے، تو سرعت کے ساتھ کھوتے چلے جا رہے تھے، نمک جس طرح پانی میں گھلتا چلا جاتا ہے اسی طرح ہندی مسلمانوں کا ملوکانہ اقتدار اس ملک میں گلتا اور گھلتا جا رہا تھا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ فتنوں کی ان ہی تاریک اور بھیانک راتوں میں کام کیا، اور اپنے کام میں کامیاب بہت زیادہ کامیاب رہے، خیال گزرا کہ "روح اللہ" سے جن دلوں میں گونہ "یاس" پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے شاید اس داستان کے دہرانے سے ان کے دلوں میں قوت پیدا ہو، مطلب یہ ہے کہ

---

[1] اس سے مراد وہ مقالہ ہے جو "الفرقان" کے مجدد الف ثانی نمبر، میں بعنوان "ہزارہ دوم کا تجدیدی کارنامہ" شائع ہوا تھا اور جس کی دوسری قسط ۶۳ کے کسی شمارہ میں شائع ہوئی ہے ۔ ۱۲ م

کام کرنے والوں کے لیئے ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر عہد میں بڑا میدان ہے، یہاں نہ جو طبائع بیز شعوری طور پر موانع وعوائق کے پہاڑوں کو اپنے سامنے کھڑا کرکے اپنی ہمت پست کر لیتی ہیں، یا ایسی شرطوں پر اپنی آمادگی کو موقوف ومشروط کر لیتے ہیں جن کا حصول ہی مشکل ہوتا ہے، ورنہ سچ یہ ہے کہ

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ وتفنگ

تو اگر چاہے تو تیرے پاس بیاماں بھی ہے

اپنے مجذوبانہ انداز میں جو میری دیوانگی کا اقتضا ہے اس مضمون کو میں نے لکھا ہے، نہ میں مورخ ہوں اور نہ شایاں کار، بلکہ سچ یہ ہے کہ جن جن علوم وفنون سے حضرت شاہ ولی اللہ نے بحث فرمائی ہے ان میں سے کسی ایک سے بھی مجھے ماہرانہ تعلق نہیں، کچھ ادھر ادھر کی شکستہ وگسستہ باتوں کو میں نے جمع کر دیا ہے۔ اگر کسی ایک دل میں بھی وہ جذبہ پیدا ہو جائے جو اس مقالہ کے لکھنے کا مقصود ہے تو سمجھوں گا کہ محنت ٹھکانے لگی، ورنہ

تہِ درویش بجان درویش

میں نے اپنے اس مضمون کے بیچ بیچ میں کہیں "عصری نظریات" کا تذکرہ بھی مصلحۃً کیا ہے اور کسی ایک پہلو کی طرف بظاہر میرا رجحان بھی محسوس ہو سکتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اپنی رائے پر میں نے چونکہ خود بھی اعتماد نہیں کیا، اس لیئے صرف رائے کی حیثیت سے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہے باقی اعتماد تو ان ہی لوگوں کے مشوروں پر دوسروں کو کیا خود مجھے بھی کرنا چاہیئے جن پر اہل فہم اور اہل دین مسلمانوں کی اکثریت اعتماد کرتی ہے" اتبعوا السواد الاعظم" پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے میں نے یہ اس لیئے لکھ دیا کہ خواہ مخواہ ان امور کی وجہ سے مجھے کسی خاص پارٹی کا آدمی خیال کیا جائے، بلکہ چند وساوس تھے جن کا اظہار کر دیا گیا چاہیئے کہ آدمی ہر پہلو کے سوچنے والوں کی باتوں پر غور کرے۔

گر نوشت ست پند بر دیوار

(۲) آئندہ مضمون کے پڑھنے اور سمجھنے میں سہولت ہوگی اگر حسب ذیل معلومات کا ایک سرسری خاکہ اپنے سامنے رکھ لیا جائے۔

(الف) حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت ۱۱۱۴ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ ہجری میں ہوئی۔

(ب) اس لحاظ سے آپ کی ولادت عہد عالمگیری کے آخری زمانے میں ہوئی یعنی حضرت

اورنگ زیب عالمگیر (انار اللہ برہانہ) کی وفات سے چار سال پہلے شاہ صاحب نے اس عالم ناسوت میں قدم رکھا۔

(ج) شاہ عالم ثانی یعنی جس بادشاہ نے بنگال و بہار کی دیوانی کلایو کے ذریعہ سے کمپنی بہادر کو سپرد کی اسی نابینا بادشاہ کے عہد میں شاہ صاحب اس عالم سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے۔

(د) حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو دس بادشاہوں کے عہد حکومت سے گزرنا پڑا

(س) ان دس بادشاہوں کی ترتیب یہ ہے عالمگیر بہادر شاہ معزالدین جہاندار شاہ۔ فرخ سیر رفیع الدرجات۔ رفیع الدولہ۔ محمد شاہ بادشاہ (المعروف بہ رنگیلا) ابوالنصر احمد شاہ۔ عالمگیر ثانی۔ شاہ عالم بادشاہ کور ول مظلوم و مسلوب۔

(س) ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور رنج دہ تاریخی انقلابات سے گزرنا پڑا، اور مسلسل فتنے جو پیدا ہوئے عموماً لوگ اس سے واقف ہیں۔ بارہ کے سادات جو (کنگس میکر) بادشاہ گر بھائیوں کے نام سے تاریخ میں یاد کیئے جاتے ہیں ان کا تسلط فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں قید میں بصد بیکسی مرنا، پھر دربار کے تورانی امراء کے ہاتھوں ان سادات کا زوال، مرہٹوں کی سرکشی کا انتہائی عروج سکھوں کا خونی فتنہ، نادر شاہ کا قتل عام، ابدالی کا پانی پت میں ایک فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ ہندوستان کی تاریخ کا رُخ بدل دینا، روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں شریک ہونا۔ ایرانی اور تورانی امراء کی باہمی کش مکش۔ مغربی قوتوں کا تدریج ملک کی سیاسیات میں دخیل ہوتے چلے جانا، انگریزوں کا اقتدار بنگال اور مدراس کے بعض علاقوں پر قایم ہونا تقریباً یہ سارے واقعات شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں پیش آئے۔

(ش) ظاہر ہے کہ جو کچھ ہو رہا تھا بالواسطہ یا بلا واسطہ ان سب کی آخری زد دلی پر پڑ رہی تھی جو شاہ ولی اللہ کا مستقر تھا، سوال یہی ہوتا ہے کہ جس دل و دماغ کے شاہ صاحب قدرتاً مالک تھے، کیا وہ ان واقعات سے متاثر نہیں ہو رہے تھے، اسی سوال کا جواب ایک خاص طرز سے اس مضمون میں دینے کی کوشش کی گئی ہے اس سلسلہ میں علاوہ دیگر امور کے شاہ صاحب کے دو اہم خوابوں کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں سے ایک کا تعلق ہندوستان کی اس فیصلہ کن جنگ سے ہے، جسے مرہٹہ اور ابدالی کی جنگ کہتے ہیں، اور دوسرے خواب کا تعلق شاہ صاحب کی ان علمی خدمات سے ہے جن کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بحمد اللہ

اس وقت تک مسلمان ہیں، اور ایسے مسلمان کہ شاید دوسرے اسلامی ممالک کے مسلمانوں سے ان کا دینی اور علمی پہلو اگر غالب نہیں تو مغلوب بھی نہیں ہے۔ مقصود صرف داستان گوئی نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ مشکلات کا حل جہاں دماغی اور جسمانی قوتوں میں تلاش کیا جاتا ہے کیا دل کی طاقتوں میں اس سلسلہ کی روشنی نہیں مل سکتی ہے، اور کیا اسی طرح اسلام کی خدمت توا کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی ممکن ہے؟ شاہ ولی اللہ کی زندگی چونکہ ان سوالات کا اپنے اندر جواب رکھتی ہے، اسی لئے اس مقالہ میں ایک خاص طرز سے ان کے خاص حالات مرتب کئے گئے ہیں قرآن پاک میں طالوت کی بادشاہت و ملک کی علامت یہ بتائی گئی ہے۔ کہ وہ بنی اسرائیل میں اس تابوت کو واپس لے آئیں گے جس میں اسرائیلیوں کی "سکینت" اور آل موسیٰ و ہارون کا بقیہ محفوظ ہے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان والوں نے ہندی مسلمانوں میں قرآن وحدیث کے علم کو واپس لا کر اگر یہی کام انجام دیا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو بھی ہندی اسلام کی تاریخ میں کوئی اہم مقام نہ عطا کیا جائے۔ بہرحال یہ اجمالی اشارات ہیں اب اصل مضمون کا مطالعہ کیجئے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

مناظر احسن گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَاْنٍ (العزیز الرحیم)

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شور دگر انگیزی شوق دگر افزائی
(العارف الجامی﷫)

یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، اور کیوں نہ ہو جبکہ اس پیکر رحمت کی زبان مبارک سے بھی جو جمال آرہوں کے ارتقا کی رفتار کا منتہائے کمال تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

اِنّی لَاَرَی الْفِتَنَ تَقَعُ فِی بُیُوْتِکُمْ کَوَقْعِ الْمَطَرِ (صحیح البخاری)	میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے گھروں میں اس طرح برس رہے ہیں، جیسے بارش برستی ہو،

کی "خیر القرون" کے کان میں آواز آئی تھی اور جو سنایا گیا تھا، کیا ایمان والوں کو وہی دکھایا نہیں گیا؟ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنگن سے تو اس فتنہ کا صرف بادل اُٹھا تھا، لیکن ابوبکر ہوں یا عمر، علی ہوں یا طلحہ، زبیر ہوں یا انسانیت کے اس بہترین عہد کی کوئی اور ہستی (رضوان اللہ علیہم) کن کے گھروں میں ان فتنوں کو مسلسل برستے ہوئے نہیں پایا گیا! پھر جب اس دنیا کی ریت یہی ہے کہ

نہ گل از داغ غمت رست نہ بلبل در باغ
ہمہ را نعرہ زناں جامہ دراں می داری
(الحافظ الشیرازی)

اور جب اس ابتلائی زندگی کے خیر سے شر کے عنصر کا جدا کرنا ناممکن ہے تو بجائے

اپنی مرضی کے مطابق دہر کو کیونکر کروں
مجھ کو بیحد غصہ آتا ہے مگر کس پر کروں
(لسان العصر مرحوم)

کی بے معنی تلملاہٹ، رنج اور کڑھن کے "اطمینان" کے خیال سے ہٹ کر "امتحان" کے میدان میں

لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا	تا کہ تم کو جانچیں کہ اپنے اپنے کردار کے رو سے کون تم میں اچھا اور بھلا ہے

بڑھتے ہوئے ہم کیوں نہ اتر جائیں اور یہاں کی ہر لحظہ کی شورانگیزیوں کو بجائے گھبرانے اور بھاگنے کے اپنی شوق فراہمی کا ذریعہ کیوں نہ بنالیں، "ہر شور پر بنیا تیبون" پیدا ہونا بھی تو انسانی زندگی کی جان ہے اگر "شر" کے وجود ہی کو ختم کر دیا جائے گا، تو "خیر خواہوں اور "خیر طلبوں کے لیے "اجر و مزدوری" کا استحقاق ہی کب باقی رہے گا "الشیطان" کے وجود کو کھلنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اس ملعون کے ہٹ جانے کے بعد انسان کی فطرت اب مقابلہ کس کا کرے گی؟ تم سے ٹکرا کر بلاشبہ وہ جہنم میں گرتا ہے لیکن تم کو تو اسی کی ٹکر جنت میں پہونچاتی ہے، بقا ہو یا ارتقا اس دنیا میں دونوں کا یہی قانون ہے، اور صرف یہی قانون ہے۔

چڑھاؤ کے بعد اتار اور عروج کے بعد زوال کا راز یہی ہے تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (ان چند دنوں میں دنیاوی دولت وقوت کو ہم لوگوں میں چکر دیتے رہتے ہیں) کے ارشاد قرآنی کی یہی تفسیر ہے اور سچی بات بھی یہی ہے کہ نجد کی وادی کا قیس ہی کیوں تنہا چکر دار بنا رہے۔ اس وادی میں اترنے والے اترتے رہیں گے اور

ہر کسے پنجروزہ نوبت اوست

کی نفیری پھونکتے ہوئے فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ کی بلندیوں کی طرف چڑھتے ہوئے رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے "مقام امین" اور "مقعد صدق" تک پہونچتے چلے جائیں گے۔

چند دن ہوئے کہ ہندوستان کے ایک تجدیدی کارنامہ کی داستان سنانے کی سعادت میسر آئی تھی بتایا گیا تھا کہ اخلاص و وفا صدق و صفا کے سوا جس "فقیر بے نوا" کے پاس قوت وطاقت کا کوئی سرمایہ نہ تھا، وہ اپنے کشکول گدائی کی اسی "بضاعت مزجاۃ" کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، اور ایسا کھڑا ہوا کہ پھر اس وقت تک نہ بیٹھا جب تک کہ ملت و دین کی تجدید کی جس نہر کو وہ جاری کرنا چاہتا تھا وہ جاری نہ ہو گئی وہ جاری ہوئی اور اس کے بعد بھی جاری رہی بلکہ اور زیادہ بڑھتی رہی چڑھتی رہی تا آنکہ ایک صدی بھی شاید پوری نہ گزرنے پائی تھی کہ اس کی یہی تجدیدی نہر ایک بحر بے کراں کی شکل میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی آفاق کے کناروں سے ٹکرانے لگی، جس مغل بادشاہ نے "فقیہ" کا ترجمہ بزور "تکفیر احمق" مشہور کیا تھا، خدا کی شان دیکھو کہ اسی کے تخت پر اسی کا حقیقی پوتا اس تجدیدی معرکہ کے بعد بیٹھتا ہے اور قرآن و حدیث تو بڑی چیزیں ہیں دینی و علمی حیثیت سے جس کا درجہ نسبتاً فروتر ہے یعنی یہی فقہ و فقہاء جنھیں اس کے دادا نے اپنی آنکھوں سے گرایا تھا انھیں وہ اپنے سر پر بٹھاتا ہے، آخر کون نہیں جانتا کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد میں "فتاوی ہندیہ" یا "فتاوی عالمگیری" کے مدون کرانے کی خدمت انجام دلائی تھی، اور یہ تو عوام میں مشہور ہے، ورنہ اصل واقعہ تو یہ ہے کہ اکبر کا یہ پوتا فقہ کی اس کتاب کی تدوین میں عملاً طور پر بذات خود بھی شریک تھا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ انفاس العارفین میں راوی ہیں کہ

دراں ایام عالمگیر را بجمع و تدوین آں اہتمام عظیم بود، ملا نظام ہر روز یک صفحہ پیش بادشاہ می خواند ۲۴	ان دنوں میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں انتہا سے زیادہ اہتمام تھا ملا نظام (افسر سر رشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے آگے پڑھا کرتے تھے۔

اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ فتاوی عالمگیری اورنگ زیب کے صرف حکم اور روپیہ کی امداد ہی سے مرتب نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس تدوین و تصحیح و ترتیب میں بنفس نفیس خود بادشاہ بھی شریک تھا عملاً دن بھر مختلف کتابوں سے جزئیات اور مسائل کا انتخاب کر کے جب مرتب کر چکتے تو روز کا روز بادشاہ اُسے سُن لیتا تھا کیا اس کا یہ سُننا صرف بطور تبرک اور حصول ثواب کے تھا، شاہ صاحب نے اس کے بعد جو قصہ لکھا ہے اس کو معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر لفظ کے سمجھنے کے بعد آگے بڑھتا تھا جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس پر بحث کرتا تھا، شاہ صاحب نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم شاہ ولی اللہ کے پدر بزرگوار نے فتاوی عالمگیری کے اس حصہ پر جو ان کے ایک دوست ملا حامد کے سپرد تھا ایک حاشیہ لکھدیا تھا، ملا نظام (جو صیغہ تدوین کے افسر اعلیٰ تھے) اور اپنے رفقاء کار کے کاموں کو روز بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے حسب دستور ملا حامد کے اس مسودہ کو سُنا رہے تھے کہ شاہ عبدالرحیم والے حاشیہ پر پہونچے، ملا صاحب کو تو اس میں خبر نہ ہوئی، لیکن عالمگیر جس توجہ سے عالمگیری کے مسودات کو سُنتا تھا اُس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حاشیہ والے زائد فقرہ کا کان میں پہونچنا تھا اور "ایں عبارت چیست" کی آواز شاہی جلال کے ساتھ ملا نظام کے کان میں گونجی پھر ہوش و حواس کو درست کر کے غور کرتے ہیں جب بھی مطلب ضبط ہی نظر آتا تھا کہ اُس وقت کچھ سمجھ میں نہ آیا، خفیف ہو کر معذرت خواہ ہوئے اور بولے۔[1]

ایں را مطالعہ نہ کردہ ام فردا بتفصیل عرض خواہم کرد۔	اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کرونگا۔

افسوس کہ "الف ثانی کے تجدیدی کارنامہ" کی تفصیل کا آئندہ پھر موقعہ نہ مل سکا، ورنہ تاریخی حقائق کی روشنی میں بتایا جاتا کہ عالمگیری تحریکات و مجاہدات میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی تجدیدی مساعی کو کس حد تک دخل ہو کم از کم حضرت مجدد کے فرزند مولانا شاہ معصوم کے وہ مکاتیب ہی پڑھ لیے جائیں جو مطبوعہ ہیں تو ان سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ عالمگیر کے دنیاوی مہمات، حتے کہ جنگی اور سیاسی کارناموں میں شاہ معصوم رحمہ اللہ کے مشوروں بلکہ حکم کو کتنا دخل ہے

[1] اور یہ سوء آتا کیا اس لیے کہ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ملا حامد نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کر کے عبارت میں گنجلک پیدا کر دی تھی شاہ عبدالرحیم صاحب (والد حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی نظر جب اس مقام پر پڑی، اصل کتاب کو آپ نے دیکھا اور پیچیدگی کے منشا پر واقف ہونے کے بعد مسودہ کے حاشیہ پر عبارت لکھ دی من لم یتفقہ فی الدین غلط فیہ ھذا الغلط ہوا یہ سکتا (یعنی دین کی سمجھ جو نہیں رکھتا اس نے بیان کردہ شکل کو یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے

انشاء اللہ تعالیٰ جب کبھی، اس مضمون کی تکمیل کا موقعہ میسر آسکے گا، اس وقت اس مسئلہ کو بھی روشن کیا جائے گا، اسی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ فتاوی عالمگیری اور اس کی تدوین کا بادشاہ کو اتنا عظیم اہتمام بھی حضرت مجدد الف ثانی کی تجدیدی کوششوں ہی کا ایک ثمرہ ہے غالباً فقہ اور فقہی کتابوں میں یہ خصوصیت صرف فتاوی عالمگیری کو حاصل ہے کہ ایک سلطنت کبری (گریٹ امپائر) کا سب سے بڑا مطلق العنان بادشاہ اس کی تدوین و تالیف میں خود شریک دہا یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس تجدیدی عمل کی ابتدا جہانگیر سے ہوئی تھی، اس کے عروج کا انتہائی کمال عالمگیر کی ذات پر ہوا، سوچا جاسکتا ہے، کہ سو پشت سے تیغ زنی و سپہ گری جس کا آبائی پیشہ ہو، اور نسلاً بعد نسلٍ تخت و تاج اورنگ و دیہیم کے آغوش میں جس نے پرورش پائی ہو، تجدیدی عمل کے نفوذ کو دیکھو کہ ایسے تلوار کے دھنی کے ہاتھ میں اس لیے قلم پکڑوا دیا گیا کہ فلسفہ و منطق اور تفسیر و حدیث وغیرہ کے متعلق بھی نہیں، بلکہ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، بیع و شریٰ اور طلاق و نکاح کے خشک فقہی مسائل کی ترتیب میں خود شریک ہو، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین کو اعزاز کا آخر اس سے بھی زیادہ بلند ترین مقام اور کیا مل سکتا تھا، قرآن لکھ کر اگر عالمگیر روزی کا آذوقہ مہیا کرتا تھا، تو اس کی نظیر تاریخ سے مفقود نہ تھی، اسی دلی کے تخت پر نصیرالدین محمود بادشاہ اسی شان اور اسی التزام کے ساتھ سنا جاتا ہے کہ بیٹھا تھا لیکن فقہ جیسے غیر دلچسپ دقیق و پیچیدہ علم کے ساتھ بادشاہ کی یہ دلچسپی میرے نزدیک دینی عزت کا آخری زینہ تھا،

اب اگر اس عروج کے بعد کسی نزول کی پیش گوئی کی جاتی تو تاریخ کے اوراق اس کی شہادت ادا کرسکتے تھے، دنیا کے پچھلے تجربوں سے اس کی توثیق ہوسکتی تھی، جیسا کہ میں نے تمہید میں اشارہ کیا ہے کہ جمال کی تجلیوں کا جب کبھی ابتلائی حیات کے کسی عبوری دور میں انتہا درجہ بڑھا ہے تو تاڑنے والوں نے اس کے بعد "جلال" کے مظاہر کا ہمیشہ انتظار کیا ہے اور دنیا جانتی ہے، کہ عالمگیر کی رحلت کے بعد ہی دوسرے رُخ کا آغاز شروع ہوگیا۔ شورانگیزیوں کی ساکن سطح میں پھر جنبش شروع ہوئی اور — "کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
کے غیبی نقیبوں نے صلائے عام دینا شروع کیا،

وہی دلی جہاں کابل سے آسام اور نیپال سے ساحل سمندر تک کی زمین اور اس کے باشندوں کے تنہا مالک" کو دیکھا گیا تھا کہ وہ مبسوط سرخسی حاوی قدسی مضمرات تتارخانیہ وغیرہ فقہی کتابوں کی عبارتوں کا سننا اپنے لیئے زاد آخرت قرار دے رہا تھا، اسلام کے کلیات اور اساسی امور ہی نے نہیں بلکہ ان کتابوں کی جزئیات بعیدہ نے بھی عزت و احترام کا یہ درجہ حاصل کیا تھا،

وہی دلی ہے، دلی کا لال قلعہ ہے، لال قلعہ بابری و تیموری نسل کے بچوں سے ابھی خالی نہیں ہوا ہے، اسی دلی کا سب سے بڑا امام بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسلم اکمل پیشوا اسی دلی میں بیٹھا رو رہا ہے، اسلام پر روتا ہے، مسلمانوں پر روتا ہے، اور ان کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ پر روتا ہے۔

مری مراد شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز سے ہے، اپنے بھائی حضرت شاہ اہل اللہ کے نام عربی میں چند خطوط آپ نے لکھے ہیں، غالباً کسی مصلحت سے اس زمانہ کے تاثرات اور اپنے احساسات کا اظہار عربی نظم کی صورت میں فرماتے ہیں، ہم ان نظموں کے چند اشعار بقدر ضرورت حاصل معنی کے ساتھ یہاں نقل کئے دیتے ہیں فرماتے ہیں

جزی اللہ عنا قوم سکھ و مرھٹ — عقوبۃ شر عاجلاً غیر آجل

اللہ سکھ اور مرہٹوں کی قوم کو ہماری طرف سے بدلہ چکھائے، بہت برا بدلہ اور جلد چکھائے

وقد قتلوا جمعاً کثیراً من الوری — وقد ارجعوا فی اہل شاہ وجا ھل! [1]

ان دونوں نے بہت سی اللہ کی مخلوق کو قتل کیا — اور پہلے گذر بھی جاٹوں کو بھی انھوں نے ذوکہ پہنچایا

لھم کل عام نھبۃ فی بلادنا — یخوضون فیہا بالضحی والاصائل

ہماری بستیوں اور آبادیوں کو ہر سال لوٹ لیجاتے ہیں — اور علاقوں میں دن ڈھلے اور شام کو پہونچتے ہیں

فھل ھہنا من معاذ لعائذ — وھل من مغیث یتقی اللہ عادل

پھر کیا پناہ لینے والوں کیلئے یہاں کوئی جائے پناہ ہے — ہے کوئی ایسا فریاد رس جو اللہ سے ڈرتا ہو اور انصاف کرتا ہو

ایک اور دوسرے خط میں جوان ہی شاہ اہل اللہ کے نام ہے فرماتے ہیں،

ایام بردا تت فالقلب منجزع — من قوم سکھہ وان الخوف معقول

سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے — سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

انفا ھم اللہ عن ھذہ الدیار عنھم — شر الاعادی وھم من جنۃ غول

خدا اس ملک سے ان کو ناپید فرمائے — یہ بدترین دشمن ہیں اور خود یہ غول بیابانی ہیں

فوضت امری وامر الناس اجمعھم — الی الاله وان الحفظ ماصول

میں اپنے اور لوگوں کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں — اور اللہ سے امید ہے کہ وہ حفاظت فرمائیگا

ایک اور تیسرے خط کے چند اشعار یہ ہیں:۔

ثم ان البلاد فاسدۃ — عن ایادی الغشوم والظلام

پھر معلوم ہو کہ ملک تباہ و برباد ہے — ظالموں اور بدمعاشوں کے ہاتھوں سے

غیر خاف علیک ما صنعت — قوم سکھ کا نت التی شام

آپ پر غالباً مخفی نہ ہوگا جو کچھ کیا — سکھ کی قوم نے جو نحوست کی نشانی کر سکتی ہے

[1] بعض اشعار مسخ کر دیئے گئے ہیں جہاں تک تصحیح عقلاً ممکن تھی کر دی گئی ورنہ اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا، اس لفظ کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آیا قرینہ سے معنی لکھ دیا گیا ہے ۱۲

خسفوا کل قریہ و مضوا
ہر بستی کو انھوں نے پست کر دیا اور گزر گئے
ضیعوا امۃ من الارواح
ایک گروہ کی جان انھوں نے ضائع کی
نھبوا عدۃ من الاموال
مال اندوزی کے بھوکے ہیں
وسقوا کل من تعرضھم
اسی کو پلا دیتے ہیں موت کا پیالہ
ذھلت کل مرضع عما
(آج) ہر دودھ پلانے والی

یفتحون الحصون والآطام
قلعے اور گڑھیاں فتح کرتے پھرتے ہیں
قتلوا امۃ من الاجسام
اور ایک طبقہ کے اجسام کو انھوں نے قتل کیا
ارتقوا عدۃ من الایتام
اور ہمارے کتنے یتیموں کو انھوں نے قید بنا لیا
من فناء الانام کاس الحمام
جو انسانوں کے گروہ میں سے ان کی راہ میں آڑے آئے
ارضعتہ وکل ذات فطام
اس بچہ کو بھول چکی ہے جسے دودھ پلاتی تھی
اور اس کو بھی جو دودھ چھوڑ چکے ہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنے ان اشعار میں ہندوستان کے جن سیاسی حالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، تاریخ کی کتابیں ان کی تفصیلات سے معمور ہیں اور آئندہ بقدر ضرورت میں ان کا ذکر بھی کرونگا، لیکن قصداً اس سلسلہ میں میں نے حضرت شاہ صاحب کی شہادت اس لیئے پیش کی ہے، تاکہ ایک عام غلط فہمی جو پھیلی ہوئی ہے کہ علماء و صوفیہ کو ملک کے سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کا ازالہ ہو سکے، یہ صحیح ہے کہ ہمارے اسلاف کی خصوصاً اپنی تالیفات و تصنیفات میں یہ خاص خصوصیت تھی، کہ وہ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے، اسی کو لکھتے تھے بیچ بیچ میں اپنے زمانہ کے سیاسی جھگڑوں کا دکھڑا لے کر نہ بیٹھ جاتے تھے، اور غالباً غلط فہمی کا منشا بھی یہی ہے، آخر یہی شاہ ولی اللہ ہیں، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے مولفات کے دفاتر و طوامیر ہزارہا صفحات سے متجاوز ہیں، لیکن بجز "انفاس العارفین" کے جس میں آپ نے اپنے آبا و اجداد کے کچھ حالات درج کیئے ہیں، اور اس سلسلہ میں بلا ارادہ کہیں کہیں بعض سیاسی واقعات کا بھی اجمالاً ذکر آگیا ہے مگر اس کے سوا آپ کی کسی چھوٹی بڑی کتاب سے مشکل اندازہ ہو سکتا ہے، کہ یہ وہی کتابیں ہیں جو اس وقت لکھی گئیں، جب نادر شاہ اپنی بے پناہ تلوار سے چاندنی چوک کی نہروں میں بجائے جمنا کے پانی کے انسانوں کا خون بہا رہا تھا، فتح پوری کی مسجد زمین سے چھت تک لاشوں سے پٹی ہوئی تھی، قاضی کا حوض اور دلی کے عام کنوئیں صرف مردوں سے بھرے ہوئے تھے، سڑی ہوئی لاشوں سے پاک کرنے کیلئے دلی کے ہر ناکہ پر الاؤ جوڑا گیا تھا جس میں ہندو ہو یا مسلمان سب کی میت بلا امتیاز کے جھونکی جا رہی تھیں، اور یہی ایک واقعہ کیا، مرحوم اورنگ زیب کے بعد دلی کے آسمان نے جن جاں گداز روح گسل واقعات کا تماشا کیا تھا

ان سے کون واقف نہیں ہے، لیکن دیکھتے ہو! دُھن کے پکّوں کی اس شان کو دیکھتے ہو! بادشاہتوں پر بادشاہتیں گرتی چلی جاتی ہیں، انقلاب پر انقلاب ہوتا چلا جا رہا ہے، قوموں پر قومیں چڑھی چلی جا رہی ہیں، فتنوں کا ہر طرف زور ہے، فساد کا ہر طرف شور ہے لیکن اللہ کے کچھ بندے ہیں، جو سب کچھ دیکھتے ہیں، سب کچھ سنتے ہیں، سب سے متاثر ہوتے ہیں، اور ہر مشکل کے حل کا ساز و سامان بھی اندر اندر تیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن

ای مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز　　کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

نہ ان کی زبانوں پر آسمانوں کی ہلانے والی تقریریں ہیں، نہ آنکھوں سے جھوٹے آنسوؤں کا سیلاب بہایا جا رہا ہے، نہ رزولیوشنوں کے بم سے دشمنوں کے حصار پر گولہ باری کر کے فتح کے شادیانے بجائے جا رہے ہیں نہ مخالفوں کی بے سر و پا تجویزوں، یا مشہور کیئے ہوئے منصوبوں کو سُن سُن کران کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے، وہمی اندیشوں میں مبتلا ہو کر نہ ڈراؤنے خواب خود دیکھتے ہیں، نہ دوسروں کو دکھاتے ہیں، نہ لایعنی بے معنی مشوروں سے مسلمانوں کو کبھی غیراور یونان کے دروں کی طرف بھگاتے ہیں ——— جس قوم کا فرض صرف آگے بڑھنا اور آگے بڑھتے ہی چلے جانا ہے نہ ان میں بُزدلی اور جبن کے جذبات کی پرورش کر کے مورچوں کے چھوڑنے کا بگل بجاتے ہیں، نہ صرف پیٹ کی روٹی اور تن کے چیتھڑوں کو بچا لینے کے لیئے اللہ کی مسجدوں کو بزرگوں کے آثار کو، آباء و اجداد کے مقابر کو کفار کے مویشیوں کے گوسالہ بنانے پر اپنے کو راضی کرتے ہیں، کفر کی جن نسلوں کے متعلق اُمید تھی کہ آج نہیں تو کل جہنم کی آگ سے ان کو بچا لینے میں کامیاب ہوں گے، قیامت تک کے لیئے ان پر ایمان کا دروازہ بند کر کے ہم اس لیئے بھاگے جا رہے ہیں کہ جس طرح بے کتاب و بے پیغمبر زندگی گزارنے والی قوموں کے سامنے صرف روٹی کے چند ٹکڑوں کا سوال ہے اور اسی کا حل زندگی کے سارے معموں کا حل ہے، ہم بھی کوئی ایسا کونہ زمین کے کسی حصہ پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جہاں ہمارے لقموں پر دوسری قوموں کے خزانے والے دکھائی نہ دیں۔[۱] یوں پر اگر ہم لڑیں بھی تو آپس ہی میں لڑیں، الے وے کرابؔ فرشتہ صید، پیمبر شکار "یزداں گیروں" کے "شاہین بچوں" کو اسی "مردار پیٹ" کے مسئلہ پر قناعت کا مشورہ دیا جا رہا ہے، "معاشی مشکلات" کی افیم کھلا کران پر غنودگی طاری کی جا رہی ہے، ان نوجوانوں کو کون سمجھا سکتا ہے جنہیں بجائے اپنے اسلاف کے اہل کفر کے بزرگوں پر ایمان لانے کی خود ہمارے گھر کے لوگ دعوت دے رہے ہیں، آج کیا وقت آیا ہے اس سے پہلے جو گھڑیاں گزر چکی ہیں ان کا حال میں سچ تو یہ ہے کہ ابھی کچھ نہیں ہوا ہے، لیکن ہمارے باپ دادوں کا شیوہ بولنے کا نہیں کرنے کا تھا محض اس لیئے کہ وہ بولتے نہیں

---

[۱] مشاہدہ کہو یا تجربہ، وہ تو بتا رہا ہے کہ ان شکم پرست بت پرستوں کو اگر کسی جگہ کوئی عافیت کا ایسا گوشہ کسی شکل میں میسر آگیا ہے تو وہاں انھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام اور قرآن کی ہدایتوں کو بالکل بھلا دیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد اور قرآن۔ اسلام، اور مسلمان کے الفاظ یہ صرف اس وقت تک استعمال کرتے ہیں جب تک روٹی کے دوسرے خریداروں کے مقابلہ میں ان ہی الفاظ سے چند لقموں کو اپنے پیٹ میں کامیاب ہو سکتے ہیں جہاں اس مقابلہ کا خوف نکلا دیکھا جاتا ہے کہ، پھر ان کے معبود دماغ [illegible] عافیت کے ان گوشوں میں کھیلنا چاہتے ہیں [illegible]

تم غلط سمجھتے ہو اگر سمجھتے ہو، کہ ان کو ان ضرورتوں کا احساس نہ تھا، جو چیز کردار میں تلاش کی جاتی ہو، تم سے غلطی ہوتی ہی ہے کہ اسے گفتار میں ڈھونڈھتے ہو، باتوں کی پیچیدگیاں باتوں سے حل ہو سکتی ہیں، لیکن کام کی دشواریاں بجائے کام کے صرف باتوں سے حل ہوں، یہ اس زمانہ کا دستور نہ تھا، ان کے کاموں کا جائزہ لینا چاہتے ہو تو بجائے باتوں کے ان کے کاموں ہی سے تمھیں اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سامنے کیا تھا؟ اور اس کے لیے انھوں نے کیا کیا، بقول فیضی ؎

اے ولی طریق رندی از محتسب بیاموز مست ست و درحق او کس این گماں ندارد

بہرحال حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی چونکہ میں بجائے ان کی باتوں کے ان کے کام ہی کے ایک پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں اس لیے ظاہر ہے کہ ان کے اقوال کی جگہ میں بھی آپ کے سامنے صرف ان کے اعمال ہی پیش کروں گا، اور جیسا کہ میں عرض کیا اگر ان کے اعمال کے متعلق میں، اقوال پیش بھی کرنا چاہتا تو "یہ دانہ سوختہ" کی آگ سے میں ان چھپوں کا ریکارڈ کیسے تیار کر سکتا ہوں جو صرف "مرغ سحر" کے سوانح نگاروں کو مل سکتے ہیں، لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آئندہ اپنے جس دعوے کو پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر بجائے آثاری شہادتوں کے صرف تحریری شہادتوں کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے تو اس مطالبہ سے عہدہ برا ہونا شاید میرے لیے آسان نہ ہو، اگرچہ بڑی تلاش و تفتیش سے بعض جستہ جستہ چیزیں ان کے طویل الذیل تصنیفات میں ملی ہیں، اور انھیں کو میں آئندہ پیش بھی کرونگا، مگر حضرت مجدد کے تجدیدی کارناموں کے کمال کے بعد جس زوال سے شاہ صاحب کو سابقہ پڑا ہی، قبل اس کے کہ عام تاریخی مواد اس کے متعلق پیش کروں میں نے براہ راست ولی اللہی گھرانے کے ایک مشہور بزرگ بلکہ براہ راست بڑے صاحبزادے کی گواہی سے اسی لیے آغاز کیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میں آئندہ حضرت شاہ صاحب کی طرف جن ذہنی و قلبی احساسات کو منسوب کرونگا۔ وہ محض میرا کوئی اختراعی نظریہ نہیں ہی یا منطق کی اصطلاح میں دو اتفاقی قضیوں میں لزوم کے تعلق کو محض میرے حسن ظن نے نہیں پیدا کر دیا ہی آخاندہ کرنیوالے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس باپ کا بیٹا، بیٹا ہی نہیں بلکہ جانشین خلیفہ اور کیسا جانشین خلیفہ سمتاً و دلاً و ہدیاً جو ہو بہو اس کا مثنیٰ تھا، جب وہ اپنے سیاسی ماحول سے اس طرح متأثر تھا تو یہ کتنی بڑی غباوت ہوگی کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے ذکی الحس، بیدار شعور، دقیقہ رس، نکتہ سنج، ژرف نگاہ باپ کے سینے کو ان جذبات سے محض اس لیے خالی فرض کیا جائے کہ ان کی عام کتابوں میں ان احساسات کا سراغ نہیں ملتا، حالانکہ واقعتاً یہ بھی غلط ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، لیکن منجملہ اور چیزوں کے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند اشعار بھی اپنے اندر اس کی قوی شہادت رکھتے ہیں کہ "اسلامی ایوان" میں عہد عالمگیری کے بعد جو آگ لگی تھی ایس جن جن کے کلیجے بھنے تھے، اور جن جن کے سینے آبلوں سے معمور ہو گئے، اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خاندان تھا، اور شاید یہی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ
کہنا چاہتا ہو کہ وہی پردہ کی مخالفت وہی مخلوط تعلیم وہی قصہ مرد وہی بیوی ذہی وقمار بازی سودی کاروبار وغیرہ کا جنون ان پر سوار ہو جاتا ہے ۱۲

آ بیٹے تھے جو اسمٰعیل جہاد کے رنگ میں پھوٹ کر بالآخر بہہ گئے، اگرچہ اس "جہاد" کی روشنی پر پردہ ڈال دیا گیا تھا، لیکن خدا جزائے خیر دے برادر عزیز محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کو جنھوں نے بزور اس پردہ کو "سیرت سید احمد شہید" لکھ کر حال ہی میں چاک کیا ہے، اگرچہ میں نہیں جانتا کہ جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ بزرگوں کی روشنی کو نہیں دیکھیں گے، اور جو قدم بھی اٹھائیں گے وہ مغربی نصیب، یا ہندی ڈیوٹ ہی کی روشنی میں اٹھائیں گے۔ ان کی نظر بھی اس مینار پر پڑی یا نہیں، یا للعجب! کنتم شہداء علی الناس،، سارے جہان کے انسانوں کی نگرانی جن کے سپرد کی گئی اور جن کے وجود کا "اخرجت للناس" طغرائے امتیاز تھا۔ آج وہی اپنی ہر حرکت و سکون میں غیروں کی طرف تاکتے ہیں اپنے کو بے بس پا رہے ہیں۔ حالانکہ ان کو جو مرکزی قبلہ، مرکزی نبی، مرکزی کتاب، دی گئی تھی، اسی سے اندازہ کرتے کہ اب سب کو ہمارے ساتھ وابستہ ہو کر جینا ہے، لیکن انھوں نے ان کے "چلانے والوں" نے تو طے کر لیا ہے کہ وہی دوسروں کی کمر پکڑ کے جیئیں گے، اس کے سوا زندگی کی ساری راہیں ان پر مسدود ہو چکی ہیں ـــــ وضل اَسنا الهمر

خیر میں کدھر نکلا جا رہا ہوں، تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اورنگ زیبی عہد کے بعد ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا گزر رہی تھی، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان واقعات کی طرف اجمالی اشارہ کیا ہے، اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل پہلے کر لینا چاہتا ہوں۔

اتنا تو ان اشعار سے بھی معلوم ہوا اور تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ عالمگیر کے بعد ہی ایک تحریک ہندوستان کے مغربی شمالی خطوں میں "سکھ تحریک" کے نام سے اور دوسری تحریک جنوبی ہند میں "مرہٹہ" یا سیواجی کی تحریک کے نام سے اٹھی تھی، اور ثانی الذکر تحریک کا صرف آغاز ہی نہیں بلکہ ایک حد تک اشتداد عالمگیر ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا اسی کے ساتھ اجمالی طور پر لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دونوں تحریکیں سیاسی تھیں، اور ان دونوں کا رُخ اسلام اور مسلمانوں کی طرف تھا، لیکن اگر قرآنی لہجہ میں پوچھا جائے کہ المرھٹہ وما ادراک ماالمرھٹہ؟ یا السکھ وما ادراک ماالسکھ؟ تو شاید اس سوال کے جواب کی جو انتہائی ہیبتناک، زلزلہ انگن ہوش ربا تصویر ہے وہ شاید ہی اس زمانہ کے مسلمانوں کے سامنے ہو،

چونکہ ان واقعات یا ان کے سوانح میں اور جن چند چیزوں کو پیش کر رہا ہوں، ان سے خود ان واقعات کا تذکرہ مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے قلبی واردات کا حال یہ ہے کہ باوجود شاعر نہ ہونے کے جب اپنے باطنی احساسات سے مضطرب ہوتے تھے تو اس وقت بے ساختہ ان کی زبان یا قلم کی شور انگیزیاں ان اشعار کی صورت اختیار کرتی تھیں

بہ زلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را | خروش درد دل شبہائی کردم چہ می کردم
وسے پروردہ جاں انگار یار تند خو دارم | جہاں را پُر نیازہائی کردم چہ می کردم

غرض آپ کا مشہور مصرعہ ہے

جنوں ترک صفاہانی کردم چہ می کردم

تو اس وقت جبکہ معمولی سوادخواں اعتصام الدولہ، صمصام الملک خان دوراں اور امیرالامرا بن بنکر عزت وجلال کے اوج پر چمک رہا تھا ــ شاہ صاحب بقول خود کسی "جنون" میں مبتلا ہوکر سب پر لات مار کر اپنا عذر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں

"جنوں ترک صفاہانی کردم چہ می کردم"

جلال کی جن تجلیوں کا تماشا فرما رہے تھے، ان ہی کو پیش نظر رکھ کر کبھی فرماتے

جہاں و جاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت

قیامت می نمائی و دم عیسےٰ دم ہم ہم

غور کرنا چاہیئے، ایک ایسے ارفتہ وست الست کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح بہت سے لوگ جو محض اس لیئے لکھنا جانتے ہیں، کتابیں لکھتے تھے، اسی زمرہ میں شاہ صاحب ایسے صاحب کی تالیفی و تعلیمی خدمات کو شمار کرنا کم از کم میری نزدیک "واقعات" کے عدم احساس ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے، ورنہ سچ یہ ہے کہ اس گروہ کو جس کا سب سے بڑا کام صرف لکھنا ہے اس کو ان دل باختوں، سوختہ سامانوں سے کیا نسبت؟ جنہوں نے کسی بڑے کام کے لیئے لکھنے کا پیشہ اختیار کیا، ٹھیک جو حال مولانا روم کا ہے، جن کا کام شاعری نہ تھا، لیکن ایک کام کے لیئے انھوں نے شاعروں کا لبادہ اوڑھ لیا تھا، میرے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مساعی کا مرکزی نقطہ بھی یہی تھا، اور آئندہ آپ کے سامنے اسی نظریہ کی کچھ تفصیل (جتنی کہ کسی مجلہ میں گنجایش نکل سکتی ہے) پیش کی جائے گی، اسی لیئے پہلے ان حالات کو پیش کرتا ہوں جن میں حضرت شاہ صاحب گھر گئے تھے

جیسا کہ میں نے عرض کیا "عہد عالمگیری کے بعد سب سے بڑے فتنے دو تھے" جن میں ایک کا مرکز پنجاب اور دوسرے کا منشا و مولد جنوبی ہند کا وہ ساحلی علاقہ تھا، جسے عموماً کوکن یا مرہٹواڑی کہتے ہیں، میں پہلے "فتنہ سکھ" کا اجمالاً ذکر کرنا چاہتا ہوں،

پنجاب اور فتنہ سکھ یہ عجیب بات ہے کہ ٹھیک جس طرح پچھلے چند سالوں میں پنجاب ہی کی سرزمین سے ایک تحریک اٹھی جس کے آغاز میں یہ ظاہر کیا گیا، کہ "مذہب" کے سمجھنے میں لوگوں کو جو غلطی ہوئی ہے محض اس کی اصلاح مقصود ہے، اور اس سلسلہ میں آج تک تیرہ سو برس سے قرآن کا مسلمان جو مطلب سمجھتے تھے اس کو بالکلیہ الٹ دیا گیا، حتیٰ کہ بالکل آخری چیز یعنی ایمان و کفر جیسی بدیہی بات بھی نظری قرار دی گئی، اور اس کے مطلب کو بھی اتنا معکوس کیا گیا کہ جو کفر تھا وہ اسلام قرار پایا، اور جو اسلام تھا وہ سراسر کفر بن گیا، بہرحال ابتداءً جس طرح یہ ایک مذہبی اصلاحی تحریک تھی، لیکن چند ہی دنوں میں صاحب تحریک نے آہستہ آہستہ چولا بدلنا شروع کیا، ایک آہنی اوزار کو مذہبی شعار کا رنگ عطا کر کے ماننے والوں کو مسلح کیا گیا، پھر اس کے ساتھ ساتھ چند دن میں گھوڑے، خیمے، وردیاں وصول ہونے لگیں، اور بالآخر اچانک اس تحریک کا رخ "سیاسیات"

کی طرف پلٹ گیا، حتی کہ خون و قتال کی گرم بازاریاں بھی شروع ہو گئیں، غزاۃ اور شہداء کی فہرستیں بننے لگیں

قریب قریب کچھ اسی شکل کے ساتھ، پنجاب کے ایک صوفی منش بزرگ سید حسن نامی ——— ایک لڑکے کے متعلق

"کہ پرورش بقالے از قوم کھتری بود در عہد طفلی حسنی و صباحتے داشت و استعداد و لیاقتے خداداد"

(سیر المتاخرین ج ۲ صفحہ ۴)

چونکہ اس حسین و صبیح لڑکے کی طرف سید حسن کی نظر خاص تھی (ابرا و نظر توجہ داشت) اس لیے "بفیض صحبت درویش حقیقت کیش فی الجملہ شعور و دانش بہم رسانیده بر حقائق و معارف کہ کتب فقرائے اسلام و صوفیہ ذوالاحترام آں مشحون است اطلاعے حاصل نمود"

اور اسی وجہ سے ——— "از کیش آبائی خود در گذشتہ مضامین اقوال آں بندگوار بزبان پنجابی کہ داشت در بحور اشعار ہندی موزوں می نمود"

آخران ہی اشعار نے گرنتھ کے نام سے ایک مذہبی کتاب کی شکل اختیار کی اور اس کے مبلغ "گرو نانک" کے نام سے مشہور ہوئے جس طرح گویا پنجاب کی موجودہ تحریک جیسے عہد حاضر کی قوت حاکمہ کے ادبیات سے متاثر ہو کر ابتداً مذہبی رنگ میں شروع ہوئی ہے، اسی طرح پنجاب کی پہلی تحریک بھی اس زمانہ کی "قوت حاکمہ" کے تعلیمات سے متاثر ہو کر ابتداً مذہبی ہی رنگ میں جاری ہوئی تھی،

البتہ موجودہ تحریک کے محرک اول ہی نے اپنے ہی زمانہ میں اس کا رخ سیاسیات کی طرف پھیر دیا۔ لیکن پہلی تحریک نے محرک اول کے چند جانشینوں کے بعد اچانک سیاسی کروٹ لی، ایسا کیوں ہوا، اور کن اسباب کے تحت ہوا اس کا قصہ تو طویل ہے لیکن اسی زمانہ میں جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہو چکے تھے۔ پنجاب کی یہ مذہبی تحریک مشہور گورو گوبند کی کوششوں سے سیاسی رنگ اختیار کر چکی تھی، اپنی مذہبی تحریک کو سیاسی رنگ دینے کے لیے گورو گوبند نے بھی وہی کیا، جو پنجاب کی موجودہ تحریک میں کیا گیا یا کیا جا رہا ہے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں

گورو گوبند بجائے پدر خود تیغ بہادر نشستہ منتشران فرقہ	گورو گوبند نے اپنے باپ تیغ بہادر کی جگہ بیٹھ کر اپنے فرقہ کی

۱؎ تیغ بہادر کے متعلق طباطبائی نے عجیب بات لکھی ہے کہ "شیوۂ اختہ بیبرو تعدی اختیار نمودہ در پنجاب می گردید" لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے حضرت مجدد صاحب کے مشہور خلیفہ حضرت حافظ شیخ آدم بنوری نے بھی ایک جمعیت فراہم کی تھی اور "تیغ بہادر از ہندواں و حافظ آدم از مسلمانان" طباطبائی اور ان جیسے بزرگوں کو حضرت مجدد سے جو خاص کد تھی کون نہیں جانتا [illegible] [illegible] تحریک کے مقابلہ میں حافظ آدم رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت [illegible] [illegible] حضرت حافظ صاحب کے خاندان سے ہیں اس مسئلہ پر [illegible] [illegible]

خودرا آہستہ آہستہ جمع نمود وسلاح واسپ ویراق بہم رسانیدہ وبر ہمراہیان خود قسمت کردہ واندک اندک دست وپائے خودرا دراز وشروع تک وتاز نمود ص۴۰۲

پراگندہ ومنتشر افراد کو آہستہ آہستہ اکٹھا کرنا شروع کیا، اور ہتھیار گھوڑے دوسرے جنگی ساز وسامان بھی فراہم کیے، اپنے رفقاء پر سب کو تقسیم کرنے لگا یوں تھوڑا تھوڑا کر کے اس نے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کیے اور دوڑ دھوپ کی ابتدا کی۔

بہر حال گورو گوبند کے ساتھ تو "بموجب فرمان بادشاہ فوجداران حضور بتادیب او پرداختند" لیکن گوبند کا جانشین جب بندا نامی گرو ہوا۔ اور اس وقت حضرت شاہ صاحب جوان ہو چکے تھے، اس نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا، ان چند الفاظ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے

گورو گوبند کے زیر قیادت سکھوں کی چیرہ دستیاں اور لرزہ خیز مظالم:۔

بہر دہات وآبادی اہل اسلام ہر جا دست ادمی رسید تاختہ از سکنہ انجا ہر کرا می یافت ابقائی کرد۔ ہر چند اطفال صغیر السن باشند

اہل اسلام کے گاؤں اور آبادیوں پر جہاں کہیں قابو پاتا تھا چڑھ دوڑتا، اور باشندوں میں جس کسی کو پاتا باقی نہیں چھوڑتا تھا خواہ ننھے چھوٹے کمسن بچے ہی کیوں نہ ہوں۔

قساوت وبطش شیوہ جباریت کی انتہا یہ تھی کہ

حتی زنہائے حاملہ را شکم دریدہ وجنین را بیرون کشیدہ می کشتند سیر المتاخرین ص۴۰۲

حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچہ کو باہر نکال کر مار ڈالتے تھے۔

یہ تو طباطبائی کا بیان ہے، مرزا حیرت نے ایک ہندو مصنف کی جو پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدہ پر مامور تھے حسب ذیل شہادت نقل کی ہے۔

ایک ہندو مصنف کی شہادت :۔

"مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی، اذان یعنی بانگ باآواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے، مسجدوں کو اپنے تحت میں لیکے گرنتھ پڑھنا اس میں شروع کرتے اور اس کا نام ست گرڑہ رکھتے تھے......،

تکار اور شراب خوار ہوتے ہیں، گھوڑے پر چڑھے ہوئے روٹی کھاتے جاتے ہیں،

دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جہاں پہونچتے تھے جو برتن مٹی کا استعمالی کسی مذہب والے خصوصاً مسلمانوں کا پڑا ہوا ان کے ہاتھ آجاتا تھا پانچ چھتر (جوتے) اس پہ مار کر اس میں کھانا پکا لیتے تھے، حیات طیبہ ص۱۳

مسلمانوں کے برتن کے پاک کرنے کا سکھوں نے جوتے مارنے کا عجب طریقہ اختیار کیا تھا، بہر حال اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بعید از قیاس کہا جائے اس واقعہ کو جو ان "تکار اور شراب خواروں" کے متعلق مرزا حیرت نے درج کیا ہے کہ

سکھوں کا دستور ہے کہ وہ ہولے کر کے کھاتے ہیں، دلی میں ہولے سوکھے بوٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں مع شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں، مگر سکھوں میں انھیں ہولے نہیں کہتے وہ ایک وہ ایک بڑے فولادی پنجرہ میں چیل، کوے، کبوتر، تیتر، مینائیں، طوطے، غرض مختلف قسم کے جانور بند کر کے پنجرہ کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں، اور پھر نیچے آگ دیدیتے ہیں، وہ زندہ پرند پھڑپھڑا کے بھن کے کوئلہ ہو جاتے ہیں، پھر انھیں صاف کر کے یہ ناخدا ترس کھاتے ہیں؛"

خیر یہ غریب پرندوں اور جانوروں کو ہولہ بنانے کی شکل تھی، آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے جب اسی کے بعد مرزا حیرت کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے کہ

انسانوں کے ہولے:-

اُسی طرح بے گناہ مسلمانوں کے بھی ہولے کیئے جاتے تھے اور یوں "تڑپا تڑپا کے انہیں مارا جاتا تھا"۔ بہرحال قتل وغارت وخونریزی، وخون خواری اس تحریک کی روح تھی، دماغوں کو اتنا مسحور کیا گیا تھا کہ جب فرخ سیر نے اپنے زمانہ میں سکھوں کی ان ظالمانہ چیرہ دستیوں کا قرار واقعی علاج کرنا چاہا اور عبدالصمد خاں تورانی صوبہ دار کشمیر اس مہم پر متعین ہوا۔ جس نے بڑی دلیری سے بندا اور اس کے ساتھیوں پر قابو حاصل کر کے سب کو گرفتار کر کے دہلی روانہ کیا، بادشاہ کے پاس ہزارہا غریب وبے کس مسلمانوں کی فریاد وزاری کی عرضیاں پہونچی ہوئی تھیں، جب حکم دیا گیا، کہ اب ان سے انتقام لیا جائے" تو بقول طباطبائی اس وقت کا سماں عجیب تھا لکھتے ہیں:-

سکھوں کا جذبہ قربانی:-

تفصیلے عجیب ازاں جماعہ مسموع شدہ کہ در کشتہ شدن یکے بر دیگرے سبقت می جست ومنت جلادی نمود کہ اول او را بکشد۔ یہ صد ۴۰۲ ج ۲

عجیب قسم کی سخت جانی اس گروہ کے متعلق سننے میں آئی یعنی مارے جانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا جلاد کی خوشامد کرتا کہ پہلے اسے قتل کیا جائے،

کتنی عجیب بات ہے حق ہو یا باطل اس قسم کی قربانیوں اور دیدہ دلیریوں کے نظائر کی تاریخ میں کچھ کمی نہیں ہے، لیکن پھر بھی کچھ لوگ ہیں جو ہر چیز سے قطع نظر کر کے صرف کسی کے تصلب واستقلال یا "جذبہ قربانی" کو اس کی صداقت کی دلیل بنا لیتے ہیں، کس لیئے مرا؟ یہ نہیں دیکھتے بلکہ کسی بات پر ہٹ کرتے ہوئے مرجانا بس یہی ان کے نزدیک اس کے خیال کی صحت اور اس کے مسلک کی راستی کی کافی شہادت ہے، حالانکہ اگر حق و باطل کا یہی معیار ہو تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ابوجہل اور سید الشہدا حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں یہ دیوانے

بس بنیاد پر امتیاز پیدا کرتے ہیں آخر ابوجہل نے قربانی کی کونسی ایسی قسم تھی جو پیش نہیں کی۔ مال لٹایا، گھر چھوڑا در چھوڑا، اور بالآخر اپنے مسلک پر اصرار کرتے ہوئے بدر پہونچ کر اسی راہ میں اپنی جان بھی دیدی، پھر کیا واقعی محض اس لیئے ابوجہل بجائے ابوجہل ہونے کے ابوالحکم قرار دیا جا سکتا ہے، جس نے بھی اپنی جان دیدی، بس اس کے بلندی رتبہ کا ان کے سامنے پھر کوئی ٹھکانا نہیں رہتا، حالانکہ سچ پوچھیئے تو ایک نہیں لاکھوں ہر زمانہ میں ہر ملک میں آپ کو ایسے آدمی مل سکتے ہیں، وہ ملتے رہتے ہیں، اور اس وقت بھی مل رہے ہیں، جو کسی بڑی چیز کے لیئے نہیں، صرف پندرہ روپے ماہوار کے لیئے فوجوں میں، اس لیئے بھرتی ہونے پر تیار ہیں، کہ جب جی چاہے ان کی گردن ان کے سروں سے اتار لی جائے پھر کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ فوج کا ہر سپاہی قربانی و ایثار، استقامت و استقلال کا پیکر مجسم اور مظہر اتم ہے؟ صرف اسلیئے کہ بجائے کسی بڑے نصب العین کے عام فوجی سپاہیوں کے سامنے محض چند روپے ہوتے ہیں جن کے لیئے وہ اپنی جانوں سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں، ان کی کوئی عظمت کسی دل میں نہیں پائی جاتی؟ یہی واقعہ ہے اور یہی فطرت کی شہادت ہے۔

بڑی جہالت ہے کہ کس لیئے جان دی؟ اس سوال کی تحقیق کرنے سے پہلے لوگ غل مچا دیتے ہیں کہ فلاں نے جان دیدی، اب اس سے زیادہ اس کی سچائی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے،

آج بھی تحریکوں کی صداقت و عدم صداقت کا معیار جاہلوں میں صرف یہی چیز بنی ہوئی ہے کہ کبھی کبھی کسی مسلک کی تصدیق اس لیئے کی جاتی ہے کہ اس پر چلنے والے بڑے منظم ہیں۔ بڑے اولوالعزم ہیں ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی اپنے خیال کے پرچار میں دیوانہ وار مارے مارے پھرتے ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ آخر جو نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں، نہ مانگتے ہیں بلکہ اپنی جیب خاص سے اپنی وردیاں بناتے ہیں بیلچے خریدتے ہیں کرایہ یا ٹکٹ کرایہ ریل گاڑیوں پر سفر کرتے ہیں، ہر بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں، نہ اپنی جائدادوں کی انہیں پروا ہے، نہ اپنی اولاد کی بلکہ "جان عزیز" ہر وقت ان کی مٹھی میں دھری ہے، معمولی اشاروں پر اسے بآسانی پھینک دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ آخر اس سے بڑھکر ان کی سچائی، اور خدا کی مرضی کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل تلاش کی جاتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بجائے خود یہ صفات اچھے نہیں ہیں، لیکن لکڑی کاٹنے کے لیئے جسے تیشہ دیا گیا، اگر بجائے لکڑی کے وہ مسجد کی دیوار کھودنے لگے، تو اس میں "تیشہ" کی برائی نہیں، استعمال کرنے والے کی غلطی ہے، "سعدیؒ" نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن　　نگفتم کہ دیوار مسجد بکن

آپ یہ نہ دیکھیئے کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے بلکہ اس پر نظر کیجیئے کہ وہ اپنے ہتھیاروں کو کن چیزوں پر چلا رہا ہے، تنظیم، اتحاد، ایثار، قربانی یہ قدرت کے اٹل قوانین ہیں جن کے بغیر اپنے "نصب العین" کی تکمیل میں مشکل ہی

کوئی کامیاب ہوسکتا ہی، مگر بذات خود ان کی کوئی قیمت نہیں ہے اگر کسی اچھے بلند نصب العین کیلئے انہیں استعمال کیا جائے یہ بہترین چیزیں ہیں لیکن اگر شورو فساد، خونریزی، وتباہ کاری، اضلال وتسویل، نوامیس شرعیہ کی توہین، اہل حق کی تحقیر کا ذریعہ ان ہی چیزوں کو بنایا جائے۔ تو پھر ان صفات سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، چونکہ مجھے شمال مغرب کی قدیم تحریک اور جدید تحریک میں گونہ مناسبت نظر آرہی ہے اس لیے ان چند اشارات کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔ اب میں اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں،

میرا مطلب یہ ہی کہ سکھوں کے جس فتنہ کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ کو تو اس وقت یہ سُنایا جارہا ہی، لیکن دین کے جس دیوانے اور شمع محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے جس پروانے کا نام "ولی اللہ" تھا، اسے یہ سب کچھ دکھایا جارہا تھا، ٹھیک جن دنوں پنجاب بندا کی ترکتازیوں سے قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا، اسلامی حکومت اس کا اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کرتی تھی، لیکن

بندائے مذکور کم تر مقابل افواج بادشاہی می گشت اکثر بطور چپاؤلی، وقطاع الطریقی در اطراف وجوانب رو میدہ یک جائی آسودہ ہر جا قابو می یافت در قتل وغارت وتخریب مساجد ونبش قبور مسلمانان قصوری نمود ص۲۳ طبا طبائی ج ۲	مذکورہ بالا بندا بادشاہی فوج کا سامنا بہت کم کرتا تھا بلکہ زیادہ تر (گوریلا وار) کے طور پر چھپ چھپا کر حملے کرتا اور اطراف وجوانب میں راہزنی کرتے ہوئے پھرتا ایک جگہ اپنا ٹھکانا بنا کر نہیں رہتا تھا، جہاں موقعہ مل جاتا قتل وقتال لوٹ مار اور مسجدوں کی بربادی مسلمانوں کے مقابر کے اُکھاڑنے میں کمی نہیں کرتا۔

بندا کے یہ ساتھی جس وقت دلی میں خود اپنے قتل کے لیے "منت جلاد" میں سبقت کر رہے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دلی ہی میں موجود تھے اور یہ سارے واقعات ان کے سامنے گزر رہے تھے، ان صفات کے زیر اثر جو تحریک اُٹھائی گئی ہو، عوام کو اس کی اہمیت کا ممکن ہے صحیح اندازہ نہ ہو، لیکن جس نے حجۃ اللہ البالغہ اور الخیر الکثیر، ازالۃ الخفاء جیسی ولی اللہی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی نگاہ عقابین کا اسے تجربہ ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان حالات کو دیکھ دیکھ کر قرآن وحدیث کے اس عاشق جانباز پر کیا گزر رہی ہوگی مسلمانوں کے بھیانک انجام کی جو تصویر ان کے سامنے گھوم رہی ہوگی، ارباب بصیرت ہی اس کا کچھ اندازہ کرسکتے ہیں، ایک طرف پنجاب سے یہ آندھی اُٹھی تھی، اور بتدریج تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھی، سلطنت وحکومت کی قوتیں بھی اس کے مقابلہ میں اسلام اپنے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور پارہی تھیں تو سیواجی کے دماغ نے "دکن" میں جو الاؤ جوڑا تھا عالمگیر انار اللہ برہانہ کی مسلسل کوششوں سے اگرچہ وہ کبھی کبھی دب دب جاتا تھا، لیکن یہی بات ہی ہے جیسا کہ اسی طبا طبائی نے لکھا ہے کہ

عالمگیر خود بہ نفس نفیس متوجہ دکہن شد وبست وپنج سال	عالمگیر نے بذات خود دکن کی طرف رُخ کیا، اور پچیس

...ل در گوشمالی مرہٹہ صرف نمود اما از تہاون بعض امرائے رکاب اگر چہ بہ سبب اغراض خود انفصال ہنگامہ مرہٹہ نمی خواستند استیصال جماعہ مرہٹہ صورت نہ گرفت۔

ص۹۲۳ ج ۳

مرہٹوں کی گوشمالی میں وقت صرف کیا، لیکن شاہی رکاب میں جو امراء تھے ان کی سستی و کاہلی سے جس میں ان کی اغراض پوشیدہ تھے معاملہ کا قطعی فیصلہ نہ ہو پایا، یہ امراء اپنے ذاتی اغراض کے تحت مرہٹوں کے ہنگاموں کو ختم کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

بلکہ اورنگ زیب، کے پنجہ فولادیں کے دباؤ کے اُٹھ جانے کے بعد اس قوم کو صرف دکن، اور دکن ہی نہیں بلکہ قریباً ہندوستان کے اکثر علاقوں میں تگ و تاز، تاخت و تاراج کا کھلا میدان مل گیا "برگی" جو مرہٹہ غارتگروں کا لپکا دینے والا نام تھا، اس سے ملک کے اکثر و بیشتر صوبے پامال ہو رہے تھے۔ خود دہلی پر مسلسل مرہٹوں کے حملے ہوتے تھے، اور حکومت ان کے مقابلہ سے دن بدن اپنے کو عاجز پاتی چلی جا رہی تھی، یہ وہ واقعات ہیں، جن سے عامی وخاص سب ہی واقف ہیں، لیکن اس سلسلہ میں ایک چیز قابل غور ہے۔ کہ مغربی شمالی گوشہ سے جو فتنہ اُٹھا تھا، جیساکہ بیان کیا گیا ابتداءً اس کی شکل ایک مذہبی اصلاحی تحریک کی تھی اور غالباً انتقامی جذبات کے تحت اس نے سیاسی کروٹ لی،

لیکن اسی کے مقابلہ میں جس تحریک کی ابتداء جنوبی ہند سے ہوئی تھی عجیب بات ہے کہ بجائے کسی مذہبی اصلاحی تحریک کے شروع ہی سے اس کا آغاز ایک ایسی سیاسی تحریک کی شکل میں ہوا جس کا مقصد ہندوستان کو قدیم برہمنی تہذیب کی طرف واپس لے جانا تھا، پنجاب کی تحریک کا تعلق عوام کے مذہبی خیالات کی اصلاح سے تھا اور چونکہ اس کا بانی برہمن کی کسی اعلیٰ ذات سے نہیں بلکہ قوم کھتری سے تعلق رکھتا تھا اس لئے ہر طبقہ کے عوام اس میں شریک ہوتے تھے، صاحب سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ سکھ لوگوں کا دستور تھا کہ

ہر چند از فرق مختلفہ باشند ہر گاہ ایں مسلک اختیار نمائند اجتناب واحتراز از ہم دگر بقاعدہ مستمرہ وضابطہ دیرینہ ہنود نمی کنند اگر چہ اراذل فرق باشند　ص۲۳

کہ لوگ خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں یعنی کسی ذات کے ہوں، جس وقت اس مسلک کو (سکھ مت) کو اختیار کر لیتے تھے تو ہندو مذہب کا جو دوامی اور پرانا قاعدہ چھوت چھات کا ہے، اس کی بنیاد پر باہم ایک دوسرے سے اب پرہیز کرنا چھوڑ دیتے تھے خواہ کتنی ہی نیچی ذات سے ان کا تعلق کیوں نہ ہو۔

لیکن جنوبی ہند کی تحریک کے بانی چونکہ سیواجی سمجھے جاتے ہیں، اور سیواجی بلکہ عام مرہٹوں کا نسلی تعلق اودے پور کے رانائوں سے بتایا جاتا ہے، اس لئے شروع سے ہندوؤں کے اعلیٰ طبقہ یعنی راجپوت اور برہمن اس میں شریک رہے حتی کہ آخر میں تو مرہٹہ تحریک کی عنان بالاجی المعروف بہ پیشوا کے ہاتھ میں آگئی تھی، جو براہ راست کوکنی برہمن تھا،

گویا آج بھی جنوبی ہند سے جس تحریک کی ابتدا ہوئی اور بالآخر اس وقت تمام دوسرے صوبوں کی مختلف تحریکیں بھی ٹ باکر اسی میں ہضم ہو چکی ہیں، اس تحریک کی خصوصیت بھی وہی ہو جو پہلی کی تھی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی جن کی زندگی کا بڑا حصہ مرہٹواڑی میں گزرا ہے اور اس قوم کے عادات و اطوار، مقاصد اور منصوبوں سے جتنی زیادہ واقفیت ان مورخ کو حاصل ہو سکتی تھی، دوسروں کو اس کے مواقع حاصل نہ تھے وہ یہ لکھتے ہوئے کہ

حق علیم است وکفی بہ شہیداً کہ ایں ہمہ امور مطابق واقع بقلم آمدہ وتعصب وتصنع اصلا دخلے ندارد۔[1]

اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور گواہ ہونے کے لیئے وہ کافی ہو کہ (جو کچھ لکھا جا رہا ہے) یہ سب کچھ وہی ہے جو واقعات کے مطابق ہے تعصب یا بناوٹ کو اس میں قطعاً دخل نہیں

مرہٹہ تحریک کے نصب العین کو ان الفاظ میں ادا فرماتے ہیں،

مخفی نماند کہ فرقتین مذکورتین نیتے دارند کہ ہر جا دست یابند وجوہ معاش جمیع خلق خدا بند کردہ بطرف خودی کشند وزمینداری ومقدمی وعمل پٹواری گری ہم باقدمین نگذاشتہ اساس وارثان کار ہائے مذکورہ را از بیخ وبن برکندہ بنیاد دخل وتصرف خود قایم کنند

لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہے کہ دونوں فرقوں (مرہٹہ اور کوکنی برہمن) کی نیت یہ ہے کہ جہاں ان کو قابو حاصل ہو جاتا ہے وہاں خدا کی ساری مخلوق کو ذرائع معاش کو بند کر کے اپنی طرف ان کو سمیٹ لیں، زمینداری مقدمی پٹواری کا کام ان پیشوں کو بھی پرانے لوگوں کے ہاتھ میں انھوں نے باقی نہیں چھوڑا ہو جو بیچارے ان لوگوں کے وارث ہیں ان کی تو جڑ نکال کر انھوں نے پھینک دی، اور سب پر اپنا عمل دخل قایم کر لیا ہو۔

آخر میں ان کے اندرونی منصوبے کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں ۔

دمی خواہند کہ مالک تمام روئ زمین شوند

یہ لوگ یہ چاہتے کہ تمام روئے زمین کے مالک بن جائیں

اگرچہ بیچارے میر صاحب نے اس کے بعد اپنے ایمانی خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ

رزاق مطلق تعالے شانہ کہ روزی رساں ہندو مسلمان ست براتِ رزق اصناف خلائق برہمیں زمین نوشتہ تمام ایں مملکت بریک قوم چہ طور مسلم تواند ماند۔

رزاق مطلق اللہ تعالے جو ہندو اور مسلمان دونوں کا روزی پہونچانے والا ہے اسی نے ہر ایک کی روزی کا حصہ اسی سرزمین (ہند) میں مقرر فرمایا ہے، یہ سلطنت کسی ایک قوم کے فائدہ کے لیئے کس طرح مخصوص کی جا سکتی ہے،

لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جنوبی ہند کی اس تحریک کو جو لوگ موجودہ مغربی کلیات اور کالجوں کی تعلیم کا نتیجہ

[1] یہ ساری عبارت ان کی کتاب خزانہ عامرہ سے منقول ہو طباطبائی نے بھی بجنسہٖ اپنی کتاب میں اس کو نقل کیا ہو ۱۲

قرار دیتے ہیں، اور اسی بنیاد پر اس قوم کا گن گایا جاتا ہے اور کم از کم اس کے وجود کا یہ فائدہ بتایا جاتا ہے کہ اسی کی بدولت سوتے ہوئے جاگ پڑے، اُن کو غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کہاں تک حقیقت کا عنصر شریک ہے اور اس کے بعد مجھے ان لوگوں سے عرض کرنا ہے جو اسی مسئلہ "رزق" کے حل کی یہ صورت نکال کر مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ ہم ملک کا کوئی گوشہ اپنے لیے الگ کرکے آباد ہو جانے میں کامیاب ہو جائیں گے، تو پھر روزی کی اس کھٹ کھٹ سے نجات مل جائے گی، اول تو جنگ و جدل اور باہمی نزاع و فساد کے لیے صرف ہند و مسلمان کی تفریق کی ضرورت نہیں، چاہنے والے اگر چاہیں گے، تو شیعہ سنی کے مسئلہ میں بھی اسی قدر زہر بھر سکتے ہیں بلکہ میں تو آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خالص حنفی سنی مسلمانوں میں بھی اس سے زیادہ خونریزیاں اور بربادیاں محض ایک لفظ "وہابی" وغیرہ وہابی، یا "دیوبندی" و "بریلوی" یا از ایں قبیل دوسری تقسیموں سے پھیلائی جا سکتی ہے، پھر جن لوگوں نے مرض کا یہ علاج تجویز کیا ہے بس اگر ان کے متعلق یہ باور کرتا ہوں کہ ان کی نظر دور نہیں پہونچی ہے، تو کیا غلط سمجھ رہا ہوں، اور بالفرض مسلمانوں کے بانٹنے یا بٹوانے میں بانٹنے والی قوتوں کو کسی درجہ میں کامیابی نہ بھی ہو لیکن جس کا نصب العین آج ہی نہیں بلکہ آج سے صدیوں پہلے یہ تھا کہ

می خواہند کہ مالک تمام روئے زمین شوند	چاہتے ہیں کہ تمام روئے زمین کے مالک ہو جائیں

آخر ان سے ہم کہاں تک بھاگ کر پناہ لیں گے، آپ ہندوستان ہی کے متعلق سوچ رہے ہیں کہ اس ملک کے کسی علاقہ میں ہمیں چین نصیب ہو سکتا ہے، اگر ان سے بالکل الگ ہو جائیں، لیکن ہندوستان تو بقول ان کے "ہندواستھان" ہے، جو "ہندواستھان" نہیں ہے جب وہ بھی ان کے "می خواہند" میں داخل ہے، تو آخر صرف جدائیگی، اور بٹوارہ کو جو ہر مرض کی دوا خیال کیا جا رہا ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے، زندگی اور حیات کے قدرتی قانونوں سے محروم ہونے کے بعد محض لاشوں کے چہروں پر غازہ ملنے سے کسی کو زندہ نہیں خیال کیا گیا ہے ورنہ ان سے زندگی کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں، ہمارے پاس ہماری کتاب میں ہمارے پیشوا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم میں جینے کے جو اصول بنائے گئے ہیں، ان سے کٹ کر جو باوجود ادعاء اسلام کے اپنی خود تراشیدہ رہبروں کے ذریعہ سے جینا چاہتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے کو کس طرح زندہ رکھ سکتے ہیں،

بہرحال ایک طرف پنجاب سے سکھوں کا فتنہ تھا جو بڑھتے ہوئے بادل کی طرح مسلمانوں پر چھاتا چلا جاتا تھا، اور بے دردی سے بجائے پانی کے ان پر آگ برسا رہا تھا، اور دوسری طرف جنوبی ہند کا مرہٹی سیلاب تھا جس میں جنوب سے شمال اور مشرق سے مغرب تک کے مسلمان اپنے ڈوبنے اور بہنے کا تماشا دیکھنے کا انتظار کر رہے تھے۔

مرہٹہ گردی | مرہٹے ملک میں اس کنارے سے اس کنارے تک جہاں تک پہونچ سکتے تھے پہونچ کر

ہر جا آبادی یافت سوختہ و غارت کردہ بخاک برابر ساختند (سیر ص ۴۷۵ ج ۲)	جہاں کہیں آبادی انھوں نے پائی اسے جلا کر لوٹ کر زمین کے برابر

کرتے چلے جاتے تھے حتیٰ کہ خود دہلی کو اس وقت جس وقت شاہ صاحب کی عمر چونتیس پینتیس سال کی تھی، اور کالکا کے میلہ کے تماشا دیکھنے کے لیے ہندو مسلمان شہر سے باہر ہو گئے تھے مرہٹوں نے

(دہلی پر مرہٹوں کی تاخت اور دوسری اسلامی بستیوں کی بربادی۔)

از دحام عظیم نمودہ بتاراج غارت نمودہ مال وافر اندوختہ و شب نزدیک مزار خواجہ قطب الدین ماندہ صبح روز چہار شنبہ یوم العرفہ مینا بازار و دکانہائے آبادی انجا را سوختہ غارت نمودہ۔ صفحہ ۲۶

حملہ کر کے ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ باطمینان تمام دلی کو لوٹا اور بہت دولت جمع کی، رات جب قریب ہوئی تو حضرت خواجہ قطب الدین (کاکی) کے مزار کے پاس شب گزار کر صبح بدھ کے دن جو عرفہ کا دن تھا مینا بازار اور آبادی کی دکانوں کو آگ لگا کر بھسم کیا اور سب کچھ لوٹ کھسوٹ لیا

اور یہاں سے پلٹنے کے بعد مسلمانوں کی مشہور بستیاں

قصبہ ریواڑی و پانوڈہی رفتہ ہر دو قصبہ را چناں کہ بایست غارت نمودہ از بیخ و بن برافگندند

قصبہ ریواڑی، پانوڈہی گئے اور دونوں قصبوں کو جیسا ان کے جی میں آیا لوٹا غارت کیا اور ان آبادیوں کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی۔

گویا ٹھیک عیدالاضحیٰ کے دن مسلمانوں کی قربانیاں کر کے یہ اپنے حرص و آز کے دیوتاؤں کو خوش کر رہے تھے سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ اس ماحول میں اوروں کا جو حال ہوگا وہ تو سمجھ لیجئے خود لیکن جس سینہ میں "اطیب النغم"[1] کا سوز بھرا ہوا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کے اس حال کو دیکھ دیکھ کر سن سن کر ان پر کیا گزرتی ہوگی؟

حضرت شاہ صاحب کا ایک تاریخی خواب کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مشہور خواب میں جس کا تذکرہ "فیوض الحرمین" میں آپ نے فرمایا ہے، ان احساسات کو دخل نہ تھا، درحقیقت اسی سلسلہ میں آپ کی آرزوؤں اور ہمت و دعا کی توجہات ہی نے عالم مثال میں یہ شکل اختیار کی تھی،

فیوض الحرمین کے پڑھنے والے تو اس خواب سے واقف ہیں، لیکن نہ پڑھنے والوں اور نہ جاننے والوں کیلئے میں بجنسہٖ اصل عربی عبارت کے ساتھ درج کرتا ہوں، فرماتے ہیں:۔

رأیتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذلک ان اللہ اذا اراد شیئاً من نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ لاتمام مرادہ و رأیت ان

میں نے خواب میں اپنے کو دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھلائی اور خیر کے کسی نظام کو قائم فرمانا چاہتے ہیں، تو اس وقت مجھے اس مقصد کی تکمیل

[1] شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے جو اپنی عربیت و فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے جو کچھ بھی ہو لیکن مجھ پر تو ان قصیدوں کا یہی اثر پڑا ہے کہ ان کا اثر نہیں ہوتا

ملك الكفار قد استولى على بلاد المسلمين و
نهب اموالهم و سبا ذريتهم
واظهر فى بلدة اجمير شعائر
الكفر و ابطل شعائر الاسلام
(والعياذ بالله) فغضب الله تعالىٰ على
اهل الارض غضبا شديدًا ورأيت
صورة هذا الغضب متمثلة
فى الملاء الاعلى ثم ترشح الغضب إلىّ
فرأيتنى غضبانا من جهة نفث من تلك
الحضرة فى نفسى لا من جهة ما
يرجع الىٰ هذا العالم وانا ساعتئذٍ
فى جمع غفير من الناس منهم الروم
منهم الاتراكه ومنهم العرب
بعضهم ركبان الابل و بعضهم
فرسان و بعضهم مشاة على اقدامهم
واقرب ما رأيت شبهًا بهولاء الحجاج
يوم عرفة ورأيتهم غضبانًا لغضبى وسالونى
ماذا حكم الله فى هذه الساعة قلت فك
كل نظام قالوا الى متى قلت الى ان
ترونى قد سكت غضبى فجعلوا يتقاتلون
بينهم و يضربون اليهم فقتل منهم
كثير وانكسرت رؤس ابلهم و
شفاههم ثم انى تقدمت الى
بلدة اخر بها واقتل
اهلها فتبعونى فى ذلك
وكذلك خربنا بلدة بعد
بلدة حتى وصلنا

گویا ایک آلہ اور واسطہ بناتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ کفار کا
راجہ (یا بادشاہ) مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہوگیا ہے، اور ان کے
اموال کو اس نے لوٹ لیا، ان کی عورتوں و بچوں کو گرفتار
کرلیا، اور شہر اجمیر میں اس نے کفر کے شعائر کا اعلان کردیا شعائر
اسلام کو اس نے مٹا دیا (خدا کی پناہ) پھر اس کے بعد یہ دیکھا کہ
زمین کے باشندوں پر حق تعالیٰ غضب ناک ہوئے، اور سخت غضبناک
اور میں نے حق تعالیٰ کے اس غصہ کی صورت کو ملاء اعلیٰ میں
متمثل ہوتے ہوئے دیکھا، پھر وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی الٰہی
غیظ میرے اندر اترا، پھر میں نے اپنے آپ کو غضبناک
پایا، اور یہ غضب جو مجھ میں بھر گیا تھا حضرت الٰہیہ کی طرف
سے مجھ میں دم کیا گیا تھا، اس کا منشا کوئی ایسی چیز نہ تھی جسکا
تعلق اس عالم سے ہو، اور میں نے اس وقت اپنے کو ایک بڑے
مجمع میں پایا جس میں روم والے بھی تھے اور ازبکی (ترک) بھی اور
عرب بھی اور بعض ان میں اونٹوں کے سوار تھے، اور بعض
اسپ سوار اور بعض پیدل قریب قریب اس گروہ کی حالت
ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے عرفہ کے دن حجاج کی ہوتی ہے
پھر میں نے ان لوگوں کو بھی اپنے غضب ناک ہونے کی وجہ
سے غصہ میں بھرا پایا، ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس
وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے میں نے کہا کہ "ہر نظام اور
آئین کو توڑ دینا" یہی حکم ہے۔ انھوں نے دریافت کیا، یہ
حال کب تک رہے گا، میں نے کہا کہ اس وقت تک جب تک
تم میرے غصہ کو ٹھنڈا ہوتا ہوا نہ پاؤ، پھر وہ باہم آپس میں
لڑنے لگے، اور جانوروں کو مارنے لگے، پھر ان میں بہت سے
مارے گئے، اور ان کے اونٹوں کے سر ٹوٹے اور لب چرے گئے
پھر میں ایک شہر کی طرف اسے برباد کرتے ہوئے اور اس کے
باشندوں کو قتل کرتے ہوئے آگے بڑھا، لوگ میرا ساتھ
دے رہے تھے، یوں ہی ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کو تباہ کیا

الا جمیر و قتلنا هنالک الکفار واستخلصناها منهم و سبینا ملک الکفار ثم رأیت ملک الکفار یماشی مع ملک الاسلام فی نفر من المسلمین فأمر ملک الاسلام فی اثناء ذلک بذبحه فبطش به القوم و صرعوه و ذبحوه بسکین فلما رأیت الدم یخرج من اوداجه متدفقا قلت الآن نزلت الرحمة و رأیت الرحمة والسکینة شملت من باشر القتال من المسلمین و صاروا مرحومین فقام الیّ رجل و سألنی عن المسلمین اقتتلوا فیما بینهم فتوقفت عن الجواب و لم اصرح ف۹-۹

کرتے ہوئے ہم بالآخر اجمیر پہنچ گئے، اور وہاں ہم نے کفار کو قتل کیا، پھر ہم نے کفار کے بادشاہ کو دیکھا کہ وہ اسلام کے بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کے ایک گروہ میں ساتھ ساتھ چل رہا ہے اتنے میں..............

اسلام کے بادشاہ نے کفار کے بادشاہ کے متعلق حکم دیا کہ اسے ذبح کر دیا جائے، لوگوں نے اسے پکڑ کر دے ٹپکا پھر ایک چھری سے اسے ذبح کر دیا، میں نے جب دیکھا کہ اس کی گردن کی شہ رگوں سے خون اچھل اچھل کر نکل رہا ہے تب میں نے کہا کہ اب رحمت نازل ہوگئی اور میں نے دیکھا کہ یہ جو مسلمانوں میں لوگ جنگ میں شریک تھے ان کو اس رحمت وسکون نے احاطہ کر لیا اور ان پر رحم کیا گیا پھر ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر میرے پاس آیا اور ان مسلمانوں کے متعلق پوچھا جو باہم لڑتے تھے میں جواب میں خاموش ہوگیا اور کوئی تصریح میں نے نہ کی

شاہ صاحب عام طور پر اپنے خوابوں کے آخر میں تاریخ درج نہیں کرتے لیکن اس خواب کی تاریخ لکھی ہے-اسی طرح ایک اور خواب جس کا ذکر آئندہ آئے گا، اس میں بھی انھوں نے یہی کیا، بہرحال اس خواب کی تاریخ انھوں نے یہ درج کی ہے،

رأیت ذلک فی لیلة الجمعة الحادیة والعشرین من ذی القعدہ ۱۱۴۴ھ

میں نے یہ خواب شب جمعہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ میں دیکھا

شاہ صاحب کی اس خواب کی تعبیر پانی پت کی مشہور تاریخی جنگ

ٹھیک اس تاریخ سے ۲۹ سال بعد یعنی ۱۱۷۳ھ میں اپنی وفات سے تین سال پہلے اسی شخص نے جس نے گزشتہ بالا واقعات کو خواب میں دیکھا تھا، اپنے سر کی آنکھوں سے وہی شخص ایک اور واقعہ دیکھتا ہے جس میں بجائے "اجمیر" کے اگر دلی کا لفظ شامل کر دیا جائے تو تقریباً جو کچھ خواب میں دیکھا گیا تھا بیداری میں "کفلق الصبح" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر اسی کا معائنہ کرایا گیا، اس سے میرا اشارہ پانی پت کے مشہور فیصلہ کن معرکہ کی طرف ہے جو تاریخوں میں "مرہٹہ اور ابدالی کی جنگ" سے موسوم ہے، چونکہ ہندوستانی تاریخ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ واقعہ یا اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مذکور ہے اس لیے تفصیل کی تو یہاں گنجایش نہیں ہے لیکن

...المتأخرین جو تقریباً تمام اگلی تاریخوں کی ماخذ ہے، اسی سے بعض جستہ جستہ فقرے یہاں نقل کیئے جاتے ہیں۔

خواب اور بیداری کے واقعات کا انطباق

میں نے جو یہ کہا کہ بجائے "اجمیر" کے دلّی فرض کی جائے یہ بھی محض فرض نہیں ہے، بلکہ ہندوستان سے "خالص اسلامی مرکز" کو کفر کے احاطہ میں چونکہ دکھانا مقصود تھا اور دہلی کو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے جس طرح اسلامی بادشاہوں نے اسے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، ہندوؤں کا اندر پت "ہستنا پور" دلّی ہی کے کھنڈروں میں موجود ہے اور آج "رائے سینا" بھی دلّی ہی کے اطراف میں آباد ہے، علاوہ اس کے دلّی" زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کا مرکز تھی، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ اسلام کا سب سے پہلا مرکز تو وہی ہے جہاں سے ولی الہند (یا بقول عوام ہندالولی) حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

کردا زہ "اجمیر" کار انبیا بے کتاب و بے ہرلیں و مدد

اور یہ تو ان کیلئے کہہ رہا ہوں جو نہیں دیکھتے ہیں، پر جو اس محسوس نظام کو کسی غیر محسوس نظام کے ساتھ وابستہ رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ "اجمیر" کا تعلق ہندوستان کے محیط سے کیا ہے، خیر کسی وجہ سے بھی سہی، آپ "اجمیر" کی جگہ "دلّی" پڑھ لیجئے اور اس کے بعد مورخین نے "ابدالی" اور "مرہٹوں" کی اس فیصلہ کن جنگ کا جو حال لکھا ہے اسے پڑھیئے، پھر اندازہ کیجئے کہ ۱۱۴۴ھ میں جو کچھ خواب میں دیکھا گیا تھا کیا اسی کا ۱۱۷۳ھ میں مشاہدہ نہیں کرایا گیا، شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے میں نے دیکھا کہ ملک الکفار مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہو گیا اور ان کے اموال کو اس نے لوٹ لیا اور ان کی ولایت پر قبضہ کر لیا" طباطبائی لکھتے ہیں،

در ذیحجہ سال مذکور ۱۱۷۳ھ قلعہ (لال قلعہ) بدست بہاؤ افتاد و حرم سرائے شاہی و جمیع کارخانجات سلطنت باختیار مرہٹہ رفت" ذالک تقدیر العزیز العلیم" ص ۹۱۲ ج ۳

نویں ذیحجہ ۱۱۷۳ھ میں لال قلعہ بہاؤ (سپہ سالار مرہٹہ) کے قبضہ میں چلا گیا، اور شاہی حرم سرا کے ساتھ سلطنت کے تمام کارخانے مرہٹوں کے تصرف میں آ گئے۔ یہ عزیز علیم کا نوشتہ تھا

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اجمیر شہر پر اس کا قبضہ ہو گیا اور کفر کے شعائر کا اس نے اعلان کیا اسلامی شعائر کو ختم کر دیا" طباطبائی کے الفاظ یہ ہیں:-

بہاؤ قلعہ داری شاہجہاں آباد بنارو شنکر برہمن تفویض کرد و جمعے را بحراست قلعہ ہمراہ او کرد۔

بہاؤ (سپہ سالار مرہٹہ) نے شاہ جہاں آباد (دہلی) کی قلعہ داری نارو شنکر برہمن کے سپرد کر کے ایک فوجی دستہ کو قلعہ کی حفاظت کے لیئے اس کے ساتھ چھوڑ دیا۔

اس سلسلہ میں "بہاؤ" جب یہ چال چلا، کہ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیئے اودھ کے شجاع الدولہ کو اپنے ساتھ ملا

ے ممکن ہے علمائے ظاہر یا متحزبین تقطعوا امرھم بینھم زبرا، پر میری یہ گفتگو گراں گزرے وہ باوجود "حنفی صابری" ہونے کا دعوے رکھنے کے اس بلدہ پاک سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے یا نہیں رکھتے جو حضرت شاہ صاحب کو اپنے اس خواب میں "اسلامی مرکز" کے رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ مگر میں کیا کروں جو پاتا ہوں اس کا اظہار کرتا ہوں اپنے ان محسنوں کو کیسے بھول جاؤں جنکو صدقہ میں ایمان و اسلام کا حصہ ملا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

مرزوم ہے اور مولوی غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک شاگرد بستھن کو اس مہم پر شجاع الدولہ کے پاس بھیجا تو اس وقت شجاع الدولہ نے جو جواب دیا وہ مرہٹوں کی بھی اور شاہ صاحب کے خواب کی بھی کامل شرح ہے، شجاع الدولہ نے جواباً کہا

ازمدتے براہمہ دکھن برہندوستان مسلط شدہ اند رواداِ آبرو، و رفاہ و اسائش احدے از خلق خدا نیستند

ایک زمانہ سے دکن کے برہمن ہندوستان پر مسلط ہوگئے ہیں، اور یہ لوگ خلق اللہ میں سے کسی کے آرام و آسائش اور فراغبالی کے روادار نہیں ہیں۔

اور آخر میں ان جابرہ دکن کی اس عجیب خصوصیت کا اظہار کیا ہے:۔

ہمہ را برائے خود و اقوام خود می خواہند مردم از دست ایشاں بجاں آمدہ۔

سب کو اپنے لیئے اور اپنی قوم کے لیئے محکوم بنانا چاہتے ہیں، لوگ اُن کے ہاتھوں جاں بلب ہیں،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا مجھے تو شاہ صاحب کے خواب سے غرض ہے، یعنی مسلمانوں پر ملک الکفار کے غلبہ کو جس شان سے انھوں نے دیکھا تھا آپ دیکھ رہے ہیں کہ بن وعن وہی صورت پیش آرہی ہے "لال قلعہ" پر جس وقت مرہٹوں کا قبضہ ہوا ہے، "نہب اموال" (لوٹ مار) میں کس حد تک وہ پہونچے تھے اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ

دنائت وتنگ چشمی بھاؤ بمرتبہ بود کہ سقف دیوان خاص پادشاہی را کہ از نقرہ میناکار بود کندہ مسکوک ساخت وطلا آلات، و نقرہ آلات مزار اقدام نبوی و مقبرہ نظام الدین معروف اولیا، مرقد محمد شاہ مثل عود سوز و شمع دان و قادیل وغیرہ طلبیدہ مسکوک نمود (سیر المتاخرین ص۹۱۲)

بھاؤ کی پست نظری اور تنگ چشمی اس حد کو پہونچی گئی تھی کہ دیوان خاص کی چھت جس کی میناکاری چاندی سے کی گئی تھی اس کی سب چاندی کو کھرچ کر اس نے سکہ بنا لیا، اور طلائی آلات چاندی کے ظروف جو قدم رسول کی زیارتگاہ اور حضرت نظام الدین کے مقبرہ و محمد شاہ کے مرقد میں تھے مثلاً عود سوز، شمع دان، قندیل وغیرہ کو اس نے سکہ بنالیا۔

مرہٹوں کی اس تنگ نظری کا ذکر آزاد بلگرامی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

رسوم حقداران دہات مثل مقدم و پٹواری و نجار و گاذر و حجام وحداد وغیرہم را ضبط نمودہ

دیہات کے رسوم کے پانے حقدار مثلاً مقدم پٹواری بڑھی دھوبی، حجام، لوہار سب کے حقوق کو ضبط کر لیا تھا،

اور صرف "ضبط" نہیں کیا گیا، بلکہ ان سب کو بھی ٹھیکہ پر لگا دیا گیا

بمستاجران دادہ مبالغ خطیرے ازیں وجہ داخل خزانہ حرص او شد

ٹھیکہ داروں کو (یہ حقوق دے دیئے گئے تھے) اور بڑی بڑی رقمیں اس راہ سے ان کے حرص کے خزانہ میں داخل ہوتی تھیں۔

حالانکہ ہر دیہات کے یہ رسوم تقریباً ہزار ہا ہزار سال سے چلے آتے تھے اور اب بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں

ان معنوی حقوق پر کسی نے دست اندازی نہیں کی ہے، نقطۂ نظر کے اس اختلاف کا کیا علاج ہے کہ طباطبائی صاحب تو "ضائقت چشمی" پر محمول کرتے ہیں لیکن حسن ظن سے کام لینے والے ہی کو "معاشی مہارت" اور "اقتصادی بلند نظری" سے تعبیر کریں گے میر غلام علی صاحب نے اسی "ملک الکفایہ" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

بالاجی راؤ با آں اقتدار کہ سلطنت ہندو دکن بدستش آمدہ بود نان باجرہ می خورد و نان گندم خوش نداشت بادنجان خام و انبہ خام و کرسنہ خام برغبت تمام خوردہ۔

بالاجی راؤ اس اقتدار کے باوجود کہ دکن اور ہندوستان کی سلطنت پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا باجرے کی روٹی کھاتا تھا اور گیہوں کی روٹی اسے اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی کچے بیگن، کچے آم کرسنہ[1] خام ان سب چیزوں کو بڑی رغبت کھاتا ہے

ان عجیب و غریب خوراکوں، اور عجیب و غریب باتوں کا ظہور جب اس زمانہ میں ہوا، تو کتنوں نے اسے نفس کشی کی عجیب مثال قرار دیا لیکن واقعہ میں یہ نفس کشی ہے یا نفس پرستی؟ میر غلام علی کو تو ان حرکات کے پیچھے جو چیز نظر آتی تھی وہ ان ہی کی زبانی سنیئے، ممکن ہے کہ آپ کو یا مجھے اس سے اتفاق نہ ہو، لیکن بطور نقل اس کے ذکر میں کیا حرج ہے فرماتے ہیں۔

چوں اصل پیشہ براہمہ گدائی ست و در کیش ہندواں مقرر شدہ کہ صدقات را بہ براہمہ باید داد طباع آں قوم نسلاً بعد نسلٍ بدریوزہ گری معتاد شدہ ست، طماعی و ابن الغرضی لازم ماہیت برہمنی گردیدہ بنا بریں باوجود حصول مرتبہ سلطنت و امارت شیوۂ گدائی از طینت آں ہا بدر نمی رود

چونکہ برہمنوں کا اصل پیشہ دریوزہ گری ہے ان کے دھرم کی مانی ہوئی بات ہے کہ ہر قسم کے دان پن برہمنوں ہی کو دیئے جائیں اس کی وجہ سے نسلاً بعد نسلٍ اس قوم کی سرشت میں ابن الغرضی بطور لازم ماہیت کے شریک ہو گئی ہے اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کے درجہ تک پہنچنے کے بعد

بھی ان کی فطرت سے شیوۂ گدائی الگ نہ ہو سکا۔

خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ

ہر محتاجے کہ بحکام و متصدیان براہمہ مذکور رجوع کند نظراں ہا ہمیں کہ برائے ما چہ آوردہ وہر چہ بر سر وور او باشد کشیدہ گرفتہ بر آمد کار او حوالہ بعالم می کنند

کسی قوم کا کوئی حاجتمند جب ان مذکورہ بالا برہمنوں کے حکام اور کارندوں کی طرف رجوع کرتا ہے تو ان حکام اور کارندوں کی نظر اسی پر ہوتی ہے کہ ہمارے لیے وہ کیا لایا ہے

جو کچھ اس بچارے کے پاس ہوتا ہے اسے بھی گھسیٹ لیتے ہیں اور اس کے کام کو دنیا کے حوالہ کرتے ہیں

آخر میں داد دیتے ہوئے ایک شعر بھی درج فرماتے ہیں :-

بدست خلق عالم کاسہ دریوزہ می بینم گدا چوں بادشہ گردد گدا سازد جہانے را

(یعنی میں دنیا کی مخلوق کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ ہی دیکھتا ہوں، گدا جب بادشاہ ہو جائے تو سارے جہان کو گدا بنا کر رہتا ہے)

خدا جانے میر صاحب طب کے ماہر تھے یا نہیں لیکن اس کے بعد انھوں نے جو لطیفہ درج کیا ہے ممکن ہے کہ اطبا اس کی تصدیق کریں فرماتے ہیں، ان عادات و اطوار کی ایک دوسری توجیہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ

---

[1] کرسنہ کو بہار میں کھساری کہتے ہیں مثلث شکل خاکی رنگ کا اناج ہے ۱۲

مدار غذائے آنہا خواہ غنی باشد یا فقیر بر دال تور است و با ایں دال جلے از روغن کہ آں را در ہندی کیھار گویند نمی کنند و از خارج نیز روغن بکار نمی برند کہ بیوسنش را اصلاح نماید و احیاناً اگر کسے بخورد اقل قلیل مرتبہ ایست کہ گویا نخوردہ و مرچ سرخ و حلتیت و زرد چوبہ ہم در ماکولات شان بسیار استعمال می شود مرچ سوائے انچہ در پختن داخل نمودہ اند ہنگام خوردن با طعام نیز بافراط می خورند لہذا نطفہ اینہا پشت بر پشت از ماکولات مذکورہ متکون می شود (خزانہ عامرہ میر غلام علی آزاد صفحہ ۴۲)

ان کی خوراک کا دارمدار خواہ امیر ہو یا فقیر صرف تور دا(ل) کی دال پر ہو، اس دال کے ساتھ روغن ڈال کر تڑ(کا) ... ہے جیسے ہندوستان میں بگھار کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس دا(ل) دال کے ساتھ نہیں کرتے علاوہ اس کے باہر سے بھی روغ(ن) اس میں شریک نہیں کرتے تاکہ اس کی خشکی کی کچھ اصلاح ہ(و) کبھی اگر کوئی روغن ڈالتا بھی ہو تو اس کی مقدار اتنی قلیل (ہو) ہو کہ گویا اس نے روغن کا استعمال نہیں کیا، اسی طرح لال مر(چ) اور ہینگ ہلدی بھی ان کے کھانوں میں بہت مستعمل ہی۔ لا(ل) مرچ کو پکاتے وقت تو کھانے میں شریک کرتے ہی ہیں، اس سوا جب کھانا کھانے لگتے ہیں اس وقت بھی بکثرت لال مرچ کو چباتے ہیں، اسی لیئے ان کی نسل پشتہا پشت سے اسی قسم کی خوراکو(ں) سے تیار ہوتی چلی آ رہی ہی

خیر یہ تو اس قوم کی چند خصوصیات کا ایک ضمنی ذکر ہی چونکہ اس زمانہ میں اسی کی تعبیر سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی سے کی جاتی ہی، اور جو قومیں نسلہا نسل سے نہ ان خوراکوں کی عادی ہیں نہ اس طرز زندگی کی ان سے جب اسی قسم کے لبا(س) اسی قسم کے کھانوں کا مطالبہ کیا جاتا ہی تو وہ گھبراتی ہیں کچھ دن ساتھ دیتی ہیں، اور پھر پیچھے ہٹ جاتی ہیں، مقصود یہ ہی کہ اس کے حقیقی اسبا(ب) کی طرف بھی موقع سے اشارہ کرتا چلوں ورنہ اصل گفتگو تو شاہ صاحب کے خواب سے متعلق ہو رہی تھی یعنی خواب میں جس شان سے دیکھا گیا تھا ٹھیک ان ہی خصوصیات کے ساتھ ملک الکفار مسلمانان ہند پر مستولی ہو گیا، اور ان کے مرکزی مقام پر اس نے قبضہ کر لیا تھا، خواب کے دوسرے اجزا کے متعلق بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہی کہ اچانک احمد شاہ ابدالی غازی کا ہندوستان پر جو حملہ ہو(ا) اور مرہٹہ تحریک پانی پت کے میدان میں ہمیشہ کے لیئے ختم ہو گئی، کہا جاتا ہی اور مورخین لکھتے ہیں کہ اس حملہ پر احمد شاہ کو خو(د) ہندوستان کے امیروں اور نوابوں نے عرضداشت بھیجکر آمادہ کیا تھا جیسا کہ طباطبائی کا بیان ہی۔

نجیب الدولہ و راجہائے ہندوستان از دست مرہٹہ و عماد الملک بجاں آمدہ زوال دولت و ملک خود از دست بردِ مرہٹہ برای العین مشاہدہ نمود عرائض استدعا بخدمت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ خواہاں ورود او در ہند شدند۔

نجیب الدولہ اور ہندوستان کے مختلف راجواڑے مرہٹو(ں) اور عماد الملک کے ہاتھوں جاں بلب ہو کر دیکھنے لگے کہ ا(ن) کی حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل کر مرہٹوں کے قبضہ میں جا رہی ہی اپنی آنکھوں سے یہ تماشا ان کو نظر آ رہا تھا تب انھوں نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں عرائض لکھ کر بھیجے اور اس بات کے خواہشمند ہوئے کہ شاہ ابدالی خود ہندوستان پہنچ(ے)

ؔ اس مرچ سرخ کے متعلق میر صاحب نے ایک اور عجیب خبر سنائی ہے فرماتے ہیں "دو سہ بست سال کہ قدم آں از بسر زمین ہندوستان رسیدہ مردم ہندوستان ہم استعمال مرچ سرخ آموختند پیش تر رواج ایں مرچ در بیت المال ہندوستان نبود" (خزانہ عامرہ صفحہ ۴۲) واللہ اعلم بالصواب کہا(ں) جس طرح ایک حکومت کے زیر اثر ہندوستان کے ہر گھر میں پہونچی ہے یہی حال اس مرچ سرخ کا بھی ہی؟ ۱۲

مرہٹوں نے جب شجاع الدولہ کو ابدالی کی رفاقت سے روکنے کے لیے اپنے سفیر بھیجے، تو اس کے جواب میں بھی شجاع الدولہ نے بھی کہا تھا جس کا کچھ ذکر پہلے بھی آیا ہے یعنی۔

مردم از دست شاں بجاں آمدہ برائے پاس ناموس آبروئے خود وننگ علمائے شاہ ابدالی را بمنت از ولائت طلبداشتہ وصدمات اسباب نسبت ایذائے مرہٹہ سہل انگاشتہ

لوگوں کا مرہٹوں کے ہاتھوں ناک میں دم آگیا ہے اپنی عزت و آبرو اور دنیا کی آسائش و امن کے لیے ابدالی کو خوشامد بر آمد کرکے ولایت سے بلا لیا گیا ہے اور ابدالی سے جو نقصانات پہونچیں گے انھیں مرہٹوں کی مصیبت کے مقابلہ میں سہل خیال کرکے ایسا کیا گیا

لیکن یہ تو باہر والے دیکھ رہے تھے پر بارگاہ الست کے دور بینوں، کو انتیس سال پہلے ہی دکھا دیا گیا تھا کہ یہ "ان ربک لبالمرصاد"، "کا سوط عذاب" تھا جو بھیجا۔

اذا اکثروا فیہا الفساد | جب لوگ زمین پر بگاڑ اور فساد کو (بھلائی اور خیر پر) بڑھا دیتے ہیں

کے موقعہ پر قدرتی قانون کے تحت ظاہر ہوتا رہتا ہے لوگوں نے "الغازی الابدالی" کو خدا کا ہاتھ خیال کیا، لیکن اس عالم محسوس کے پیچھے بھی جو نظام ہے، وہاں کسی اور نے اپنے آپ کو

جعلنی کالجارحۃ | مجھے خدا نے بمنزلہ ایک آلہ اور عضو کے قرار دیا۔

کی شکل میں پایا، باہر والوں نے نجیب الدولہ، شجاع الدولہ، دوندے خاں، رحمت خاں اور آخر میں ان سب کے ساتھ "ابدالی" کے قلوب کو غصہ سے معمور پایا، لیکن اندر والے نے اس کو باہر سے نہیں، بلکہ اس غضب کی آگ کو "اندر" سے بلکہ "باطن الباطن" سے بھڑکتے ہوئے ملاء اعلیٰ تک اور ملاء اعلیٰ سے خود اپنے اندر پہونچتی ہوئی محسوس کیا، جیسا کہ فرماتے ہیں۔

فغضب اللہ علی اہل الارض غضباً شدیداً ورائیت صورۃ ہذا الغضب متمثلۃ فی الملاء الاعلیٰ ثم ترشح الغضب الیٰ فرأیتنی غضباناً۔

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر سخت غصہ کے ساتھ غضب ناک ہوا اور میں نے اسی غصہ کو ملاء اعلیٰ میں متمثل ہوتے ہوئے پایا وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی غصہ مجھ میں اُترا پھر میں نے اپنے آپ کو بھی غضب ناک پایا۔

اور یہی آگ تھی جو غیب سے چل کر بالآخر پانی پت کے میدان میں بھڑکی، اور جن پر خدا کا غضب تھا وہ اس میں بھسم ہوئے، باہر والوں نے "پانی پت کی آخری جنگ" کا مرد میدان احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا، لیکن آج سننے والے سُن رہے ہیں کہ اس سلسلہ میں اپنے "قائم الزماں"، کسی اور کو دکھایا گیا تھا۔

شاہ صاحب نے اس خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ خود اس معرکہ میں مسلمانوں نے بھی مسلمانوں کو قتل کیا تھا اور ان مسلمانوں کے متعلق ان سے پوچھا بھی گیا تھا جس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، کون نہیں جانتا کہ مرہٹوں کی اس جنگ میں مسلمانوں کی بھی ایک جماعت بطور نوکروں کے مرہٹوں کے ساتھ تھی ان میں حضرمی عرب بھی تھے اور ہندوستانی مسلمان بھی، خصوصاً توپ خانہ کا سردار تو آج تک ابراہیم گاردی کے نام سے مشہور کہ جو "با دوازدہ ہزار بندوق چقماقی و توپہا بضابطہ فرنگ مرہٹوں کے ساتھ تھا اور اسی نے ایک مدت تک توپوں کی زنجیر بندی کرکے مرہٹوں کو سانس

لینے کا موقع دیا اور تعجب ہی کیا اور کیوں ہو، کیا آج بھی مختلف رنگوں میں یہی تاریخ نہیں دہرائی جا رہی؟

شاہ صاحب نے یہ بھی دیکھا تھا کہ پوچھنے والوں نے پوچھا کہ "خدا کا حکم اس وقت کیا ہے؟" تو آپ نے فک کل نظام[1] (اس وقت ہر قسم کے نظم کو ختم کر دینا چاہیئے) فرمایا تھا ظاہر ہے کہ جس وقت پانی پت کی یہ جنگ ہوئی ہندوستان کے تقریباً بڑے بڑے نواب اور امیر اپنی اپنی حکومتوں کو چھوڑ کر آخری فیصلہ کے لیے میدان میں اتر آئے تھے، حتیٰ کہ دلی میں بھی کوئی نظام حکومت باقی نہ تھا اور جب تک "غضب الٰہی" کا ظہور رہا اس وقت تک کوئی نظام قایم نہ ہو سکا، شاہ صاحب نے یہ بھی دیکھا کہ ملک الکفار پکڑا گیا، اور ذبح ہوا۔ طباطبائی واقعات کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کشتوں کے پشتے لگنے لگے

توسرداران اوّل بسواس راؤ ولیسر بالاجی راؤ کہ شہزادہ ان ہا بود در عین شباب بزخم تفنگ آہنگ صحرائے عدم نمود	تو اعلیٰ درجہ کے مرہٹے سردار اور بالاجی پیشوا کا بیٹا بسواس راؤ جو مرہٹوں کا شاہزادہ تھا عین جوانی کے دنوں میں بندوق کے تیر سے عدم کو صحرا کی طرف روانہ ہوگیا۔

ہاشمی صاحب اپنی تاریخ ہند میں ناقل ہیں کہ بھاؤ نے دلی پہونچکر چاہا تھا کہ اپنے بھتیجے (یعنی اسی بسواس راؤ پسر بالاجی) کو تخت پر بٹھا کر یہ اعلان کر دے کہ اب مالک ہند کی شہنشاہی مرہٹہ برہمنوں کی ملکیت ہے"۔ لیکن پھر جنگ کے فیصلہ تک اعلان کے خیال کو ملتوی کر دیا۔"

بہرحال تخت شاہی پر بٹھائے جانے والا بسواس بھی اور بٹھانے والا بھاؤ بھی اسی جنگ میں ختم ہوئے۔ طباطبائی ان دونوں کے ذکر کے بعد ایک طویل فہرست درج کرتے ہیں آخر میں لکھتے ہیں:۔

واز سرداران نامور غنیم احدے جاں بسلامت نہ برد مگر دو سہ کس	دشمن کے نامور سرداروں میں کوئی اپنی جان بچا کر نہ بھاگ سکا مگر صرف دو تین آدمی

خواب میں "ملوکانہ اقتدار کے ان مظاہر کو بلکہ شہزادہ آں ہا جس کی بادشاہت کا گویا صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا اگر اسی کو خواب میں

رئیت الدام یخرج من اوداجه متدا فقا	میں نے دیکھا کہ اس کی شہ رگ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے

کی شکل میں دیکھا گیا تو مثالی اور ناسوتی تعلقات کے جاننے والے کیا تعبیر کی تکمیل میں شک کر سکتے ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ جب تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ

بعد از وقوع ایں شکست فاحش بالاجی ہم غصہ مرگ گشتہ پس از پنج ماہ و سیزدہ روز نوزدہم ذیقعدہ سال مذکور بہ پسر و برادر خود ملحق گشت۔	اس فاش شکست کے بعد بالاجی (یعنی پیشوا جو مرہٹوں کا عالی بادشاہ تھا) وہ بھی موت کے غصہ کا شکار ہو گیا پانچ مہینے تیرہ روز بعد انیسویں ذیقعدہ کو اسی سال وہ بھی اپنے لڑکے اور اپنے بھائی (بھاؤ) کے ساتھ جا کر مل گیا

[1] ہمارے ایک اشتراکی مزاج دوست نے جو اسلامی نظام کو بھی ایک قسم کا اشتراکی نظام یا قریب الی اشتراکیت سمجھتے ہیں نہ معلوم کہاں سے نقل فرمایا ہے کہ شاہ صاحب نے عالم رؤیا یا مکاشفہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا یعنی انقلاب کا حکم دیا۔ غالباً اس کو ارشاد نبوی ٹھہرانے میں ان کو سہو ہوا ہے ۱۲ منہ

تو پھر بغیر "تاویل" کے شاہ صاحب کا خواب "کفلق الصبح" بن جاتا ہے، بلکہ خواب میں "ملک الکفار" کا بعد ان جنگ میں قتل ہونا، اور بعد کو "ملک الاسلام" کے ساتھ ساتھ چلنا، اس کے یہی معنی ہیں، کہ ہر طرف سے گھر جانے گویا قیدیوں کے مانند ہونے کے بعد پھر بھی کچھ دن وہ "ملک الاسلام" کے ساتھ رسوائی و ذلت کی زندگی گذارے گا، اور بالآخر ختم ہو جائے گا یہاں ایک نکتہ قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ خواب ذیقعدہ ہی میں دیکھا تھا اور بالاجی راؤ کا انتقال بھی ذیقعدہ ہی میں ہوا۔

درمیان میں ایک خاص چیز جس کی طرف شاہ صاحب نے اجمالاً لیکن بلیغ فقرہ میں اشارہ فرمایا ہے وہ اپنے غیظ وغضب کے متعلق آپ کا یہ جملہ ہے کہ

نفثت من تلک الحضرۃ فی نفسی لان جھتھا یرجع الی ھذا العالم	حضرت (الہیہ) کی طرف سے یہ غصہ مجھ میں پھونک دیا گیا ہو کہ اس کا منشا کوئی ایسی چیز تھی جس کا تعلق اس عالم سے ہو،

یہ بڑے پتہ کی بات ہے کہ ایک حمیت، و غیظ و غضب تو وہ ہوتا ہے جس کی محرک (مثلاً) اپنی کوئی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس میں مومن و کافر سب ہی شریک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں، لیکن اس حمیت اور غصہ کا غلط کے یہاں بھی اجر ہے یا اس کا شمار "حمیت الجاہلیۃ" میں ہے بہت زیادہ محل غور و تامل ہو سکتا ہے، اسی کی تعبیر حضرت نے کم از کم میرے نزدیک "لا یرجع الی ھذا العالم" سے فرمائی ہے لیکن ایک حمیت و غیظ وہ ہے جس کی بنیاد "الحب للہ والبغض للہ" کی نہ ہلنے والی چٹان پر قائم ہے، یہی محبت و غیرت، اور یہی غیظ و غضب وہ ہے جس کی پیدا کردہ دعا، و ہمت اور سلاح و زاری سے غیب اور غیب الغیب تک کے دوائر میں جنبش پیدا ہو جاتی ہے، سچ پوچھئے تو حمیت کی یہی "للہی" رگ جب کسی کی پھڑک اٹھتی ہے اور اس مقدس محرک سے جب کسی کے خون میں جوش آتا ہے "تو اکثر بیوہ زن" کی آہ بھی "برکند عالمے" کا تماشا دکھاتی ہے اکثر شبگیر نالوں کا یہی شور ہوتا ہے جو "المنتقم الجبار" کی انتقامی شانوں کو برسر کار لا کر ملاء اعلیٰ و اسفل میں تلاطم پیدا کر کے کتنے ابدالی اور کتنے حافظ الملک۔ دوندے خاں اور نجیب الدولہ کی شکل عالم ناسوت میں اختیار کرتا ہے، حالانکہ کام کسی کنج نشین کا دل شکستہ کرتا ہے لیکن تاریخ والے ان واقعات کو ان ہی ناسوتی مظاہر اور شہادتی قوالب کی طرف منسوب کرتے ہیں، نالوں کی بے تاثیری کے شکوہ کرنے والے چاہیں تو حضرت شاہ صاحب کے اس عمیق لیکن مختصر اشارہ ہی سے اپنی ہدایت کی شمع روشن کر سکتے ہیں، اور جو مشکلات کی گرہوں کو دماغ کے زور سے کھولنے میں جب بے بس ہو جائیں تو دل کی قوت سے بھی وہ امداد حاصل کر سکتے ہیں بہرحال اس کے بعد شاہ صاحب نے دیکھا کہ یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح و برباد کرتے ہوئے "ہم اجمیر پہونچ گئے" "ادیبوں کو اٹھا کر پڑھیے، ٹھیک اسی شان کے ساتھ ابدالی اور ان کے رفقاء شہروں کو فتح کرتے ہوئے "اسلامی مرکز" یعنی دہلی پہونچ گئے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ملک الکفار" کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں پر رحمت و سکینت نازل ہوئی، اور ان پر خدا کا رحم ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس "فتح" کے بعد یہی لوگ جن کا مال چھینا گیا، اور جن کی شاہی حرم سرائیں کفار کے قبضہ میں آگئی تھیں، وہی غنیم کی فوج سے

دو ہزار غلام و کنیز کہ اکثرے از اولاد و احفاد سرداراں	دو ہزار غلام اور لونڈیاں جن میں اکثر بڑے اور

ستو سلطان بوکه در عسکریان ابدالی تقسیم یافت، و غنائمے که در احاطه و انحصار نمی گنجد از جواہر و نقود و اجناس دیگر و توپ خانه و پنجاه ہزار اسپ و دو لاکھ گاو و چندیں ہزار شتر و پانصد فیل و دیگر بدست عساکر منصوره افتاد صـ ۱۱۴

اوسط درجہ کے لوگوں کی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اہل لشکر میں تقسیم ہوئیں، اور جواہر و نقد و پیہ، اور دوسری قسم کی چیزیں توپخانے وغیرہ کے ذیل کی بے شمار مال غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ پچاس ہزار گھوڑے، دو لاکھ بیل اور کئی ہزار اونٹ پانسو ہاتھی کوہ پیکر کامیاب اور فتحمند فوج کے قبضہ میں آئے

شاہ ابدالی کا ایثار اور اس کا رازہ

اس تاریخی معمہ کا حل بھی شاہ صاحب کی اس رویا رصادقہ میں اگر لوگ چاہیں تو تلاش کر سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ کرنے دھرنے کے بعد شاہ غازی ابدالی انار اللہ برہانہ نے

ثانزدہم شعبان سال مذکور از باغ شالہ مار دہلی بقصد قندھار بکیال ہمت زیر عنان کشیدہ و کلمہ مراجعت قندھار نمود۔

اسی سال کی ۱۶ شعبان کو دلی کے شالامار باغ سے ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو کر قندھار کا ارادہ فرمالیا، اور اسی طرف پلٹ گئے۔

اور بخوشی و رضا شاہ ابدالی نے

سلطنت برائے شاہ عالم و وزارت بنام شجاع الدولہ و امیر الامرائی بنام نجیب الدولہ مقرر فرمود۔

سلطنت کو شاہ عالم کے نام، وزارت شجاع الدولہ کے نام اور امیر الامرائی نجیب الدولہ کے نام مقرر فرما کر (خود قندھار چلد یئے)

لوگ حیران ہیں کہ اتنے بڑے براعظم پر اتنی عظیم کامیابی و فتح مندی کے بعد ابدالی کا ملک کو شاہ عالم ہی کے سپرد کر کے قندھار جیسی معمولی حکومت کی طرف واپس ہو جانے کا کیا راز تھا؟ حضرت شاہ صاحب کا وہی فقرہ کہ یہ جو کچھ تھا کسی اور عالم کی بات تھی،

لا ما یرجع الی ھذا العالم | اس کا تعلق اس دنیا کے قانون سے نہ تھا۔

اگر صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ تو اس کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی غازی ابدالی قدس اللہ سرہ نے اپنے دین کو دنیا، اور اپنے خدا کو بت بنانا نہیں چاہا جن کے اندر "ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان"، "والاخرۃ خیر و ابقی" کا یقین راسخ نہیں ہوا ہے، اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ان کو اعتماد کامل میسر نہیں ہوا ہے ورنہ اس کی توثیق و تکمیل کے بعد یقیناً ان کو بھی وہی نظر آ سکتا ہے جو ابدالی مؤثر الآخرۃ علی الدنیا کو نظر آیا تھا، لیکن "رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمأنوا بھا"، جن کا انتہائی مبلغ علم حیوان کی فہم سے پیچ ہے کہ یہ بات بعید ہی نہیں بلکہ ناممکنات کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ او سچ تو یہ ہے کہ محمدی معجزوں میں اگر کوئی چاہے تو اس "ایثار ابدالی"، کو بھی شریک کر سکتا ہے،

خیر یہ واقعہ بھی گزر گیا، اس فتنہ کا شباب بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی زندگی میں ہوا، اور اس دنیا سے

انہ ہو سلطنت پہلے اپنے خواب کی تعبیر بھی انھوں نے دیکھ لی، لیکن جن مسلمانوں کے "مکاسب ایدی" اور قرمشتی اعمال نے مرہٹوں کی شکل اختیار کی تھی، باوجود سب کچھ دیکھنے کے کیا ان میں کوئی تغیر پیدا ہوا تھا؟ حضرت شاہ صاحب کا کاشفہ کہ مسلمانوں اور اسلام پر "ملک الکفار" کی جانب سے جو مظالم ہو رہے تھے اسی سے

غضب اللہ تعالیٰ علی اھل الارض غضبا شدیداً۔	زمین والوں پر حق تعالیٰ سخت غصہ کے ساتھ غضبناک ہوئے۔

کا ظہور ہوا تھا، واحسرتاہ دیا ویلاہ کہ "غیب میں جس اُمت کی یہ ناز برداریاں ہیں آہ کہ اس کی بے نیازیاں ہیں سچ پوچھئے تو کوئی کمی نہیں یا بہت کم کمی واقع ہوئی تھی، وہ ایسی بہشتی اعمال کو "صورت نا ذ" بھی قرار دیتے تھے وہ سکھی اور مرہٹی فتنوں کو خدا کی تنبیہ بھی سمجھتے تھے، لیکن باوجود سب کچھ سمجھنے کے کچھ نہیں سمجھتے تھے سب کچھ دیکھنے کے نہیں کچھ نہیں سوجھتا تھا، فطرتیں مسخ ہو چکی تھیں، دلوں پر رین اور زنگ چھایا ہوا تھا، دیکھتے تھے اور نہیں دیکھتے تھے سنتے تھے اور نہیں سنتے تھے، سننے والے بہرے اور دیکھنے والے اندھے اُن میں زیادہ پیدا ہو چکے تھے۔ وہ "قدسی روح" جو ن بجھتے ہوئے چراغ کو آخری دفعہ سنبھالا دینے کے لئے "غیب" سے ہندوستان کے مسلمانوں کو دی گئی تھی وہ چیخ رہی تھی، چلا رہی تھی، لیکن ان میں کم تھے، جو اس نقار خانہ، میں طوطی کی اس آواز پر کان رکھتے، میری مراد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ سے ہے، ان کی مختلف کتابوں میں ان کی چیخ پکار کی شورشیں اس وقت تک بند ہیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا "پیغام" کیا تھا، مختلف طریقوں سے وہ مسلمانوں پر پیش کیا جاتا تھا لیکن ان میں علم بافوں، کتاب بازوں اور معارف فروشوں کا ایک گروہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ غلطی ہوئی اور بڑی غلطی ہوئی کہ شاہ ولی اللہ کو بھی ان ہی پیشہ وروں میں سے ایک خیال کیا گیا حالانکہ وہ ہر بات میں ان سے جدا تھا، اس کی آواز سب سے نرالی تھی لیکن اس کی تعبیر اس میں باقی تھی بطور نمونہ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک پیغام کا ترجمہ درج کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ "لیلاً ونہاراً" "اسراراً وجہاراً" جس امر کی دعوت دے رہے تھے وہ کیا تھا؟ "تفہیمات الٰہیہ کے جامع نے ایک جگہ اسکو بھی درج کر دیا ہے میں اسی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں کیونکہ اصل عبارت کے نقل کرنے میں طوالت ہو گی، عربی کے جاننے والے عربی میں پڑھ سکتے ہیں۔ خدا جزائے خیر دے مجلس علمی ڈابھیل کو جس نے ان چند سالوں میں ان گراں بہا دفینوں کو وقف عام کر دیا ہے۔ بہر حال منجملہ تفہیمات کے ایک طویل تفہیمی مقالے کے بعض اجزا یہ ہیں، جس میں مسلمانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کو ان کے موجودہ حالات پر تنبیہ کر کے آپ نے اصلاح کی راہ سجھائی ہے، مثلاً

سلاطین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اُس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے، اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں، اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے

جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں قاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے اور "دین" صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمھیں چاہیئے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو، اور خدا کے حدود کو قایم کر سکتا ہو، اور اہیں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں، اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو، اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے۔ ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے۔ چاہیئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ سے اپنے متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو،

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہیئے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو، جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو، اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں، ہر سرکش و متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو ——— اے بادشاہو! جب تم یہ کر لوگے، تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی، کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ، اور ایسا کر دو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے، جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں:۔

اسلامی امیروں کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں،

اے امیرو! دیکھو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے، ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تا کہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے ہیں ——— کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے۔ تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لیے کھڑے کیے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے اور شرابیں ڈھالی جائیں، جوا کھیلا جائے، لیکن تم انہیں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو چھین لیتے کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی، جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو، اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری کاری

ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکوانتے رہو، اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اُٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی، کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے ہیں؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں، اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کر دے یعنی زمانہ کے انقلاب کی تعبیر ہے۔

فوجی سپاہیوں کو خطاب،

اے فوجیو! اور لشکریو! تمھیں خدا نے جہاد کے لیے پیدا فرمایا تھا مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوئی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے لیکن جس کام کے لیے تم پیدا کیئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے اب جو تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو: اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اپنی دولت میں اس سے اضافہ کرو، اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہوئے ــــ تم شرابیں پیتے ہو، بھانگ کے پیالے چڑھاتے ہو، داڑھیاں منڈولتے ہو، اور مونچھیں بڑھاتے ہو عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو۔ حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہونچتی، ــــ خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس کیئے جاؤ گے پھر تمھیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، ــــ تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہوکہ اچھے پارسا صالحین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو، چاہیئے کہ اپنی داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کتراؤ، پنجوقتہ نماز ادا کیا کرو، اور عام لوگوں کو مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو تمھیں چاہیئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انھیں سیکھ لو مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا، سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا ــــ پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو اور اپنی نیتوں کو درست کر لو، اور اللہ تعالےٰ تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمھیں فتح عطا فرمائے گا۔

عام پیشہ وروں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہوگیا ہے تم اپنے رب کی عبادت سے خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدار اور سالار کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے یہی انکی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور بانا اختیار کرتے ہیں، خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں، ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہو وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے

تم میں بعض صرف شراب خواری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں، اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بدبخت آدمی ہے، اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لیے مختلف قسم کے پیشے، اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ جو تمہیں آسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہونچا دے ــــ لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا ہی برا بچھونا ہے،

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو، اور دن کے بڑے حصہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو اور رات اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو، اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی مسکینوں کی مدد کیا کرو اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لیے پس انداز بھی کیا کرو۔

تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا۔ تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے،

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد، اس زمانہ کے عام طلبۂ علم، وعظ و واعظوں، زاہدوں کو بھی آپ نے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے، مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اے وہ لوگو جو اپنے آباد اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گزشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بنٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے، اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی اُسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے، اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے۔ اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھیرائے ہوئے ہے۔ حالانکہ در اصل وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے، ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے کچھ وصول کریں؟ ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

آمدہ میں اُن لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے (اللہ و رسول) کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بٹ مار اور راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں کذابوں فتانوں اور اُن لوگوں میں ہے، جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار رہیں۔

خبردار! خبردار!! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب، اور رسول کی سنت کی طرف دعوت

نہ دیتا ہو، اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور چاہیئے کہ زبانی جمع خرچ صوفیہ کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے، لوگو! دیکھو! کیا تمہارے لیئے اللہ تبارک وتعالےٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے

ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السُّبُل فتفرق بکم عن سبیلہ	یہ میری راہ سیدھی، تو اس پر چلے چلو، اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گی.

پھر اس زمانہ کے طلبہ علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:—

ارے بدعقلو! جنہوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف ونحو ومعانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے. یا سنت ثابتہ قائمہ کا،

چاہیئے کہ قرآن سیکھو! پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اسکے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضو کرنے کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لیئے کس طرح جاتے تھے اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے کیا قاعدہ تھا، گفتگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہیئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہیئے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو، اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن ان دنوں جن چیزوں میں تم اُلجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ یہ دنیا کے علوم ہیں،

پھر ان ہی طلبہ کو فرماتے ہیں:-

جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اسی لیئے واجب ہے کہ اسکو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو، لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں، اور لوگوں کو ناندازِ ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو،

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے، کہ علما کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں، جو علما سے خالی ہیں، اور جہاں علما پائے بھی جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جنھوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کو سوا ہی معیار پر پورا نہیں اترتا گویا دین سے وہ خارج ہے اس گروہ میں زیادہ تر زہاد، عبّاد اور وعاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے اس لئے عنوان کا آغاز ان ہی سے کیا گیا ہے فرماتے ہیں۔

"دین میں خستگی اور تنگی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور واعظوں، عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں ——— کہ یہ جبراً اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے، ہر بُری بھلی بات، ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو دائرہ رحمت محمدیہ اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہونچاؤ گے، نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دوگے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو، جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس بھی کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھدی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے ——— تم نے وسواس کو اپنے لئے گوارا کر لیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے ——— حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیئے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے، بس اس کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسانی خالص امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی، اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی،

چاہیئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے، کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہونچایا ہے وہی صرف ہدایت ہے جو آپ کی ہدایت ہے، پھر تم کیا بتا سکتے ہو کہ جن افعال کو تم کرتے ہو، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کیا کرتے تھے"

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے فرماتے ہیں۔

"میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں اے آدم کے بچو! دیکھو! تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آز کا ہوکا سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں، اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لئے خوش گوار بنا لیا ہے اور حلال تمہارے لئے بدمزہ ہو چکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی

اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہیئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمھیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو، جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اُٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کروگے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہونچ جائیں گے، اللہ تعالےٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اُٹھائیں جیساکہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہیئے کہ کمانوں سے کرو، اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو، کہ ان کو مانگ مانگ کر کھایا کرو، تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ تمہارے لیئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو خدا تمھیں معاش کی بھی راہ سجھائے گا، جو تمہارے لیئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو، جس میں وہ آرام سے رہے اتنا پانی جس سے سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو اور اس کے رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو تو یاد رکھو! کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے۔ چاہیئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے، اور اللہ کی یاد کے لیئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے کم از کم تین وقتوں، صبح، شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور سے خیال رکھے، حق تعالےٰ کی یاد، اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لیئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشورا کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو، اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو اور مُردوں کے لیئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو اسی طرح اور بھی بُری بُری رسمیں تم میں جاری ہیں، جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بُری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھیرا لیا ہے، یوں ہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو، اور جو صحت بخش رسومی

اسے چھوڑ بیٹھے ہو،

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دُنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں، خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قایم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضایع نہ ہوتیں، تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجتمند لوگ نہیں ہوتے، اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں، ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لیئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصًا جو فوجی ملازم ہیں، کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے ساتھ روزہ نہیں رکھ سکتے ـــــ تم کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے اور تم حکومت کے سینہ پر بلا عجد بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجایش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے، سپاہیو یہ تمہاری کیسی بُری عادت ہے، ـــــ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو روزے رکھتے ہیں، لیکن سحری نہیں کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں،

آخر میں فرماتے ہیں:۔

ملاء اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور کے متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے، لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے اور ڈھیر کیلیئے اس کا نمونہ کافی ہے۔

میں نے قصدًا شاہ صاحب کے ان دعوتی پیغاموں کا ترجمہ پیش کیا ہے جس سے اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کے ہر طبقہ کی ہندوستان میں کیا حالت ہو چکی تھی، نیز اسی سے حضرت شاہ صاحب کے اندرونی جذبات و احساسات کا بھی سُراغ مل سکتا ہے، کہ ان کی نگاہیں کہاں کہاں تھیں اور کن کن چیزوں کو دیکھ رہی تھیں، جو لوگ اُن کی کتابوں کو حنفیت و شافعیت، تقلید و عدم تقلید یا صرف تصوف و کلام سے متعلقہ مباحث تک محدود خیال کرتے ہیں، ان کے لیئے بھی ان تقریروں میں تنبیہ ہے، چاہیئے کہ شاہ صاحب کے خدمات کی قیمت لگاتے ہوئے ذرا زیادہ بلند نظری سے وہ کام لیں،

خلاصہ یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے تکوینی طور پر بھی مسلمانان ہند کو مسلسل الارم دیا جا رہا تھا، اور تشریعی حیثیت سے پیغمبروں کے صحیح جانشینوں کو اُٹھایا جا رہا تھا، جو انھیں بار بار چونکا رہے تھے، جگا رہے تھے، لیکن وہ اپنی جگہ کچھ فیصلہ کر چکے تھے، ان کے بڑوں، اور چھوٹوں نے مرنے کا تہیہ کر لیا تھا،

ادھر مرہٹوں کا نازک ترین مرحلہ محض اللہ کے رحم وکرم سے طے ہوگیا تھا چاہیئے تھا کہ آنکھیں کھلجاتیں ن شاہ صاحب کے جو کچھ مطالبات تھے، اُن میں سر مو فرق نہ ہوا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں فساد کے ایک قومہ کی جڑ نکل چکی تھی، بلکہ سچ یہ ہے کہ شاہ غازی ابدالی نے سکھوں کی قوتوں پر بھی مختلف ضربیں ایسی لگائی تھیں پنجاب کے مسلمان اگر چاہتے تو وقفہ کی ان گھڑیوں میں جاگ سکتے تھے، لیکن وہ اسی طرح سوتے رہے جیسے پہلے تھے، گویا ان کو کالا سونگھ گیا تھا،

آخر قدرت کے تو بھی قوانین جو اٹل ہیں، وہ بھی کام کرتے رہے، ادھر ان اندرونی فتنوں کی شدت میں ھ کمی ہوئی لیکن شمال مشرق اور جنوب مشرق کے ساحلی کناروں سے وہی قوم جس کے متعلق مسلمانوں کے اہل ت کبھی یہ لکھا کرتے تھے کہ

نگریز بر وزن رنگریز، نوع ست از نوع انسانی کہ گاہ گاہ بہ کنارہ دریا ظاہر می شود۔

انگریز کا لفظ رنگریز کے وزن پر ہے، یہ انسانی نوع کی ایک قسم ہے جو کبھی کبھی سمندر کے کنارے نمایاں ہوتی ہے

توان ہی دنوں میں جب پانی پت کے میدانوں میں مرہٹوں کا فیصلہ ہو رہا تھا، قدرت کسی اور فیصلہ انتظام کر رہی تھی، بنگال کے ناظم سراج الدولہ کی فوج لارڈ کلیف (المشہور بہ کلایو) کے اس شبخون حملہ سے ل از دست رفتہ ہو چکی تھی، جس میں غالباً پہلی دفعہ چقماقی بندوقوں کے چلانے والوں کو کارتوسی گولیوں کا تجربہ ہوا تھا طباطبائی نے لکھا ہے کہ کلایو اور اس کے ساتھی

ساعتے از شب باقی ماندہ انگریز از کشتی فرود آمدہ از طرف پشت لشکر تفنگ افگناں داخل شدند و فاصلہ در تفنگ نداده قدم بقدم راه می پیمودند و گولہ تفنگ چوں تگرگ بابر سر لشکریان سراج الدولہ می بارید۔

کچھ رات رہے بہت سے انگریز کشتی سے اُتر کر سراج الدولہ کی فوج کے پشت کی طرف سے بندوقیں سر کرتے ہوئے اس کی فوج میں گھس گئے وہ باڑھ مارنے میں وقفہ نہیں دیتے تھے، اور مسلسل مارچ کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے تھے اور بندوق کی گولیاں اولوں کی طرح سراج الدولہ کے فوجیوں پر برس رہی تھیں

ظاہر ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں کو "گولہ تفنگ چوں تگرگ" کا پہلی دفعہ تجربہ ہوا تھا، وہاں نہ ڈھال کام آتی تھی، نہ نیزہ، نہ تلوار، اور نہ اس کے ہاتھ اور بینت سے نتیجہ یہ ہوا کہ

مشاہدہ ایں دست خبر کہ نمونہ محشر دراں معسکر آشکارا ونمایاں گشتہ بود دل از دست رفتہ اضطرابے وہراسے عظیم در خاطر جا گرفت۔

اس بھاگ دوڑ میں جو قیامت کا نمونہ سراج الدولہ کی چھاؤنی میں قایم ہوگیا تھا، لوگوں کے دل قابو سے نکل گئے۔ دلوں میں سخت خوف اور ہراس نے جڑ پکڑ لی

اگرچہ یہ واقعہ "پانی پت" کے سانحہ سے تین سال پہلے پیش آیا تھا، لیکن تفنگ چوں تگرگ کے مقابلہ کی ہندی سپاہیوں میں پھر کبھی ہمت نہ ہوئی اور بالآخر "پلاسی" کے مشہور میدان میں اس لیئے کہ

میر جعفر خاں و دیگراں کہ باعث ایں فساد و خواہاں شکست سراج الدولہ بودند از دور بطرفیکہ متعین بودند استادہ تماشا سے می نمودند۔

میر جعفر خاں اور دوسرے لوگ جو اس فساد کے بانی مبانی تھے اور سراج الدولہ کی شکست کے آرزومند تھے، جس مقام پر متعین تھے دور ہی سے کھڑے اس تماشے کو دیکھ رہے تھے

جو مقدر تھا وہ پورا ہوا، اپنے نمک حرام طوطا چشم ملازم میر جعفر کا قیدی سراج الدولہ محمدی بیگ سے جو اس کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ

آیا راضی نمی شوند کہ در گوشہ افتادہ زندگی کنم۔

کیا (میر جعفر وغیرہ) اس پر بھی راضی نہیں ہیں کہ کسی گوشہ تنہائی میں پڑا ہوا زندگی گزار دوں؟

لیکن اس کے باپ اور نانا کے نمک پروردہ محمدی نے سر ہلایا،

و ضربتے چند بر ہیکل نازنین او زد بر روی زمین افتاد و گفت بس است کہ کار من تمام شد و انتقام بانجام رسید

اور چند وار اس کے نازنین ہیکل پر اس نے کیے، وہ زمین پر گر پڑا، اور بولا بس کرو میرا کام تمام ہو گیا اور انتقام اپنے آخری انجام کو پہونچ گیا۔

وہی مرشد آباد جہاں بنگال و بہار و اڑیسہ کے اس مطلق العنان خود سر بادشاہ کی سواریاں شاہانہ تجمل و شکوہ سے روز نکلا کرتی تھیں آج اس کی

لاش او را بر ہودج فیلے انداختہ بطور تشہیر در شہر گردانیدند

لاش ایک ہاتھی کے ہودج پر ڈال کر بطور تشہیر شہر میں پھرائی گئی

اور میر جعفر کی کھال اوڑھ کر کرنل کلیف (کلایو) اور اس کے جانشینوں نے کمپنی بہادر کے نام سے سرزمین ہند پر اس تخت کو بچھا دیا، جو آج تک بچھا ہوا ہے

ہندوستان کے مسلمانوں کو الغازی الابدالی جس شاہ عالم اور شجاع الدولہ کے سپرد کر کے خود قندھار روانہ ہو گئے تھے حضرت شاہ صاحب کی وفات کے تقریباً دو سال بعد کلایو نے بمقام الہ آباد مشہور

فرمان اسناد دیوانی ہر سہ صوبہ بنگال بہار اڑیسہ بنام کمپنی از وزیر (شجاع الدولہ) و بادشاہ (شاہ عالم) درخواست ..... و چار و ناچار قبول نمودہ بر وفق خواہش او فرامین اسناد نوشتہ دادند۔

تینوں صوبے بنگال بہار اڑیسہ کی دیوانی کی سند کمپنی بہادر کے نام وزیر (شجاع الدولہ) اور بادشاہ (شاہ عالم) سے چاہی، اور چار و ناچار دونوں کو قبول کرنا پڑا اور کلایو کی خواہش کے مطابق اسناد کی فرامین لکھے گئے۔

اتنے بڑے بڑے صوبوں کی کل مالگذاری جو بیس لاکھ مقرر ہوئی اور چالیس ہزار سالانہ ناظم بنگالہ کا اخراجات کے لیے طے ہوئے۔ اور

قبولیت بمہر کمپنی کہ دست آویز تعہد مال گزاری ہست داخل دفتر پادشاہی گردید،

کمپنی کے مہر کے ساتھ قبولیت نامہ جو مالگذاری کے معاہدہ کی دستاویز تھی بادشاہی دفتر میں داخل ہوئی۔

بقول طباطبائی اتنا اہم کام اتنی آسانی سے انجام پاگیا۔

کہ ہیچ وشترائے خربار بردار، وچار پائے رہوار ہم پائیا زودی بدون تکرار یکسوئی می شود، انفصال وانقطاع یافتہ	کہ کسی بوجھ لادنے والے گدھے، اور کسی چوپایہ کی خریداری بھی اتنی جلدی بغیر کسی ردوکد اور تکرار کے طے نہیں ہوتی لیکن یہاں (اتنا بڑا معاملہ) طے پاکر ختم ہوگیا،

" تو تی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء" کی پھر ایک تفسیر گنگا جمنا کے سنگم پر لکھی گئی، شاہ عالم نام کو ہندوستان کے بادشاہ تھے، لیکن کرنل اسمٹ جوان کی نگرانی کے لیئے الہ آباد میں چھوڑا گیا تھا اس کا حال یہ تھا کہ

از صدا ہائے نقارہ ونوبت خانہ پادشاہی کہ در قلعہ بود کابیے ناخوش گشتہ نواختن نوبت شاہی را مانع می شد ومردم نقارخانہ ناچار ممنوع از عمل خود بودند	بادشاہی نوبت خانے کے نقارہ کی آواز سے ناخوش ہوتا تھا اور نقارہ کے بجانے میں مانع ہوا، نقارخانہ والے مجبوراً رک گئے۔

سچ ہے ؎ تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کبھی اپنی شب دراز میں

ان ٹھیکہ داروں کی نزاکت دماغ کے اب کیا کہنے تھے ع غنچہ چٹکا تو کہا سر میں دھمک ہوتی ہے۔

فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون،

ظاہر ہے دین کا وہ دیوانہ مسلسل پچاس ساٹھ سال سے آسمان کے ان بدلے ہوئے تیوروں کا اندازہ کر رہا تھا اس کی اندرونی تڑپ اور بے چینی کبھی کبھی ابدالی اور حافظ الملک رحمت خاں، شجاع الدولہ اور میر قاسم کی شکلیں بن بن کر نمایاں ہوتی تھیں، لیکن جن کیلئے وہ تڑپتا تھا وہ تو سوتے ہوتے تھے، کیا کرتا، کب تک اپنے جگر کے نالوں کو آسمانوں تک لے جاتا، آخر عمر میں جب وصیت نامہ ترتیب دینے لگے تو جہاں اور باتیں لکھیں ان میں سب سے زیادہ دردناک وصیت وہ ہے جسے پڑھکر کلیجہ کانپ اٹھتا ہے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے عاصمہ (پایہ تخت) میں بیٹھ کر اسلامی سلطنت کا ایک عالم لکھتا ہے اور حالات نے جو رخ پلٹا تھا ان کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آبائے ما بالغربت افتادہ اند، وصیت نامہ صلہ	ہم لوگ اجنبی مسافر لوگ ہیں ہمارے باپ دادے اس ملک میں بحالت مسافرت وغربت ہی یہاں داخل ہوئے

زادہ پھر وہی حالت واپس ہوگئی)

حضرت کے کلام اور مختلف کتابوں سے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اپنی قوم کی اس حالت کا خاص اثر تھا، وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر یہی لیل ونہار ہیں تو اس ملک میں اب دین اور اہل دین کا بس خدا ہی حافظ، اور اب اس میں شک کی گنجائش ہی کیا باقی تھی، جو کچھ ہونیوالا تھا، اس کی صبح بلکہ صبح سے بھی زیادہ روشنی طلوع ہوچکی تھی، قوم کی تقدیران پر واضح ہوچکی تھی، اور آج ہی نہیں بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ۱۱۴۳ھ میں جب آپ کی عمر تو تیاً

سال کی تھی، اچانک آپ کا سفرِ حجاز کے لیئے آمادہ ہو جانا، اور ایسے زمانہ میں اس خطرناک ارادہ پر عمل کر گزرنے کی ٹھان لینا جب بحرِ عرب اور بحرِ ہند و بحرِ احمر کے تمام سواحل پرتگیزی و لندیزی قزاقوں اور فرانسیسی و انگریزی تاجر صورت ملک گیروں کی بحری ترکتازیوں کے جولانگاہ بنے ہوئے تھے، علانیہ حاجیوں کے جہاز لوٹے جاتے تھے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں بلکہ ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، یوں بھی شمالی ہند سے جنوبی ہند کے علاقوں کو طے کرکے سورت کی بندرگاہ تک پہونچنا آسان نہ تھا، خشکی میں ہر جگہ خصوصاً صوبجات متوسط اور مالوہ گجرات جو بندرگاہ کے راستہ پر واقع تھے مرہٹوں کی شورشوں کی جولانگاہ بنے ہوئے تھے، تاہم شاہ صاحب راہ کی ان تمام دشواریوں کے باوجود عزمِ حجاز کو پورا کرکے رہے۔ راستہ کا حال یہ تھا کہ رات کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی میں بھی چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب "یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب" کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے، جس کے یہ معنے ہیں کہ گویا ایسے آدمی کا بچکر خطرہ سے نکل آنا ایک اعجوبہ روزگار بات تھی، بہرحال میرے نزدیک علاوہ حج و زیارت اور دوسرے مقاصد کے ایک بڑا محرک جیسا کہ آئندہ بھی اس پر کچھ بحث کی جائے گی مسلمانانِ ہند کے تاریک مستقبل کا احساس بھی تھا جس کی امت سرزمینِ ہند میں اس حال میں گرفتار ہونیوالی تھی کچھ ان تک خبر پہونچ چکی تھی، اور جہاں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں وہاں بھی کچھ عرض کرنا چاہتے تھے، اسی سلسلہ میں ان کو مکہ معظمہ میں وہ خواب دکھلایا گیا جس کا ذکر گزر چکا، اور مدینہ منورہ میں یہ سرفرازی نصیب ہوئی کہ خود ختمی مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست اس بشارت سے مفتخر فرمایا کہ

ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من شمل الامة المرحومة بک صہ ۶۲ فیوض	تمہارے متعلق خدا کا ارادہ ہو چکا ہے کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعہ سے کی جائے

میرے خیال میں یہ ہندوستان ہی کی امت مرحومہ تھی، جس کی پراگندگیوں کی تنظیم کا کام ایک خاص الہی تدبیر حضرت اور حضرت کے دودمان اور "ذریات طیبات" سے لیا گیا، اس مضمون کو کسی آئندہ مناسب مقام پر ذرا تفصیل سے انشاء اللہ عرض کروں گا، بالفعل یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب شاہ صاحب ہندوستان کو چھوڑ چکے تھے اور ایک دوسری صورت بھی آپ کے سامنے تھی، یعنی اپنی اس مسافرت اور غربت کا ازالہ جس کا احساس انھیں اس ملک میں ہو چکا تھا تو یوں بھی تو کر سکتے تھے کہ بجائے غربت اور مسافرت کی مصیبت کے ملک حجاز ہی میں وہ رہ پڑتے۔ کیونکہ گو ان ممالک کی خیر بھی نظر نہیں آرہی تھی، اور مسلمان جن علاقوں کو ابتک اپنا وطن سمجھ رہے تھے مستقبل کی گھڑیوں پر نظر رکھنے والے وہاں بھی "ان کی غربت" اور "مسافرت" کو دبے پاؤں آتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن پھر بھی،

جو ہجرت کرکے بھی جائیں تو اب شبلی کہاں جائیں   کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیروان کب تک

کی حالت پیدا نہ ہوئی تھی، بالخصوص سرزمینِ حجاز تو ترکی اور مصری سلطنتوں کے بیچ میں بہت کچھ قابلِ بھروسہ تھی اس مقدس ملک میں آپ کو قیام کا بھی کافی موقعہ ملا۔ مختلف مقامات میں آپ کو مختلف اشارے بھی ہوتے رہے اور طرح طرح کے مکاشفے مختلف رنگوں میں ہوئے، مگر ان میں کسی جگہ بھی آپ کو اس کا ایما نہ کیا گیا، کہ ہندوستان تک واپسی کا

ارادہ ترک کردو، یہی نہیں بلکہ آپ کے بعض متوسلوں نے ہندوستان کی ان حالتوں کو دیکھ کر جب چاہا کہ حجاز سے واپس نہ ہوں، اور وہیں رہ پڑیں اور مشورۃً شاہ صاحبؒ کو اس بارہ میں خط لکھا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ

واما عزم ترک الرجوع الی الوطن فلا تستعجلوا به حتی یشرح اللہ صدرکم او صدر رجل لاجلکم (مکاتیب حیات ولی صلہ ۲۹)

اور یہ ارادہ کہ وطن کی طرف اب واپس نہیں ہونا چاہیئے تو اس پر اصرار نہ کرو، جب تک خود تمہارا سینہ نہ کھل جائے۔ یا کسی اور شخص (یعنی خود شاہ صاحبؒ) کو شرح صدر تمہارے لیئے نہ ہو جائے

بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "امت مرحومۃ" کے جس طبقہ کے "شمول" کے "اجتماع" کی آپ نے بشارت پائی تھی اس کے لیئے بہرحال اسی "عالم غربت" میں مرنا اپنے لیئے پسند کرتے تھے، حتٰے کہ حالات جب روز بد سے بدتر ہوتے چلے جارہے تھے اور آپ کو اس کا یقین ہو گیا، کہ اب اس ملک پر مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی، اور بہرحال غیر اسلامی قوتوں کا اس پر اقتدار قایم ہی ہو جائیگا، تو اب چاہئے آپ اسے اپنے دل کی تسلی خیال کیجیئے، یا جہاں اور بہت سی چیزیں انھوں نے "غیبی اشارات" کے تحت لکھی ہیں، اس کا بھی اعلان کسی گمان غالب کے تحت میں نہیں بلکہ یقین و اعتقاد کی صورت میں کیا ہے،

والذی اعتقد انہ ان اتفق غلبۃ الھنود مثلا علی اقلیم ھندوستان غلبۃ مستقرۃ عامۃ وجب فی حکمۃ اللہ تعالٰی ان یلھم رؤساءھم التدین بدین الاسلام صلہ ۱۰۳

اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ ہے کہ اگر مثلاً ہندوں کا ہندوستان کے ملک پر تسلط قایم ہو جائے اور یہ تسلط مستحکم اور ہر پہلو کے اعتبار سے ہو جب بھی اللہ تعالٰی کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندوؤں کے سرداروں اور لیڈروں کے دل میں یہ الہام کرے کہ وہ دین اسلام کو اپنا مذہب بنالیں

غالباً آپ کی یہ تحریر "پانی پت" کے تقدیری فیصلہ سے پہلے کی ہے اور اسی لیئے خاصکر اسی قوم کے تسلط کے خیال کو انھوں نے تمثیل کی شکل میں پیش کیا ہے۔ بہرحال ہندوستان کے متعلق

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ان کا نظریہ بلکہ عقیدہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ غالباً اس نظریہ کے موجد اول بھی وہی ہیں کیونکہ انھیں نے لکھا ہے کہ "کما الھم الترک"، یعنی جیسے ترکوں کو قبول اسلام کی الہامی توفیق ہوئی اور جو اسلامی جھنڈے کو سرنگوں کر رہے تھے خود اس کے آگے سرنگوں ہو کر صدیوں اسلامی علم کے دنیا میں تنہا علم بردار رہے،

لیکن باوجود اس خیال کے کہ "غربت و مسافرت" کی حالت میں بھی سرزمین ہند کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے اس کا خیال کبھی نہیں پکایا کہ بجائے عرب کے اپنا مرکزی تعلق بھی ہم ہندوستان ہی سے قایم کرلیں، اپنی اسی وصیت میں شدت کے ساتھ اصرار لکھتے ہیں،،-

ما را لابد ست کہ بجر ہیں محترہیں روئیم و روئے خود را بداں آستانہا مالیم۔	ہم مسلمانوں کے لیئے ناگزیر ہے کہ حرمین محترمین ہم جایا کریں اور اپنے چہروں کو اُن آستانوں پر جا کر ملا کریں،

اور آخر میں ذو ٹوک قطعی فیصلہ کی صورت میں ارقام فرماتے ہوئے نظریۂ "وطنیت" کی جو واقعی جڑ ہے اُس پر تیر لگاتے ہیں:۔

سعادت ما ایں ست و شقاوت ما در اعراض ازیں	ہماری سعادت اور کامیابی اسی میں ہے اور ہماری بدبختی و شقاوت اس مسلک سے روگردانی اور اعراض کرنے میں ہے

کس قدر عجیب بات ہے، آج "ہندی قومیت"، "انڈین نیشنلٹی" کی راہ کا جو سب سے بڑا کانٹا خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمان جسم کو اپنے تو رکھتے ہیں ہندوستان میں لیکن دل اُن کا رہتا ہے مکہ اور مدینہ میں۔ کہا جاتا ہے اور علانیہ کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ ڈوری کاٹ نہیں دی جائیگی اس ملک میں "صحیح وطنیت" کا جذبہ کبھی بار آور نہیں ہو سکتا اور سچی بات بھی یہی ہے، کہ وطن پرست ہی نہیں بلکہ ایک اچھے وطن دوست کے لیئے بھی یہ بات دُنیا کی نظر میں قابل تعجب ہو سکتی ہے اور ضرور ہو سکتی ہے کہ رہتا ہے وہ ہندوستان میں اور ہر تھوڑی دیر بعد وہ سر جھکاتا ہے اُس خطہ کی طرف، اُس ملک کی طرف، اُس سمت کی طرف، اور اُس قبلہ کی طرف جو ہزاروں میل دور کسی دیار ایک ریگستان میں ہے، "وطن پرستوں" کے نزدیک تو یہ طریقہ غلط اور اتنا غلط ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے لیکن وطن دوستوں کے ایک حلقہ میں بھی اس کی لاسعی کوشش جاری ہے کہ دونوں نظریوں میں تطبیق دی جائے اور "مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ" کے قدرتی قانون کو توڑ کر چاہا جاتا ہے کہ ایک ہی آدمی کے سینے میں دو دِل بنا دیئے جائیں، ــــ ایک الٰہ والے آخر کسی دوسرے الٰہ کا اضافہ اپنے معبودوں مطلوبوں مقصودوں میں کیونکر کریں۔

بہرحال جس کی جو سمجھ میں آرہا ہے کر رہا ہے اور ذاتی طور پر میں ان خیالات میں سے کسی خیال کی ترجیح کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کا خیال یہی تھا کہ مسلمانوں کی ساری سعادت اسی میں ہے کہ وہ اپنا مرکزِ حرم کی زمین پاک ہی کو بنائے رکھیں، اور ان کی پوری تحقیق یہی ہے کہ کسی حیثیت سے بھی وہ ان دونوں مقدس مقاموں سے الگ ہو جائیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی مختلف کتابوں کے مختلف مقاموں پر منجملہ چند کلی امور کے شاہ صاحب جس پر بالکل بے اختیار ہو کر بچھ جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ "مسلمان خواہ کسی ملک میں اپنی ابتلائی زندگی گزاریں لیکن بہرحال اپنی وضع قطع اور طرز بود و ماند میں اُن کو اس ملک کے مقامی باشندوں سے قطعاً جدا رہنا چاہیئے۔ اور جہاں کہیں رہیں اپنی عربی شان اور عربی رجحانات ہی میں ڈوبے رہیں، اسی وصیت میں فرماتے ہیں، اور اپنے اس خیال کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

عربیت نسب، عربیت لسان، ہر دو فخر ماست کہ	عربی نسل عربی زبان، یہ دونوں چیزیں ہمارے لئے فخر ہیں کہ

ما را بسید الاولین و الآخرین و افضل انبیاء و مرسلین و فخر موجودات علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات نزدیک می گردانند۔

انھیں دونوں نسبتوں سے ہم سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوٰت والتسلیمات سے نزدیک رہتے ہیں،

پھر اس کے بعد وہ صراحت کرتے ہیں کہ :-

شکر نعمت عظمیٰ آن ست کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اول کہ منشا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم است را از دست ندہیم۔

اس سب سے بڑی نعمت کا شکر یہی ہے کہ حتی الوسع عرب اول کے عادات و رسوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا ہے اس کو ہم اپنے ہاتھوں سے نہ چھوڑیں۔

شاید ہمارے ہی بعض حلقوں میں قیامت کا شور برپا ہو جائے گا اور ڈھنڈورا پیٹا جائے گا جب ان کو سنایا جائے گا
کہ یہی امام ولی اللہ جن کو ہندی نیشنلزم اور قومی پالیسی کے پہلے علمبردار لیڈر ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اپنی
اسی وصیت میں آگے فرماتے ہیں کہ

رسوم عجم و عادات ہنود را در میان خود نگذاریم

عجم (غیر عربی اقوام) کی رسمیں اور ہندوؤں کی عادتوں کو چاہیئے کہ ہم اپنے اندر کسی طرح باقی نہ رکھیں،

اب للہ مجھے بتاؤ کہ جب شاہ صاحب ہی کا نام لے کر مسلمانوں کو لباس، وضع قطع تک میں غیروں کے قدم بقدم چلنے
کا مشورہ دیا جائے اور مجھے اس پر حیرت اور غصہ ہو تو کیا قصوروار میں ہی ہوں ؟

انصاف ! انصاف !! اے اہل انصاف ! للہ انصاف !!!

اور اسی ایک جگہ نہیں "زی الاعاجم" (غیر عربی اقوام کے فیشن) کے متعلق "اباک اباک" کی صدا شاہ صاحب نے اپنے
کس کتاب میں نہیں لگائی ہے۔ آپ نے ایک مکتوب میں اس کا اندازہ کر کے کہ "وضع و قطع" یا "فیشن کی تبدیلی کا عارضہ
پہلے کھاتے پیتوں اور ان ہی لوگوں کو پکڑتا ہے جو تھوڑی بہت معاشی فراغبالی رکھتے ہوں جس کا شاہ صاحب کو تو
فقط اندازہ ہوا تھا، اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا تماشا کر رہے ہیں، اگرچہ اس زمانہ میں "امیروں" کی حقیقت پر "تعلیم یافتگی"
کی چادر اڑھا دی گئی ہے، اور جب ارباب ثروت و فراغت کا اب ذکر آتا ہے تو عموماً لوگوں کا ذہن پرانے جاگیرداروں،
اور زمینداروں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے؛ حالانکہ مدت ہوئی کم از کم مسلمانوں میں تو اس طبقہ کا گویا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور
اب ان کی جانشینی کا کام یہی لوگ انجام دے رہے ہیں، جو کسی نہ کسی حیثیت سے موجودہ حکومت کے متوسلین
میں ہیں، ان میں وہ سارے عوارض پیدا ہو چکے ہیں، جو عموماً امیروں اور امیرزادوں کے ساتھ خاص ہیں، لیکن ایک
لفظ "تعلیم یافتہ" بول کر خود وہی نہیں بلکہ دوسرے بھی ان کو امراء و اغنیاء کے جرگہ سے باہر کر دیتے ہیں، اور اب جو
کچھ امیروں کے متعلق سنایا جاتا ہے سمجھتے ہیں اور غلط سمجھتے ہیں کہ اس کا نشانہ "تعلیم یافتوں" کا معاشی وسعت رکھنے والا گروہ
نہیں ہے، بہرحال شاہ صاحبؒ نے اس خط میں چند خاص طبقات سے مکتوب الیہ کو پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی سلسلہ
میں فرماتے ہیں :-

فایاك... وھنی طارغ یتکلف بزی الاعاجم ویتدخل فی مضاربۃ الجماجم (ص ۲۹)
(منقول از حیات ولی)

خبردار! بچے رہنا، اس تونگر امیر سرکش سے جو غیروں (عجمیوں) کے فیشن کو زبردستی اختیار کرتا ہے اور جو لوگ صحیح راہ سے منحرف ہیں ان سے برابری اور مقابلہ کے میدان میں گھسا پھرتا ہے

موجودہ اصطلاح کے "تعلیم یافتوں" اور پرانے محاورہ کے تونگروں امیروں میں یہ دونوں خصوصیات کتنے بہتر طریقے پر پائی جاتی ہیں، لیکن شاہ صاحب بیچارہ کو کیا معلوم تھا کہ آئندہ دنوں میں اسباب غنا و ثروت تو اپنی امارت و تونگری کی وجہ سے بہ تکلف زبردستی غیروں کی ریس کرینگے، لیکن جو غربت کی وجہ سے اس مرض سے محفوظ رہیں گے، ان کے سر اُن ہی کی امامت اور قیادت کے نام سے غیروں کے لباس اور معاشرت کو منڈھنے کی کوشش کی جائیگی' فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس قصہ کو مختصر کرکے میں پھر اپنے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، یعنی بہر حال شاہ صاحب کے گزشتہ بیانات سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ان مصائب کو دیکھتے ہوئے بھی، اور اس کا بھی اندازہ لگاتے ہوئے کہ زوال کی یہ حالت ابھی دور تک جائے گی شاہ صاحبؒ نے "ہندوستان" چھوڑنے کا ارادہ کبھی نہیں فرمایا اور نہ کسی کو اس کا مشورہ دیا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے کروڑوں مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر محض اپنی تن آسانی کے لیئے ملک سے باہر نکل جائیں، گویا

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخاں   کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت

حالانکہ جب زندگی ابتلائی کشمکشوں ہی کا نام ہے، اور جو بھی جہاں کہیں بھی جس حال میں ہے وہ

ع —— "زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے" —— کی چیخ میں مبتلا ہے۔

حتیٰ کہ ایک ملک ایک مذہب، ایک رنگ، ایک معاشرت، رکھنے والا یورپ آج جن قیامت خیز مصیبتوں کا شکار ہے اس سے زیادہ کا تو شاید تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور آج کیا کب ایک صدی بھی بایں ہمہ اتحاد و اشتراک، و تعلیم و تہذیب رواداری اس ملک میں خون کی ندیاں نہیں بہی ہیں، سروں کو گردنوں سے نہیں اُڑایا گیا ہے لہٰذا کیا ہم مذہبوں نے خود اپنے مذہب والوں کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہیں کیا ہے، گھروں میں آگ نہیں لگائی ہے، مال و دولت کو تاخت و تاراج نہیں کیا ہے —— ہاں تو پھر تم خیر اُٹھ کے یہ خیالی منصوبے پکانا کہ یہاں سے چھوڑ کر دوسری جگہ جب چلے جائینگے تو عافیت نصیب ہوگی، اور جس آسمان کے نیچے یہاں ہیں کسی دوسری زمین میں وہ آسمان بدل جائے گا خام خیالی نہیں تو کیا ہے؟ —— بلاشبہ بعض اوقات خاص حالات میں قومیں اس فعل پر بھی مجبور ہوئی ہیں، اور مجبوری ارادی نہیں بلکہ مجبوری ہی کی شکل میں آتی ہے، اس وقت اس پر عمل ناگزیر ہو جاتا ہے، اور ایسی حالت میں عمل نہ کرنے والے اپنے قومی و ملی خصوصیات کو کھو بیٹھے ہیں لیکن ہر تھوڑی پریشانی کے بعد پیٹھ پھیر کر مورچہ چھوڑ دینا، اور اسی کو حل مسائل کا حکم قرار دینا میرے خیال میں بزدلی ہی نہیں، بلکہ ان لاکھوں بلکہ کروڑوں بے کسوں، کمزوروں کے ساتھ غداری بھی ہے'

جنھیں دشمنوں کے پنجوں میں پھڑ پھڑانے کے لیئے چھوڑ دیا جائے۔ سنے الوسع حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے، اور اپنے سے زیادہ ان بے وسیلہ غریب ہم قوموں کا خیال کرنا چاہیئے، جو اپنے اندر بھاگنے کی سکت بھی نہیں پاتے ——

میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب نے اسی خیال سے ہندوستان کے چھوڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا، اور اپنے کو اس حد تک راضی کرلیا کہ اگر خدا نخواستہ اس پر ہنود کا عام اور تام دخل و قبضہ بھی ہوگیا تو اس وقت بھی ان کو یقین تھا جیسا کہ پہلے بھی یقین دلایا گیا ہے کہ "وہی نہیں جن پر ہم گرتے ہیں بلکہ وہ بھی جو ہم پر گریں گے، ان کو پلپلا چور چور ہونا پڑیگا" اسلام کی ساری تاریخ بجائے پہلی صورت کے دوسری صورت کی شہادتیں اپنے اندر زیادہ تعداد میں رکھتی ہے۔ عرب گرا چور ہوا، ایران گرا بھسم ہوگیا مصری ہم پر ٹوٹے ان کو ٹوٹنا پڑا ترک جھپٹے لیکن ہم ہی نے ان کو اپنے جھپٹے میں لے لیا —— اور یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ ہمارا نصب العین صرف خود ہی جینا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ دوسروں کے جلانے کا کام بھی تو ہمارے سپرد ہے، اور بقول حضرت شاہ صاحب کے ختم نبوت، کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ پہلے تو شخصی انبیاء اُٹھائے جاتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں جب ایک امت ہی "اخرجت للناس" کی سند دیکر دنیا کے لیئے اُٹھائی گئی تو بھر اب فالتو نبوتوں کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے، قرآن میں متعدد جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور نگرانی کو اس کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے کہ ہم بھی "شہداء علی الناس" (دنیا کے انسانوں کے نگراں بنے رہیں) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدہ سے ہٹنے کے ساتھ ہی اپنے رسول کی شہادت و نگرانی سے ہم محروم ہوجاتے ہیں کیونکہ جس دن سے ہمارا رخ عام انسانوں سے ہٹ کر صرف اپنی جماعت تک محدود ہوگیا ہے۔ دن بدن ان نگرانیوں کی برکات سے ہم محروم ہوتے چلے جاتے ہیں جو النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کے لازمی نتائج ہیں۔

کیا کروں بات میں بات نکلتی چلی آتی ہے، قلم کو روکتا ہوں لیکن یہ خیال کرکے کہ پھر موقعہ ملے نہ ملے، جو کچھ اپنے اندر ہے دوسروں تک پہونچا دیا جائے، جذبات دبانے سے نہیں دبتے اور سلف کے حالات سننے یا سنانے کا مقصد بھی صرف سُننا یا سُنانا نہ ہونا چاہیئے ماضی سے مستقبل کی تعمیر میں اگر کچھ مدد مل سکتی ہے، تو پھر یہ کام کی بات ہے ورنہ بجز ایک دلچسپ داستان کے وہ اور کیا ہے،

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان ہی میں قیام کا ارادہ طے کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یقیناً اپنے عمل کا کوئی پروگرام بنایا، اگرچہ بتفصیل انھوں نے اپنے دستور العمل کے ضوابط کو کسی جگہ قلمبند نہیں فرمایا ہے لیکن پھلوں سے بھی درختوں کی نوعیت کا پتہ چلایا گیا ہے، خود جس کا عمل اس کے منصوبہ کی فہرست اگر ہمارے سامنے پیش کرتا ہو تو ہمیں اس کے سمجھنے اور پڑھنے سے انکار نہ کرنا چاہیئے،

بہرحال میں نے جہاں تک غور کیا ہے اور شاہ صاحب کی کتابوں کی کثرت مطالعہ نے جن نتائج تک مجھے پہونچایا ہے اس کا خلاصہ میرے الفاظ میں یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے زمانہ کے مختلف فتنوں کو دیکھ دیکھ کر ان کے دونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے تھے گویا ٹھیک "اطیب النغم" میں جو شاہ صاحب کا پہلا شعر ہے،

کان نجوما اومضت فی الغیاھب عیون الافاعی اورؤس العقارب

(ترجمہ) تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیگوں کی آنکھیں ہیں جھپک رہی ہیں
وہ سماں ہندوستان میں اُن کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا، انھوں نے اندازہ کر لیا تھا اور وہ نہ کرتے تو کون کر سکتا تھا
کہ اب بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

بہر دیر یا بسویر رہی سہی نام نہاد اسلامی حکومت کے خاتمہ کا وقت قریب آ چلا ہے، ان کے سامنے سوال آتا ہوگا، کہ آخر ان کروڑوں مسلمانوں کا انجام کیا ہوگا، معاش کا کفیل تو خیر "رزاق مطلق" ہے جب تک جو جینا ہے ذوالقوۃ المتین بہر حال اس کا انتظام کسی نہ کسی شکل میں کر ہی دیا کرتا ہے اور یوں قناعت کی راہوں کو چھوڑ کر کوئی سینہ کوبی ہی پہ مصر ہو تو آج انگلستان جو نہ صرف سیاسی قوتوں کے ذریعہ سے دنیا کے آباد ترین پیداواروں کا تنہا خرمن ہے، بلکہ تجارت صنعت حرفت تمام۔ تو الغرض مالی انتفاع کے ممکنہ وسائل کی کنجیاں ساری روئے زمین کی اسی کے ہاتھ میں ہیں اور کس انگلستان کا یہ حال ہے جو اپنے طول و عرض میں بنگال کے کسی متوسط درجہ کے ضلع سے بھی بہت زیادہ بڑا نہیں ہے آبادی بمشکل صرف چار ساڑھے چار کروڑ تک پہونچتی ہے، لیکن با ایں ہمہ ان چار کروڑوں میں تقریباً دو کروڑ لیبرس اور مزدوروں کی "پیٹ پیٹ" کے شور سے آسمان تھرا رہا ہے ــــــ آئے دن حکومت والوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں، کھڑکیاں توڑی جاتی ہیں، اور جو کچھ ہوتا رہتا ہے روزناموں کے تاروں میں اس کی خبریں چھپتی رہتی ہیں، بھلا جس ملک کو خود آزادی ہی حاصل نہیں ہے بلکہ بیسیوں ممالک و اقالیم کی آزادیاں بھی اسی کی آزادی میں ہضم ہو چکی ہیں، سیاستہً بھی تجارۃً بھی صنعۃً بھی حرفۃً بھی ــــــ اور اس کے سوا ہر راہ سے ہر چیز ہر قوم کی اسی انگلستان کے باشندوں میں فنا ہو رہی ہے جب اس کا یہ حال ہے تو جن کا یہ خیال ہو کہ صرف غیروں سے آزاد ہو کر یا نیم آزاد ہو کر ہم بتیس کروڑ انسانوں کی آوازِ شکم کو قناعت کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ حرص و آز کی بھٹیوں کو بھڑکا کر دبانے میں کامیاب ہوں گے ان کے اس خیال کو خواب و خیال کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ آج جو حضرات عوام کو اپنے جھنڈوں کے نیچے پیٹ بجا بجا کر بلا رہے ہیں اور دنیا کو یہ بتلا اور سمجھا رہے ہیں کہ انسان کے لئے سب سے مقدم اور اہم پیٹ کا مسئلہ ہے اور اعضاء انسانی میں عضو رئیس بس معدہ ہے ان کو "فکر معقول" سے کام لینا چاہئے، کہ جس راہ پر آدم کی اولاد کو وہ لئے جا رہے ہیں یہ ترکستان جا رہی ہے یا کعبہ پہونچائے گی۔

بہر حال میرے نزدیک شاہ صاحب کے سامنے مسلمانوں کے "شکم" کے غم سے زیادہ زندگی کے اس "سوال اہم" کا اہم تھا، جس کے جواب کے بغیر اس دُنیا کی ہر زندگی بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہے، یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو انجام کی درستی کے لئے "آغاز" کا جو دستور خدا کی طرف سے پہونچایا تھا، شاہ صاحب دیکھ رہے تھے، کہ مسلمانوں کو اس پیغام سے جو تعلق ہے ان فتنوں کی پہلی زد قدرتاً اسی تعلق پر پڑے گی، اب تک تو ہر مسلمان علاوہ موروثی مسلمان ہونے کے "ملی دین ملوکہم" کے قانون کے تحت بھی مسلمان ہی رہنے میں فائدہ محسوس کرتا تھا بلکہ غیروں میں بھی کتنے تھے جو اپنے نامسلمان ہونے پر اس زمانہ میں پچھتاتے تھے، لیکن جب "ملوک" بدل جائیں گے اور افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلہا

لہ قرآن کی آیت ہے ملکہ سبا نے کہا تھا کہ "سلاطین جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو بگاڑ دیتے ہیں اس ملک کے عزت والوں کو خوار و ذلیل کر دیتے ہیں"۔

اذا لہ ولکن لاث یفعلون۔ کے مستمر قاعدہ کی بنیاد پر اس دقت اسلام سے وابستگی کا یہ "ملوکی" ذریعہ بھی باقی نہ رہے گا، سوال یہی تھا کہ پھر اسلام اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن مبارک کے ساتھ بندھے رہنے کی ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا شکل ہوگی۔

دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان میں مذہب اسلام کی تعلیم و تعلّم اور نشر و اشاعت کے جو ذمہ دار ہیں، ان کے دونوں طبقوں (یعنی مذہب کے ظاہری رسوم و عام عقائد کے محافظ جنھیں عموماً علماء کہتے ہیں اور مذہب کی واقعی روح اور اس کے باطنی مقاصد کے علم بردار جنھیں صوفیہ اور مشائخ کہتے ہیں) دونوں گروہوں کا اس زمانہ تک پہونچتے پہونچتے عجب حال ہو رہا تھا، شاہ صاحب کے جس "پیغام" کا ترجمہ پہلے درج کر چکا ہوں اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد کے علما کی کیا حالت تھی کہ ان کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

اشتغلتم بعلوم الیونانیین وبالصرف والنحو والمعانی | تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں الجھے ہوئے ہو

اور یہ تو عام علما کا حال تھا، خصوصیت کے ساتھ جنھیں علماء دین کا لقب حاصل تھا اور فلسفہ و منطق سے وہ کارہ تھے جن کا نام فقہا تھا ان کی یہ کیفیت تھی، کہ دین کے حقیقی سرچشموں قرآن و حدیث اور ائمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے اقوال تک سے بہت دور آگے نکل کر ہر وہ چیز جو فقہ کے نام سے کسی کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی انکے نزدیک "وحی محکم" اور نص قطعی کا درجہ حاصل کیے ہوئے تھی، اپنی مشہور کتاب انصاف میں فقہا عصر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

فالفقیہ یومئذ هو الثرثار المتشدق الذی حفظ اقوال الفقہاء قویها وضعیفها من غیر تمییز وسردها بشقشقة شدقیه

(۹۳)

اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو، زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو، جو فقہا کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر اس امتیاز کے کہ ان میں سے کس میں قوت ہے کس میں نہیں ہر وہ انھیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا ہے۔

اسی گروہ کے متعلق دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ان کی بے تمیزیوں کا یہ حال ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ ان کے تلامذہ اور بعد کے علما کے اقوال تک میں فرق نہیں کر سکتے،

وبزعم ان جمیع ما یوجد فی هذہ الشروح الطویلة وکتب الفتاوی الضخمة فهو قول ابی حنیفة وصاحبیه ولا یفرق بین القول المخرج وبین ما هو قول فی الحقیقة ولا یحصل معنی قولهم علی تخریج الکرخی کذا وعلی تخریج الطحاوی کذا ولا یمیز بین قولهم جواب المسئلة علی قول ابی حنیفة کذا

(یعنی اس زمانہ کے فقیہوں کا) خیال یہ ہے کہ طویل و ضخیم شرحوں اور فتاوی کی کتابوں میں جو مسائل پائے جاتے ہیں؛ سارے کے سارے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ہیں، (یہ مسکین فقیہ) اس کی تمیز نہیں رکھتا کہ جو باتیں ا ن کے اصول کی بنیاد پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اُن میں اور جو واقعی ان کے اقوال ہیں ان میں کیا فرق ہے، وہ بیچارہ فقہ کی یہ مصطلاح بھی نہیں سمجھتا جو لکھتے ہیں کہ فلاں بات کرخی

وعلی اصل ابی حنیفۃ کذا۔ (۸۶)

تخریج پر مبنی ہے۔ یا طحاوی کی تخریج سے اس کا تعلق ہے اسی طرح یہ قول کہ ابو حنیفہ کے قول پر مسئلہ کا جواب یہ ہے اور ابو حنیفہ کی اصل پر جواب یہ ہے، ان دونوں قولوں میں ان کو کوئی تمیز نہیں ہوتی اور یہ بیچارے ان میں کوئی فرق نہیں جانتے۔

اس قسم کی واہی تقییدوں سے ان کی کتابیں معمور ہیں، ماسوا اس کے اسی طبقہ میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو

فمضوا لطلب العلم توصلاً الی العز و درک الجاہ فاصبح الفقہاء بعد ما کانوا مطلوبین طالبین وبعد ان کانوا اعزۃ بالاعراض عن السلاطین اذلۃ بالاقبال علیہم (۸۱)

طلب علم کے لیئے اس لیئے آمادہ ہوئے تاکہ علم کو اپنی عزت اور جاہ کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں، نتیجہ اس کے بعد یہ ہوا کہ فقہا، جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہوگئے اور سلاطین اور بادشاہوں کے دربار سے الگ رہنے کی وجہ سے جو معزز شمار کیئے جاتے ہیں، اب بادشاہوں کے آستانوں پر وہ جھک کر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

دین کے ان غاشیہ برداروں کو شاہ صاحب دیکھ رہے تھے، اور اُن کا سینہ شق ہوا جاتا تھا "ملوکی" سابطہ کے ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کو اُن کے صحیح دین پر باقی رکھنے کی ایسوں سے کیا توقع ہوسکتی تھی، پھر کچھ ہی دن پیشتر ان ہی دُنیا طلب علما کے ہاتھوں اکبر کے دربار میں اسلام کا جو ہنجار ہو چکا تھا اس کا نقشہ بھی شاہ صاحب کے پیش نظر تھا،

دوسری طرف صوفیہ اور مشائخ کی جو کیفیت تھی شاہ صاحب کے دردمند دل کے لیئے وہ صرف اذیت اور دُکھ ہی بنی ہوئی تھی، کیونکہ علماء سے زیادہ غریب مسلمانوں پر اس زمانہ میں خصوصاً ہندوستان میں ان ہی کا اثر غالب تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر مسلمان ان ہی کے ہاتھوں میں سپرد کر دیئے گئے، تو یہ ان کو کہاں لے جاکر غرق کریں گے اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:۔

کرامات فروشاں ایں زماں ہمہ الا ماشاء اللہ طلسمات و نیرنجات را کرامات دانستہ اند

کرامتوں کے بیچنے والے اس زمانہ میں سب کے سب (بجز اس کے جسے خدا چاہے) اپنی طلسماتی کارروائیوں اور علم نیرنج کے نتائج کو کرامات سمجھ بیٹھے ہیں۔

پھر اس کی تفصیل کرنے کے بعد کہ آدمی طلسمی قوانین، اور علوم نیرنجات کے زور سے کس کس قسم کے "خوارق" دکھا سکتا ہے آخر میں فرماتے ہیں، کہ

واعمال جوگ کہ بعضے ملاخطات جوگیہ را خاصیتے تمام است در اشراف و کشف

اور جوگ کی بعض تدبیریں، کیونکہ جوگیوں کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دوسرے کے دل کی حالت پر فی الجملہ اطلاع یا کشف وغیرہ سے خاص تعلق ہے۔

جن لوگوں نے شاہ صاحب کے متعلق خیال قائم کیا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے براہمہ اور جوگیہ کے فلسفہ ویدنت اور فلسفہ یوگا کو اسلامی حقائق سے مخلوط کرکے ایک "جدید ہندی دین" کی بنیاد ڈالی ہے، کیا ان کی نگاہوں سے یہ

اور اس قسم کی بیسیوں عبارتیں نہیں گذری ہیں، شاہ صاحب نے صاف کھل کر لکھ دیا ہے کہ

بسیارے از سادہ لوحاں دیدہ ایم کہ چوں ایں اعمال از شیخے فرا گرفتہ انداں را عین کرامات می دانند۔

میں نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ کسی شیخ سے جب اس قسم کے عمل وغیرہ کو سیکھ لیتے ہیں تو ان ہی باتوں کو ٹھیک کرامت قرار دیتے ہیں،

لیکن واقعہ یہ ہے کہ

صلاح و فجور مقبول بودن یا مردود بودن دریں جا ہیچ فرق پیدا نمی کند۔

نیکوکاری یا بدکاری اسی طرح مقبول ہونا یا مردود ہونا اس معاملہ میں اس اختلاف حال سے کوئی فرق نہیں پڑتا یعنی

ان روحانی ورزشوں سے یہ نتائج ہر ایک میں پیدا ہوتے ہیں خواہ شقی ہو یا سعید

خصوصاً جو زمانہ شاہ صاحب کا تھا، طرح طرح کے طریقے، اور نئی نئی شکلوں میں تصوف پیش ہو رہا تھا۔ آپ ہی کے عہد میں دلّی کا وہ مشہور مردود معروف بہ ——— "نمود و انمود" ——— یک خاص بھیس میں ان ہی طلسمی نیرنجاتی جوگیانی طریقوں کو سیکھ کر نمودار ہوا تھا جس نے ایک خاص زبان اور اس کے قواعد ایجاد کیئے تھے، اور اپنے ایک ساتھی کو محرم اسرار بنا کر ——— "آقوزہ مقدسہ" ——— نامی کتاب کے الہام کا دعویٰ کیا تھا، مدعی تھا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک اور لاہوتی عہدہ ہے، جس کی تعبیر وہ "بگوکت" کے لفظ سے کرتا تھا، کہتا تھا کہ ہر اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ ہمیشہ نو بگوک ہوا کیئے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نو ہی بگوک کا پیدا ہونا ضروری ہے. پھر شیعوں کی جماعت میں تو یہ کہتا کہ بگوک اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، ان کے بعد آٹھ اماموں تک یعنی حضرت علی رضا علیہ السلام تک امامت اور بگوکت کے عہدے ایک ہی ذات میں جمع ہوتے رہے ان کے بعد صرف امامت رہ گئی، اور نواں آخری بگوک کا منصب مجھے حاصل ہوا ہے مجھ ہی پر یہ عہدہ ختم بھی ہوتا ہے اور سنیوں سے کہتا کہ چار بگوک تو خلفاء راشدین تھے، اور باقی چار بگوکوں کے لیئے بنی امیہ اور عباسیہ کے بعض ایسے خلفا کا نام لیتا، جو گونہ نیکی، اور دینی حمیت میں امتیاز رکھتے تھے اور نواں بگوک اپنے کو ٹھیراتا، اس نے عوام کو فریب دینے کے لیئے اپنے مریدوں، اور لڑکوں لڑکیوں کے خاص خاص مجہول المعنی نام رکھے تھے، مثلاً وہی محرم اسرار جو گویا اس کا خلیفہ تھا اس کا نام "دوجی باز" تھا نمانمود، نغار نمود یہ اس کے لڑکوں کے اور نمانہ کلاں نمانہ خورد" لڑکیوں کے نام تھے؛ مریدوں کو "فرلود" کہتا تھا، اس نے پنجوقتہ نمازوں کے سوا "دیدہ" نامی عبادت کا طریقہ جاری کیا تھا، جو طلوع و غروب و استواء شمس کے وقت ایک خاص طریقہ سے ادا کی جاتی تھی علاوہ اسلامی عیدوں کے چند مزید تہواروں کا اضافہ کیا تھا، یعنی جن دنوں میں (العیاذ باللہ) "وحی" کی اس پر ابتدا ہوئی۔

ملعون مدعی تھا کہ اس پر بھی وحی دو طریقوں سے آتی ہے، ایک میں آفتابی قرص اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے اور اسی پر حروف لکھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور دوسری میں آواز آتی ہے، الغرض خرافات کا ایک سیلاب تھا، جو بیہودہ مریدنے مل کر بہا یا تھا، چونکہ بعض امراء بھی اس کے معتقد ہو گئے تھے اس لیئے عوام کا میلان بھی اس کی طرف بتدریج

جھتا جاتا تھا، حتی کہ فرخ سیر بادشاہ بھی اس کی استجابت دُعا کی شہرت سُن کر تنہائی میں ملا، مکار نے یہ سُنکر کہ بادشاہ ملنے آرہا ہے کمرہ کا دروازہ بند کردیا، ہزار منت وسماجت کے بعد جب دروازہ کھلا، تو بادشاہ کے سامنے اس مرگ چھالے کو پھینک کر جس پر خود بیٹھا ہوا تھا بولا

پوست تخت گدائی وشاہی　　ہمہ داریم انچہ می خواہی

بادشاہ اپنے ساتھ روپوں اور اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کے لیئے لے گیا تھا، ٹھوکر مار کر کنارہ کردی۔ جب فرخ سیر نے بہت اصرار کیا، تو خود نوشتہ قرآن دے کر اس کی اجرت کل ستر روپیہ اس نے قبول کی، بادشاہ پر اس کی مصنوعی بے نیازی و استغنا کا پورا اثر رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک تو کچھ علماء اور عام پبلک کے خوف سے اپنے فرخرفات کے علانیہ اظہار کی اسے جرات نہ ہوئی تھی، لیکن بادشاہ کی عقیدت مندی کے بعد خوب کھل کھیلا، ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی سر پر رکھے، آگے آگے دو جھنڈوں کے ساتھ اسکے "فرنود" اس کی سواری نکالتے تھے، باہم ایک دوسرے پر عبیر و گلاب چھڑکتے جاتے اور وہی مجہول المعنی اختراعی الفاظ والے منتر جپتے جاتے تھے اور اب ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا دلی کی ایک بڑی مخلوق اس کی معتقد اور اس کی اصطلاح میں اس کی "فرنود" ہوگئی تھی۔ فرخ سیر کے عہد تک اس کا یہی حال رہا۔ محمد شاہ کے زمانہ میں جب محمد امین خاں[1] منصب وزارت سے سرفراز ہوئے تو منجملہ اور کاموں کے اس "نمود و المنود" کی بھی خبر لینی چاہی لیکن اتفاق دیکھیئے جیسا کہ طباطبائی نے لکھا ہے ٹھیک ان ہی دنوں میں جب اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہوئے۔ امین خاں جو مرض قولنج میں پہلے ہی سے مبتلا تھے انتقال کر گئے، مردود "وانمود" کے لیئے ان کی موت استدراج کا ذریعہ بن گئی، اب کیا تھا خوب لن ترانیوں کی لینے لگا۔ اگرچہ دو تین سال بعد خود بھی مرگیا، اور اسی کے بعد اس کے خلیفہ اول "دوجی یار" اور صاحبزادے بلند اقبال "نا منود" میں نصف لی و نصف لک" کے قصہ میں جھگڑا ہو گیا۔ "دوجی یار" نے آخر ایک دن جب اس کے اکثر "فرنودوں" کا مجمع تھا، کھڑے ہو کر "سازش" کا سارا قصہ سنادیا دونوں مل کر جو مسودات بناتے اور کاٹ پیٹ کر درست کرتے تھے ان کا طومار لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر

ازجانب خدا می بود حاجت بحک و صلاح ہم گیر نداشت	اگر اللہ میاں کی طرف سے یہ کتاب ہوتی تو اس میں کانٹ
سیر المتاخرین م ۲ ملا ۳۴۲	چھانٹ اور اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی۔

دونوں کے حروف کے پہچاننے والے کثرت سے موجود تھے، راز کھل گیا، اور بیچارے عوام کو اس کے فتنہ سے نجات میسر آئی اگرچہ "نما منود" نے کچھ دن اپنے باپ کی بھگوکنت کو بجائے دہلی کے ایک دیہات میں جا کر چلایا اور "نما نمود" کے بعد "فغار" صاحب دوسرے بیٹے نے بھی کچھ دن اس تحریک کو چند لوگوں میں باقی رکھا، یہاں تک کہ بالآخر فغار کے مرنے کے بعد چند بقیۃ السیف اس کے اعزہ بنگال میں پناہ گزیں ہوئے، اور مشہور اشقی القوم میر جعفر کے بیٹے میرن کی سرپرستی میں کچھ دن گزارے۔ خدا جانے ان منحوسوں کے نام لیوا اب بھی بنگال میں پائے جاتے ہیں یا نہیں، تاہم ایک مدت تک خصوصاً اس زمانہ میں جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دلی میں تھے، ہندوستان کے مسلمان ہی حیثیت

[1] حضرت آصف جاہ اول بانی سلطنت آصفیہ کے عمزاد بھائی تھے ان کے قصے آگے بھی آرہے ہیں ۱۲

فتنہ کے شکار ہو رہے تھے، اور واقعہ کچھ بھی نہ تھا، عالمگیر کے عہد میں کابل کا صوبہ دار امیر خاں تھا، اس کے پاس ایمان سے یہی "نمود و المنود" جس کا اصلی نام محمد حسین تھا آیا، اور سید ہونے کا مدعی ہوا، امیر خاں کی بیوی جو لاولد تھی اس نے ایک لڑکی پال رکھی تھی اسی سے اس کا نکاح ہو گیا امیری سے گزرنے لگی، امیر خاں جب مر گیا، تو محمد حسین جو امیر خاں کے خوف و خطا کا داعیہ بھی تھا، عطر و گلاب کا تحفہ لیکر دلی چلا آیا ہو رہیں عالمگیر کی وفات اور خانہ جنگی کی خبر ملی امراء کے ہاتھ یہی عطر و گلاب بیچ کر اس نے ڈیڑھ سو ستر ہزار روپیہ کھری کیا اور اسی "زودی مایہ" سے سازش کر کے مکر و فریب کا یہ طلسم کھڑا کیا تھا۔[1]

مسلمانوں کی یہ زود اعتقادیاں، جو غلط تصوف کے رواج کا نتیجہ تھیں، حتیٰ کہ بادشاہ تک ان ہی اوہام میں مبتلا تھا، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب بصیرت روح کے لئے کس درجہ سوہان روح بنی ہوئی ہوگی۔

اور بات کچھ اسی پر ختم نہیں ہو گئی تھی، یہ تو ایک فرقہ تھا، اسی قسم کے مختلف فرقے مختلف ناموں سے تصوف و عرفان کے بلند آہنگ دعووں کے ساتھ پیدا ہو رہے تھے، اور مختلف قسم کے شعبدوں، کرشموں سے عوام کو اپنی طرف مائل کر کے گمراہ کر رہے تھے شاہ صاحب خود اپنا ذاتی تجربہ بیان فرماتے ہیں:۔

تجربہ کردہ ایم کہ ماہر در فن نجوم چوں دانست کہ الحال کدام دقیقہ ست از دقائق روز از یں جا ذہن او منتقل می شود، بطالع و ہمہ بیوت و مواضع کواکب در خاطر حل صورت ہا می بندد گویا صفحہ تسویۃ البیوت، مقابل او ایستادہ است و ہم چنیں ماہر در فن رمل گاہے در دل خود معین می کند کہ فلاں انگشت را لحیاں قرار دادہ ام و فلاں انگشت را فلاں شکل در ذہن صورت می بندد از یں اشکال کدام متولد می شود، تا اینکہ زائچہ پیش او حاضر می شود،

میں نے خود تجربہ کیا ہے کہ نجوم کے فن میں جن لوگوں کو مہارت ہوتی ہے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت دن کے دقیقوں میں سے کون دقیقہ ہے تو مطالع اور ہر سہ بیوت و مقامات کواکب کی طرف اس کا ذہن منتقل ہو جاتا ہے، اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جو فن رمل میں ماہر ہوتے ہیں اپنے دل میں یہ خیال جاتے ہیں کہ فلاں انگلی کو میں نے لحیان قرار دیا ہے، اور فلانی انگلی فلاں شکل اور ان سب سے ذہن میں ایک صورت قائم کر کے سوچتے ہیں کہ ان میں ظاہری شکل صورت میں بچہ کس کی مناسب ہوگا اس طرح زائچہ سامنے ہو جاتا ہے۔

اور یہ تو نجوم کا حال ہے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ کہانت جس کی بہت سی قسمیں ہیں، جن میں کبھی جن اور ارواح کو حاضر کیا جاتا ہے (یعنی موجودہ زمانہ کا اسپر ویلوجزم) نیز توجہ کو کسی خاص نقطہ پر مرکوز کر کے معمول کو متاثر کرنا جسے اب مسمریزم کہتے ہیں، شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

ہمت بستن بر کارے و بشکل مہیب بر آمدن و دل بدل کسے دوختن و طالب را مسخر کردن ہمہ از فنون نیرنج است۔
وصیت نامہ ص۲۴

کسی کام کے متعلق ہمت کو جمع کرنا اور ڈراؤنی شکل میں لوگوں کے سامنے اپنے کو نمایاں کرنا کسی کے دل پر دل رکھنا اور طالب کو مسخر کرنا یہ ساری باتیں علم نیرنگ سے تعلق رکھتی ہیں۔

[1] میں نے اس "مرد ودِ نمود و المنود" کے حالات میں ذرا زیادہ بسط سے قصداً کام لیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس زمانہ میں بھی بعض لوگ اپنے مریدوں اور عزیزوں کو جو عجیب غریب خطابات تقسیم فرماتے ہیں، یا بوت و مسیحیت، مہدویت وغیرہ کے جنون سے "بروزی" "مثالی" اور خدا جانے کس کس قسم کی جو تیں تراش رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہندوستان ان تماشوں کو پہلے بھی دیکھ چکا ہے ۱۲ منہ

لیکن غلط تصوف نے عوام کو باور کرایا تھا، کہ یہ ساری باتیں قرب الٰہی کے دلائل ہیں،

اس زمانہ کا پیشہ ور مجلس میں اپنے اوپر وجد کی حالت طاری کر کے غیبی باتیں بتائی جاتی ہیں کچھ لوگ اس راہ سے بھی شکار پھنسا رہے تھے، حضرت شاہ صاحب ہی کا بیان ہے،

ہم چنیں وجد و شوق و قلق و سرایت ایں حالت در حاضراں

اسی طرح وجد و شوق ذہیجینی اور جو لوگ موجود ہوں ان میں اس حال کا ساری وطاری ہو جانا،

حالانکہ اس حال کو بھی مقبولیت حق سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ بقول حضرت،

منشا رآں حدت قوت بہیمیہ ست

اس کا منشا بہیمی قوت کی شدت اور تیزی ہے،

اور یہ تو زندہ پیروں کے کرامات شمار ہوتے تھے۔ وہمی تخیلات نے گزشتہ روحوں کے متعلق عجیب و غریب خیالات پیدا کر دیئے تھے، فاتحہ جو عموماً اس لیئے کیا جاتا تھا کہ بزرگوں کی روح کو کچھ قرآن پڑھ کر اور غرباء و مساکین کو کھلا کر اس کا ثواب بخشا جائے، لیکن سرزمین ہند میں اس فاتحہ نے بہ تدریج ایصال ثواب کے مقصد کو چھوڑ کے ہوئے، قریب قریب وہی شکل اختیار کر لی تھی جو ہندوؤں میں چڑھاوے کی ہے، یعنی مختلف قسم کے پھل پھول پکوان وغیرہ دیوتاؤں اور دیویوں پر اس لیئے چڑھائے جاتے ہیں کہ ان دیوتاؤں کی روحیں چڑھانے والوں کے اس تحفہ سے خود متمتع اور لذت گیر ہوتی ہیں، جاہل مسلمانوں میں اس فاتحہ کا بھی قریب قریب یہی مطلب ہو گیا تھا، اور عوام ہی کیا بعض خواص تک کا خیال یہ تھا کہ جو کھانا کسی بزرگ کے نام فاتحہ دیا جاتا ہے، اس پر اس بزرگ کی روح خود حاضر ہوتی، اور ان سے لذت گیر ہوتی ہے، مولوی غلام حسین طباطبائی جنھوں نے سیر المتاخرین جیسی کتاب لکھی ہے، اور جو ان کے علم و فضل کی کھلی دلیل ہے خود اپنے متعلق ایک موقعہ پر اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

بعضے مردم کہ دستر خوان حضرت شاہ مرداں می نمائند و براں نشانے از غیب می شود، چنانچہ در ہند معمولی و مکرر مردم ہوشیار بچشم خود نشانہا را دیدہ سرمہ اعتقاد و بصیرت در دیدہ دلہا کشیدہ اند و ایں کرامت ازاں جناب نظر احقر ہم الحمد للہ مکرر درآمدہ ص ۵۴۵ ج ۲

بعض لوگ جو حضرت شاہ مرداں (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے دستر خوان کی تقریب کرتے ہیں اور اس دستر خوان پر غیب سے آپ ہی آپ ایک نشان نمایاں ہو جاتا ہے، چنانچہ ہندوستان میں اس کا رواج ہے اور بڑے اچھے ہوش گوش والوں نے بار بار اپنی آنکھوں سے ان [illegible]وں کو دیکھا اور اپنی آنکھوں میں اعتقاد و بصیرت کا سرمہ لگایا ہے (دستر خوان والی کرامت حضرت کی) اس کا معائنہ تو الحمد للہ متعدد بار اس احقر کو بھی ہوا ہے)

جس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے جو فاتحہ دی جاتی تھی اس کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ فاتحہ کے اس کھانے پر خود حضرت تشریف فرما ہوتے ہیں اور اسی لیئے قبولیت کی علامت اس پر بنا دیتے ہیں، بتایا جائے کہ کہاں فاتحہ کا وہ مقصد کہ بزرگوں کی روح کو اس کا ثواب بخشا جاتا ہے، اور کہاں یہ اعتقاد کہ اس کھانے پر ان بزرگوں کی روح خود حاضر ہوتی ہے، یہ نشانات کس طرح بنتے تھے، اس سے تو

خاص واقعہ ہے، لیکن طباطبائی صاحب ہی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو ان کے نزدیک خارجی العقیدہ تھا شیعوں کے علی الرغم ان غیبی نشانوں کی خبر سن کر دعویٰ کیا کہ ہم بھی یزید وغیرہ کے نام کا فاتحہ دیتے ہیں، اور اسی قسم سے دستر خوان کا انتظام کرتے جیسے چونکہ ان کی روحوں سے مجھے اخلاص ہے اس لئے وہ بھی ضرور آکر دستر خوان پر نشان بنائیں گے آمادہ کرکے اس نے دستر خوان کا انتظام کیا، اور ایک عورت کو حکم دیا کہ کمرہ میں دستر خوان کو بند کرکے باہر اس کی کنجی لے کر بیٹھ جائے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولے اور جب نشانات دستر خوان پر نمایاں ہوں تو مجھے خبر دے تاکہ دوسروں کو بھی اس کا تماشا دکھایا جائے،

اب طباطبائی صاحب لکھتے ہیں کہ

زن درباطن شیعہ بود و مذہب خود مخفی داشت بعد از ساعتے حسب الامر در را کشود دید کہ سگے سیاہ گرگیں در آں جائگاہ بر سر دستر خوان نشستہ از ہر گونہ طعام اندک اندک چشیدہ و می چند از شدت شغف خود داری نہ توانست بے اختیار دوید و بشارت رسانید کہ نشاں چہ معنی دارد خود تشریف آوردہ نوش جان می نمایند۔

وہ عورت اندر سے شیعہ مذہب اور تقیہ کیے ہوئے تھی تھوڑی دیر بعد اس نے جیسا دروازہ کو کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک کالا بھیڑیے جیسا کتا وہاں پر دستر خوان پر ہر قسم کے کھانے کو تھوڑا تھوڑا کچھ چکا اور چکھ رہا ہے، عورت کو اپنے مذہب سے جو محبت تھی اس نے اپنی خوداری پر اس کو باقی نہ رکھا اور بے اختیار ہو کر دوڑی امیر کو اس نے بشارت پہونچائی کہ نشان کا کیا پوچھتے ہیں وہ تو خود ہی تشریف لاکر نوش جان فرما رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ حرکت "زن درباطن شیعہ بود" ہی کی تھی، بس اسی واقعہ سے ان نشانوں کے بنانے والوں کا سراغ مل سکتا ہے، آج بھی ہندوؤں میں جب مُردے گنگا میں بہانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں تو ان کے بہنے کے بعد دوسرے دن عموماً پنڈت یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس گھاٹ سے مُردہ بہایا گیا، اس کے کنارے کی ریت پر فلاں جانور کے پاؤں کے نشانات دیکھے گئے، اور اسی سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ مرنے والے نے اسی جانور کے جون میں جنم لیا جس کے نشانات نظر آئے ہیں، مجھ سے بعض معتبر برہمنوں نے بیان کیا کہ یہ کارستانی خود ان پنڈتوں کی ہوتی ہے جو گنگا کے کنارے مردوں کے بہانے کی رسم انجام دیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے یا ممکن ہے کہ رات کو ہر قسم کے جانور چلتے ہیں ان ہی کو مُردے کے قدم کا نشان فرض کر لیا جاتا ہے یا وہم کی خلاقی ہو، بہرحال طباطبائی صاحب نے کتنے" کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہ ہر قسم کے کھانوں کو "اندک اندک" اُسے چکھتے پایا گیا، اس سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ صاحب فاتحہ کے متعلق لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ تھوڑا تھوڑا ہر کھانے سے مردہ کی روح چکھتی ہے، گو بحمد اللہ اب بہت کم لوگ فاتحہ سے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں اور عموماً اب یہی سمجھا جاتا ہے کہ مقصود بزرگوں کی روح کو ثواب پہونچانا ہے، لیکن بعض لوگ اب بھی ایسے ہیں جنھوں نے مجھ سے خود کہا کہ کھانے کی روح کو بزرگوں کی روح آکر کھا جاتی ہے اور اس کے مادی وجود کو ہم لوگ کھاتے ہیں، اسی بنیاد پر ہم اس کھانے کو بزرگوں کا "اُلش" خیال کرتے ہیں، الغرض غلط تصوف" اور

جھوٹے "تمشیخ" کی راہوں سے اعتقادی و عملی تباہیوں کا سیلاب مختلف شکلوں میں ملک کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں کی خالص اسلامی و دینی زندگی کے "ایوان" کو دھکیاں دے رہا تھا،

ام الفتن — اور سچ پوچھئے تو باہر کے فتنوں کے جگانے میں در اصل جو حقیقی اسباب کام کر رہے تھے ان کا باہر سے نہیں بلکہ بالکلیہ تعلق ہمارے "اندر" ہی سے تھا، کچھ آج ہی نہیں بلکہ جب کبھی جہاں کہیں یہ صورت پیش آئی ہے تحلیل و تنقیح کے بعد یہی ثابت ہوا کہ جو کچھ ہوا

ماظلمنا ھم ولکن کانوا انفسہم یظلمون — نہیں ظلم کیا ہم نے بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

کے ازلی قانون ہی کے تحت ہوا، خصوصًا امت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا صلوۃ و سلامًا کے متعلق تو صحیح حدیثوں میں آچکا تھا کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں درخواست پیش کی۔

لاتسلط علیہم عدوا من انفسہم — (میری امت پر) انہی میں سے ان پر کوئی دشمن نہ مسلط کیا جائے۔

تو "الحکیم الغنی" کی طرف سے آپ کو جواب ملا،

لا اسلط علیہم عدوا سوی انفسہم یستبیح بیضتہم ولو اجتمع علیہم من باقطارہا حتے یکون بعضہم یھلک بعضہا۔ — میں ان پر ان کے سوا کسی (بیرونی دشمن) کو مسلط نہیں کروں گا بلکہ وہی اندرونی دشمن ان کے قلمرو میں تباہی پھیلائے گا اور خارجی دشمن مسلمانوں پر مسلط نہیں ہو سکتے اگرچہ زمین کے کناروں سے سمٹ کر کیوں نہ وہ آجائیں بلکہ مسلمان ہی باہم بعض بعض کو ہلاک کریں گے۔

صحاح کی مختلف کتابوں مثلاً مسلم ابوداؤد و ترمذی میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے اور اسلام کی تاریخ شاہد ہے، جو مصیبت مسلمانوں پر جس شکل میں بھی آئی در اصل اس کی ابتدا گھر والوں سے ہوئی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے،

اخشیٰ علیکم الدنیا فتنافسوا فیہا (بخاری) — میں تم پر دنیا سے ڈرتا ہوں کہ اس کے معاملہ میں باہم نفسانیت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس جب فارس کے اموال غنیمت آئے، آپ نے ان کو مسجد نبوی کے چبوتروں پر ڈلوا دیا، صبح ہوئی تو جو کچھ آیا تھا اس پر سے چادر ہٹائی گئی راوی کا بیان ہے:۔

فنظر عمر الی شی لم ترعینا ہ مثلہ من الجوھر واللولؤ والذھب والفضۃ فبکی — عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایسی چیزیں دیکھیں جنہیں ان کی آنکھوں نے نہیں دیکھا تھا، یعنی جواہرات، موتی اور سونے چاندی وغیرہ پس عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ رو پڑے

عبدالرحمن بن عوف حاضر تھے بولے:۔

ھذا من مواقف الشکر فما یبکیک — یہ تو شکر کی جگہ ہے پھر آپ کو کس خیال نے رُلا دیا،

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا:۔

جل ولکن اللہ لم یعط قوماً ھذا الا القی بینھم العداوۃ والبغضاء۔ (کتاب الخراج لابی یوسف)	ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو یہ چیز نہیں دی، مگر اسی کے ساتھ ان میں باہم عداوت و بغض و کینہ پیدا ہوگیا۔

مغل حکومت بھی عہد عالمگیری کے بعد فتنوں کے جس طوفان میں گھر گئی تھی جس کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ باہر سے جتنے سیلاب آئے ان کا سرچشمہ بھی اندر ہی تھا، جس کا افسانہ طویل ہے اور عام طور سے تاریخ کی کتابوں میں مسطور ہے، میرا اشارہ اس اندرونی فتنہ کی طرف ہے جس کی تعبیر عام کتابوں میں "سادات بارہ[1]" کے فتنہ سے کی جاتی ہے، عالمگیر کے لڑکے بہادر شاہ کے انتقال کے بعد معزالدین جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں جنگ ہوئی، اس معرکہ میں فرخ سیر کی کامیابی چونکہ بالکلیہ بارہ کے سیدوں میں سے دو بھائی حسین علی خان اور حسن علی خان کی رہین منت تھی، اسی بنیاد پر فرخ سیر کے عہد میں حکومت پر ان ہی دونوں بھائیوں کا اقتدار قائم ہوگیا اور ایسا اقتدار کہ بادشاہ بیچارہ "شاہ شطرنج" ہو کر رہ گیا، قدرتاً فرخ سیر کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت بنتی چلی جا رہی تھی، سید بھائیوں اور فرخ سیر میں اَن بَن ہوگئی، اور اسی مخالفت اور معاندت نے بالآخر ان نتائج کو پیدا کیا جن کا خمیازہ آج ہندوستان کے مسلمان بھگت رہے ہیں، طباطبائی جو ہم مشربی کی وجہ سے بجائے فرخ سیر کے سید بھائیوں کے سخت ترین طرفداروں میں ہیں، ان کو بھی لکھنا پڑا کہ یہی فساد سادات،

برو رتمام مملکت ہندوستان را فرو گرفتہ اقتدار سلاطین تیموریہ بالمرۃ بباد فنا رفت ص۲۶۴	آہستہ آہستہ ہندوستان کی ساری مملکت کا اس نے احاطہ کر لیا، اور تیموری سلاطین کا اقتدار قطعی طور سے فنا کی آندھی کے نذر ہوگیا۔

اگرچہ بظاہر یہ مخالفت بادشاہ اور ان سید برادران کے درمیان تھی لیکن جو واقعات کے عالم ہیں وہ جانتے ہیں کہ سادات بارہ کے اقتدار نے دراصل اسی فتنہ کی آگ کو ہوا دے کر تیز کر دیا جس کی ابتدا ہمایوں کے عہد سے اس ملک میں شروع ہوئی تھی، ۔۔۔۔ سب جانتے ہیں کہ یہاں اسلام کا داخلہ (عربی حملوں کے بعد) ترکستانی مسلمانوں کے ذریعہ سے ہوا،

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ غوریوں سے لودیوں تک جتنے خانوادے دلی کے تخت پر قابض ہوئے سب کے سب سنی حنفی مسلمان تھے:۔ جب تک یہ دور رہا ہندوستانی مسلمان اُس وقت تک بڑے خوش قسمت ہے

---

[1] کہا جاتا ہے کہ سید ابوالفرح واسطی اکبر کے عہد سے پہلے عراق کے مشہور شہر واسط سے ہندوستان تشریف لائے۔ ابتدا میں پٹیالہ (پنجاب) کے گرد و نواح میں آپ کی اولاد آباد ہوئی، جن گاؤں میں ان کی اولاد آباد ہوئی تھی ان کے نام چھت بنور۔ تھن پور اور جگت پور تھے۔ پھر سادات کا یہ خاندان آگے بڑھا دوآبہ میں آباد ہوا، ضلع مظفر نگر میں جانسٹھ اب بھی ایک مشہور قصبہ ہے اس میں اس خاندان کے کچھ لوگ آباد ہیں اور وہی سادات بارہ کے نام سے مشہور ہیں، یہ بارہ کیوں کہلاتے ہیں؟ مورخین اس کی توجیہ میں مختلف ہیں لیکن ابوالفرح واسطی کی جو اولاد جگت پور میں آباد ہوئی تھی اور بعد کو وہ جاجنیری سادات کے نام سے مشہور ہوئی ان کا ایک سلسلہ بہار ضلع مونگیر میں پایا جاتا ہے اور چونکہ بارہ گاؤں میں آباد ہیں اس لیے سادات بارہ گانواں کہلاتے ہیں۔ خاکسار مناظر احسن گیلانی کا تعلق بھی ان ہی جاجنیری سادات سے ہے کہ بارہ کی وجہ یہاں بھی ممکن ہے بارہ گاؤں سے ہو۔ ۱۲

لیکن مغلیہ عہد میں ہمایوں کو شیر شاہی حکومت کے مقابلہ میں جب ایرانی حکومت کی امداد سے کامیابی حاصل ہوئی تو اس ملک میں تورانیوں کے ساتھ ایرانیوں کا اقتدار بھی بڑھنے لگا، ہمایوں اور ہمایوں کے بعد جتنے مغل بادشاہ ہوئے وہ بطور منت شناسی کے ایران سے آنے والوں کو بڑی قدر و عزت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لینے لگے، اور اسی زمانہ سے بڑے بڑے عہدوں پر حتیٰ کہ صوبہ داریوں اور گورنریوں پر بھی ایرانی حکام کا تقرر ہونے لگا، عالمگیر کے عہد تک مغل حکومت شباب کے دور میں تھی، جو زہر اندر داخل ہو گیا تھا اس کے نتائج محسوس نہیں ہوتے تھے، لیکن عالمگیر کے بعد عناصر کے اعتدال میں ضعف پیدا ہوا، اور ان دو متضاد عناصر کے اندرونی تصادم نے رنگ لانا شروع کیا، سادات بارہہ اگرچہ وطناً ایرانی نہ تھے، لیکن ان کا مسلک وہی تھا جو ایرانیوں کا تھا، قدرتی طور پر ان کے زمانۂ اقتدار میں ایرانی امراء کو تورانی یا دوسرے لفظوں میں "سنی" امراء پر برتری حاصل ہونے لگی، اور اتنی برتری کہ بعض بعض بڑے بڑے تورانی امیر تو حکومت اور حکومت کے تعلقات سے دلکش ہو کر گھر بیٹھ گئے، جن میں حضرت آصف جاہ اول بانی حکومت آصفیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :-

کہ بنا بر گرمی بازار امرار جدیدہ و کساد بازاری امرار قدیم از نوکری استعفار دادہ بہ دار الخلافہ شاہجہاں آباد آمدہ و لباس درویشانہ پوشیدہ خانہ نشین شد ص۱۲

نئے امیروں کی گرم بازاری اور پرانے قدیم امراء کی کساد بازاری کو دیکھ کر حضرت آصف جاہ اول مغلی حکومت کی ملازمت سے مستعفی ہو کر شاہجہان آباد پہنچے، اور درویشانہ لباس اختیار کر کے خانہ نشین ہو گئے؛

خلاصہ یہ ہے کہ سارے فتنوں کی بنیاد اگر سچ پوچھئے تو ہندوستان میں بھی وہی مسئلہ رہا ہے جس سے ہر جگہ حتیٰ کہ پہلی صدی ہجری میں فتنوں کی ابتدا ہوئی، یعنی وہی شیعیت وسنیت کا جھگڑا - ابتداء تاریخ اسلام سے جس کسی کے دل میں دنیا طلبی کی انگیٹھی سلگی اس نے دین کے اسی مسئلہ کی آڑ لے کر اپنے حرص و ہوا کی جہنم روشن کی - اور آج تک حال یہ ہے کہ جس واقعہ پر اس اختلاف کی بنیاد قائم ہے حالانکہ اس پر تیرہ سو سال گزر چکے لیکن جب کسی کا جی چاہتا ہے اس کو تر و تازہ کر کے اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا لیتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اسی وقت پیش آ رہا ہے اور فریقین کو دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو ابھی طے کرنا ہے، کتنی عجیب بات ہے کہ قرآنی تعلیمات کے بے شمار بینات و محکمات مثلاً یہ کہ کسی مومن کے لیے قطعاً یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کو کسی حال میں اکیلا اور تنہا خیال کرے اس پر یہ اعتقاد حتمی طور پر واجب ہے کہ ہر حال میں ایک لامحدود قوت کو انتہائی رحم و کرم کے ساتھ اپنے قریب یقین کرے، محسوس کرے کہ یہ قوت اس کے ظاہر و باطن اوّل و آخر کو محیط ہے، بغیر کسی دغدغہ کے اس واقعہ پر بھروسہ کرے کہ اس کی ایمانی صفت کی وجہ سے یہی لامحدود طاقت ہر لمحہ اور ہر حال میں اس کی طرف سے مدافعت پر آمادہ ہے جب مومن مخلوقات کی ربوبیت سے اپنے دل و دماغ کو آزاد کر کے خالق کی ربوبیت پر قدم جماتا ہے، تو اس کو باور کرنا چاہیے اور قطعاً بغیر کسی شک و شبہ کے باور کرنا چاہیے، کہ غیبی قوتیں یعنی ملائکۃ اللہ اس پر نازل ہوتے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کی امداد و اعانت ان کے فرائض میں سے ہے علیٰ ہذا مثلاً ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنے مال

باب، اعمال و عبادت، کفر و ایمان، الغرض ہر چیز سے زیادہ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت رکھے، ظاہر ہے کہ یہ اور ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو قرآن کے نصوص صریحہ سے بغیر کسی تاویل کے ماخوذ ہیں، اسی طرح حمد و شکر توکل و تفویض، تو بہ استغفار و انابت والطاعت وغیرہ وغیرہ ان کے قرآنی حقائق ہونے میں کون شک کر سکتا ہے، بلاشبہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ انکا انکار کرنیوالا کافر ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ہی چیزوں کا نام عقائد ہے لیکن بجائے ان کے ایسی باتیں کہ خدا کے صفات زائد بر ذات ہیں یا عین ذات، صفات حقیقی سات ہیں یا آٹھ، پھر ہر صفت کی نوعیت کیا ہے خصوصاً کلام کی قسمیں اور اس کے مباحث از ہی قبیل یہ مسئلہ کہ دنیا ئے اسلام کے کس علاقہ کے کن باشندوں کو اور ان باشندوں میں کس قبیلہ کو اس قبیلہ میں سے کس بطن کو اس بطن سے کس فخذ کو اس فخذ سے کس خاندان والوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور خلافت کا صرف استحقاق نہیں بلکہ پہلا استحقاق حاصل ہے ان مسائل کو عقائد کی کتابوں میں مجبوراً اس لیئے شریک کرنا پڑا کہ مختلف لوگوں نے مختلف ادوار میں ان ہی مسائل کو اپنے فساد و زیغ کا ذریعہ بنایا، اگر بنی امیہ خلافت کے مباحث کا سب وشتم کے ساتھ بر سر منبر فیصلہ کرنے کی ابتدا نہ کرتے تو جو واقعہ ہو چکا تھا اور جن لوگوں کا اس سے تعلق تھا جب وہ گزر چکے تھے پھر ان کو کوئی خواہ مخواہ کیوں چھیڑتا، لیکن چھیڑنے والوں نے ان ہی چیزوں کو زیادہ اجاگر کر کے اسلام کی طرف منسوب کرنا شروع کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کتابوں میں آخر ان ہی مباحث کی طرف زیادہ توجہ کرنی پڑی، اور قرآن کے سیکڑوں بینات و محکمات نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، اور ایسے اوجھل کہ بجائے اعتقادیات میں شریک کرنے کے سمجھا جاتا ہے کہ اچھے مسلمان ہونے یا دوسرے لفظوں میں صوفی مسلمان ہونے کے لیئے ان کی مشق و مزاولت ایک پیشہ کی حیثیت رکھتی ہے اور بس ـــــ حالانکہ ان میں ہر مسئلہ قرآن کا تھا، جس کا انکار آدمی کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے، یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے، کہ عقائد کی کتابوں میں جن چیزوں کو عقائد کے ذیل میں علمانے شریک فرمایا ہے، میں ان کو اعتقادیات قرار دینے سے انکار کر رہا ہوں، بلکہ مجھے کہنا یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف اغراض سے لوگوں نے بعض خاص چیزوں پر جو زور دیا، تو اس کا آج یہ نتیجہ ہے کہ بہت سے اعتقادی امور ان کتابوں میں شریک نہ ہو سکے، جو اسی لیئے لکھی گئی ہیں کہ ہر مسلمان کا اس کے ہر مسئلہ پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ لوگوں کو غلط فہمی یہ ہو گئی کہ جو کچھ ان کتابوں میں نہیں، گویا وہ اعتقادیات سے تعلق ہی نہیں رکھتا، حالانکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ واقعہ نہیں ہے کم از کم قرآن کی ہر تعلیم کی حیثیت تو یہی ہے کہ اس کا انکار کفر ہو جاتا ہے خواہ وہ توکل کے سلسلہ کی چیز ہو، یا تسلیم و رضا، و صبر و شکر کے باب کی ہو،

میں اپنے مقصد سے بہت دور ہٹتا چلا جا رہا ہوں، کہہ یہ رہا تھا کہ بالآخر سادات بارہہ کے اقتدار کے زمانہ میں پھر اسی پرانے مسئلہ نے ہندوستان میں سر اٹھایا، اور بالآخر اس کا انجام اس پر ہوا کہ ان ہی بادشاہ گر سید بھائیوں کے ہاتھ فرخ سیر مکحول ہوا، اور انتہائی بے دردی و قساوت قلبی کے ساتھ تسمہ میں اس کی گردن کھینچ دی گئی۔ حضرت آصف جاہ اول کے استاذ میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی نے تاریخ لکھی:۔

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند　　صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود　　سادات بوے نمک حرامی کردند

مغل بادشاہ کا ارباب حکومت کے ہاتھ سے مارا جانا غالبًا پہلا واقعہ تھا جو دلی میں پیش آیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جوان ہو چکے تھے۔

انفاس العارفین میں آپ نے فرخ سیر اور سید بھائیوں کے اس تنازعہ کا ذکر فرمایا ہے اور ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ آپ کے والد شاہ عبد الرحیم کی خدمت میں اس جھگڑے کے قصے جب پیش ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

در واقعہ دیدم کہ گو یا مسند فرخ سیر را مردم می خواہند کہ برہم زنند۔	میں نے (کشفی) واقعہ میں دیکھا کہ فرخ سیر کی مسند کو لوگ اُلٹ دینا چاہتے ہیں،

اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے جو واقعہ نقل فرمایا ہر "عقلِ دُنیا" اس کے ماننے کے لئے شاید تیار نہ ہو، لیکن جیسا کہ ابدالی اور مرہٹہ کی جنگ کا غیب میں کسی اور سے تعلق تھا، فرخ سیر کا ایک زمانہ تک سید بھائیوں کے حملہ سے محفوظ رہنا اس میں جس کا ہاتھ کام کر رہا تھا، وہ شاہ ولی اللہ کی زبانی سُنیئے، فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ان لوگوں سے جو بادشاہ کی مسند الٹنا چاہتے تھے فرمایا کہ

برائے من ایں اہم چنیں بگذارید۔ ص ۶۲	میری خاطر سے اس بادشاہ (فرخ سیر) کو اسی حال میں چھوڑ دو (یعنی اس پر ظلم و زیادتی نہ کرو)۔

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب تک ان کے والد زندہ رہے فرخ سیر پہ آنچ نہ آنے پائی لیکن جوں ہی ان کا انتقال ہوا کل

بعد پنجاہ روز از وفات حضرت ایشاں اسیر شد	پچاس دن آپ کی وفات کے بعد فرخ سیر قید ہو گیا

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اور تاریخوں میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے کہ فرخ سیر کا ان بھائیوں کے ہاتھ قتل ہونا تھا کہ ملک میں ایک ایسا زلزلہ برپا ہوا کہ پھر نہ تھا، شاہ ولی اللہ اپنی چشم دید شہادت یہ درج فرماتے ہیں۔

ہرج و مرج عظیم دست داد	سخت کشت و خون کی گرم بازاری ہوئی۔

خصوصًا تورانی اُمراء اپنے ہم مذہب بادشاہ کے اس دردناک مظلومانہ قتل سے سخت برہم ہوئے، جیسا کہ میں نے لکھا تھا، حضرت آصف جاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترک دُنیا کر کے اُسی "جنون ترک منصبہا" کو اختیار فرما لیا تھا، جو شاہ ولی اللہ کا مسلک تھا، لیکن اس واقعہ نے ان کی رگ حمیت میں جوش پیدا کر دیا، اور لباس فقیری اُتار میدان میں اُتر آئے سادات بارہ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ان کو رام کر لیا جائے، لیکن دلی چھوڑ کر وہ مالوہ اور دکن کے جنگلوں میں جوش انتقام میں بھرے ہوئے شیر ژیاں کی طرح ڈکارتے پھر رہے تھے، مظلوم بادشاہ کی تڑپتی ہوئی لاش ان کو چین لینے نہیں دیتی تھی، مشہور ہے کہ حسین علی خاں نے ایک خط بڑی منت سماجت کا ان کو مالوہ لکھا جواب میں صرف یہ شعر لکھ کر حضرت آصف جاہ نے بھیج دیا

من بے وفائیم بوفا می خورم قسم
من چو شمائیم بشما می خورم قسم

بہرحال فرخ سیر کو ختم کر کے ان بھائیوں نے پہلے رفیع الدرجات پھر رفیع الدولہ کو دلی کے تخت پر اپنے نوکر ہونے کی حیثیت سے تخت نشین کیا، دونوں چونکہ مدقوق تھے تین چار مہینے کے اندر اندر دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔ تب سید برادروں نے محمد شاہ بادشاہ کو اپنا نوکر بنا کر مغل تخت پر بٹھایا، اور اسی کو حسین علی خاں اپنے ساتھ لے کر تورانیوں کے سردار آصف جاہ کو ختم کرنے کے لیے ایک فوج لے کر دکن کی طرف روانہ ہوا، جہاں آصف جاہ نے قبضہ جمالیا تھا مگر چند ہی منزل دلی سے آگے بڑھے تھے کہ آخر جس شاہین بلند آشیانہ کے شکار کے لیے نکلے تھے، اس کی دعاہائے نیم شبی کہیے یا دُعا کے ساتھ اس کی دوائے بھی، وہ شکار ہو گئے، حضرت آصف جاہ کے چچا زاد بھائی محمد امین خاں کے اشارہ سے میر حیدر کاشغری نے حسین علی خاں کا کام تمام کر دیا سفر میں جب حسین علی خاں کی بارگاہ لوٹی گئی تو طباطبائی کا بیان ہے کہ اس وقت خزانہ میں ایک کروڑ روپیہ تھا۔ اس بازو کا ٹوٹنا تھا کہ دوسرا بازو بھی ایرانیوں کا بظاہر ٹوٹ گیا، یعنی دوسرے بھائی حسن علی خاں الملقب بہ قطب الملک نے بھی محمد شاہ کے ہاتھ گرفتار ہو کر قید خانہ میں آخری سانسیں پوری کیں۔ تورانی امیروں کی مغل دربار میں یہ بڑی کامیابی تھی، محمد شاہ جو شاہی کرنے کے لیے نوکر تھا اب اس کی جان میں جان آئی، کچھ دن تو محمد شاہ واقعی حضرت آصف جاہ کو وزیر اعظم بنا کر محمد شاہ بنے رہے، لیکن یاروں نے اس غریب کو بجائے تورانیوں کے پھر ایرانیوں کے زیر اثر ڈال دیا، بادشاہ نے مذہب تو نہیں بدلا لیکن مشرب بدل دیا، ایسا ہی ان کا نصیب تھا پایا، عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اُٹھے، بادل گرجے، کرمیر خیمہ، خرگاہ صحرا روانہ ہوا ہر طرف [۵]

می دید صبح کلہ بستہ سحاب | الصبوح الصبوح یا اصحاب
ژالہ باریدیر رخ لالہ | المدام المدام یا احباب

کا شور تھا اسی لیے بچارا آخر میں رنگیلے کے نام سے بدنام ہو گیا۔ آصف جاہ دربار کے اس رنگ کو دیکھ کر پھر دکن کی پہاڑیوں اور جنگلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

حریف بظاہر بادشاہ سے ملے ہوئے تھے لیکن ایرانیوں کو جو زخم تورانیوں سے پہونچا تھا، اس کی آگ اندر اندر سلگتی رہتی تھی، آخر وہ آگ بھڑکی، اور طے کر لیا گیا، کہ اب اس تورانی امیر اور اس کے ساتھیوں، ہمنواؤں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے تاریخ میں واقعات کو پھیر کر بیان کیا گیا ہے، لیکن تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں کہ اندرونی کارروائی کیا ہوئی، محمد شاہ کا عہد ہے۔ بنات خود وہ جو کچھ بھی تھا، لیکن اگر شاہ عبد العزیز صاحب کی یہ روایت صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی چشم دید گواہی کے قریب قریب ہے

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند وایں چنیں اتفاق کم می شود

ملفوظات عزیزیہ ص۱۰۱

محمد شاہ کے زمانہ میں بائیس بزرگ صاحب ارشاد ہر سلسلہ اور طریقہ کے دلی میں تھے ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

[۵] کہا جاتا ہے کہ داڑھی کٹنے والے اس تورانی امیر پر خلیع العذار ایرانی امرا فقرے چست کرتے تھے، قلعہ میں جب داخل ہوتے، تو بندھا بندر کا مشہور

ظاہر ہے کہ محض رسمی یا خاندانی پیرزادوں کے متعلق یہ بیان نہیں ہے بلکہ شاہ صاحب کے خیال میں بھی جو واقعی ارشاد و ہدایت کے سزاوار تھے ان کی محض دلی شہر میں اتنی تعداد تھی۔ یقیناً اس قسم کا اتفاق کم ہوا کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باایں ہمہ رندی و خراباتی محمد شاہ میں ایک دوسری لٹک بھی ضرور تھی کہ بہرحال حکومت کی قدر دانیوں اور جوہر شناسیوں سے اس قسم کے اجتماعات کو بہت کچھ تعلق ہے۔

خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

تو اسی بنگلے نے وہ رنگین سلوک کیا ہے کہ اگر مسلمان اس غریب کو محض اس کی اسی خدمت کی بنیاد پر بخش دیں، تو وہ اس کا مستحق قرار پا سکتا ہے، اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جن مقاصد اور خیالات کو لے کر حجاز تشریف لے گئے، اور حرمین کے جن "فیوض" سے مالامال ہو کر وہ پھر ہندوستان واپس ہوئے، اور کچھ طے کر کے واپس ہوئے جیسا کہ ان کے اس وداعی بیان سے معلوم ہوتا ہے جو رخصت ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنے اُستاذِ حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ہر چہ خوانده بودم فراموش کردم الا علم دین (یعنی حدیث) (ملفوظات عزیزیہ ص ٩٦)	جو کچھ میں نے پڑھا تھا سب کچھ بھلا دیا بجز علم دین یعنی علم حدیث، کے

اور اسی بنیاد پر جیسا کہ سب جانتے ہیں، حضرت شاہ صاحب ہی کی بدولت آج ہندوستان میں "علم حدیث" کا بحمد اللہ مینارہ اتنا بلند ہے کہ بلا مبالغہ اب اسلامی ممالک میں کوئی ملک اس حیثیت سے اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ کسی معمولی آدمی کی نہیں بلکہ الازہر کے ہم وطن مشہور ناقد و بصیر عالم رشید رضا مرحوم مصری کی شہادت ہے اور ان کو مجبوراً واقعات کی بنا پر یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ

ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فے ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال۔ (مقدمہ مفتاح کنوز السنہ ص ٦)	اگر ہمارے بھائی ہندوستان کے علماء کی توجہ اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو اس علم کے زوال اور فنا کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ساری برتری براہ راست بلاشرکت غیرے حضرت شاہ ولی اللہی کی رہین منت ہے، آج ہندوستان میں جس طبقہ میں بھی جو کچھ حدیث کا چرچا پایا جاتا ہے "ہمہ آوردۂ اوست"، شاہ عبد العزیز صاحب اسی بنیاد پر کبھی کبھی فرماتے :۔

علم حدیث پدر من از مدینہ آورده، چهارده ماه در حرمین بوده سند کرده (ملفوظات ص ٩٣)	میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے چودہ[١٤] ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرمائی تھی

لیکن دنیا کو شاید یہ معلوم نہیں کہ شاہ صاحب نے مدینہ سے واپسی کے بعد جب درس حدیث کا افتتاح فرمایا تو

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) لطیفہ اس نیک دل وفادار بزرگ کی شان میں استعمال کیا جاتا۔ سُنا گیا ہے کہ جھلا کر ایک دن حضرت آصف جاہ نے فرمایا کہ مجھ جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ لو لیکن میری آنکھیں اس دن کو دیکھ رہی ہیں جب لال قلعہ کی دیواروں پر بندر اچھلتے پھریں گے، اور یہی فرمانے کے بعد دربار سے علیحدگی کا انھوں نے مصمم ارادہ فرما لیا ١٢

اس وقت پرانی دلی میں جہاں اب ان بزرگواروں کے مزارات ہیں، وہاں اپنے والد کے پرانے مکان میں پڑھانے کی جو مختصر سی جگہ تھی اسی سے کام شروع کر دیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر جب پہونچنے لگے تو ظاہر ہے کہ شاہ عبدالرحیم کی درسگاہ مسند الوقت کے دار العلوم بننے کا کام کیسے انجام دے سکتی تھی، اور یہ سعادت محمد شاہ بادشاہ کے نام قدرت نے لکھی تھی کہ اس نے

"مولانا کو بلا کر شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر آپ کو اندرون شہر رکھا قدیم جگہ غیر آباد ہو گئی"

(دار الحکومت دہلی جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ مولفہ مولوی بشیر صاحب)

دلی کے پرانے کھنڈروں کا یہ سب سے بڑا ماہر دوسری جگہ اسی محمد شاہی عطیہ کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

"یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دار العلوم سمجھا جاتا تھا۔"

دار العلوم کی پختگی اور استحکام کا اندازہ تو اسی سے ہوسکتا ہے کہ غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قایم تھا، اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا کہ

"غدر میں مکانات لوٹ لیئے گئے اکڑی تختے تک لوگ اٹھالے گئے۔"

تو آج بھی وہ شاید باقی رہتا،

رہی اس کی وسعت اور کشادگی، کاش! مکان موجود ہوتا تو صحیح رائے قایم ہوسکتی تھی، لیکن مولوی بشیر الدین صاحب کتاب مذکور کا یہ بیان کہ

"اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے؛"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی جگہ تھی جبھی تو "متفرق لوگوں کے مکانات" اس میں بن سکے؛ بلکہ جو محلہ "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کے نام سے مشہور ہے اگر اس کی کل آبادی اسی مدرسہ کی زمین پر قایم ہوئی ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ مکان بجائے خود ایک محلہ کی گنجائش اپنے اندر رکھتا تھا اور یوں بھی تو سمجھنا چاہیئے کہ جس مکان میں شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیز پھر شاہ عبدالعزیز کے بعد آخر میں شاہ اسحاق رح تک کے مشہور عظیم ترین حلقہ کے طلبہ بھی اسی میں پڑھتے رہے، خیال کیا جا سکتا ہے کہ محمد شاہ کا دیا ہوا یہ مکان مکان نہیں بلکہ غالباً کوئی بڑی ڈیوڑھی یا حویلی ہوگی، جس میں اتنی گنجائش پیدا ہوسکی۔

مغلی عہد کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کا اندازہ موجودہ زمانہ کے ہندوستانیوں کو نہیں ہوسکتا، تھوڑے بہت اس کے نشانات اب بھی حیدرآباد میں پائے جاتے ہیں، کہ ایک ایک امیر کی بعض ڈیوڑھیاں اس وقت بھی بحمد اللہ شاید ایک ایک مربع میل سے کم زمین میں نہ ہوں گی، بہرحال مولوی بشیر الدین صاحب کتاب مذکور ہی نے لکھا ہے کہ

"شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے وہی مشغلہ (درس تدریس) کا جاری

رکھا اور اس مدرسہ نے تعلیم دینیات میں وہ نام پایا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا، جب شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحاق (مہاجر مکی) نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی"۔

جو لوگ حضرت شاہ عبدالعزیز اور بالخصوص حضرت شاہ اسحاق صاحب کے حلقہ درس کی وسعت سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ ایک زمانہ ہندوستان پر وہ بھی گزرا ہے کہ جس طرح آج ہر صوبہ اور تقریباً ہر صوبہ کے ہر ضلع اور ہر ضلع کے ہر تعلقہ (سب ڈویژن) میں دیوبند کا کوئی نہ کوئی طالب العلم ضرور پایا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح حضرت شاہ اسحاق صاحب کی درسگاہ کی بھی اپنے زمانہ میں یہی نوعیت تھی وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مدرسہ کی وسعت کیا ہو گی، اس کا پتہ تو نہ چلا کہ اس مدرسہ میں طلبہ کے قیام کا بھی بندوبست تھا یا نہیں، ظاہر تو یہی ہے کہ اس زمانہ میں جب مسلمانوں نے ہر طالب العلم کے لیئے قیام و طعام (لاجنگ بورڈنگ) کے مسئلہ کو نزی (او رمفت) کر رکھا تھا تو اسی دستور کے مطابق طلبہ مساجد اور ان مقامات میں رہتے ہوں گے، جن کا نام اس زمانہ میں جاگیر تھا، تاہم شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اپنے اسی مدرسہ کی مسجد کا حال بیان فرماتے ہوئے جو یہ فقرہ پایا جاتا ہے کہ

وہاں ہنگام بزرگان بسیار د اولیا ربسیار از یاران والد ماجد . . . معتکف مسجد بودند ص۱۰۹

اس زمانہ میں بہت سے بزرگ اور بہت سے اولیاء اللہ والد ماجد کے دوستوں میں سے مسجد میں معتکف تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کی خانقاہی حیثیت بھی تھی، رمضان کے مہینہ میں بھی جو عموماً عربی تعلیم کی عطلت کا زمانہ ہے "بزرگان بسیار د اولیا بسیار" اس مدرسہ کی مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو عام واردین و صادرین کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

چونکہ محمد شاہ کی ایک اسلامی خدمت کا اظہار مقصود تھا اس لیئے ضمناً میں نے ذرا طول بیانی سے کام لیا، اور اس سے گو شاہ صاحب کے مدرسہ کی حالت پر بھی روشنی پڑ گئی، نیز اسی مدرسہ کے کچھ حالات آخر مضمون میں بھی انشاء اللہ آئیں گے، اسی سلسلہ میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جب خود محمد شاہ نے حضرت شاہ صاحب کو بلوا کر یہ مدرسہ حوالہ کیا تھا، تو عقل کا تقاضا ہے کہ حکومت نے ان طلبہ کے لیئے بھی ضروری وظائف منظور کیئے ہوں گے، جو اس مدرسہ میں دور دور سے آتے تھے، کیونکہ بادشاہ تو بادشاہ، عام امراء کے خزانوں سے وظائف طلبہ میں کافی رقموں کے دینے کا عام دستور تھا، حافظ الملک رحمت خاں والی بریلی کے متعلق ان کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ ماہوار سیکڑوں طالب العلموں کو ان کی سرکار سے امداد ملتی تھی، نجیب الدولہ کی علم دوستی کا حال تو خود شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود اونیٰ پنج روپیہ و اعلیٰ پانصد روپیہ ص۸۱

نجیب الدولہ کے پاس نو سو عالم رہتے تھے جن میں ادنیٰ درجہ کے علما کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو پانچسو روپیہ ملتے تھے۔

میرا اندازہ ہے کہ یہ پانچ اور پانچسو روپیہ ماہوار نہیں بلکہ یومیہ تھا۔ حیدر آباد دکن میں بحمد اللہ ان کی نشانیاں اب تک باقی ہیں

اور جس زمانہ میں مسلمانوں کی دولت کا حال یہ تھا کہ زیادہ دن پہلے نہیں بلکہ انگریزوں کے تسلط سے کچھ ہی پہلے دلّی کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

کہ بخانہ قمر الدین خاں عورات غسل اخیر از گلاب می کردند و بخانہ دیگر نواب سہ صد روپیہ گل وپان برائے عورات می رفت

قمر الدین خاں کے گھر میں عورتیں آخری غسل گلاب سے کرتی تھیں، اور ایک دوسرے نواب کے یہاں تین سو روپیہ روز کا صرف پھول، پان عورتوں میں جاتا تھا

اور وہی "سید برادران" جن کا حال ابھی گزرا ان میں کے بڑے بھائی حسین علی خاں جب اورنگ آباد دکن کے صوبہ دار تھے تو میر غلام علی آزاد بلگرامی کا بیان ہے کہ

مردم اورنگ آباد بالاتفاق بیان می کنند در عہد امیر الامرا اکثر مردم در خانہ خود طعام نمی پختند طباخان سرکار امیر الامرا حصہ خود می فروختند وقاب پلاؤ مکلف بچند پول می دادند

(دفتر ۱ ماثر الکرام) ج ۱

اورنگ آباد کے لوگ بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ امیر الامرا (حسین علی خاں) کے زمانہ میں اکثروں کے یہاں کھانا نہیں پکتا تھا بلکہ امیر الامرا کی سرکار کے باورچی اپنے حصہ کا کھانا بیچتے تھے پلاؤ کا ایک مکلف قاب چند پیسوں میں دیتے تھے۔

خیر بات بہت طویل ہوئی جاتی ہے، لیکن "فاقصص القصص" بھی چونکہ عبادت ہے اور اس سے بھی زیادہ "لعلہم یتفکرون" (پہلوں کے حالات سن کر شاید پچھلوں میں چونک پیدا ہو) اس لیے اس معترضہ جملہ کے بیان کرنے میں مضائقہ محسوس نہ ہوا۔ اب اصل مدعا کی طرف آتا ہوں تو قصہ یہ ہو رہا تھا کہ حجاز سے سند حدیث لے کر جب شاہ صاحب دلّی واپس ہوئے اور طلبہ کے عام رجحان کو دیکھ کر محمد شاہ نے آپ کو یہ حویلی کہیے یا اسی زمانہ کی زبان میں دار العلوم (کالج) قرار دیجئے۔ حوالہ کیا تو شاہ صاحب اپنے منصوبوں کو دل میں لے کر اس کے مطابق سرگرم عمل ہوئے ہی تھے کہ اچانک ہندوستان خصوصاً دلّی کی زمین پر نادر شاہ درانی کی مشہور مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ شاہ صاحب ١١٤٥ھ میں حجاز سے دلّی پہونچے تھے اور ١١٥١ھ میں نادر کی دلّی شکار ہوئی، مورخین کا اس حملہ کے اسباب میں اختلاف ہے، میاں بشیر مرحوم نے تو آصف جاہ مرحوم کو نادر کا داعی قرار دیا ہے لیکن سچ یہ ہے اور واقعات اس کے موید ہیں کہ ایرانیوں کی قوت سادات کی تباہی سے جو کمزور ہوئی تھی، اسی کی تلافی کے لیے غریب تورانیوں[۱] پر نادر شاہ اُکسا کر بلایا گیا تھا، اور بالفرض یہ سب

[۱] عام تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آصف جاہ بہادر نادر سے دوسرے دن مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے بادشاہ محمد شاہ کو اپنے بھی مشورہ دیا تھا لیکن برہان الملک یعنی شاہان اودھ کے مورث نے ان کے منشا کے خلاف تنہا لڑائی چھیڑ دی اور خود اپنے کو نادر کے ہاتھ گرفتار کرا کے نادر کو دلّی لے گیا اور کروڑہا کروڑ روپیہ تخت طاؤسی کے ساتھ جو گیا سو گیا لاکھوں انسانوں کا خون بھی بہا۔

نہ بھی ہو، جب بھی واقعہ یہ ضرور پیش آیا کہ ہمایوں نے ایرانی جرائیم کے لیے جو سوراخ پیدا کر دیا تھا نادرگردی نے اس سوراخ کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ یعنی اب تک ہندوستانی حکومت اپنے جذبہ منت شناسی کا اعتراف ایرانیوں کو مناصب و خدمات دے دے کر رہی تھی۔ لیکن نادرشاہی اور قزلباشی افواج کے عسکری اور سیاسی تفوق نے ہندوستانی دماغوں میں مرعوبیت کی اُسی کیفیت کو پیدا کر دیا جس کا مشاہدہ آج مغربی حکومت کی بدولت اور اس کے نتائج کی شکل میں ہم کر رہے ہیں۔

ہمارا ظاہر و باطن واندر باہر، صرف محکومیت اور تعبد کی تجلی گاہ بنا ہوا ہے مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ہمارا بال بال یورپ کی غلامی کے سحر سے مسحور ہے، سروں کے بال اور مونچھ داڑھی کی تراش و خراش میں بھی ہماری آنکھیں اپنے مغربی آقاؤں کے چہروں کو تاکتی رہتی ہیں اب ہم خود کچھ نہیں دیکھتے، بلکہ جو یورپ دکھاتا ہے وہی دیکھتے ہیں جو کچھ وہ سوجھاتا ہے وہی سوچتے ہیں، جو وہ سمجھاتا ہے، وہی سمجھتے ہیں، جو کچھ وہ کھلاتا ہے وہی کھاتے ہیں جو کچھ وہ پلاتا ہے وہی پیتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ ہم میں کتنے ہیں جو استنجا اور قضا حاجت کی شکلوں میں بھی آج یورپ کی راہنمائی کا اپنے کو دست نگر بنائے ہوئے ہیں، یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہے بلکہ وہ تماشا ہے جو حکومت کی سحر طرازیاں ہیں اس وقت ملک کے ہر صوبہ اور ہر علاقہ بلکہ دور دست ریاستوں تک میں دکھلا رہی ہیں۔

نادر سے ہندوستانیوں نے شکست کھائی تھی اور ایسی شکست کھائی تھی، جس کی نظیر کم از کم ہندی مسلمانوں کی آنکھوں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جامع ملفوظات نے ایک موقع پر یہ نقل کیا ہے کہ شاہ صاحب نے ایک دن

تذکرہ قتل نادرشاہی و عزم جوہر شدن شرفا کہنہ شہر و جواب والد ماجد و قصہ امام علیہ السلام	نادرشاہی قتل، اور پرانی دلی کے شریفوں کے اس ارادہ کا ذکر فرمایا کہ وہ "جوہر" کا قطعی طور پر ارادہ کر چکے

تھے، پھر والد نے جو جواب اُن کو دیا اور امام علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا

اس "جوہر" کی رسم سے شاید عام لوگ واقف نہ ہوں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ ہندوستان کی ایک قدیم رسم تھی "جب دشمن کا غلبہ اور تسلط اس حد کو پہونچ جاتا تھا کہ نجات و خلاصی کی راہ مسدود ہو جاتی تھی تو پاس ناموس و عزت کے لیے آگ کا الاؤ جوڑ کر عورتیں، مرد، بچے سب اُس میں کود جاتے تھے،

شاہ صاحب کی اس شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ "نادرگردی" کی دہشت اس حد کو پہونچ چکی تھی کہ پرانی دلی کے شرفا آگ میں پھاندنے کی تیاریاں کر چکے تھے، لیکن جیسا کہ آگے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، اس موقع پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب مسلمانوں کو واقعہ کربلا اور حسین علیہ السلام کے مصائب یاد دلائے اور بتایا کہ وہاں بھی تو جان و مال کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی عزت و ناموس خطرہ کی آخری شکل میں گھر چکی تھی، لیکن حضرت امام نے "جوہر" کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ صبر و رضا کی راہ اختیار کی تو اس ارادہ سے لوگ باز آئے۔

بہرحال اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دلّی اور دلّی کے ساتھ سارے ہندوستانیوں کی ایرانیوں سے مرعوبیت کا کیا حال ہوا ہوگا، یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اس مرعوبیت نے ہندوستانیوں کے اندر صرف ایرانی اعتقادات اور دینی مسلک کے میلان کے راستہ کو صاف کیا بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا "محکومیت" ہر قسم کے انفعالات و تاثرات کو اپنے ساتھ لاتی ہے ہمایوں کے بعد ہندوستانی مسلمان یوں بھی ایران کی شاعری، ایرانی مفکرین اور ایرانی اربابِ علم و دانش سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ مغل دربار زیادہ تر ایرانی ہی شعراء، حکماء اور فلاسفہ سے معمور تھا جس کی تفصیل عام تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے، ورنہ مغل حکومت سے پہلے اگرچہ "ولائت" یعنی "بیرونِ ہند" سے ہر قسم کے لوگوں کا اس ملک میں تانتا بندھا ہوا تھا، اور ان میں اکثر تھوڑی کد و کاوش کے بعد اپنی اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر کسی نہ کسی عہدہ اور مرتبہ تک پہونچ ہی جاتے تھے، لیکن اس میں ان "ولایتی ممالک" میں سے کسی خاص ملک کی تخصیص نہ تھی۔ ترکستان۔ خراسان۔ ایران۔ عرب بلکہ روم وغیرہ تک کے لوگ آتے رہتے تھے اور اگر کچھ غلبہ حاصل تھا تو خراسانی اور تورانی ممالک کے اہلِ علم و فضل کو تھا، اور چونکہ ان علاقوں میں زیادہ تر تصوف فقہ و اصولِ فقہ کا چرچا تھا اسی لیے مغل عہد سے پہلے ہندوستان میں ان ہی علوم کا زیادہ چرچا پھیلا ہوا تھا فلسفہ منطق کی طرف لوگوں کا کم میلان تھا لیکن ہمایوں کے بعد ہم بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر کو محسوس کرتے ہیں یعنی آہستہ آہستہ فلسفہ اور منطق کو اہمیت حاصل ہوتی جاتی ہے، اور اس کے بعد ان دونوں علوم کے ساتھ ہمارا ملک جس شدت سے چمٹ گیا، اس کا حال کس کو معلوم نہیں، اس تغیر کی تاریخ یہ ہے — کہ جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں ایران میں خاص دل و دماغ کے کچھ لوگ پیدا ہو گئے تھے، جن میں عجیب و غریب شخصیت میر باقر داماد نامی ایک ملا کی تھی، یہ استرآباد کا رہنے والا تھا، مشہد میں تعلیم حاصل کی تھی اور صفاہان میں سکونت اختیار کر لی تھی، شاہ عباس صفوی اس کا بڑا قدردان تھا اور اسی کی قدردانیوں نے اس کو شہرت و عزت کے اس مقام پر پہونچایا تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جو ہمارے مدرسوں میں مشہور ہے کہ "باقر داماد بادشاہ کا داماد تھا اسی لیے داماد کے لقب سے مشہور ہوا، بلکہ داماد دراصل ان کے والد کا لقب تھا جن کا نام سید محمد تھا، سید محمد کی شادی اس زمانہ کے ایک بڑے فقیہ شیخ علی بن عبدالعالی سے ہو گئی تھی اسی لیے لوگ سید محمد کو سید محمد داماد کہنے لگے، سید محمد کے بعد یہی لقب دامادی کا ان کے بیٹے میر باقر کو وراثت میں ملا، بہرحال باقر داماد جیسا کہ میں نے عرض کیا ایک خاص قسم کا آدمی تھا، جہاں تک میرا خیال ہے اس کو فلسفہ سے زیادہ ادب میں مہارت حاصل تھی، وہ فطرۃً شاعر تھا اور اگرچہ عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں لیکن فارسی زبان میں وہ شاعری بھی کرتا تھا، اشراق تخلص تھا مگر بیچارے کے لیے دشواری یہ ہو گئی تھی کہ پیدا ہو گئے تھے ملا گھرانے میں، جس کے لیے شعر و شاعری کے مشاغل کسی طرح مناسب نہ تھے، آخر ان کی فطرت نے ایک دوسری راہ بتائی، دینیات اور مذہبیات سے تو اس شخص کو کبھی دلچسپی نہ ہوئی اگرچہ برائے نام بعض مختصر رسالے دینی موضوع پر بھی لکھے ہیں، لیکن اپنے دماغ کو فلسفۂ الٰہیات کی طرف پھیر دیا اور اس زمانہ کی ایرانی ادبیات میں الٰہیات کا جو سرمایہ تھا، خصوصاً متاخرین کے لفظی جھگڑوں نے بات کو بتنگڑ بنا کر

ہو ہام کی جو بھول بھلیاں تیار کردی تھیں میر باقر نے ان ہی چیزوں کو لے کر ایک خاص قسم کے ادیبانہ رنگ میں جس میں لغت کے نامانوس غریب الفاظ، عربی زبان کے ایسے مصادر جن کا عام بول چال میں کم استعمال ہوتا ہے مثلاً باب تجشیعان اجلواذ احرنجام اقشعرار وغیرہ کے وزن پر زبردستی الفاظ کو تراش خراش کرلانا، نون تاکید اور باب تفعیل و تفعّل کی تشدید سے کلام میں زور پیدا کرنا، ایسی چیزوں کی جمع بنانا جن کی جمع کی طرف بآسانی ذہن منتقل نہ ہو سکے، مثلاً عام طور سے منطقی اور کلامی طبقوں میں "لانسلم" (ہم یہ نہیں مانتے) یا "لِمَ لایکون کذا" (آخر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا) وغیرہ الفاظ کا استعمال بکثرت کیا جاتا ہے، خصوصاً ارباب جدل و مناظرہ کی زبانوں پر تو گویا یہ الفاظ بطور سخن تکیہ کے چڑھے رہتے ہیں میر باقر نے ان لوگوں کا نام ہی "لانسلمیون" اور "لم لایکونیون" رکھدیا، ظاہر ہے کہ اس جمع کو دیکھ کر بآسانی کس کا دماغ ان کے مفردات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے، بہرحال اس زمانہ کے شروح و حواشی خصوصاً دوانی اور صدر معاصر نے شرح تجرید کے حاشیوں میں قدیمہ، جدیدہ، اجد وغیرہ کے ناموں سے بے معنی مباحث کا جو طوفان پیدا کیا تھا، اور اس پر مرزا جان، اخوند یوسف، آقا حسین خونساری وغیرہ نے جو "کوہ کندن کاہ برآوردن" کی خدمتیں انجام دی تھیں، میر باقر نے ان ہی سب کو سامنے رکھ کر اپنے جدید انشا اور ادب کا ان کو تختۂ مشق بنایا، گویا ایک قسم کے منطقی اور الہٰی ادب کی اس نے ایجاد کی، اسی کے ساتھ میر داماد نے اپنی کتابیں جن میں تقریباً ایک ہی قسم کے مضامین ہیں ان کے نام بھی عجیب و غریب قسم کے رکھے جن کے سننے کے ساتھ ہی آدمی پر ایک رعب سا چھا جاتا ہے، مثلاً "الافق المبین"، "الصراط المستقیم"، ایماضات، تقدیسات، تلبیات از یں قبیل اور بھی چند کتابیں ہیں۔

غرض میرے نزدیک تو میر باقر پر بجائے فلسفہ اور منطق کے فی الحقیقت ادب و شعری غالب تھا اس کا اندازہ علاوہ ان تدبیروں کے اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں نظامی گنجوی کی پانچ نظم کی کتابوں کا شمار فارسی شاعری کے جواہر پاروں میں تھا، اور "جواہر خمسہ نظامی" کے نام سے یہ مجموعہ عام طور پر مشہور ہے۔ میر باقر نے بھی اپنی پانچ کتابوں کو "جواہر خمسہ" کے نام سے ملقب کیا ـــــ میر باقر کے بعد ان کے شاگردوں میں ایک اور صاحب قلم (بلکہ "صاحب قلم" سے زیادہ "صاحب سیاہی و روشنائی" کا خطاب ان کو دیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا) پیدا ہوئے .... یعنی ملا صدر الدین شیرازی جن کی کتاب شرح ہدایت الحکمۃ "صدرا" کے نام سے مدرسوں میں آج بھی مشہور ہے، یہ شخص بلا کا لکھنے والا تھا، ہزارہا صفحات کی بیسیوں کتابوں مثلاً تعلیقات شفا یا حواشی شرح حکمت الاشراق "شواہد ربوبیت" وغیرہ کے علاوہ ایک بسیط کتاب اسی لفظی فلسفہ کے متعلق چار ضخیم جلدوں میں اس شخص نے تیار کی جس کا نام "اسفار اربعہ"[1] ہے، اس کے زمانہ تک لایعنی مباحث کا جو ذخیرہ جمع ہو چکا تھا، سب کو تلاش کر کر کے اس نے اپنی کتاب میں

---

[1] حکومت آصفیہ کے دارالترجمہ نے فلسفہ کی اس ضخیم کتاب کا اردو میں ترجمہ کرادیا ہے جس کی پہلی جلد کا ترجمہ خاکسار نے اور باقی جلدوں میں سے ایک حصہ کا مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اور دوسرے حصہ کا مولوی میرک شاہ کشمیری نے کیا ہے دنیا کی کسی زبان میں فلسفہ کی اتنی بڑی کتاب شاید ہی موجود ہوگی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فلسفہ چونکہ نام ہی دسوسہ کا ہے مشرقی ہو یا مغربی لیکن اگر علم اس کا نام ہے تو صدر شیرازی کا یہ ایسا کام ہے جس میں ڈھونڈھنے والے فلسفہ کے ہر مکتب خیال والوں کے خیالات تلاش کر کے نکال سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

جمع کیا، اور ان کے ساتھ متعلق مسائل میں اپنے خاص نظریات بھی قایم کیے، اُستاذ سے ان کا رنگ اس اعتبار سے جُدا ہوکر قیل وقال غریب لفظوں کے طمطراق سے ان کی کتابیں خالی ہیں، صرف اسفار کے عنوانوں میں میر باقر کی کچھ جھلک پائی جاتی ہو مثلاً لمعۂ اشراقیہ "الحکمۃ عرشیہ" وغیرہ

بہرحال جس وقت ہندوستان میں عہد شاہجہانی وعالمگیری گزر رہا تھا، ایران کی زمین ان لفظی فلسفیوں کی علمی مبالغت شان کے غلغلوں سے گونج رہی تھی۔ اور ہندوستان وہی ہندوستان جس نے ہمایوں کی راہ سے اپنا رشتہ ایران سے جوڑ لیا تھا اس میں ان غلغلوں کی صدائے بازگشت آآکر ٹکراتی تھی، اب تک کسی میدان میں اسلامی ہند نے چونکہ شکست کی رسوائی نہیں اُٹھائی تھی اس لیئے ایران کی ان آوازوں سے اتنا تو متاثر نہیں ہوا جتنی کوئی محکوم مفتوح قوم متاثر ہوسکتی ہی لیکن میل ملاپ اور احسان مندی کے جذبات نے ہندوستان کو اتنا منفعل ضرور کردیا، کہ جو ملک اب تک صرف تصوف وفقہ واصول فقہ کی جولانگاہ تھا، اب ان علوم سے ہٹ کر آہستہ آہستہ اس کا میلان ایرانیوں کے ان لفظی گورکھ دھندوں کی طرف فلسفہ اور منطق یا عقلیات کے پرشوکت ناموں سے بڑھنے لگا۔ زیادہ دن نہیں گزرنے پائے کہ بالآخر پُرانے ذوق پر یہ جدید شوق غالب آگیا اور ایسا غالب آیا کہ عالمگیر کے عہد کے ایک مشہور عالم جو عالمگیری فوج میں ایک بڑی مذہبی خدمت یعنی فریضہ احتساب پر ملازم تھے جس کا براہ راست تعلق فقہ اور فقہی مسائل کی تفصیلات ہی سے ہے فقہ اور اس کے جزئیات سے جو پورے طور پر واقف نہ ہو صحیح طور پر اس فریضہ کا انجام پانا اس سے مشکل ہی، میری مراد میرزا زاہد سے ہے جو اس وقت تک عربی مدارس میں اپنے "زواہد ثلثہ" کی بدولت خاص شہرت رکھتے ہیں اور منطق وفلسفہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کے اُستاد ہیں، ان ہی میرزاہد صاحب کے متعلق جو آگرہ میں صدر محتسب عساکر عالمگیر تھے، مولٰنا شاہ عبدالعزیز راوی ہیں کہ

میرے شرح وقایہ نمی خواند بے حضور جد بزرگوار سبق نمی فرمود ملفوظات ص۴

ایک امیر میرزاہد سے شرح وقایہ پڑھتا لیکن فقہ میں میرزاہد کو اپنے اوپر چونکہ اعتماد نہ تھا، اس لیئے جب تک دادا حضرت شاہ عبدالرحیم نہ آجاتے میر صاحب سبق نہیں پڑھاتے تھے

شرح وقایہ پڑھانے میں تو محتسب صاحب کا یہ حال تھا لیکن اسی کے مقابلہ میں معقولات سے آپ کے تعلق کی جو نوعیت تھی شاہ عبدالعزیز ہی نے ان کا یہ دلچسپ فقرہ نقل کیا ہی کہ میرزا جان اور اخوند یوسف جن کے دوانی کے حواشی پر حواشی ہیں ان دونوں کے متعلق میرزا زاہد[1] کہا کرتے۔

تقریر میرزا جان جان من ست وتقریر اخوند جان جان

مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہی اور اخوند کی تقریر میری

[1] مگر باوجود اتنی معقولیت کے اس زمانہ کے معقولی کا یہ حال تھا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب کی میرزاہد نے رمضان میں ایک دن دعوت کی اس عرصہ میں ایک کبابی کبابوں سے بھرا ہوا خوانچہ مرزا کے پاس لاکر رکھا کہ بیا ز او ردہ ام "مرزا نے کہا: ای عزیز: چیز تو نہ ام استاد تو نہ ام نیاز چہ معنی؟ آخر دو کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی دکان کو مرزا کے سپاہی غلط جگہ پر ہونے کی وجہ سے اُٹھانا چاہتے ہیں اسی کی رشوت میں لایا ہی آخر دام دے کر لینا طے ہوا لیکن ڈھائی روپیہ کے کباب آٹھ آنہ میں دے رہا تھا مرزا کو معلوم ہوا سخت برہم ہوئے اور پورے دام ادا کیئے ۱۲ انفاس ص۳۳

من ست | مکتب | جان جاناں ہے)

اور یہ اس زمانہ میں کچھ بیچارے میرزا زاہد ہی کا حال نہ تھا، تقریباً علماء کے اکثر افراد پر یہی کیفیت طاری تھی تاہم حملہ نادری سے پہلے ہندوستان کے علماء ایرانی فضلاء میں فانی نہیں ہوئے تھے۔ ان کے اعتراف فضل و جہارت کے ساتھ اپنی کمتری کا احساس ان میں نمایاں نہ ہوا تھا، اسی لئے بجائے تقلید جامد کے ان کے انفعالی اثرات بظاہر مقابلہ کے رنگ میں ظاہر ہوتے تھے، ملا باقر نے اپنی کتاب "الافق المبین" کا نام قرآن سے انتحال کیا تھا ٹھیک اسی کے توڑ پر شاہجہاں کے عہد میں جونپور کے مشہور فلسفی ادیب ملا محمود جونپوری نے بالکل اسی طمطراقی طرز پر تو نہیں جو ملا باقر کی خصوصیت ہے لیکن اچھے خاصے بلند انشائی رنگ میں فلسفہ کی ایک کتاب تصنیف کی، اور انھوں نے بھی قرآن مجید ہی سے اس کا نام "الشمس البازغہ" اقتباس کیا، اسی طرح اورنگ زیب کے عہد میں ملا محب اللہ بہاری نے اپنی مشہور دونوں درسی کتابوں یعنی مسلم و سلم کے نام میں بھی ایک ادیبانہ پہلو ملحوظ رکھا اور دونوں کتابوں میں ڈھلے ڈھلائے ترشے ترشائے فقرے جہاں تک میرا خیال ہے، میر باقر ہی سے شعوری یا غیر شعوری اثر پذیری کی بنیاد پر داخل کئے گئے ہیں، مگر اب تک دونوں ممالک کے فضلاء گویا ایک حد تک "رقیبانہ" تعلقات رکھتے تھے اگرچہ سچ یہ ہے کہ غیر محسوس طور پر ایران کے تفوق کو وہ اپنے طرز عمل سے گونہ تسلیم کرتے جاتے تھے لیکن "نادری حملہ" نے تو اس نامحسوس کو محسوس اور غیر شعوری انفعال کو شعوری بنا دیا بلکہ جیسا کہ تمام مفتوح ہزیمت خوردہ اقوام کا قاعدہ ہے انھوں نے اپنے اس انفعال و تاثر کو سرمایہ صد افتخار، اور موجب ہزار نازش و امتیاز قرار دے دیا جس کا اندازہ ہندی علما کی ان کتابوں سے ہوسکتا ہے جو "حملہ نادری" کے بعد ہندوستان میں لکھی گئیں، میر باقر کا نام اسی کے بعد خیر اللحقہ بالمہرة[ل] "سید الاذکیاء" اور خدا جانے کیا کیا ہوگیا۔

اس بحث میں ذرا زیادہ بسط سے میں نے قصداً کام لیا ہے، کیونکہ آئندہ جیسا کہ معلوم ہوگا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم نے جہاں اور کام انجام دیئے ہیں ایران کی اس ذہنی مرعوبیت کے رد عمل میں بھی اس نے کامیاب کوشش کی ہے حضرت کی اس خدمت کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس عہد کی اس ذہنی و علمی کیفیت کا کم از کم اجمالاً حال لوگوں کو معلوم نہ ہو، جس کا میں نے اس وقت ذکر کیا، اب میں پھر اصل مبحث کی طرف توجہ کرتا ہوں، کہ نادر ہندوستان سے لیجانے کو تو جو کچھ بھی لے گیا لیکن اسی کے ساتھ ملک میں یک مصیبت بھی چھوڑ گیا، یعنی ایران سے دینی رجحانات اور ذہنی اور دماغی میلانات میں قدرتاً مفتوح ہندوستانیوں میں جو پہلے سے بھی بہت کچھ متاثر تھے اور بھی شدت پیدا ہوگئی، بلکہ نادر شاہ اگریوں ہی ماربیٹ اور تاخت و تاراج کر کے نکل بھاگتا تو شاید عداوت و بغض کی وجہ سے کوئی دوسری کیفیت پیدا ہوتی، لیکن ہوا یہ کہ ساری خواری و ذلت اور بربادی و تباہی، کے باوجود سہمے ہوئے بادشاہ محمد شاہ نے نادر شاہ کی باضابطہ ہفتوں مہمانی کی رہا بہ کے بڑے بڑے امراء نادر شاہ کی خدمت پر مقرر ہوئے عمدة الملک جیسا امیر کبیر بیچارہ نادر کو قہوہ پلانے پر

ل یعنی پچھلے لوگوں میں ماہرین فن کی صفت میں سب سے بہتر آدمی جو شریک ہوا وہ میر باقر ہے ۱۲

امور ہوا تھا، اور یہی حال دوسرے امیروں کا تھا، بہر حال "محمد شاہ ضیافت نادر شاہ بکمال تکلف قرار داد"
اور بات اسی پر ختم نہ ہوئی بلکہ اسی کے ساتھ نادر شاہ نے

دختر سے از احفاد شاہجہاں پادشاہ بحبالہ نکاح پسر کوچک خود نصراللہ مرزا کہ ہمراہ داشت درآورد سیر ۴۸۵	شاہجہاں بادشاہ کی پوتیوں میں سے ایک لڑکی نادر کے چھوٹے لڑکے نصراللہ مرزا کے نکاح میں دیدی جو اس کے ساتھ ایران سے ہندوستان آیا تھا

ہندوستانی امرا بلکہ خود شاہی خاندان والوں سے صدیوں کے ناز و تنعم نے حمیت و غیرت کی حرارت یوں بھی بجھادی تھی اب یہ عزیزداری کا رشتہ جوش انتقام کو فرو کرنے کے لیے ان کے بزدل قلوب کے لیے بہانہ مل گیا اور یوں بزدلی کے رذیلہ پر جذبہ رواداری اور وسعت چشمی کی چادر اُڑھا دی گئی، نادر نے جو کچھ کیا دھرا تھا سب بھلا دیا گیا، "آفا" "خوش آمدید" کے ساتھ ہر ایرانی کا ہندوستان میں خیر مقدم ہونے لگا، ان کی کتابیں، شوق سے پڑھی جانے لگیں ان کے علما کی باتیں دلچسپی سے لوگ سننے لگے اور اس کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہیں؛

لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ہے، ظاہر ہے کہ نادر کابل و قندھار کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا، راستہ میں ان علاقوں کے باشندوں نے مزاحمت کی، لیکن باوجود اپنی مشہور جلاوت و شجاعت کے قزلباشوں کی ضرب کی تاب نہ لاسکے، ہر جگہ ان کے پاؤں اکھڑتے چلے گئے اور نہ صرف کابل و قندھار بلکہ سرحد کے افریدی و مہمندی مسعودی، اور دوسرے جاں بازو جاں فروش قبائل بھی نادر کے ٹڈی دل کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے ایسا عجیب و غریب واقعہ کیسے پیش آیا، تاریخ کا یہ اہم سوال ہے اور ہماری بحث سے خارج ہے، تاہم بعض اشارات تورانی و ایرانی تنازعات کے قصہ میں مل سکتے ہیں، غور کرنیوالے نشاندان کی مدد سے صحیح نتیجہ تک پہونچ سکتے ہیں۔

بہر کیف یہ واقعہ تھا کہ ہر جگہ کابل قندھار و سرحد کے پٹھانوں کو بھی نادر کے مقابلہ میں زک اٹھانی پڑی اور ہر جگہ "خونی نادر" نے ان پر عافیت تنگ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ہزیمت خوردہ پراگندہ قوم اپنے علاقوں سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ ڈھونڈھنے لگی، اور

جمعے ازاں قوم پراگندہ بہ ہندوستان درآمدہ در ہر جا سکنی واکثر در سرکارات ملازم شدہ داخل سپاہ گشتند سیر ۴۸۰	اس پراگندہ پریشان قوم کا ایک حصہ "ہندوستان" پہونچا، اور ہر جگہ انھوں نے سکونت اختیار کی، اور ملک کی مختلف سرکاروں (علاقوں) میں انھوں نے ملازمت اختیار کر لی۔

اور مختلف سرداروں کی ماتحتی میں جتھے بنا بنا کر انھوں نے چند دنوں میں اپنے مختلف مرکز قایم کر لیے خصوصاً

محمد خاں معروف بہ روہیلہ، مورد التفات اعتماد الدولہ گردیدہ بعضے محالات جاگیرات و خالصہ را بطور ملکیت قابض و متصرف بہ توجہات وزیر گشت۔	محمد خاں جو روہیلہ کے نام سے مشہور ہے وہ اعتماد الدولہ (امین خاں) کی نظر التفات سے سرفراز، اور اسی وزیر کی توجہ سے بعض محالات اور جاگیروں خالصہ وغیرہ پر بطور ملکیت کے قابض ہو گیا

چوں صاحب جرأت وشخص صاحب ارادہ و شعور بودہمیں افغانان وروہیلہ ہائے گریختہ قندھار واطرافش را باخود رفیق ساختہ بنام روہیلہ اشتہار واز اجتماع انہا اقتدار یافت ملک بسیارے رامثل آنولہ و سنبھل و مراد آباد و بداؤں و بریلی وغیرہ متصرف گشت۔ ص۴۸۰

چونکہ محمد خاں جرات وہمت والا آدمی تھا اور ارادہ وعزم اور تمیز وشعور کا بہرہ رکھتا تھا اس نے قندھار اور اس کے گرد و نواح کے بھاگے ہوئے روہیلوں کو اپنے ساتھ کرلیا روہیلہ کے نام سے اس کی شہرت ہوئی، اور ان لوگوں کے جمع ہوجانے سے اس شخص کو اچھی خاصی قوت حاصل ہوگئی ملک کا ایک بڑا علاقہ مثلاً آنولہ سنبھل۔ مراد آباد۔ بداپوں۔ بریلی وغیرہ کو اپنے تصرف میں لے آیا۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے اس علاقے کے باشندے ہندوستان میں نہیں پائے جاتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر اس بے سروسامانی کے ساتھ روہیلوں کی ایک بڑی تعداد یکایک جو ہندوستان کے بالائی علاقوں اور خصوصاً دہلی میں پھیل گئی، تو اس کا سبب یہی نادر اور اس کی عجیب وغریب لشکر کشی تھی، اب ہوا یہ کہ ایک طرف نادر کی وجہ سے ایرانی اور ایرانی مذہب وذہنیت رکھنے والوں کو ملک میں تفوق حاصل ہوا، اور ان ہی کے ساتھ ایک اور جدید عنصر بالکل ان کے مدمقابل یعنی روہیلوں کا بھی اقتدار بہ تدریج جڑ پکڑنے لگا تیسرا عنصر تورانیوں کا تو پہلے ہی سے موجود تھا، کہ حکومت ہی تورانیوں کی قائم کی ہوئی تھی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا آخرزمانہ میں اورنگ زیب کے بعد تورانی اور ایرانی سوال میں کافی شدت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی جس کی بظاہر تعبیر تورانی وایرانی سے کیجاتی تھی، لیکن درحقیقت یہ مقابلہ سنیوں اور شیعوں میں تھا، سنیوں ہی کا نام تورانی رکھا گیا تھا اور شیعوں کو کبھی ایرانی اور کبھی سادات وغیرہ کے نام سے خصوصاً سیر المتاخرین کے مصنف جو خود شیعی ہیں، یاد کرتے ہیں ایک موقعہ پر طباطبائی نے ان تورانی بیچاروں کے متعلق جن میں سب سے زیادہ بدنام آصف جاہ بہادر کا خاندان تھا اُن کے خاص چچازاد بھائی اعتماد الدولہ کے متعلق طباطبائی لکھتے ہیں۔

اعتماد الدولہ وغیرہ تورانیاں کہ عداوت سادات را سرمایہ سعادت خود دانستہ (ص ۴۸۰)

اعتماد الدولہ وغیرہ تورانی جو سادات کی دشمنی کو اپنی سعادت کی پونجی خیال کرتے ہیں۔

الغرض یہ دو متقابل عناصر تو ہندوستان میں پہلے ہی سے موجود تھے، اور گو طباطبائی دونوں فرقوں کی باہمی عداوتوں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ تورانی جن لوگوں کا نام رکھا گیا تھا یہ عموماً ترکستان یعنی بخارا، سمرقند۔ تاشقند۔ خیوہ۔ کاشغر وغیرہ کے لوگ تھے، اور جن لوگوں کو ان ممالک کے حالات کا خصوصاً جس زمانہ سے ہم بحث کررہے ہیں علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس وقت اس ملک کے مسلمان بہ نسبت فقہاء اور علماء کے زیادہ تر حضرات صوفیہ کرام کے زیر اثر تھے، اور تصوف کی لوگ جو کچھ بھی خرابیاں بیان کریں لیکن اتنا تو ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ صوفیانہ مسلک رکھنے والے نفوس بجائے تنگ چشم ہونے کے وسیع المشرب ضرور ہوتی ہوتے ہیں حتیٰ کہ اسی بنیاد پر "الصوفی لا مذہب لہٗ" کا مقولہ مشہور ومعروف ہوگیا ہے، بلکہ بعضوں کا تو خیال ہے کہ صوفیوں اور شیعوں میں بجائے تخالف اور تصادم کے توافق کے جہات زیادہ ہیں، اور اسی لیئے

سمجھا جاتا ہے کہ تصوف کا بہت کچھ میلان تشیع کی طرف رہا ہے جس کی ایک مثال شاید خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ہو سکتی ہے کہ مسئلہ خلافت کے متعلق کہاں تو آپ کی رائے یہ ہے کہ عام اشاعرہ جو

تقریر می کنند کہ خلافت ایشاں بنص نیست مطلقاً یا بہ نص جلی نیست بلکہ امر اجتہادی ست کہ اہل عصر بنا بر اجتہاد بر آں اتفاق نمودند۔

یہ کہتے ہیں کہ (حضرات خلفاء) کی خلافت مطلقاً کسی نص سے ثابت ہی نہیں ہے، یا نص صریح واضح سے ثابت نہیں ہے بلکہ ایک اجتہادی بات ہے اُس زمانہ کے لوگ اپنے اجتہاد اور غور و فکر سے ان لوگوں کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

اشاعرہ کا یہ خیال شاہ صاحب کے نزدیک درست نہیں ہے بلکہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ازاں علم شریف نصاً و اشارۃً خبر دادند تا آں کہ تکلیف عباد باستخلاف ایں بزرگواراں عملاً و اعتقاداً متحقق شد و پردہ از روی کار بر انداختہ گشت

بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس شریف علم کی نص اور اشارہ ہر طریقہ سے خبر دی ہے، حتیٰ کہ اسی بنیاد پر اللہ کے بندے اس بات کے مکلف ہوئے کہ ان بزرگوں کو خلیفہ مقرر کریں اور عملاً و اعتقاداً یہی واجب ہوئی

یہ اس ازالۃ الخفاء کے مصنف علام کی رائے ہے جس کو پڑھکر وہی نہیں جو خاندان ولی اللہی کے حلقہ بگوشوں میں ہیں، بلکہ وہ بھی جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ بجائے عقیدت و نیاز کے ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ اپنے کو وہ علم کے اس سلسلہ اور خانوادہ کے حریف مقابل سمجھا کئے میری مراد مولانا فضل حق خیرآبادی سے ہے، ان کے بڑے مداح شاگرد مولانا محسن بہاری رحمہ اللہ خود اپنی براہ راست کسی ہوئی شہادت ادا کرتے ہیں کہ جب الور میں مولانا فضل حق سے وہ پڑھا کرتے تھے تو اسی زمانہ میں

وقعت فی یدہ نسخۃ من کتاب ازالۃ الخفا۔ فکان اولع بھا و یکثر النظر فیھا اوان فراغہ من درسہ وسائر ما یشغلہ من شانہ فلما وقف علی شی کثیر منھا قال بمحضر من الناس وکنت فیھم ان الذی صنف ھذا الکتاب لبحر زخار لا یری لہ ساحل الیانع ص۹ مطبوعہ جال الطاری

مولانا فضل حق کے ہاتھ ازالۃ الخفا کا ایک نسخہ کہیں سے لگا مولانا اس کے مطالعہ کے حریص تھے، اور جب درس و تدریس یا دوسرے مشاغل سے فرصت ملتی تو بکثرت اسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے، جب مولانا اس کتاب کے بڑے حصہ کو پڑھکر فارغ ہوئے تب آپنے سب کے سامنے جن میں میں بھی شریک تھا یہ فرمایا کہ جس شخص نے یہ کتاب تصنیف کی ہے وہ تو ایک دریائے بے کراں ہے، جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا.

مگر اسی ازالۃ الخلفاء کے مصنف نے فیوض الحرمین میں جو یہ لکھا ہے کہ

ان طبیعتی وفکرتی اذا ترکنا وانفسھما فضلتا علیاً کرم اللہ وجھہ واحبتاہ اشد محبتہ۔

میری طبیعت اور میری فکر کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیں و دونوں کو حضرت سے شدید محبت ہو[۵]

تو کیا آپ کی طبیعت و فکرت کا یہ رنگ اسی تصوف، کا نتیجہ نہیں ہے جس کے آپ "کابرا عن کابر" وارث تھے وہ تو غنیمت ہوا کہ دربار رسالت سے جیساکہ وہ خود لکھتے ہیں الوصاۃ بتفضیل الشیخین یعنی شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو فضیلت دینے کی وصیت ہوئی اس لیئے فرماتے ہیں کہ یہ تفضیل شیخین کا اعتقاد

شیٔ طلب منی التعبد بہ خلاف المشتہی وھیھات ھذہ المناقضات منی لولا ان شدۃ الجامعیۃ ھی التی اوقعتنی فی ذالک	ایک ایسی چیز ہے کہ میری اپنی خواہش کے خلاف مجھے اس کو ماننے اور عبادت خدا سمجھکر ماننے کا حکم دیا گیا ہے، افسوس مجھ میں یہ کس قسم کی مناقض اور متضاد باتیں ہیں لیکن مجھ میں شدید جامعیت کا جو رنگ پایا جاتا ہے اسی نے اس حال تک مجھے پہونچایا ہے۔
فیوض الحرمین صہ ٦٥	

خیر یہ تو بیچ کا ایک جملہ معترضہ تھا، میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہمایوں کے عہد مغل دربار میں تورانیوں اور ایرانیوں یا دوسرے لفظوں میں سنیوں اور شیعوں دونوں کی آمد ہو رہی تھی، دونوں طبقوں کے امراء حکومت کی مشین میں داخل ہو ہو کر اپنی اپنی فراخور قابلیت کے لحاظ سے پرزے بنتے چلے جاتے تھے، اور گو ان دونوں میں رقابتیں ضرور رہتی تھیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ محض سنی ہونے یا شیعہ ہونے کی وجہ سے اس اختلاف نے کبھی کسی سخت خطرناک فساد کی شکل اختیار نہیں کی۔

جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے، اولًا تو باہم مذہبی مناقشوں کا کوئی ایک دوسرے کو موقعہ ہی نہیں دیتا تھا، بلکہ حتی الوسع ہر ایک دوسروں کے جذبات کا عمومًا خیال کیا کرتا تھا اور گاہے ماہے اگر کوئی ناخوش گوار گفتگو اس سلسلہ میں ہو بھی جاتی تو اسے غیر معمولی اہمیت نہیں دی جاتی تھی اور بات وہیں رفع دفع ہو جاتی تھی اور خواہ مخواہ اس کو جماعتی جھگڑا بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی باقی پچھلے دنوں میں سادات بارہ کا جو قضیہ نامرضیہ پیش آیا اس میں شک نہیں کہ باروں نے اس میں ایک حد تک شیعہ سنی کے اختلاف کا رنگ ضرور بھرا اور خوب بھرا۔ امیر الامراء حسین علی خاں کے قتل پر مرثیئے لکھے گئے، اور بڑے دردناک مرثیے لکھے گئے، گویا اس واقعہ کو کربلا ثانی ٹھرایا گیا۔ میر عبد الجلیل بلگرامی کا مرثیہ تو اسی مشہور مصرعہ سے شروع ہوتا ہے

آثار کربلاست عیاں از زمین ہند۔

اس باب میں اتنے غلو اور مبالغے سے کام لیا گیا کہ جب جانسٹھ کی جنگ میں حسین علی خاں کے ایک عزیز سیف الدین خاں لڑتے ہوئے کام آئے، تو طباطبائی جیسے روشن خیال بزرگ نے بھی اس کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن دنوں یہ واقعات پیش آئے۔

حاشیہ "الفرقان"، شاہ صاحب کی طبیعت کا یہ میلان اسی قسم کا تھا جیساکہ عمومًا لوگوں کو اپنے روحانی بزرگوں کے اعزہ و اقارب خصوصًا انکی اولاد کی طرف ہوتا ہے جو صرف "طبیعت" ہی کا اقتضا ہوتا ہے اور امور دین میں "طبیعت" کے اس اقتضا کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہاں اصل چیز کتاب و سنت کے دلائل ہیں، تو چونکہ دلائل کا فیصلہ تفضیل شیخین کے حق میں تھا جیساکہ خود شاہ صاحب نے ہی ازالۃ الخفاء اور قرۃ العینین میں پورے شرح و بسط کے ساتھ اس کو ثابت فرمایا ہے اسلیئے شاہ صاحب نے اپنی ذاتی چاہت اور طبعی میلان کے خلاف اسکو اختیار فرمایا پھر روحانی مکاشفہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی آپ کو تفضیل شیخین ہی کی وصیت ہوئی ١٢

از معتبران مسموع افتاد کہ دراں ایام علی التواتر سرخی شفق صبح و شام بمرتبہ ازدیاد و اشتداد داشت کہ گویا دامن فلک جفاکار آلودۂ خون مظلومان و دیدۂ لیل و نہار بماتم ان ابرار خوں فشاں شدہ
مث۴۷ ج ۲

معتبر لوگوں سے یہ بات سنی گئی کہ ان دنوں میں مسلسل صبح و شام کے شفق کی سرخی اتنی زیادہ تیز ہوجاتی تھی کہ گویا فلک کا دامن مظلوموں کے خون سے آلودہ ہو رہا ہے اور دن و رات کی آنکھیں ان عزیزوں کے ماتم میں خوں فشاں ہیں۔

لیکن جو اصل واقعات سے واقف ہیں اور اجمالاً میں بھی کچھ پہلے ذکر کر چکا ہوں، کیا ان کے دیکھنے والا ایک لمحہ کے لئے بھی "سادات بارہہ" کے جھگڑوں کو واقعی کسی مذہبی سوال کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں؟ تاریخ اسلام میں یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر جاہ و اقتدار کے متوالوں نے اپنے اپنے ہم خیالوں میں ہمدردی کا نسنہ پیدا کرنے کے لئے اپنی خواہشوں پر مذہب کا نقاب چڑھایا تھا۔ والقصۃ بطولہا

بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ نادر شاہی تلوار کی شمشیر باریوں، اور برق افشانیوں نے روہیلوں کی ایک بڑی تعداد کو جب اپنے علاقوں سے منتشر اور پراگندہ کر کرکے ہندوستان کی طرف ڈھکیل دیا؛ تو ایرانی و تورانی عناصر کے ساتھ اب ملک اور دربار دونوں میں ایک جدید موثر عنصر کا اضافہ ہوگیا، اور بات اسی پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ نادر شاہ کی واپسی اور راستہ میں اچانک اس کے قتل کی وجہ سے جب شاہ ابدالی کو کابل و قندھار کے علاقوں میں تسلط حاصل ہوا اور مختلف اسباب و وجوہ کی بنیاد پر ایک دفعہ نہیں بلکہ مسلسل تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ صرف روہیلوں کے جرگوں کو ساتھ لیکر شاہ ابدالی نے ہندوستان پر سات حملے کیئے جن میں آخری حملہ وہی تھا جو "پانی پت کی مرہٹہ جنگ" کے نام سے مشہور ہے، جس کا اجمالاً ذکر میں پہلے کر چکا ہوں، اس طرح نادر شاہ کے ستائے ہوئے خانہ برباد روہیلوں کیلئے شاہ ابدالی نے زمین تیار کردی کہ وہ ہندوستان کی اس حکومت میں جس پر عالم سکرات طاری تھا، اور ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اپنے لیے مواقع فراہم کریں، علی محمد روہیلہ تو پہلے ہی سے ایک مرکز تیار کر چکا تھا، اور وہی علاقہ جو آج روہیل کھنڈ کے نام سے موسوم ہے ان کے تسلط کی آماجگاہ بنا ہوا تھا ان کے نفوذ اور اثر کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ علاقہ ان ہی کے نام سے مشہور ہوگیا اور اب تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے، خصوصاً "مرہٹی فتنہ" کے استیصال کے بعد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت دہلی کا جو نظم قائم کیا، یعنی بادشاہ شاہ عالم (جو اس وقت شاہزادہ عالی گوہر کے نام سے مشہور تھے) یہ تو بادشاہ رہے، اور امیر الامرائی کی خدمت نجیب الدولہ روہیلہ کو اور وزارت کا چارج نواب وزیر اودھ کے سپرد ہوا، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ روہیلوں کا ملک پر ایسا اقتدار قائم ہوچکا تھا جس سے قطع نظر ناممکن تھا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اب ملک میں تین عنصر پیدا ہوگئے تھے یعنی ایرانی تورانی روہیلے اسی لیے شاہ ابدالی نے بادشاہی تو تورانیوں میں رکھی کہ وہی اب تک اس کے خاندانی طور پر مستحق تھے، وزارت ایرانیوں کو کہئے یا شیعوں کو دی گئی، اور امیر الامرائی کا عہدہ ایک روہیلہ امیر نجیب الدولہ کے سپرد ہوا۔

روہیلوں کا حکومت دہلی کے ایسے جلیل منصب پر اقتدار حاصل ہونے کا لازمی نتیجہ تھا کہ روہیلے جو اب تک

اپنا مادی لحاظ زیادہ تر روہیل کھنڈ کو بنائے ہوئے تھے، اب دلی میں بھی اقتدار و قوت کے مظہر بن کر اپنے وجود کو محسوس کرانے لگے علامہ محسن البہاری التر ہتی "الیانع" میں لکھتے ہیں:۔

لما استولی احمد الابدالی المعروف بالدرانی احد ملوک جبال الافغان علی دھلی وکثر فی سککھا جماعات من قومہ وکانوا الاکثر حصّی من شعرات غنم کلیب۔

جب احمد ابدالی جو درانی کے لقب سے مشہور ہیں، اور افغانی کوہستانوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں ان کا تسلط دہلی پر ہو گیا اور دلی کی گلیوں میں کثرت ان کی قوم کے لوگ بھر گئے اور یہ لوگ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ بریلی میں حافظ الملک رحمت خاں، نجیب آباد میں نجیب الدولہ اور ان کے سوا اور بھی دوسری دوسری مقامات میں روہیلوں کی چھوٹی بڑی ریاستیں قائم ہو گئیں حتی کہ اس وقت تک رامپور، ٹونک، بھوپال ان ہی روہیلوں کی یادگاریں نیم آزاد ریاستوں کی صورت میں موجود ہیں، بہرحال نادر شاہ نے دشمن بن کر اور شاہ ابدالی نے دوست بن کر ان روہیلوں کو ہندوستان خصوصاً بالائی علاقوں میں بھر دیا۔ ظاہر ہے کہ روہیلے عموماً صرف سنی مسلمان ہی نہیں بلکہ پکے حنفی بھی ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ اپنے اندر چند مخصوص قومی خصوصیات رکھتے ہیں جن کی وجہ سے یہ ان دونوں قدیم عناصر تورانی و ایرانی سے الگ نظر آتے تھے، اور مختلف وجوہ و اسباب نے ایک حد تک ان کو ایک الگ عنصر کی حیثیت سے ملک میں قائم کر دیا تھا۔ خصوصاً ان کے مزاج میں فطرتاً جو ایک قسم کی سختی اور کرختگی پائی جاتی ہے جو نہ ایرانیوں میں تھی اور نہ تورانیوں میں، اور اسی کے ساتھ باوجود سنی مسلمان ہونے کے تورانیوں اور ان میں ایک نمایاں فرق یہ تھا جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ تورانی زیادہ تر صوفی مشرب، اور حضرات صوفیاء کرام و اولیاء عظام کے زیر اثر تھے۔ ان کے برخلاف روہیلے مسلمانوں پر بجائے صوفیوں اور ارباب باطن کے زیادہ تر تنگ نظر ظاہر ہیں "حزب بائی فقہا" کا پنجہ سختی سے جما ہوا تھا، پشتہا پشت سے وہ اپنے ان ہی مذہبی پیشواؤں کے زیر اثر جنہیں یہ ملا کہتے ہیں زندگی گزار رہے تھے،

صاحب الیانع الجنی لکھتے ہیں:۔

وکانوا اشد قوم عصبیۃً لما ینتحلونہ من آراء فقہائھم رحمھم اللّٰہ تعالٰی واشد الناس جمودا علیھا۔

جن فقہاء رحمہم اللّٰہ کی آراء کی پیروی کو ان لوگوں نے اپنا مشرب اور مسلک قرار دیا تھا ان کے معاملہ میں اپنے اندر سخت تعصب رکھتے ہیں اور اس پر جمے رہنے میں روہیلے سخت ترین قوموں میں ہیں۔

لہ انگریزوں کے تسلط کے بعد سنبھل کے ایک پٹھان میر خاں نے اسی "الکز حصی من شعرات غنم کلیب" کے لوگوں کو جمع کر کے جن میں مختلف امراء کے تحلیل شدہ فوج کے سپاہی بھی شریک ہو گئے تھے مختلف علاقوں خصوصاً راجپوتانہ مالوہ کی ریاستوں پر چھاپہ مارنا شروع کیا آخر میر خاں سے انگریزوں نے ایک معاہدہ کر لیا اور راجپوتانہ مالوہ کی ریاستوں سے ضرورت کاٹ کاٹ کر ایک ریاست بنا دی گئی جس کا مرکز حکومت ٹونک ہے، جاورہ کی ریاست بھی میر خاں ہی کے ایک رفیق عبد الغفور خاں کو حاصل ہوئی ۱۲

تہ اس وقت کتاب تو میرے سامنے نہیں ہے لیکن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مدظلہ العالی ذیلیلدین بابر پر جو مقالہ لکھا ہے اسی میں بابر کی اب کا ایک واقعہ درج ہے کہ حضرت عبید اللّٰہ احرار کی مجلس میں یکدن حاضر ہوا اور توکلی ہڈی پر اتفاق سے بیٹھ گیا گفتگو بہ ٹھسک جمتی رہی لیکن ادباً اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں ۱۲

یہ تو بچارے کسی شاعر نے شاعری کی ہے کہ اس کے معشوق کی محفل میں ـــــ "بات پر یاں زبان کٹتی ہے"

لیکن اس قوم کا یہ واقعہ ہے کہ کیدانی جیسی معمولی کتاب کی ایک نقلی، روایت یعنی "چاہیئے کہ تشہد میں اہل حدیث کے مانند شہادت کی انگلی نمازی نہ اٹھائے" اس مسئلہ نے صدیوں بلکہ سنتے ہیں کہ اب تک یہ اہمیت حاصل کرلی ہے کہ اگر اتفاقاً نماز میں کسی کی انگلی اٹھ گئی، اسی وقت اس کی انگلی تراش دی جاتی تھی علامہ رشید رضا مصری نے مغنی کے مقدمہ میں اپنا یہ بیان درج کیا ہے کہ

سمعتہ باذنی من بعض طلاب الافغانیین فی مسجد لاھور الجامع فی ھند وقد سالتھم عن صحۃ مانقل عن بعض اھل بلاد ھم فی ذلک فقالوا نعم وعللوہ بانہ عقاب علی مخالفۃ الرسول وترک سنتہ

میں نے اپنے کان سے بعض افغانی طلبہ سے لاہور کی جامع مسجد میں جو ہندوستان میں واقع ہے یہ سنا ہے میں نے دراصل ان سے دریافت کیا تھا کہ (انگلی تراشنے کا قصہ) کیا صحیح ہے؟ اس کے جواب میں ہاں کہا اور اس کی توجیہ یہ کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ترک سنت کی یہ سزا دی جاتی ہے

تمباکو جیسی غیر منصوص چیز کی حرمت و حلت پر جو جھگڑا یہاں کے ملانوں میں چھڑا سنا جاتا ہے کہ پچھلے چند سالوں تک یہ قصہ ختم نہیں ہوا تھا، بچارے کوٹہ ملا نے تمباکو کی حلت کا فتوےٰ دیدیا تھا، پھر کیا تھا مختلف جرگوں کے مجاہد دینی حمیت و غیرت کے نشہ میں چور اپنے ملانوں کے زیر کمان باضابطہ مسلح ہو ہو کر کوٹہ ملا پر چڑھ دوڑے راستہ میں اس "دینی جہاد" کی مہم پر جو رجز پڑھا جاتا تھا میرے ایک دوست نے ہم سے بیان کیا تھا کہ وہ یہ تھا

کوٹہ ملا کافر دی بوساک شدہ ہم کافر دی !

(یعنی کوٹہ ملا کافر ہے اور جو اسکے ساتھ وہ بھی کافر ہے !

میرے ایک اور سرحدی ہم سبق کہتے تھے کہ تمباکو کی حرمت کے جو لوگ قائل تھے ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جس کھیت میں تمباکو بویا جائے اس کھیت کے اطراف سے بیلوں پر غلہ لاد کر جو کوئی گزرے گا اس کا غلہ بھی حرام ہو جاتا ہے، بہر حال اس قوم کے اسی فطری "بطش شدید" اور "تلاکیشی" کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان اور مغلی حکومت جس میں ایرانی و تورانی اب تک گونہ رواداری اور باہمی مدارات کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، اس میں روہیلوں کی شدید ملایانہ ذہنیت نے بتدریج تلخی اور تندی کا اضافہ کرنا شروع کر دیا، یہ تو ظاہر ہے کہ واقعی طور پر سرحدی پٹھان یا روہیلے نہ کبھی خارجی تھے نہ کبھی ہوئے اور نہ اب تک ہیں، لیکن ان کی صوفیانہ "سنیت" نہیں بلکہ شدید ملایانہ "سنیت"، کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ جو آج تک شیعوں میں اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کی وجہ سے بدنام اور حد سے زیادہ بدنام ہیں جس دن سے یہ کتاب لکھی گئی ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ سنا گیا ہے کہ ایران میں بھی اس کے جواب دینے کی بارہا کوشش کی گئی، لکھنؤ کے مجتہد مولوی سید محمد صاحب کے متعلق معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بہت سی جلدوں میں اس کا جواب لکھا ہے، اور بھی بہت سے چوٹی کے مجتہدوں نے اسکے جواب لکھنے کی کوشش کی اور آج تک یہ کوششیں ہو رہی ہیں ـــــ بہر کیف شاہ صاحب کا سنیت کی حمایت میں جو شہرہ ہے وہ محتاج بیان نہیں، لیکن خود شاہ عبد العزیز صاحب اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روہیلہ پٹھان جن کا نام حافظ آفتاب تھا

اور شاہ صاحب کے وہ شاگرد تھے" وہمیشہ حاضر درس می شد،" فرماتے ہیں کہ

روزے ذکر حضرت امیر علیہ السلام بود چنانچہ عادت ما سنیان است کہ ہر صحابی کہ اند بجان ودل مناقب وفضائل او بیان می کنم ہمچنیں کردم

ایک دن حضرت امیر علیہ السلام کا تذکرہ تھا، پھر جیسا کہ ہم سنی لوگوں کی عادت ہے کہ جو صحابی بھی ہوں دل وجان سے ان کے فضائل اور مناقب کو ہم بیان کرتے ہیں حسب دستور اس تذکرہ میں بھی میں نے یہی کیا،

لیکن شاہ صاحب کے اس روزانہ حاضر باش روہیلے تلمیذ رشید کا حال سنیئے کہ محض اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اس وقت شاہ صاحب نے دوسرے اصحاب وخلفاء کے مناقب ومحامد کا چونکہ ذکر نہیں فرمایا تھا اس لیے باوجود سنی ہونے کے اور کسی کو نہیں بلکہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بے تحاشہ اس نے "شیعہ" ہونے کا فتویٰ صادر کردیا، خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

بندہ را شیعہ فہمیدہ | بندے کو اس نے شیعہ سمجھ لیا

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کی "ملائی سنیت" نے شاہ صاحب کی جانب سے ایسی شدید نفرت اس کے دل میں پیدا کردی کہ

آمدن درس موقوف کرد | کہ درس میں آنا بھی اس نے بند کردیا۔

یہ فتویٰ تو "تحفہ اثنا عشریہ" کے مصنف پر اس روہیلہ پٹھان نے لگایا، "ازالۃ الخفاء" اور "قرۃ العینین" وغیرہ کتابوں کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی انکے "ناوک تعصب" سے محفوظ نہ رہ سکے، شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کی روایت ہے فرماتے ہیں۔

ہم چنیں شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پرسید آنحضرت اختلاف حنفیہ کہ دریں باب ست بیان کردند

یوں ہی ایک شخص نے والد ماجد سے شیعوں کے کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ پوچھا حنفی فقہاء کا اس باب میں جو اختلاف ہے (والد ماجد نے) اس کو بیان فرمایا۔

"کمکش" غریب روہیلہ پہلی دفعہ تو یہ سن کر چپ ہو رہا اور پھر دہرا کر ذرا اصرار سے اپنے منشا کو ظاہر کرتے ہوئے

چوں مکرر پرسید ہماں شنید | جب اس نے دوبارہ وہی بات پوچھی تو جواب میں پھر وہی سنا

دوسری دفعہ اس کا یہ سننا تھا کہ آگ بگولا ہوگیا، جن کو وہ قطعی کافر سمجھتا تھا ان کے کفر کے متعلق اختلاف کا سننا اور دوبارہ پوچھنے کے بعد بھی سننا ناقابل برداشت ہوگیا، گیا تھا خود حضرت سے فتویٰ پوچھنے، لیکن الٹ کر خود مفتی بن گیا
شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:- کہ

شنیدم می گفت ایں شیعی ست | میں نے سنا وہ کہتا تھا کہ یہ (یعنی شاہ [illegible]

اور یہ حالت تو ہمارے سرحدی اور افغانی بھائیوں کی "سنیت" کی تھی، باقی رہا ان کی [illegible]
"تدفع سبابہ" اور "تنبائک" کے مذکورہ بالا مسائل ہی سے ہوسکتا ہے "الیانع الجنی" کے مولف تحریر کرتے ہیں حضرت شاہ ولی [illegible]

ان حنفی روہیلوں کی حنفیت صلبۂ یا ننگین ملایانہ حنفیت کی تصویر ان الفاظ میں کھنچی ہے :۔

فکانوا اذا قرع صماخهم ما ينافي مقلدهم الذي اسطابوا غدا كان احدهم يكاد يسطو بالذي خرجت منه المقولة وامتلأ عليه غيظا فذ انتفخت اوداجه واحمرت وجنتاه كانهما ضرام العرانج مث۸۲

ان کا حال یہ تھا کہ جب ان کے کان میں کوئی ایسی بات پہونچتی، جو ان کے اس تقلیدی امر کے خلاف ہوتی جسے کل وہ اچھا سمجھتے تھے تو ان میں جو کوئی ہو، قریب ہوتا کہ اس شخص پر چڑھ بیٹھے جس کے منہ سے ایسی مخالف بات نکلی ہوتی، غصہ سے اس کے مقابلہ میں بھر جاتا، اس کی گردن کی رگیں پھول جاتیں اس کے رخسارے سرخ ہو جاتے، اور ایسا معلوم ہوتا کہ جھاؤ کی لکڑی کے انگارے ہیں۔

ہندوستان میں رہ پڑنے کے بعد اگرچہ اب ان کی پچھلی نسلوں میں نسبتًا وہ کرختگی اور تصلب تو باقی نہیں رہا ہے جس میں کچھ تو اس ملک کی آب و ہوا کا اثر ہے، نیز اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں جن کا کچھ ذکر شاید آئندہ آئے گا، لیکن جو اب تک ان ہی پتھریلے کوہستانوں میں رہتے ہیں، ان کی دینی تنگی کا حال جیسا کہ سید رشید رضا مصری نے لکھا ہے وہی ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

ومن ذلك ان بعض الحنفية من الافغانيين سمع رجلا يقرء الفاتحة وهو بجانبه في الصف فضربه بجموع يده على صدره ضربة وقع بها على ظهره فكاد يموت وبلغني ان بعضهم كسر سبابة مصل لرفعه اياه في التشهد مث۸۲ مقدمة

ان کی تنگیوں کی داستانوں میں ایک قصہ یہ ہے جو بعض افغانی حنفیوں کے متعلق سنا جاتا ہے کہ اس نے جماعت میں اپنے برابر والے کو دیکھا کہ وہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھ رہا ہے، تو اس افغانی نے اس بیچارے فاتحہ پڑھنے والے کے سینہ پر اس زور سے دوہتڑ مارا کہ وہ بیچارا پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا اور قریب تھا کہ مر جائے، اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ ایسے ہی ایک شخص نے تشہد کی انگلی نماز میں اٹھائی تو بعض افغانوں نے اس کی انگلی توڑ دی۔

بہر حال فتنوں والی تاریک راتوں کی جس "خونی موج کے آغوش" اور اسلامی ہند کے جس شدید طوفانی عہد کے ذکر کو میں نے نامیہ مضمون پر ثبت کیا ہے، غالبًا اہل نظر کے سامنے اگرچہ جیسا کہ چاہیے میں کوئی تفصیلی بیان نہ پیش کرسکا لیکن ایک مجلاتی مقالہ میں اس تصویر کے جتنے خط و خال کو نمایاں کیا جاسکتا تھا، اپنے محدود معلومات اور کوتاہ رسائی کی حد تک ممکنہ کوشش کی گئی ہے، کیونکہ بغیر اس کے سچی بات یہی ہے کہ اس "درتابندہ" کی حقیقی قدر و قیمت قطعًا نہیں پہچانی جاسکتی جس نے ابتلاء و امتحان کی ان ہی خونی موجوں میں پرورش پائی اور طوفان کے ان ہی ہنگاموں میں انتہائی فرزانگی کے ساتھ وہی جس کی محبت میں وہ ہر چیز کی محبت سے دست بردار ہو چکا تھا، اسی کی امت مقدسہ اور امت مرحومہ کی کشتی کو اپنی وسعت و طاقت کی حد تک منجدھار سے نکالنے میں قطعًا کامیاب ہوا، فصلی اللہ تعالیٰ علی نبینا

وسیدنا و رسولہ و جزاہ اللہ عنا و عن امتہ نبیہ خیر الجزاء

میرا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ بالا اوراق کے پڑھنے والے اب صحیح طور پر اندازہ کرسکتے ہیں کہ حضرت ستاد

ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے، اور جن دنوں میں وہ سرزمین ہند میں زندگی گذار رہے تھے، اس وقت ہر چہار طرف سے اسلام نرغہ میں گھرا چلا جاتا تھا، شمالی مغربی علاقوں میں سکھوں کی آتشیں قوت سر اٹھا رہی تھی، جنوبی ہند سے مرہٹوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مارتا ہوا ملک کے "اعزۃ" کو "اذلہ" بنانے میں بے دردی سے سرگرم تھا، دونوں قوتوں میں باہم جو کچھ بھی اختلاف ہو، لیکن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار ونشانات ان کے نام لیوؤں اور وابستوں حلقہ بگوشوں کا بالکلیہ قلع قمع کرنے پر دونوں اُدھار کھائے بیٹھے تھے، تیسری طرف خلیج بنگال کے ساحلی علاقوں سے مغربی قومیں بتدریج اپنا پنجہ ملک پر جماتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں ——— اور یہ تو بیرونی فتنے تھے، اندر ایرانیوں اور تورانیوں، پھر ان کے ساتھ روہیلوں کے باہمی تصادم اور مختلف اغراض ومقاصد کی کش مکش سے "اسلامی حکومت ہند" کی قبا تار تار ہو رہی تھی ان سیاسی مفاسد کے ساتھ صوفیا کے غلط تصوف، اور فقہا کے غلط تفقہ، حد سے گذری ہوئی عصبیت، اور جاہلی عصبیت نے اُمت کے شیرازوں میں الگ انتشار پیدا کر رکھا تھا ——— اسی کے ساتھ ساتھ ایرانی علما، اور شعرا، وادبا کا جو دباؤ مختلف وجوہ سے ہندوستانی علماء ارباب فکر ونظر اور تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف کے نظام پر پڑ رہا تھا، اس کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہاں کے اہل علم کا تعلق قرآن وحدیث تحقیقی فقہ، اصول فقہ اور عقائد وکلام سے ہٹ کر بے معنی لاطائل ذہنی اور لفظی مباحث کے گورکھ دھندوں میں اُلجھ اُلجھ کر "خسر الدنیا والآخرہ" کی صورت پیدا کر رہا تھا کہ ان لاحاصل مساعی کا کوئی نتیجہ نہ ان کو دنیا میں مل سکتا تھا نہ آخرت میں، خصوصاً ایک ایسے زمانہ میں جب "مغل دربار" اور مغل دربار کے امراء جو ان لفظی نکتہ نوازیوں اور دماغی عیاشیوں کے قدر داں تھے اور ان سے گونہ محظوظ بھی ہوتے تھے، خود ان غریبوں کا اقتدار ہی اندر اندر کھوکھلا ہوتا چلا جا رہا تھا ان کے تختے خود ہی اُلٹ رہے تھے پھر وہ بیچارے دوسروں کی قدر دانی کیا کرتے، اور ملک میں جو نئی قومیں اُبھر رہی تھیں، ان کے سامنے ان ایرانی نژاد لفظی کج بحثیوں کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

غالباً ان حالات کو سب دیکھ رہے تھے کیونکہ سبھوں کے سامنے گذر رہا تھا جو کچھ گذر رہا تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جو کچھ انجام ہونے والا تھا وہ مشکل ہی سے کسی کو سوجھ رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے عقل وحواس کو معطل کر کے ہر ایک اسی دھارے پر بہا چلا جا رہا تھا جدھر زمانہ کے تھپیڑے انھیں بہائے لیے جا رہے تھے، لیکن حیرت نہ کرنی چاہیئے خصوصاً اسلامی تاریخ کے مطالعہ کرنے والوں کو ششدر نہ ہونا چاہیئے کہ پہلی دفعہ نہیں بلکہ تیرہ سو سال سے اسلامی حدود کے جس علاقہ میں اس قسم کے واقعات پیدا ہوئے ہیں، تو کائنات کی وہی آخری قوت جس کے پیغام کا نام اسلام ہے، اور جس پر خدا نے اپنی پیامبری کے سلسلوں کو ہمیشہ کے لیے مختتم فرمایا ہے اسی کا کوئی معجزہ ضرور ایسے وقت میں ظاہر ہوا ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے جو دشمن اپنے دلوں میں سوچا کرتے تھے اور جن کا خیال کر کے ایمان والے سہمے جاتے تھے،

یہی واقعہ ہندوستان میں بھی پیش آیا، ایک ایسے باپ سے جو مشرباً صوفی اور تعلیماً مشہور معقولی ومنطقی عالم میرزاہد ہروی صاحب "زواہد ثلثہ" کے رشید شاگردوں میں تھے، اور کیسے رشید شاگرد کہ شاہ ولی اللہ نے خود اپنے

والد کے زبانی نقل کیا ہے

کہ ایشاں با من التفات بسیار می کردند بحدے کہ اگر می گفتم کہ امروز مطالعہ نہ کردہ ام می گفتند یک سطر یا دو سطر خوانید کہ ناغہ نشود (انفاس ص۲۰۳)

مرزا زاہد کی توجہ میری طرف اس حد تک مبذول تھی کہ میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے اس لیے نہیں پڑھوں گا تو میرزا کہتے کہ ایک یا دو سطرہی پڑھ لو تاکہ ناغہ تو نہ ہو،

میر زاہد کی سب سے بڑی معرکۃ الآرا تصنیف حواشی امور عامہ شرح مواقف کے متعلق شاہ ولی اللہ کا بیان ہے

ظاہراً تسوید حاشیہ شرح مواقف بہ تقریب قرأۃ حضرت ایشاں بود ص۲۰۳

حاشیہ شرح مواقف کی مسودہ نگاری کا کام میرزا نے اسی سلسلہ میں کیا جب والد ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے۔

بہرحال اسی معقولی فلسفی کے ایک صوفی شاگرد کے صلب مبارک سے حق تعالے نے محض اپنے فضل وکرم سے بڑے سخت وقت، اور کٹھن گھڑی میں ہندی مسلمانوں کو وہ گرامی ہستی عطا فرمائی، جس کا نام

"حضرت سیدنا الامام مولٰنا الشاہ ولی اللہ الدہلوی قدس اللہ سرہ العزیز ہے"

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ جو کچھ ہونے والے تھے اور ہندوستان میں جس دینی وعلمی موسم کو ان کی مخلصانہ کوششوں نے پیدا کیا، اس موسم کی بہار کی ابتدا خود ان کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم ؒ سے ہو چکی تھی، پہلی بازی جو شاہ عبدالرحیم نے جیتی وہ اس وقت کی بات ہے جب وہ طالب علم تھے، اور فتاوی عالمگیری کی تدوین ہو رہی تھی، ان کے ایک ساتھی جن کا شیخ حامد نام تھا ان کو بھی کام کا کچھ حصہ دفتہ تدوین سے عطا ہوا تھا براہ محبت و دوستی شیخ حامد نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو شریک کار کر کے کچھ یومیہ (تنخواہ) کی امید دلائی لیکن جو کسی آنے والے سال نکو کی بہار تھا، اس نے ملتی ہوئی تنخواہ سے انکار کر دیا اس انکار کی خبر جب شاہ عبدالرحیم کی بیوہ والدہ کو ہوئی تو برہم ہوئیں اور اصرار کر کے حکماً نوکری قبول کرنے پر مجبور کیا نوکر ہو گئے، مگر جب اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کو ہوئی تو آپ یہ برہم ہوئے اور ترک ملازمت پر زور دینا شروع کیا، شاہ صاحب نے والدہ کے حکم کا عذر پیش کیا، لیکن "پیر" نے اپنے حکم کی پیروی کا فیصلہ صادر فرمایا، پھسل جانے کا شاید موقعہ تھا لیکن شاہ عبدالرحیم سنبھل گئے، اور مرشد سے عرض کیا کہ آپ ہی دعا فرماویں کہ نوکری خود چھوٹ جائے ورنہ یوں چھوڑ دونگا، تو والدہ کی سخت آزردگی کا اندیشہ ہے، حصول ملازمت کیلئے نہیں بلکہ ترک ملازمت کی دعا کرائی گئی اور کی گئی قبول ہوئی، عالمگیر کے پاس تدوین فتاوی کے ملازموں کی فہرست وقتاً فوقتاً پیش ہوتی رہتی تھی حسب دستور

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) لہ تقریبا دو ڈھائی سو سال سے اس ہراتی ہندی عالم کی تین کتابیں ہندوستان بخارا کابل وغیرہ کے مدارس میں داخل نصاب ہیں ان کتابوں کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ عالم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ میرزاہد کی کتابوں میں سے کسی ایک پر یا سب پر کوئی حاشیہ نہ لکھتا ہو، مبالغہ نہیں ہے کہ ان تین کتابوں کے حواشی کی تعداد ہزاروں تک پہونچی ہوئی ہوگی، ہندوستان در اصل میرزا زاہد کے والد قاضی اسلم ہرات سے عہد جہانگیر میں آئے۔ بادشاہ نے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر قاضی اسلم کا تقرر کر دیا تھا۔ قاضی اسلم ملا فاضل کے اور ملا فاضل میرزا جان شیرازی مشہور منطقی ومعقولی عالم کے شاگرد تھے۔ بہرحال انہی قاضی اسلم کے صاحبزادے کا نام میرزا زاہد ہے۔ معلوم نہیں کہ عام مدارس میں بجائے میرزا زاہد کے میر زاہد کیسے مشہور ہو گیا غالباً یہ تصحیفی غلطی ہے، یاروں نے اس غلطی پر دوسری غلطی یہ کی کہ قال السید الزاہد" اور قال السید السند" وغیرہ لکھنا شروع کیا۔ میرزا زاہد بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے کل تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے عالمگیر کے زمانہ میں مختلف عہدوں پر بحال ہوئے شاہ عبدالرحیم جس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے آگرہ میں فوج کے محتسب تھے علاوہ رسالہ زواہد ثلثہ کے میرزاہد کا ایک حاشیہ شرح تجرید پر بھی ہے اور اشراقیوں کی کتاب "ہیاکل النور" پر بھی ایک شرح لکھی ہے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ اخیر سالہا صوبہ داری کابل تمام شدہ ۱۲

چیتی کا عالمگیر نے حکم دیا اور بلاوجہ شاہ عبدالرحیم کے نام پر قلم پھیر دیا۔ مگر ابھی امتحان کی ایک منزل باقی تھی اورنگ زیب نے تنخواہ بند کر کے اس سے بھی بڑا لقمہ پیش کیا فرمان ہوا کہ

اگر خواستہ باشد ایں قدر زمیں بدہید	اگر چاہیں تو اتنی زمین ان کو دی جائے

نوکری چھوٹی تھی جاگیر دار بنائے گئے۔ قدرت جس کا ارادہ کچھ اور تھا اس کی توفیق نے پھر ان کے بازو تھام لیئے، شاہ عبدالرحیم صاحب سے "شاہی فرمان" کے بموجب جب استصواب کیا گیا تو باوجود تنگی معاش اور محض بے وسیلہ ہونے کے خود فرماتے ہیں کہ

قبول[1] نہ کردم وشکرانہ بجا آوردم وحمد خدا تعالے گفتم	میں نے قبول نہیں کیا اور شکر ادا کیا اور حق تعالیٰ کی حمد کی

[1] شاہ عبدالرحیم کے اس قول سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اور آپ کے خاندان والوں کو جیسا کہ اس زمانہ کا عام دستور تھا حکومت سے کسی قسم کی کوئی جاگیر منصب وظیفہ مدد معاش وغیرہ نہیں ملی تھی، شاہ ولی اللہ کے متعلق میں نے بہت تلاش کیا بجز اس حویلی کے جو مدرسہ کیلئے محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو پیش کی تھی اور کسی حکومتی امداد کا پتہ نہیں چلا شاہ عبدالرحیم تک تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان میں قدیم سے طبابت کا پیشہ چلا آتا تھا لیکن جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں ہے

حکمت ہم درخاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگوار بعلم فقیر دوامی کردند والد ماجد بندہ موقوف ساختند ص۲۲

شاہ ولی اللہ کے بعد بھی خاندان میں کوئی جاگیر وغیرہ تھی اس کے متعلق صرف مرحوم امیر شاہ خاں صاحب کی امیر الروایات میں ایک روایت ہے کہ ضلع بلند شہر تحصیل سکندرہ میں بن پور نامی ایک گاؤں اس خاندان کا تھا امیر شاہ خاں نے اس گاؤں کو خود بھی دیکھا ہے فرماتے تھے کہ اچھا خاصا بڑا گاؤں ہے، ان ہی خاں صاحب کا بیان ہے کہ عموماً مالگذاری وغیرہ وصول کرنے کے لیئے مولانا اسمٰعیل شہید جایا کرتے تھے ایک دفعہ مولوی موسیٰ بن مولانا رفیع الدین بھی گئے تھے، امیر الروایات میں دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ انگریزی عہد میں شاہ اسحاق و شاہ یعقوب سے حکومت نے یہ جاگیر ضبط کرلی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن دونوں بھائی جتنے مسرور دیکھے گئے کبھی اس حال میں لوگوں نے آپ کو نہیں پایا تھا" بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ گاؤں غالباً شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں کسی ذریعہ سے اس خاندان میں آیا تھا ورنہ اس سے پیشتر ان حضرات کا معاشی ذریعہ دہی توکل تھا جس پہ سلفاً عن خلف عموماً اہل اللہ کا مدار رہا ہے اگرچہ ادھر کچھ دنوں سے مغربی دماغ کے نقروں سے تنگ آکر لوگوں میں اس سے گونہ کراہیت پیدا ہوتی چلی جارہی ہے تائید میں صحابہ کرام کو پیش کیا جاتا ہے جن کی ظاہر ہے کہ حیثیت مریدوں کی تھی لیکن مشائخ و اکابر صوفیہ جس ذات گرامی کی نمائندگی کرتے ہیں سوال ان کے متعلق ہے کہ نبوت کے بعد اور فتوحات سے پہلے درمیانی زندگی حضور کی جو گذری کیا اس کیلئے آپ نے کوئی کسب اختیار فرمایا تھا اصل یہ ہے کہ مشائخ ان فتوحات کو دینی مہمات میں کام میں لاتے تھے اب اگر کوئی ان کو اپنے لذائذ نفسانی میں صرف کرتا ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے لیکن محض اس غلط استعمال کی وجہ سے فتوحات مشائخ کے عدم جواز کا فتوے صادر کرنا کیا صحیح ہو سکتا ہے، کچھ بھی ہو میرے نزدیک تو اس زمانہ کی "چندہ بازیوں" اور اس کی خواریوں سے پہلے زمانہ کی فتوحات سازیوں کی عزت بہرحال بہتر تھی چندہ گر لیڈروں کی ریس میں جو مولوی یا مشائخ فتوحات سے کارہ ہیں اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر؟ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

نوکری چھوٹی، جاگیر سے محروم ہوئے، لیکن اس پر بھی حمد خدا تعالیٰ لگفتم، جس کا یہ مقام ہو، اگر اس کا اور اس کی ذریت طیبہ کا قدرت کسی اہم خدمت کیلئے انتخاب کرے۔ تو

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ | اگر تم شکر کروگے تو میں تمھیں بڑھاتا چلا جاؤں گا

کی وثیقہ محکمہ اور وعدہ موکدہ والے سے اور کس بات کی توقع کی جاسکتی تھی، زیادہ تو نہیں لیکن اتنا حال تو ہمیں بھی معلوم ہے کہ اس امتحان سے کامیاب ہونے کے بعد شاہ عبدالرحیم کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم جو آگرہ میں رہتے تھے اور شاہ صاحب بھی ان دنوں آگرہ ہی میں تھے، خلیفہ صاحب نے شاہ صاحب کو حکم دیا کہ شاہ عظمت اللہ نامی بزرگ کے پاس جاکر حاضری دو، جو سلسلہ طریقہ چشتیہ کے ایک کہنہ سال معمر ترین بزرگ اس زمانہ میں آگرہ میں تھے، مرشد کے بار بار اصرار کے بعد آخر ایک دن شاہ عبدالرحیم عظمت اللہ شاہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے وہ بیمار تھے پلنگ پر لیٹے لیٹے باتیں کرتے رہے۔ سلسلۂ گفتگو میں شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنا خاندانی تعلق "شیخ عبدالعزیز شکر بار"[لہ] سے ظاہر کیا، معاً عظمت اللہ شاہ صاحب یہ سنتے ہی پلنگ سے زمین پر آگئے اور شاہ عبدالرحیم کو گلے سے لگایا، پھر ایک سوال کیا، جواب پایا، اس کے بعد شاہ عظمت اللہ صاحب نے یہ قصہ کہنا شروع کیا کہ "میرے دادا صاحب کو شیخ عبدالعزیز شکر بار نے وصیت فرمائی تھی اور کچھ تبرکات دیئے تھے اور کہا تھا کہ میری اولاد میں سے اگر کوئی تمہارے پاس آکر فلاں سوال کا فلاں جواب دے تو میرے یہ تبرکات اس تک پہونچا دینا یہ تبرکات دادا کے زمانہ سے اس وقت تک اسی وصیت کے ساتھ محفوظ چلے آرہے ہیں" شاہ عظمت اللہ نے فرمایا کہ چونکہ سوال کا جواب تم نے دیدیا اس لیئے وصیت پوری کرنے کا وقت آگیا یہ کہکر شاہ عبدالرحیم کے سر پر انھوں نے عمامہ باندھا اور اپنے طریقہ کی اجازت بھی عطا فرمائی جب چلنے لگے تو کچھ مٹھائی اور نقد روپے بھی ساتھ کر دیئے شاہ عبدالرحیم صاحب وہاں سے ان سب چیزوں کو لیئے ہوئے اپنے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کے پاس پہونچے، اور مٹھائی، روپے خلیفہ صاحب کے آگے رکھدیئے، ماجرا بیان کیا "بشاشت قلبی تمتی کردند" اور آخر میں خلیفہ ابوالقاسم نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ بشارت سنائی۔

لہ انفاس میں ہے کہ "ایشاں جد اعلیٰ حضرت والد بزرگوار اند از جہت والدہ ایشاں" یعنی یہ شاہ عبدالرحیم کے نانا تھے۔ شیخ عبدالعزیز کے والد کا نام حسن تھا، حسن کے والد کا نام طاہر تھا، شیخ طاہر اگرچہ اجبہ ملتان کے رہنے والے تھے لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ناحیۂ پورب اقامت گاہ ایشاں شد"، پورب سے کیا مراد ہے صاف طور سے معلوم نہ ہوسکا۔ البتہ شیخ طاہر کی تعلیم اور شادی کا ذکر فرماتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ "تحصیل علم ایشاں بہ بلدہ بہار کہ مجمع علماء بود" ہیں ہوئی اور "بعد فراعت قاضی بہار صبیہ خود ایشاں را داد"، شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ "شیخ طاہر از ملتان بطلب علم بایں دیار افتاد مدتے در بلدہ بہار سکونت کرد پیش شیخ بدہ حقانی تحصیل علم نمود وہم در بہار شیخ حسن از خلوت خانۂ عدم بمہمان سرائے وجود رسید ۹۱۵ھ" جس کے یہی معنے ہوئے کہ شاہ عبدالرحیم کے نانا کے والد بہار ہی میں پیدا ہوئے تھے، اور غالباً قاضی بہار "جس کی لڑکی سے شیخ طاہر کی شادی ہوئی وہ شیخ بدہ حقانی" ہیں، واللہ اعلم بالصواب ۱۲

آخر میں شیخ عبدالعزیز اپنے مرشد قاضی خاں ظفرآبادی کے حکم سے دلی آئے، "در موتمن قوانین ارشاد گشت" ۱۲

نقد اشارت بہ جمعیت ظاہر و عامہ اشارت بہ اجازۃ وجمعیت باطن	روپیہ تو ظاہر حال کے اطمینان اور فراغبالی کی طرف اشارہ ہے اور عامہ باطنی اطمینان اور فراغبالی اور اجازت کا اشارہ ہے۔

اس جمعیت ظاہر کی بشارت کے بعد خود شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ معاشی پراگندگی کا سوال ان کی زندگی میں سرے سے کبھی پیدا ہی نہیں ہوا اور "جمعیت باطن" کی اس خوشخبری کے بعد انھیں معاشی حیات "کیلئے" کبھی دشواری اٹھانی پڑی "فتوحات" کی یہی شکل کہ دل سے نکال دینے کے بعد آنکھوں کے سامنے آئے تب تو وہ واقعی فتوحات ہیں لیکن جو لوگ بہ ظاہر ان سے آنکھیں چراتے ہیں، لیکن ان کے دلوں میں جو بیس گھنٹے ان ہی فتوحات کے بت براجمان ہیں یقیناً یہ فتوحات نہیں عقوبات ہیں قرآن کی اس آیت کا ایک معداق اگر یہ "فتوحات" بھی ہیں تو کیا تعجب ہے

ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکنزون،	تحقیق بہت سے احبار (علماء یہود) اور رہبان (مشائخ نصاریٰ) لوگوں کے مال باطل راہ سے کھاتے ہیں اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور جو سونے چاندی کو سینت سینت کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے ایسے لوگوں کو دکھ بھرے عذاب کی بشارت دو جس دن تپایا جائے گا چاندی سونے کو جہنم کی آگ پر پھر داغی جائے گی پیشانی اُن کے پہلو اور ان کی پیٹھ یہی ہے جو تم نے جمع کیا تھا اپنے لیئے پس لو چکھو عذاب اُس کا جو جمع کیا تم نے۔

انفاس العارفین اور بعض دوسری کتابوں میں شاہ عبدالرحیم کی جس صاف ستھری زندگی کے پڑھنے سے دل کو جو ملتی ہے، اسی سے اندازہ ہوتا ہو کہ "ولی الٰہی حقیقت" دراصل قدرت کے اسی قانون کا مظہر ہو جو کسی شاعر نے کہا ہو۔

کذلک تنشاء لینۃ ھو عرفتھا وحسن نبات الارض من کرم البذر

بلکہ شاہ ولی اللہ نے خود بھی اور دوسروں نے بھی لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے کمالات و مقامات کی بشارت شاہ عبدالرحیم کو پہلے سے مل چکی تھی ایک واقعہ انفاس العارفین میں موجود ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہو کہ محض شاہ ولی اللہ کی ولادت کیلئے شاہ عبدالرحیم نے کسی غیبی اشارہ کے ماتحت ہی ساٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کی تھی بعض لوگوں کو اس پر اعتراض بھی ہوا کہ

دریں عمر کدخدائی مناسب نہ بود	اس عمر میں شادی مناسب نہ تھی،

شاہ عبدالرحیم نے سنکر فرمایا کہ

گفتند دراز است عمر من باقیست و فرزندان بوجود خواہند آمد

میری عمر کا بڑا حصہ ابھی باقی ہے اور انشاء اللہ چند لڑکے ابھی اور پیدا ہوں گے،

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے بعد والد ستر وسال زندہ رہے، اور دو لڑکے حضرت کے تولد ہوئے جن میں ایک خود شاہ صاحب ہیں، اسی طرح انفاس ہی میں ہے کہ تہجد کی نماز شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ صاحب کی والدہ پڑھ رہی تھیں، نماز کے بعد شاہ عبدالرحیم نے دُعا کے لیئے ہاتھ اٹھایا اور بیوی صاحبہ سے آمین کہنے کے لیئے کہا، دُعا ہو رہی تھی اور اس وقت ہو رہی تھی کہ ابھی شاہ ولی اللہ عالم وجود میں نہیں آئے ہیں. بہر حال عین دعا کی حالت میں

درمیان ایشاناں دو دست دیگر ظاہر شد

ان دونوں کے درمیان میں دو ہاتھ اور ظاہر ہوئے

شاہ عبدالرحیم نے فرمایا کہ

این دو دست فرزند ماست

یہ دونوں ہاتھ ہمارے لڑکے کے ہیں

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ نماز تہجد میں ٹھیک اسی شکل کی ساتھ دُعا کرنے کا موقع میسر آیا «وهذا تاويل رءياي قد جعلها ربي حقا»، — شاہ ولی اللہ جس لیئے پیدا ہوئے تھے اس کا اشارہ بچپن ہی میں ان کے والد نے ایک خاص طرز سے فرما دیا تھا خود ہی لکھتے ہیں:۔

ایں فقیر بموافقت احبا و اقربا روزے بہ تفرج بوستانے رفت چوں باز آمد حضرت ایشاں فرمودند اے فلانے دریں شبانہ روز چہ حاصل کردی کہ با تو باقی ماند

فقیر اپنے دوست احباب اور بعض عزیزوں کے ساتھ ایک دن ایک باغ کی سیر کو گیا جب واپس ہوا تو حضرت (والد) نے فرمایا اے فلاں رات دن میں تم نے کیا چیز ایسی حاصل کی جو تمہارے ساتھ باقی رہے گی،

"چہ حاصل کردی کہ با تو باقی ماند" والد بزرگوار کے سوال کا یہی تیر تھا، جو سعادت مند فرزند کے قلب صالح میں جا کر ترازو ہوگیا، اور ایسا ترازو ہوا کہ پھر عمر بھر نہ نکلا، خود فرماتے ہیں:۔

بمجرد ایں کلام دل فقیر از تفرج بوستانہا سرد شد و مثل ایں داعیہ بوجود نیامد.

بس اتنی بات کے سننے کے ساتھ ہی فقیر کا دل باغوں کے سیر سپاٹے سے سرد ہوگیا پھر کبھی اس قسم کی خواہش پیدا نہ ہوئی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کل ساٹھ اکسٹھ سال کی عمر میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "با تو باقی ماند" والے جو کام کیئے ہیں کم از کم ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر موجود نہیں ہے، لکھنے پڑھنے کے بعد "با تو باقی ماند" سے خدمات کا یہی ذوق تھا جس نے ان کو اس دھارے میں بہتے ہوئے نہ چھوڑا جس میں ان کے ابناء عصر تقریباً ہر طبقہ کے بہ رہے تھے، جس کی وجہ کچھ تو حضرت کے والد کی خاص تربیت تھی، ماسوا اس کے شاہ صاحب فطرۃً "رسم عام" کی پابندی سے نفور تھے، حتی کہ ائمہ مجتہدین تک کی تقلید جس پر انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں مختلف

کہ ترجمہ قرآن کی بنیاد پر دلی کے بعض پرانے خیال کے مولویوں نے جب آپ سے اختلاف کیا اور اختلاف کو اس حد تک پہنچا دیا کہ عوام میں کافی بدظنی و برہمی پیدا ہوئی، اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ فتح پوری کی مسجد میں تقریباً سو سوا سو لچوں اور بدمعاشوں کو لے کر بعض ملاؤں نے آپ کو گھیر لیا، شاہ صاحب کے ساتھ اس وقت صرف معدودے چند رفقا تھے، لیکن جیسا کہ مرزا حیرت نے لکھا ہے، "کہ شاہ صاحب کے ہاتھ میں صرف ایک پتلی لکڑی تھی.. اسی لکڑی کو لے کر اس مخفی مجمع میں جو باضابطہ تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔

"غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلے چلے گئے"

یوں بھی شاہ صاحب کو سیاسی مسائل اور حکومتی نظامات کے متعلق جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ ان کی مختلف کتابوں مثلاً ازالۃ الخفا اور حجۃ اللہ وغیرہ کے سیاسی مباحث سے ہوتا ہے، سیاسیات میں ان کی رائے کتنی عمیق اور دور رس ہے افسوس ہے کہ اس کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں، شاہ صاحب کی عام متداول کتابوں میں اس کا کافی مواد موجود ہے، کوئی چاہے تو ان کو موجودہ اصطلاحات اور تعبیروں کے قالب میں ڈھال کر بیان کر سکتا ہے، ممکن ہے کہ اگر فرصت میسر ہوئی تو شائد اس کام کو میں ہی کبھی انجام دوں، بالفعل صرف ان کی طرف اشارہ کرکے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ باوجود ایسے ماحول اور اسباب کے شاہ صاحب نے سنانی اور سیفی مجاہدہ کی راہ کیوں اختیار نہیں کی؟[۱] یہ تو قطعاً غلط ہے کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق جس پر "ماضٍ الی یوم القیمۃ" (یعنی جہاد کا قانون قیامت تک کے لیے نافذ ہے) کی مہر نبوت کندہ ہے، اس قانون کو شاہ صاحب خدانخواستہ کسی خاص زمانہ تک محدود سمجھتے تھے، بلکہ اپنے اجداد کے حالات کو درج فرماتے ہوئے جہاں اپنے جد امجد کی بہادری کے واقعات لکھنے لگے ہیں تو ان سے پہلے آپ نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے:۔

کہ چندے ازیں باب دریں کتاب می نویسیم کہ تنبیہے باشد اہل ایں خاندان را	چند واقعات میں اس لیے اس کتاب میں درج کرتا ہوں تاکہ اس خاندان کے لیے وہ بیداری کا پیغام اور سبب ہوں۔

اور کون کہہ سکتا ہے کہ دوسری ہی پشت میں حضرت شاہ صاحب کے گھرانے سے جو وہ مرد غازی مولانا اسمٰعیل شہید اٹھے، اور ایک مدت تک بجائے قلم کے تلوار کو کمر سے لگائے رہے تا ایں کہ اسی راہ میں بالآخر جان عزیز بھی نذر کی، یہ شاہ صاحب کی کسی اندرونی تربیت کا نتیجہ نہ تھا، جس کا رواج ان کے خاندان میں چلا آرہا تھا،

باوجود ان تمام باتوں کے پھر میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ شاہ صاحب نے آخر یہ راہ خود کیوں اختیار نہیں فرمائی، مجھے اب تک ان کے کلام میں کوئی چیز صراحۃً نہیں ملی ہے، آئندہ اگر کوئی چیز ہاتھ آئی تو انشاء اللہ پیش کی جائے گی بالفعل

---

[۱] "الفرقان" حضرت شاہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ جہاد بالسیف کے بارہ میں کلی اپنی قابلیت کو خود ہی بیان فرمایا ہے ملاحظہ ہو تفہیمات ص ۱۶ اور وہیں سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ راہ کیوں اختیار نہیں کی ۱۲ م

ان کے مسلک کے متعلق اس باب میں جن وجوہ تک پہونچ سکا ہوں انہیں درج کرتا ہوں، فیوض الحرمین میں شاہ صاحب نے "تحقیق سنت شریف" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے اگرچہ کچھ طویل ہے لیکن جب تک پورا مضمون نقل نہ کیا جائے مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا ارقام فرماتے ہیں،

للامة المرحومة اسوة حسنة برسوله صلى الله عليه وسلم لاصحاب الخلافة الظاهرة اعنى المعتنين باقامة الحدود واعداد ادوات الجهاد وسد الثغور واجازة الوفود، وجباية الصدقات والخراج وتفريقها على مستحقيها وفصل الاقضية والنظر فى اليتامى واوقاف المسلمين وطرقهم ومساجدهم واشباه هذه الامور، فمن كان مشتغلا بهذه الامور نسميه بالخليفة الظاهرة لهم اسوة حسنة برسول الله صلى الله عليه وسلم فيمان فى هذا الباب بالتفصيل المذكور فى كتب الحديث — ولاصحاب الخلافة الباطنية اعنى المعتنين بتعليم الشرائع والقرآن والسنن والآمرين بالمعروف والناهين عن المنكر والذين يحصل بكلامهم نصرة الدين اما بالمجادلة كالمتكلمين، او بالموعظة كخطباء الاسلام او بصحبتهم كمشائخ الصوفيه، والذين يقيمون الصلوة والحج والذين يدلون على طريق اكتساب الاحسان والمرغبون فى التنسك، والزاهد والقائمون بهذ الامر هم الذين نسميهم بالخلفاء الباطنين لهم اسوة حسنة برسول الله صلى الله عليه وسلم فيما سن من هذا الباب، بالتفصيل المذكور فى كتب الحديث

رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی زندگی میں امت مرحومہ کیلئے اسوہ اور نمونہ ہے (پھر اس نمونہ کی تقسیم یوں کرتے ہیں) ظاہری خلافت والے یعنی جو شرعی حدود اور جہاد کے سازوسامان کی تیاری اور سرحدی علاقوں کی ناکہبندی وحفاظت اور وفود کو اکرام وانعام دینے کی خدمت اور صدقات محصول مالگذاری وغیرہ کی وصولی، پھر ارباب استحقاق پر ان کی تقسیم، مقدمات کے فیصلے، یتیموں کی نگرانی، مسلمانوں کے اوقاف کے انتظام، نیز رستوں سڑکوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر، اور اسی قسم کے اور کاموں کے لیئے مقرر ہیں، غرض مسلمانوں میں جو ان خدمات اور مشاغل میں مصروف ہیں انھیں کو میں خلافت ظاہری والوں کے نام سے موسوم کرتا ہوں، ان لوگوں کے لیئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بہترین نمونے ہیں جنھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان امور کے متعلق جاری فرمایا اور حدیث کی کتابوں میں جن کی تفصیل مذکور ہے، اور جو لوگ باطنی خلافت والے ہیں، یعنی جو اس کام پر مقرر ہیں کہ شرائع اور قوانین اسلامی قرآن اور سنن وآثار کی تعلیم دیں، اور معروف یعنی اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دیں بری اور منکر باتوں سے روکیں، اسی طرح وہ لوگ جن کے کلام سے دین کی تائید ہوتی ہے خواہ مناظرہ اور مباحثہ کی راہ سے جیسا کہ متکلمین اسلام کا حال ہے، یا وعظ وپند کے طریقے سے جیسا کہ اسلام کے مقررین اور خطباء جس خدمت کو انجام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی صحبت اور توجہ وہمت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا حال ہے اسی طرح

جو نمازیں قایم کرتے ہیں حج کراتے ہیں اور جو احسان (دوام حضور) کے حصول کی راہ لوگوں کو بتاتے ہیں، اور زہد و تقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں۔ بہر حال جو لوگ ان دینی خدمات کو انجام دیتے ہیں ان ہی لوگوں کو ہم خلفاء باطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے بھی بہترین نمونے ہیں یعنی اس باب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو طریقۂ عمل اختیار فرمایا، اور حدیث کی کتابوں میں جس کی پوری تفصیل موجود ہے۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نے خلافت کی دونوں صورتوں اور ان کے لوازم و آثار سے بحث کی ہے جس کے درج کرنے کی سردست ضرورت نہیں ہے،

شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت ہی سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت و نمائندگی اور "خلافت" کا انحصار محض سیاسی اقتدار کے مظاہر کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی جو نمائندگی کرتے ہیں، ان کو بھی "خلافت" کا ایک حصہ ملا ہے جیسے سیاسی اقتدار رکھنے والوں اور حکومتی خدمات انجام دینے والوں کو بھی اس کا ایک ہی شعبہ ملتا ہے ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک قدرت نے جس کسی کو جس قسم کی "خلافت" اور نیابت نبوت کے مظہر بننے کا موقعہ عطا فرمایا ہے وہ اسی اعتبار سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھ کر اپنے کاروبار کی تنظیم کرے اور اسی شعبہ کے اسوۂ نبوی کو شمع راہ بنا کر اپنے فرائض "خلافت" کو انجام دے ——— گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ اسلام نے مثلاً امراء کو بھی مخاطب کیا ہے اور غرباء کو بھی تندرستوں کو بھی اور بیماروں کو بھی احرار کو بھی اور عباد و اماء کو بھی، ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سب کے فرائض بالکل یکساں ہیں بلکہ امراء جنھیں قدرت نے مال و دولت عطا کی ہے ان ہی کے ساتھ ان احکام کا تعلق ہے جو مالیات سے متعلق ہیں اور جو صحت کی دولت سے سرفراز ہیں ان ہی تک وہ احکام محدود رہیں گے جن کی ادائیگی صحت کے ساتھ مشروط ہے پس اسی طرح گو قرآن نے ہر قسم کے احکام کی تبلیغ کی ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی جامع زندگی سے تقریباً ہر حکم کے متعلق تشریحی نمونے پیش فرمائے ہیں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کے ہر حکم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر نمونہ کی اتباع پر ہر مسلمان مساوی طور پر مجبور کیا گیا ہے، بلکہ جو خوش بخت خلافت ظاہرہ کے اسباب و ادوات سے سرفراز ہیں وہ اس باب میں مکلف ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز حکومت اور طریقۂ سیاست کو اختیار کریں اور اس کو دنیا میں سر بلند کرنے کے لیئے تدابیر عمل میں لائیں ——— علی ہذا جس کسی کو خلافت باطنہ کا جو حصہ عطا ہوا ہے، وہ اسی پہلو میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے، غالباً یہی وجہ ہے، کہ "تفہیمات الٰہیہ" میں شاہ صاحب نے اپنے جس طویل خطاب سے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا ہے جس کا ترجمہ پہلے درج کر چکا ہوں اُس میں آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ کر کے پکارا ہے، اور بجائے اس کے کہ ہر مسلمان پر اس عام دعوت کو پیش فرماتے خصوصیت کے ساتھ "ملوک اسلام"، کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

ایها الملوك! المرضی عند الملاء الاعلی فی هذا الزمان ان تسلوا السیوف ثم لا تغمدوها حتی یجعل اللہ فرقانا بین المسلمین والمشرکین وحتی یلحق مردة الکفار والفساق بضعفائهم لا یستطیعون لانفسهم شیئا وهو قوله تعالی وقاتلوهم حتی لاتکون فتنة ویکون الدین کله للہ

بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں تمہارے متعلق یہ ہے کہ تلواریں سونت لو، پھر انہیں نیام میں نہ کرو جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشرکوں سے بالکل جدا نہ فرمادے اور کفار کے سرکش افراد نیز فساق کمزور ہوں جاکر شریک نہ ہوجائیں، اور خود اپنے لیے ان میں کچھ کرنے کی سکت باقی نہ رہے، یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ جنگ کرو کافروں سے اس حد تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور "دین" "قانون" صرف اللہ کے لیے مخصوص ہوکر رہ جائے۔

الغرض خصوصیت کے ساتھ بجائے عام مسلمانوں کے اس خطاب میں شاہ صاحب نے ملوک یعنی ان ہی لوگوں کو مخاطب کیا ہے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے سیاسی اقتدار اور عسکری قوت کے مالک ہیں، پھر آپ نے ان کو صرف "اس سلبی کام" ہی کا مخاطب نہیں بنایا ہے، بلکہ اس کے بعد حکومت کے ایجابی احکام کا مکلف بھی ان ہی کو قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

فاذا ظهر الفرقان فرضاء الملاء الاعلی ان تنصبوا فی کل ناحیة وفی کل مسیرة ثلثة ایام واربعة ایام امیرا عادلا یاخذ للمظلوم حقه من الظالم ویقیم الحدود ویجتهد ان لا یحصل فیهم بغی ولا اقتتال ولا ارتداد ولا کبیرة ولیفشو الاسلام وتظهر شعائره ویاخذ بقرا کل احد ویکون لامیر کل بلد شوکة یقدر بها علی اصلاح بلده ولا یکون له شوکة یتمتع بسببها ویعصی علی السلطان وینصب فی کل اقلیم کبیر امیرا یقلده القتال فقط یکون جمعه اثنا عشر الفا من المجاهدین لا یخافون فی اللہ لومة لائم یقاتلون کل باغ وعاد فاذا کان

جب مسلم و کافر میں اس طرح جدائی پیدا ہولے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضا یہ ہے کہ تم اے بادشاہو! ہر علاقہ اور تین دن یا چار دن کی ہر مسافت پر ایک صاحب عدل امیر کو مقرر کرو، جو ظالم سے مظلوم کا حق لے سکتا ہو اور شرعی حدود قائم کرسکتا ہو، اور اس کی کوشش کرے کہ ان کی طرف سے پھر سرکشی اور فساد پیدا ہو اور ارتداد اور کبیرہ کا ارتکاب نہ کرسکیں۔ اسلام بالکل فاش و علانیہ ہوجائے اس کے شعائر کھلم کھلا ظاہر ہوں اور اپنے منصبی فرائض کو ہر شخص اختیار کرلے، چاہیئے کہ ہر شہر کے امیر کو اتنی قوت و شوکت ہو جس کے ذریعہ سے اپنے شہر کی اصلاح پر وہ قابو پاسکے مگر اتنی شوکت و قوت اس کے پاس نہ ہو کہ ان سے خود نفع اٹھانے لگے، اور بادشاہ وقت سے سرکشی کرنے لگے، چاہیئے کہ ہر اقلیم (صوبہ) میں ایک بڑا امیر بھی

ذلک فرضاء الملاء الاعلی ان یفتش حینئذٍ من النظامات المنزلیہ، و العقود و نحوہ حتے لا یکون شیٔ الاموافق الشرع حتے یا من الناس من کل وجہ

تفہیمات الٰہیہ ص ۲۱۶/۱۷

مقرر ہو، جس کے ذمہ فقط جنگ کی ذمہ داری عائد کی جائے چاہیئے کہ اس کی فوجی جمعیت ایسے بارہ ہزار مجاہدین کی ہو، جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں اور ہر سرکش باغی سے جنگ کر سکتے ہوں جب یہ ہو چکے تب چاہیئے کہ منزلی نظامات (اور معاشری قوانین) اور عقود و معاملات کی جانچ پڑتال کی جائے اور اسی قسم کی دوسری باتوں کی (پھر ایسی صورت اختیار کی جائے) کہ کوئی بات ایسی باقی نہ رہ سکے جو شریعت کے مطابق نہ ہو، تاکہ لوگ ہر لحاظ سے امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگیں"

اس قسم کے خاص خاص خطابات، اور مخصوص دعوات کا ذکر شاہ صاحب کے کلام میں اور دوسری مقامات میں بھی ملتا ہے لیکن میں سر دست اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب کا اس کے بعد جو مسلک متعین ہوتا ہے میں اب اس کی اس سے زیادہ تشریح نہیں کرنا چاہتا ورنہ اب مزید کی ضرورت ہے۔

آج جب دنیا کا ہر طبقہ ایک قسم کے سیاسی بحران میں مبتلا ہے اور "انسانیت" کے اول و آخر ظاہر و باطن میں اب بجز "سیاست" کے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اسلام کو صرف "سیاست" اور سیاست کو صرف "اسلام" قرار دینے پر مصر ہے، گویا ان کو غلو کے نزدیک ہر شخص کے اسلام و ایمان دینی خدمات کی بھلائی و برائی کا سارا دارومدار اسی پر رہ گیا ہے ان کے خیال میں "اب خیر" بلکہ ایمان بھی صرف اس میں ہے جو موجودہ سیاسی قصوں میں اپنا کچھ نہ کچھ پارٹ ادا کرتا ہو، اور جو بیچارے کسی وجہ سے (اگرچہ آجکل کی سیاست کی گندگی ہی کی وجہ سے) ان "سیاسی مشاغل" سے محروم ہیں خواہ دوسرے نقطہ نظر سے یعنی شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں "خلافت باطنیہ" کی راہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بہترین نمونے کیوں نہ پیش کرتے ہوں وہ بزدل ناکارہ اور بعضوں کے نزدیک تو مخذول و مردود ہیں بلکہ ان کی موت بھی ان کے خیال میں جاہلیت کی موت ہے، اور ان کی زندگی بھی جاہلیت کی زندگی ہے۔

مجھے اس سے بحث نہیں کہ ارباب سیاست کا یہ اجتہاد واقعی اسلامی نصوص و نبوی آثار و سنن اور فقہاء اسلام کے مجتہدات پر کس حد تک منطبق ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا نقطہ نظر جیسا کہ ان کی مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے، اس باب میں جو ہے اس کو دیکھ کر کیا یہ حضرات اپنے اس طرز عمل میں کچھ تغیر فرما سکتے ہیں؟

اسی طرح جو لوگ ہندوستان یا بیرون ہند کی بعض بچی کھچی ملوکی اور سیاسی قوتوں کے بالکل "استیصال" یا ان کے کل نظام کا مشورہ محض اس لئے دے رہے ہیں کہ ان کے یہاں مغربی نظامات اور عقود و معاملات یا دوسرے لفظوں میں بعض معاشرتی، اور معاشی قوانین ایسے مروج ہیں جو شریعت اسلامیہ کے دفعات پر منطبق نہیں ہیں، اگرچہ زیادہ تر

ان مشوروں کا محرک اس زمانہ میں شریعت کا درد نہیں بلکہ مغربی مکاتب خیال میں سے کسی مکتب خیال کے تاثر و انفعال کا یہ نتیجہ ہے، خواہ اس تاثر کا داعیوں کو شعور ہو یا نہ ہو تاہم یہ مان بھی لیا جائے کہ "انقلاب"، "بالکل انقلاب"، کے ان نقیبوں کی چیخ پکار کے پیچھے شریعت محمدیہ ہی کا درد اور اسی کے اظہار کا صادق جذبہ کار فرما ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ شاہ صاحب نے دعوت کی جو ترتیب پیش کی ہے اور یہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عیسائی بادشاہوں، اور مجوسی ملوک وعظماء کو شروع ہی میں شریعت کے منزلی نظامات اور عقود و معاملات کی پابندی کی دعوت نہیں دی، اور نہ ان کے جمہوری یا شخصی نظامات حکومت کی تبدیلی کا ابتداءً مطالبہ کیا بلکہ آپکی اولین دعوت توحید اور اسلام کی تھی، یقیناً حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی نقطۂ نظر تھا کہ اگر وہ اسلام کو قبول کرلیں گے، توانکی زمین، جائداد، اموال و خراج سے فوری طور پر کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، البتہ بتدریج ان کے معاشرتی اور معاشی مفاسد کی اصلاح کی جائے گی، آخر نجاشی ابی سینیا کا عیسائی بادشاہ جیسا کہ کہا جاتا ہے مسلمان ہو گیا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ جو طرز عمل اختیار فرمایا تھا کیا اسمیں ہمارے لیئے کوئی اسوۂ حسنہ نہیں ہے؟ کیسی عجیب بات ہے کہ آج جن علاقوں میں مسلمانوں کی تھوڑی بہت سیاسی قوت خواہ وہ کسی حال میں ہو باقی ہے مسلمانوں کو ان سے متعلق مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان حکومتوں کے بعض معاشرتی اور معاشی قوانین چونکہ شرعی قوانین سے مختلف ہیں اس لیئے چاہیئے کہ ان کا تختہ اُلٹ دیا جائے اور کوئی مسلمان ان کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ رکھے ان کا وجود و عدم برابر ہے، اور پھر اسلام کے ان احکام و اوامر پر جن کی تعمیل کے لیئے خلافت ظاہرہ یا سیاسی قوت کی ضرورت ہے عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ان غریب مسلمانوں سے کیا جائے جو بیچارے قدرتاً ان کی سرانجامی سے مجبور ہیں گویا اس کے معنے یہ ہوئے کہ امرا چونکہ اپنے اموال شرعی طریقوں پر خرچ نہیں کرتے اس لیئے بجائے اس کے کہ ان کو شرعی طریقوں کی پابندی کی دعوت دی جائے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان کو بھی غریب بنا دیا جائے اور پھر مفلسوں پر زکوٰۃ اور عشر و صدقات کے ٹیکس عائد کیئے جائیں۔

ایسے ہی میرے خیال میں جو لوگ آج کل یہ تعبیر پھیلا رہے ہیں کہ اسلام صرف حاکموں کا مذہب ہے، محکوم ہو کر زندہ رہنے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔ اور دلیل میں اسلام کے ان قوانین و اوامر کو پیش کرتے ہیں جو بغیر حکومت کی قوت کے سرانجام نہیں پا سکتے، ان کی مثال ایسی ہے کہ زکوٰۃ و عشر کے احکام دیکھ کر اعلان کر دیا جائے کہ غریب ہو کر جینے کی اسلام میں قطعاً گنجایش نہیں، یا روزہ۔ حج وغیرہ کے فرائض کو دیکھ کر دعویٰ کر دیا جائے کہ بیماروں اپاہجوں کے وجود کا اسلام روادار نہیں کیونکہ غریب اسلام کے اہم احکام مثلاً "اٰتوا الزکوٰۃ" کی اور بیمار "للّٰہ علی الناس حج البیت" کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ میرا ہرگز اس سے یہ منشاء نہیں ہے کہ اسلام کو محکومی مطلوب ہے، یا حکومت و اقتدار کو اسلامی نظام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے ——— نیز یہ بھی میرا مطلب نہیں ہے کہ جو مسلمان

اُمراء" اسلامی دولی نظام اور اسلامی احکام کے پابند نہیں ہیں اُن کے اس حال کی اصلاح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح ان چیزوں میں بھی غلو نہ کیا جائے اور مغربی احوال و تحریکات سے متاثر ہونے اور ان کے طرق کا اتباع کرنے کے بجائے "اسوۂ حسنہ نبوی" ہی کو ان کاموں میں بھی شمع راہ بنایا جائے میں یہاں ان معاملات میں اپنی کوئی خاص رائے پیش نہیں کر رہا ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ ان اُمور میں کسی رائے کے قایم کرنے کا مجھے مقام بھی حاصل نہیں، بلکہ میں تو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام سے جو بات سمجھ میں آئی ہے صرف بطور تشریح اُس کا اظہار کر رہا ہوں۔ اور وہ بھی اس بنیاد پر کہ اب تک اس کے خلاف مجھے ان کی کتابوں میں کوئی دوسری چیز نہیں ملی ہے، اور خود آپ کی زندگی میں بھی اس کے سوا کسی دوسرے پہلو کی شہادت نہیں ملتی، ممکن ہے کہ یہ میرے محدود معلومات اور قلت فکر و نظر کا نتیجہ ہو، لیکن میں اب تک یہی سمجھے ہوئے ہوں کہ "اسوۂ حسنہ نبوت کبریٰ" کی پیروی کو شاہ صاحب صرف "خلافت ظاہرہ" کے اور اس کے مظاہر و آثار کے ساتھ وابستہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اسی کے ساتھ ان کے نزدیک اُسوۂ حسنہ کی پیروی کی ایک دوسری راہ خلافت باطنہ کے ذریعہ سے بھی تھی، اور انھوں نے اپنے گرد و پیش کے واقعات، اپنے ماحول، خود اپنی اندرونی اور بیرونی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کرکے بجائے "خلافت ظاہرہ" کے میدان میں اُترنے کے "خلافت باطنہ" ہی کی راہ سے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے امکانات اپنے لیئے پیدا کیئے اور ان ہی طریقوں سے اپنی وسعت و طاقت کی حد تک وہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیئے آستین چڑھا کر حق تعالےٰ کی غیبی نصرتوں کے بھروسہ پر تیار ہو گئے، پھر اس سلسلہ میں ان کے متوازن دماغ اور معتدل مزاج، نے اس کی اجازت نہیں دی کہ خلافت باطنہ کے جتنے شعبے ابتدائے تاریخ اسلام سے ان کے زمانہ تک کھلے ہوئے تھے اور جن میں سے ہر ایک کا اسوۂ "حقیقت جامعہ محمدیہ" (علیٰ صاحبہا الف سلام وتحیۃ) میں پایا جاتا تھا، ان میں سے کسی شعبے کی واقعی قدر و قیمت کا انھوں نے انکار کیا ہو، اور جیسا کہ عموماً ہر طبقہ کے غلاۃ، اور تشدد پسندوں کا عام شیوہ ہے کہ اپنی دہی کے سوا ہر ایک کے دوغ کی ترشی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، متکلم صوفی کو خشک دماغ مبتلائے مالی خولیا قرار دیتا ہے، صوفی متکلم کو حقائق و اسرار کی دنیا سے اندھا اور محروم ٹھیراتا ہے۔ فقیہ محدث پر تیوریاں چڑھاتا ہے، ایسے ہی محدث فقیہ پر تنگ نظری، اور تقلید جامد کا الزام لگاتا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب سب کی تصحیح فرماتے ہیں، ہر ایک کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی باطنی خلافت کا حصہ دار سمجھتے ہیں۔

اور یہ شاہ صاحب کی اسی "جامعیت"، اور ہمہ گیر فطرت کا ثمرہ ہے جو خدائے بخشندہ نے ان کو بخشی تھی جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے یعنی

وهيهات هذه المناقضات هي لولا ان شدة الجامعية اوقعتني في ذلك (فیوض الحرمین)

آہ! کہ میری فطرت میں یہ متضاد و متناقض امور پائے جاتے ہیں لیکن کیا کروں میری ہمہ گیر جامعیت نے مجھے اس حال میں مبتلا کیا ہے

غالباً یہ ہر جہتی مناسبت شاہ صاحب کو اپنے والد سے ترکہ میں ملی تھی، انفاس العارفین میں ایک موقعہ پر حضرت شاہ عبد الرحیم کے متعلق ارقام فرماتے ہیں

از ہر علم بہرہ معتد بہ داشتند و بہ ترک مناسبت بعضے از فنون طبیعہ ایشاں رضامندی داد　ص۲۲

ہر علم سے کافی مقدار کے حصہ دار تھے، و فنون میں سے کسی فن کے متعلق نسبت ترک کرنے پر آپ کی طبیعت راضی نہ تھی۔

سنا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ تک جامعیت کا یہ ذوق اس خاندان میں باقی رہا، ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے تو براہ راست شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ ایک کتاب کا ذکر ہو۔ اثناء اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا

علمے کہ دیدہ ام و یاد ہم بقدر خود دارم یک صد و پنجاہ علم است۔

جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور اپنی وسعت بھر مجھے یاد بھی ہیں اس کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔

پھر اس میں دینی علوم کی خصوصیت نہ تھی خود شاہ صاحب کی زبانی اس کی تشریح منقول ہے کہ

نصف ازاں مردماں سابق تصنیف کردہ اند و نصف دریں امت تصنیف شدہ

ان علوم میں سے آدھے تو ایسے علوم ہیں جو گزشتہ امتوں اور قوموں میں پیدا ہوئے، اور نصف وہ ہیں جو اسلامی امت کی تصنیف ہیں۔

طلب کا دائرہ کتنا وسیع تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو جامع ملفوظات نے نقل کیا ہے یعنی حسب دستور شاہ صاحب پیادہ پا ٹہلتے ہوئے جارہے تھے، کسی مکان سے گانے کی آواز آرہی تھی فرمایا یہ "دھناسری" ہے، (یہ ہندی راگ کی کوئی قسم ہے) آگے اسی ملتانی وغیرہ راگوں اور گتوں کا ذکر فرماتے جاتے تھے اور آخر میں ارشاد ہوا کہ

سابق مرا دریں فن دخل بسیار بود چنانچہ ناموران ایں فن برائے تحقیق می آمدند حالا موقوف کردم لیکن می آمد حالا مرا ضرر می کند یعنی قلب جوش می کند و بعد ازاں مرض ہم حائل گردد۔

پچھلے دنوں میں اس فن (موسیقی) میں مجھے بڑا دخل تھا چنانچہ اس فن کے نامور لوگ اس فن کے مسائل کی تحقیق کے لیئے میرے پاس آتے تھے، لیکن میں نے اس سلسلہ کو موقوف کر دیا ہے، مگر پھر بھی لوگ میرے پاس آتے ہیں، مگر اب مجھے اس کا اشتغال ضرر پہنچاتا ہے یعنی دل میں جوش پیدا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد بیماری بھی حائل ہو جاتی ہے[1]

---

[1] غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ شاہ صاحب بھی زندگی کے کسی دور میں العیاذ باللہ ان مکروہات شرعیہ میں مبتلا تھے۔ ملفوظات میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا میل حرام ہے فرمودہ "ہاں" جواب میں ارشاد فرمایا گیا "در سہ بار اینچہ بود کہ در جوانی شنیدم کہ قصہ خوانے خوش گو آمدہ است بہ ترغیب احبا قصد کردم ناگاہ آواز مزامیر و رقص در گوش رسید ہم کہ زیر دیوار نشستہ شنیدہ راہی مقصد شوم بمجرد نشستن خواب غلبہ کرد چوں چشم باز کردم صبح بود باز دگر ہمیں ماجرا پیش آمد" ص۹۹) اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رقص و سرود کی مجلس میں نہیں بلکہ سرود ہمسایہ کے طور پر بھی آپ اس میں شریک نہ ہوئے ہی ملفوظ سے پہلے شاہ صاحب کا ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ از وقت شباب از رقص وغیرہ ممنوعات نفرت طبعی داشتم ص۹۹ لہٰذا اسے بلا خطرہ ہو کہ متعلق کو شاہ صاحب دت علم طور جانتے تھے۔

غرض "ایں خانہ تمام آفتاب است" کا مصداق فضل و علم کا یہ گھرانا بنا ہوا ہی، سچ یہ ہی کہ اس کی نظیر ہند کیا بیرون ہند کی اسلامی دنیا میں بھی مشکل سے میسر آسکتی ہی، طوالت جواب حد سے زیادہ متجاوز ہو رہی ہی اس کا خوف نہ ہوتا تو کچھ دوسروں کا بھی اس سلسلہ میں ذکر کرتا۔

بہرحال میں گفتگو شاہ صاحب کے توازن صادق، اور اعتدال صحیح کے متعلق کر رہا تھا کہ اسی کی بدولت اسلام کے علمی و دینی خادموں کے ہر طبقہ کی صحیح قیمت وہ پہچان سکے، دوسروں کی طرح انھوں نے اپنے طبقہ کے سوا اوروں کو ناکارہ نہیں ٹھیرایا ان کے نزدیک فقیہ، و صوفی اور محدث و متکلم سب کے سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے باطنی خلفاء ہیں، البتہ اسی کے ساتھ "طول امد" کی وجہ سے قدرتاً دلوں میں جو ایک قسم کی بے حسی یا قساوت پیدا ہو جاتی ہی اس نے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے اسلامی خطوں میں بھی ہر شعبہ کو "اسوۂ حسنہ" کے حدود سے بہت آگے نکال دیا تھا، اور اس کی شکایت شاہ صاحب کو ہر طبقہ سے ہے جس کی کچھ مثالیں میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔

اب تک میں جو کچھ لکھ چکا ہوں ان ہی متفرق و منتشر امور نے میرے دل میں اس خیال کو پیدا کیا ہے کہ عام اہل علم یا ارباب درس و تدریس و تالیف و تصنیف کے مساعی کی جو نوعیت ہوتی ہی، حضرت شاہ ولی اللہ کے علمی خدمات کی نوعیت ان سے مختلف ہے۔ میں نے تمہید ہی میں عرض کر دیا تھا کہ شاہ صاحب کی علمی سرگرمیوں خصوصاً ان کے تصنیفی کاروبار کے پیچھے بعض اہم مقاصد اور اغراض کم از کم مجھے چھپے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ مقاصد اور منصوبے ان کے دل میں جن اسباب و علل سے پیدا ہو سکتے تھے، دراصل اس وقت تک اجمالاً ان ہی کا ذکر کیا گیا اب میں شاہ صاحب کے "منصوبہ" اور اس منصوبہ یا نصب العین کے لحاظ سے جو کام کر کے وہ چلے گئے ہیں میں ترتیب کے ساتھ اس سب سے بحث کرنا چاہتا ہوں، لیکن یہ بحث کوئی واقعی تفصیلی بحث نہ ہو گی کہ اس کا یہاں نہ موقع ہے اور نہ گنجائش، محض ان کی ایک اجمالی فہرست پیش کر رہا ہوں

(۱)

آپ کی کتابوں میں ایک بڑا ذخیرہ تالیفات کا تو وہ ہے جن سے اس مکروہ خانہ جنگی کو ختم کرانا مقصود ہی جو پچھلے چند دنوں سے ہر مذہب کے متصلب و متقشف فقہا کی بدولت ملک میں شدت اختیار کرتی جا رہی تھی اگرچہ یہ تو صحیح نہیں ہی جیسا کہ اس زمانہ میں مشہور کیا جا رہا ہی کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان ہی فروعی اختلافات کی طرف عائد ہوتی ہی، سمجھا یا جا رہا ہی کہ حنفیت شافعیت، مالکیت و حنبلیت کے اختلافات کی نوعیت اسی قسم کی ہی جیسے یورپ میں صدیوں کلیسا اور عوام کے باہمی مذہبی اختلافات کی رہی، حالانکہ یہ

خاک در با عالم پاک" کہاں یورپ کی وہ مذہبی خانہ جنگیاں جن میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس لاکھ آدمی مختلف ظالمانہ طریقوں سے موت کے گھاٹ اُتارے گئے، ہزاروں کو پھانسیاں دی گئیں، لاکھوں زندہ جلائے گئے، فرانس کے بدقسمتی ہنگامہ میں رومن کیتھولک والوں نے پروٹسٹنٹوں پر جو مظالم توڑے ہیں ان کی داستان سُن کر اس وقت تک انسانیت کا کلیجہ پھٹتا ہے. مسیح علیہ السلام کی ان مسکین بھیڑوں نے زندہ بچوں کو ماؤں کے پیٹ سے چاک کر کر کے نکالا اور اپنے کتوں کو کھلایا، نو دن تک پیرس کی گلیوں میں صرف خون بہتا تھا. دریائے سین کا پانی ان ہی کے لہو سے سرخ ہو گیا تھا (والقصۃ بطولہا) یورپ اگر اپنے مذہب کے ان ہی نمونوں سے ڈر کر سرے سے مذہب ہی کے نام سے پناہ مانگنے لگا تو واقعہ یہ ہے کہ شاید یہ کچھ بیجا بھی نہیں ہے اور موجودہ مغربی الحاد و زندقہ کی پیدائش میں مسکین سائنس اور بدنام کیمیا سے زیادہ دخل سچ پوچھیے تو مذہبی نمائندوں کے ان ہی خونچکاں کارناموں کو ہے اگرچہ مسلم عوام کو دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ سائنس نے یورپ میں مذہب کی چولیں ڈھیلی کر دیں، حالانکہ اس دھوکہ کے وہی شکار ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں جو نہ سائنس سے واقف ہیں اور نہ مذہب سے. ورنہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یورپ کی موجودہ بے ایمانیوں یا ہٹ دھرمیوں کے پیچھے ان کے مذہب اور مذہبی پیشواؤں کی وہ چیرہ دستیاں چھپی ہوئی ہیں جن کے نیچے صدیوں یورپ کے عوام سسکتے رہے ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے کہ یورپ کی ان ہی مذہبی خانہ جنگیوں کو بلا وجہ اسلام کے ان فروعی اختلافات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اسلام زمین کے کرہ پر آج چودہ صدیاں گزار چکا ہے کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ محض حنفی اور شافعی ہونے کے اختلاف نے ہر جگہ نہیں تو اسلامی ممالک کے کسی خاص خطہ میں بھی کبھی اس قسم کی خوفناک شکل اختیار کی ہے، زیادہ سے زیادہ اگر اس اختلاف نے کبھی حد سے تجاوز کیا ہے، تو قلمی لڑائیوں یا زیادہ سے زیادہ لفظی حملوں سے کبھی نہیں بڑھا ہے، شیعیت اور سنیت کے جھگڑوں سے اس وقت بحث نہیں کہ اس کا معاملہ ہی دوسرا ہے، میری گفتگو کا تعلق صرف ان فروعی اختلافات تک محدود ہے جن کی حنفیت اور شافعیت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اسلامی تاریخ کے اس طویل زمانہ میں کوئی ایسا اہم واقعہ ان اختلافات کی بنیاد پر پیش نہیں آیا ہے جسے یورپ کی ان خونی داستانوں کے مقابلہ میں سامنے لایا جا سکتا ہو۔

مگر جو کچھ بھی ہو، اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض خاص حالات خصوصاً اسلام کے اصلی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس جس حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے بتدریج یہ اختلاف بہت غلط صورت اختیار کرتا چلا جاتا تھا. خصوصاً ماوراء النہر (ترکستان) و خراسان کے حنفی فقہاء کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لیے اسلام جس راستہ سے آیا چونکہ وہ ان ہی ممالک کا راستہ تھا اس لیے قدرتاً ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت ان ہی ممالک کے علما کی ذہنیت سے متاثر تھی،

پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلوں کے جدید عنصر کا اضافہ کردیا تو تشدد و تصلب کی یہ شراب دو آتشہ ہو چکی تھی

شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا اسے واضح فرمایا، بعضوں کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہے کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتدا آپ ہی سے ہوئی، اور خود غیر مقلدوں کا طبقہ اس باب میں گو نہ آپ کو اپنا پیشوا مانتا ہے، لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر امت یا کم از کم ہندی مسلمانوں کے ہاتھ میں اس وقت وہ معلومات نہ ہوتے جنھیں شاہ ولی اللہ کی عرق ریزیوں نے وقف عام کیا ہے۔ تو سرزمین نجد اور نجد سے آگے بڑھ کر حجاز میں جو تحریک "وہابیت" کے نام سے چل پڑی تھی، اور یورپ والوں نے اپنے خاص اغراض کے تحت اس تحریک اور اس تحریک کے چلانے والوں کو مختلف طریقہ سے اچھالنا شروع کیا تھا (؟)[۵۱] واقعہ یہ ہے کہ غلامی کے ان دنوں میں جن میں کم ہی جو اپنی زبان سے اپنی بات ادا کرتے ہوں اور اپنے دماغ سے ہر چیز خیالات سوچتے ہوں مشکل ہی سے غلام ہندوستان میں اس وقت کوئی حنفی نظر آتا، اس میں شک نہیں کہ اندر ونی طور پر مغربی دجل و کید نے جو دام بچھایا تھا اور ذم کی صورتوں میں اس تحریک کی مدح کا جو گیت مختلف لہجوں میں گایا جاتا تھا جس کا افسانہ طویل ہے اس میں بیچارے کچھ سادہ لوح ابتدا میں پھنس گئے، لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ صرف شاہ ولی اللہ کے تحقیقی طرز عمل نے اس تحریک کو ہندوستان میں زیادہ پھلنے پھولنے نہیں دیا۔ ولی اللہی مکتب خیال کے علماء کی کوششوں کا آج یہ نتیجہ ہے کہ شئی من سلسلہ تقلیل کے سوا عمل بالحدیث کے مدعیوں کی آبادیاں اپنے اندر اور کچھ نہیں رکھتیں۔

اس سلسلہ میں حضرت کی کتابیں انصاف عقد الجید۔ حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب تفہیمات الٰہیہ کی بعض تفہیمات، ازالۃ الخفاء کی بعض ضمنی چیزیں اور سب سے زیادہ موطا کی شرحوں نے حدیث فہمی کا جو معیار پیش کیا ہے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی جو راہیں اشاروں اشاروں میں شاہ صاحب نے اہل فہم کے سامنے کھولی ہیں، سچی بات یہ ہے کہ آج حنفیت علی بصیرۃ من ربہ ان ہی بنیادوں پر قائم ہے[۵۲]

---

[۵۱] الفرقان: میرے نزدیک مولانا کا یہ بالکل جدید انکشاف ہے میرے معلومات اس بارہ میں ان کے بالکل برعکس ہیں۔ مگر افسوس کہ یہ بحث بڑی تفصیل اور تطویل کو چاہتی ہے جس کی اس وقت گنجائش نہیں۔ انشاء اللہ آئندہ کبھی "الفرقان" ہی میں اس موضوع پر مفصل اظہار خیال کی نوبت آئے گی۔ م

[۵۲] اس موقع پر ناظرین سے میں سفارش کروں گا کہ جناب مفتی عبد اللطیف صاحب رحمانی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حال صدر شعبۂ دینیات جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کی کتاب "تذکرۃ العلم" کا مطالعہ کریں مفتی صاحب نے شاہ صاحب کی چیزوں کو اس میں بڑے سلیقہ سے جمع کر دیا ہے۔ م

ایک بڑی دانشمندی شاہ صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ حنفی فقہ کے ساتھ ساتھ آپ نے درسی طور پر شافعی فقہ کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے، اپنے مسلک کی تشریح میں ایک موقعہ پر اپنے کو "الشافعی درساً" جو فرمایا ہے اس کا یہی مطلب ہے جو جانتے ہیں کہ حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلہ میں تعمیری فقہ کی ہے اور شافعی و حنبلی فقہ کی زیادہ تر نوعیت ایک تنقیدی فقہ کی ہے حنفیوں کی فقہ کو مشرق میں اور مالکیوں کی فقہ کو مغرب میں چونکہ عموماً حکومتوں کے دستور العمل کی حیثیت سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا اس لیئے قدرتاً ان دونوں مکاتب خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث و جزئیات و تفریعات کے اُدھیڑ بن میں مشغول رہی بخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ بہ نسبت حکومت کے ان کا تعلق زیادہ تر تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور تالیف و تصنیف سے رہا اس لیئے عموماً تحقیق و تنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا، بہر حال یہ افسانہ تو دراز ہے۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ اور اسلامی قوانین کا جو تعلق ان کے سرچشمۂ اصلی کتاب و سنت سے ہے، جو چاہتے ہیں کہ یہ تعلق مسلسل تر و تازہ حالت میں رہے، ان کے لیئے شاہ صاحب کا یہ طریقۂ عمل کہ شوافع اور حنابلہ کی فقہ اور ان کے ادبیات کا بھی مطالعہ جاری رکھیں بہت کچھ مفید ثابت ہو سکتا ہے کم از کم حدیث کے درس میں خصوصیت کے ساتھ فقہاء امصار کے مذاہب اور ان کے وجوہ و دلائل کے بیان کرنے سے مسائل فقہیہ میں زندگی باقی رہتی ہے ہر مذہب کا پیرو ان علل و اسباب سے واقف رہتا ہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قایم فرمائی ہے نیز چونکہ اس کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین کے دلائل و وجوہ بھی اس کے سامنے آتے رہتے ہیں اسی لیئے قدرتی طور پر جاہلی حمیت کا زہر ان میں پیدا ہونے نہیں پاتا۔ "عقد الجید" میں شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتائج کے متعلق بجائے اس نظریہ کے کہ حق ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس خیال کو جو ترجیح دی ہے کہ سب ہی حق پر ہیں، تو فروعی اختلافات کی اہمیت کے سارے قصے ہی کو ختم فرما دیا ہے اس باب میں شاہ صاحب کے مباحث قابل دید ہیں، جس قسم کا اجمال میرے پیش نظر ہے اس کے لحاظ سے گنجایش نہیں ورنہ ان چیزوں کا ذکر کرتا چاہیئے کہ لوگ اس کا عام طور پر مطالعہ کریں، اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲)

دوسرا ذخیرہ آپ کی کتابوں کا وہ ہے، جس میں مشائخ زمانہ اور صوفیہ عصر کو آپ نے چونکانے کی کوشش کی ہے تصوف کا کتنا ہی حصہ خالص اسلامی ہے، اور زمانہ کی ضرورتوں سے جس طرح متکلمین اسلام نے وقتاً فوقتاً غیروں کے علوم کو اپنی کتابوں میں شریک کر لیا تھا حتی کہ شرح مقاصد و مواقف میں عنصریات و کائنات الجو تک کے مباحث پائے جاتے ہیں اسی طرح تصوف میں بھی اجنبی عناصر کا اضافہ مختلف وجوہ سے جو ہوتا رہا ہے اپنی مختلف کتابوں خصوصاً تفہیمات مقدس، ہمعات، سطعات وغیرہ میں اسی کی آپ نے تفصیل بیان فرمائی ہے، تصوف کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان میں اس کے خلاف میں شاہ ولی اللہ ہی نے قلم بغاوت اُٹھایا، حالانکہ

[redacted]

معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آج جبکہ یورپ تحقیق وریسرچ کے نام سے اسلامی چیزوں کو غیروں کی طرف مختلف شاطرانہ چابکدستیوں سے منسوب کرنے میں منہمک ہے اگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی کتابیں اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس دجالی ہنگامہ میں تصوف کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ باقی رہ سکتا تھا؟

یورپ زدوں کا ایک بڑا گروہ باوجود اس کے بھی جاہلوں کو جو بہکا رہا ہے کہ اسلامی صوفیہ کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے بلکہ نصری، اشراقیوں، عیسائیوں، صابیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور آخر میں ہندوستانی یوگیوں سے مختلف چیزیں لے لے کر مسلمان صوفیوں نے تصوف کی عمارت کھڑی کی ہے۔

خدا جزائے خیر دے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف کتابوں میں مختلف پیرایوں سے آپ نے اسلام کے حقیقی تصوف اور اجنبی اجزاء کو جدا کر کے دکھایا ہے اور اس سلسلہ میں تو آپ نے اتنا کام کیا ہے کہ جن جن چیزوں کا تصوف سے محض برائے نام تعلق تھا، مثلاً جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ اس کے متعلق بھی آپ نے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔ "القول الجمیل" اور حزب البحر کی شرح وغیرہ اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں، اس طرز عمل کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جس طرح نمبر ایک کی کتابوں سے حنفی وشافعی اختلافات کی شدت کم ہوتی ہے، ان کتابوں سے ملا اور صوفی کے جھگڑوں کا بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے خاتمہ ہوجاتا ہے، شاہ ولی اللہ نے تصوف کے مسائل کو خالص اسلامی تعبیروں میں پیش کر کے "مولویوں" کی اس بھڑک کو مٹا دیا ہے جو ان بیچاروں میں صوفی وصوفیت کے متعلق پائی جاتی ہے

(۴)

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ہندوستان میں پہلے تورانی سنی، پھر ایرانی شیعہ، اور آخر میں متشدد سنی وہابی کی شکل میں داخل ہوئے ان تینوں عناصر کے امتزاج سے تسنن وتشیع کے سلسلہ میں عجیب افراط وتفریط کی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں بھی بڑا کام کیا بڑی محنت سے ہزارہا ہزارہا صفحات کو پڑھ کر آپ نے چاروں خلفاء کے واقعی حالات ازالۃ الخفا میں ایسے دلنشین طریقہ سے مرتب فرمائے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اگر شیعوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوجاتا ہے، تو اسی کے ساتھ ان غالی سنیوں کی شدت وتیزی میں بھی کمی پیدا ہوتی ہے جو محض اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کیوں بیان کئے، یا شاہ ولی اللہ نے شیعوں کی تکفیر میں فقہائے حنفیہ کے اختلاف کو کیوں بیان کیا، ان پر بھی شیعیت کا فتوے صادر کردیتے ہیں ——— اور اس کے بجائے مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحب نے ایک ایسی راہ دریافت فرمائی جس سے بہت سے فتنوں کا سدباب ہوگیا، مولوی شبلی صاحب نے اسی کی پیروی میں "الفاروق" لکھی جو زیادہ تر ازالۃ الخفا ہی سے ماخوذ ہے اور اس سے دونوں فرقوں کے اہل انصاف پر مفید اثر مرتب ہوا۔

(۴)

اسی سلسلہ میں شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے ان معقولی علماء کی اصلاح کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ لفظی گورکھ دھندوں میں مبتلا تھے، آپ نے بجائے اوہام و خرافات کے قرآن و حدیث کے کلیات سے خود ایک فلسفہ تیار کیا اور جو لوگ ذہنی تمرین و تشحیذ کے لیے لایعنی خیالات میں وقت ضائع کرتے تھے ان کے لیے شاہ صاحب نے فکر و غور کا ایک بڑا میدان پیش کر دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی سب سے بہتر کتاب الخیر الکثیر ہے نیز حجۃ اللہ و البدور البازغہ کے اکثر مباحث کا رخ بھی اسی نصب العین کی طرف ہے اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے سامنے ہندوستان کی وہ مرغوب طبائع بھی ہیں، جو میر باقر داماد اور صدر شیرازی وغیرہ ایرانی لفاظوں کے بقبقوں اور شقشقوں سے متاثر ہو کر اپنی جگہ پر گویا کانپ رہے تھے،

شاہ صاحب کی بعض کتابوں میں میر باقر وغیرہ کی عبارتوں کی جو جھلک نظر آتی ہے تو میں اس کو کوئی اتفاقی واقعہ نہیں سمجھتا، بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ نے قصداً اس طرز عمل کو اختیار کیا ہے اور مقصود وہی ہے جو میں نے عرض کیا،

(۵)

پانچویں چیز جو مجھے شاہ صاحب کے خدمات میں نظر آتی ہے، ممکن ہے کہ لوگوں کو اس باب میں مجھ سے اختلاف ہو، لیکن بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں کہ انگریزی حکومت کے بعد ہندوستان میں مذہب اور مذہبی امور کے متعلق شک و ارتیاب کا جو دور آنے والا تھا شاہ صاحب کے کاموں کا ایک بڑا حصہ اس سے بھی تعلق رکھتا ہے، خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ، اور البدور البازغہ، میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو سوالات، آئندہ پیدا ہونے والے ہیں، (ان کا جواب پہلے سے تیار کر کے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مسلمانوں کو سپرد کر رہے ہیں جیسا کہ میں خود لکھ چکا ہوں) شاہ صاحب کے زمانہ تک انگریزی حکومت کا اثر دلی تک نہیں پہنچا تھا، لیکن جب بنگال اور مدراس میں ان کے قدم جم چکے تھے، اور اپنے اسی اقتدار و اختیار کی قوت کو محسوس کر کے عیسائی مذہب کے پادری و بطارقہ مغربی خیالات کو کسی نہ کسی شکل میں ملک میں پھیلانے کی تیاریاں کر رہے تھے، عوام کو ان کا احساس نہ ہوا ہو، لیکن کوئی تعجب نہیں کہ شاہ صاحب تک اس کی لہریں پہونچی ہوں، ماسوا اس کے جب حجۃ اللہ کے دیباچہ میں وہ خود یہ فرماتے ہیں:-

بینا انا جالس ذات یوم بعد صلاۃ العصر متوجھا الی اللہ اذ ظھرت روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غشیتنی من فوقی بشیٔ خیل الیّ انہ	کہ اس حال میں کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے بیٹھا ہوا تھا اچانک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

ثوب ألقي علي ونفث في روعي في تلك الحالة انه اشارة الى نوع بيان للدين ووجدت عند ذلك في صدري نورا لم يزل ينفسح كل حين.

روح مبارک ظاہر ہوئی اور مجھے اوپر سے اس نے ڈھانک لیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجھ پر کوئی کپڑا اُڑھا دیا گیا ہے اسی کیفیت میں میرے اندر یہ بات پھونکی گئی کہ دین کی تشریح کے ایک خاص طریقہ کی طرف مجھے اشارہ کیا جا رہا ہے میں نے اپنے اندر اس حال میں ایک روشنی پائی جو لمحہ بہ لمحہ پھیلتی چلی جاتی تھی.

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بعد جو یہ فقرہ ہے کہ شاہ صاحب کو یہ محسوس ہوا کہ

ان الشريعة المصطفوية اشرفت في هذا الزمان على ان تبرزها في قمص سابغة من البرهان

مصطفوی شریعت کے لیے وقت آگیا ہے کہ برہان اور دلیل کے پیراہنوں میں ملبوس کرکے اسے میدان میں لایا جائے۔

آئندہ انگریزی عہد میں وساوس اور اوہام اور تشکیک وشبہات کے جو سیاہ بادل اُمنڈنے والے تھے اگر ان کی طرف اس میں اشارہ نہیں ہے تو بتایا جائے کہ حجۃ اللہ کی تصنیف کے بعد انگریزی عہد کے سوا ایسا کون سا دور آیا جس میں ضرورت تھی کہ اسلامی شریعت کو دلیل و برہان کے پیراہنوں میں آراستہ کرکے پیش کیا جائے۔ بہرحال میرا خیال ہے، اور یہ خیال شاہ صاحب کی کتابوں سے پیدا ہوا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اور مسلمانان ہند پر جو اُفتاد پیش آنے والی تھی، کسی نہ کسی ذریعہ سے شاہ صاحب کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی، اور اپنے تصنیفی کاروبار میں ان کے سامنے جہاں اور مقاصد و اغراض تھے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے خطرات کے انسداد کی بھی انھوں نے اپنی کتابوں میں پوری کوشش کی ہے، اور میں سمجھتا ہوں وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں، جوں جوں نئی روشنی کی تاریکی بڑھتی چلی جا رہی ہے حضرت شاہ ولی اللہ کی جلائی ہوئی علمی شمع کی قیمت اسی نسبت سے بڑھ رہی ہے، مغربی الحاد و زندقہ کے زہر کا تریاق شاہ ولی اللہ کا کلام ہے، اب یہ ایک ایسی مسلم بات ہوگئی ہے کہ صرف ہندوستانی ہی نہیں بلکہ مصر اور اب تو عرب و ترکی ایران و افغانستان سب ہی کو اس کا احساس ہو رہا ہے، اور بحمد اللہ ان تمام اسلامی ممالک میں شاہ صاحب کی کتابیں کافی مقبولیت حاصل کر رہی ہیں، چونکہ میں سردست صرف ولی اللہی کارناموں کی ایک اجمالی فہرست بتا رہا ہوں اس لیے مزید گفتگو کی گنجائش نہیں انشاء اللہ اگر تفصیل کا موقعہ کبھی ملا، تو یہ دکھلایا جا سکتا ہے کہ آج جو کچھ پوچھا جا رہا ہے سب کے جواب سے ولی اللہ القطب الحکیم کا قلم مدت ہوئی کہ فارغ ہو چکا ہے۔

(۶)

اور سب سے بڑا کام کم از کم میرے ناچیز خیال میں شاہ صاحب کا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے

ہندوستان میں قرآن وحدیث کے ترجمہ کی بنیاد بڑی جرأت اور ہمت سے کام لے کر بالآخر ڈالدی تھی اگرچہ خود انھوں نے فارسی میں قرآن کا بھی ترجمہ کیا اور حدیث کی قدیم ترین کتاب موطا مالک کا بھی ترجمہ فارسی ہی میں کیا، کہاں کے زمانہ تک غالباً اُردو عام طور سے لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں بنی تھی، جو بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ فارسی ہی میں لکھتے پڑھتے تھے، لیکن جوں ہی کہ اُردو نے قدم آگے بڑھایا اور اس راہ میں اس نے بڑی تیزی دکھائی، تو محض اس لیئے کہ شاہ صاحب کا نمونہ فارسی میں موجود تھا آپ کے صاحبزادوں میں سے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے با محاورہ اُردو میں، اور شاہ رفیع الدین صاحب نے لفظی ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

یہ بات کہ ان حضرات کو ترجمہ کرنے کا خیال اپنے والد کے ترجمہ ہی کی بنیاد پر ہوا، موضح القرآن میں اسکے متعلق شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں:۔

> بندہ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے بابا صاحب بڑے حضرت شیخ ولی اللہ عبدالرحیم صاحب کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنے آسان کر کے لکھے ہیں اسی طرح اس عاجز نے ہندی زبان میں قرآن شریف کے معنے لکھے ہیں

اور ان دونوں حضرات کے بعد پھر اس وقت تک اُردو میں قرآن بلکہ حدیث کے بھی جتنے ترجمے ہوئے، یا آئندہ ہوں گے کم ازکم ہندوستان کی حد تک اس سنت حسنہ کے تسنن کا سہرا حضرت شاہ ولی اللہؒ ہی کے سر بندھتا ہے قرآن وحدیث کے ترجمہ سے مسلمانوں کو خصوصًا ایسے زمانہ میں جب اسلام سے ان کا وہ موکی درکوئی تعلق باقی نہیں رہا جس کی وجہ سے مسلمان تو مسلمان نا مسلم بھی اسلامی زندگی کی اتباع میں فخر محسوس کرتا تھا ایسے زمانہ میں ان ترجموں نے ہم مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت میں کیا کام کیا ہے، اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ہے، اور خواہ میری یہ خوش اعتقادی قرار دی جائے یا جو کچھ بھی سمجھا جائے میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بھی شاہ صاحب کو اس مصیبت کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہو چکا تھا جس میں انقلاب حکومت کے بعد بیچارے مولوی اور مشائخ مبتلا ہونے والے تھے،

میرا اشارہ اس طریقہ عمل کی طرف ہے جسے اس زمانہ کے ارباب تشکیک وارتداد نے اسلام کے خلاف [illegible] کی سے اختیار کیا ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی کسی تعلیم کا انکار کریں لیکن ڈرتے ہیں کہ عام مسلمانوں [illegible]ت برہمی پیدا ہوگی یا کم ازکم صاف انکار اگر کردیا جائے گا تو عوام ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے، [illegible] مولوی کا مذہب' ایک لفظ تراشا گیا ہے، اور ہر وہ چیز جو واقعی قرآن کی یا حدیث کی ہوتی ہے مولوی

کی طرف منسوب کر کے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے کہدیا جاتا ہے کہ ہم نے مولوی کے خیال کا انکار کیا ہے، قرآن کا انکار نہیں کیا ہے، حد یہ ہے کہ آج جنت و دوزخ، حور وملائکہ، جن و شیاطین وغیرہ ایسے حقائق کا علانیہ انکار کیا جاتا ہے جن کے ذکر سے قرآن معمور ہے، لیکن سادہ لوحوں کو کتنی دیدہ دلیری سے یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ ان چیزوں کا ثبوت کہیں بھی قرآن میں نہیں، بلکہ یہ غبی کند فطرت مولوی ان کا قائل ہے، الغرض اس پردہ میں قرآن کے کس عقیدے سے چاہا جاتا ہے انکار کر دیا جاتا ہے:

اور یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت شاہ ولی اللہ قرآن و حدیث کے ترجمہ کی بنیاد ڈال کر نہ چلے جاتے اور اس وقت بھی قرآن عوام کی دسترس سے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے بالکل باہر ہی ہوتا، تو بیچارہ "مولوی" اس مغالطہ کا کیا جواب دے سکتا تھا، صبر و سکون کے ساتھ اس بے دینی کے ان طمانچوں کو برداشت کرتا رہے، اُن کے لیے اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا،

لیکن بحمداللہ شاہ ولی اللہ ایک ایسا کام کر کے چلے گئے ہیں کہ جو نہیں سمجھنا چاہتے ان سے تو بحث نہیں لیکن واقعی جو حقیقت کے طالب ہیں، ان کیلئے "مولوی کے مذہب" کا پرانا حال اب بیکار ہو چکا ہے، قرآن تمہاری زبان میں بشکل ترجمہ موجود ہے، خود پڑھ جاؤ، اور پڑھنے کے بعد خود انصاف کر سکتے ہو کہ مثلاً آج جس جنت و دوزخ حور و غلمان، اشجار و انہار کا دار آخرت میں انکار کیا جا رہا ہے کیسی غریب مولوی کی بات کا انکار ہے، یا براہ راست قرآن کا انکار ہے۔

غرض یہ ایک بڑی پرفریب دعا بیت تھی جس کا قلع قمع کم از کم انصاف پسندوں کی حد تک ہو چکا اور سچ پوچھیئے تو انحطاط و ناقدری کے اس زمانہ میں بیچارے مولویوں کے لیے بھی قرآن و حدیث کے تراجم آج اکسیر کا کام دے رہے ہیں، عربی مدارس میں ٹوٹی پھوٹی ہمتوں والے طلبہ آج جو کچھ پڑھتے ہیں یہ واقعہ ہے کہ ان میں ایسے بہت کم پیدا ہوتے ہیں، جو بغیر ترجمہ کی مدد کے قرآن یا حدیث کا مطلب خود سمجھ سکتے ہوں، اگر یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ نوے فی صدی مولویوں کی آبرو محض ان ہی ترجموں کی بدولت بچی ہوئی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ محض زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اللہ کے جو بندے اپنے مالک کے براہ راست مخاطب بننے کی سعادت سے محروم تھے یا براہ راست اپنے رسول کے ملفوظات و ارشادات کے سمجھنے سے معذور تھے، اس نعمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان تراجم کی بدولت اب وہ بھی خدا کے سامنے کھڑے ہو گئے اور خود ان آنکھوں سے بغیر کسی مولوی عالم کے واسطہ کے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ہے کہ

"بتانے والے پیغمبر اپنا میں، جیسا خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے دوسرا کوئی نہیں،

بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں "

درحقیقت جو منافع ان تراجم کے پڑھنے سے پڑھنے والوں کو حاصل ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں، وہ لاکھ مولوی ملا کی زبان سے ہم نہیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتے، بلکہ ترجمہ پڑھنے والے ہم میں ایسے کہتے ہیں، جنھوں نے ان ہی ترجموں کی مزاولت سے آہستہ آہستہ عربی زبان سے ایسا لگاؤ پیدا کر لیا کہ براہ راست خود کلام اللہ ان کی سمجھ میں آرہا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ کی خدمت کو سب سے بڑی خدمت قرار دیتا ہوں اس وقت چونکہ سرسری فہرست کی حیثیت سے اس کا تذکرہ مقصود ہے، اس لئے بالتفصیل اسی پر اکتفا کرتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، آپ کے ان تراجم پر ایک الگ مقالہ میں چاہتا ہوں کہ بحث کروں اور اسی سلسلہ میں ایک مقالہ تراجم کا بھی ہوگا۔ خود شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کے متعلق کیا اہتمام فرمایا ہے، اور کن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اس کام کو انجام دیا نیز ترجمہ کے ساتھ قرآن کے حاشیہ پر بزبان فارسی آپ نے مختصر مختصر لفظوں میں جو جواہر پارے لکھے ہیں، اور الفوز الکبیر وغیرہ رسائل جو تفسیر کے اصول آپ نے وضع فرمائے ہیں، ان سب کا تذکرہ تراجم ہی کے اس مقالہ میں انشاء اللہ کیا جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیرت انگیز فقید النظیر کوششوں کی جو نوعیت ان ممنی ہمتی کارناموں پر نظر آتی ہے۔ ان میں ہر ایک بجائے خود ایک ایسا مستقل موضوع ہے کہ آپ کیا، اگر علماء کی کوئی جماعت بھی ان [illegible] چاہتی تو جتنی کامیابی حضرت شاہ صاحب کو ان میں سے ہر ایک شعبہ میں ہوئی ہے کسی ایک شعبہ میں بھی اتنا کامیاب ہونا آسان نہیں تھا۔ انھوں نے قرآنی آیات کی جن مشکلات کو حل کیا ہے، قرآن فہمی کے متعلق جن کلیات کی انھوں نے خود تاسیس فرمائی ہے، حدیث و فقہ کے باہمی تعلقات کو صحیح تاریخی حقائق کی روشنی میں جس طرح انھوں نے حل فرمایا ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ علم اسرار الدین کے سلسلہ میں حدیث اور فقہ کے تقریباً تمام ابواب میں جن حقائق و رموز کو انھوں نے بے نقاب کیا ہے، اس باب میں واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس دعوے کی کوئی تردید نہیں کر سکتا کہ

[illegible] حدیث و مصالح احکام و ترغیبات و سائر آنچہ حضرت [illegible] علیہ وسلم از خدائے تعالیٰ آورده اند [illegible] و آں [illegible] ست کہ پیش از یں فقیر مضبوط [illegible] نکرده آنرا نہ کرده است با وجود

حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام و قوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی حکمت اور وہ ساری باتیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے، ان سب کے اسرار و رموز کا

جلالت آں فن، اگر کسے را دریں حرف شبہ باشد گو کتاب قواعد بہ بیں کہ شیخ عزالدین آنجا چہد کردہ بعشر عشیر ایں فن فائز نشدہ ص۱۹۷ انفاس

بیان کرنا در اصل ایک مستقل فن ہے، اس فقیر سے پہلے جتنی پختہ بات میں نے کہی ہے کسی سے بن نہ آیا، اس فن کے بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہو تو چاہیئے کہ کتاب "قواعد" کو دیکھے شیخ عزالدین بن عبد السلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہوسکی۔

اسی طرح فن معارف و حقائق اور تصوّف کے متعلق جن تحقیقی مباحث تک وہ پہنچے ہیں۔ نیز اہل السنت والجماعت کے عقائد کی تشریح، اور تطبیق منقول بر معقول کے سلسلہ میں انھوں نے جو خدمتیں انجام دی ہیں جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

عقائد قدماء اہل سنت بدلائل وحجج اثبات کردہ وآں را از خس وخاشاک معقولیاں پاک ساخت بوجہے مقرر نمود کہ محل بحث نہ ماند۔

قدماء اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا گیا ہے، اور معقولیوں کے خس و خاشاک سے جیسا ان کو پاک کیا ہے اور ایسے طریقے سے ان کی بنیاد قائم کی ہے کہ اب بحث و مباحثہ کی ان میں گنجائش ہی باقی نہ رہی۔

ماسوا اس کے انھوں نے قرآنی نصوص اور نبوی ارشادات کی روشنی میں دو مستقل فن جو ایجاد کئے ہیں جس کی تعبیر ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے یعنی ایک تو علم کمالات اربعہ یعنی ابداع و خلق و تدبیر و تدلی با عرض وطول"

اور دوسرا علم ان ہی کی اصطلاح میں ــــ "علم استعداد نفوس انسانیہ بجمیعہا وکمال و مآل ہر کسے"

شاہ صاحب کا ان دونوں علوم کے متعلق دعوی ہے اور بجا دعویٰ ہے کہ ــــ "ایں ہر دو علم جلیلی اند کہ پیش ازیں فقیرے برگرد آں نہ گشتہ"

نیز شاہ صاحب نے علم کلام اور تصوّف کے نظری حصہ کے مباحث کو مخلوط کرکے ایک نیا "فلسفہ" تیار کیا اور ایسا "فلسفہ" جس کو "فلسفہ" قرار دینا، میرے خیال میں اس کی تحقیر ہے کیونکہ اس باب میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ایسی کسی چیز کو اسلامی کلام اور اسلامی تصوّف میں وہ دیکھنا نہیں چاہتے جسکی تائید قرآن و حدیث اور آثار صحابہ وسلف صالح کی شہادتوں سے نہ ہوتی ہو، خود فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تمام مسائل میں حق تعالےٰ نے ان کو

توفیق تشئید آں بہ کتاب وسنت و آثار صحابہ دادند و بر تمیز انچہ علم دین ست منقول از حضرت پیغامبر صلے اللہ علیہ وسلم و انچہ دخول ست و محرف و انچہ

اس بات کی توفیق دی کہ کتاب وسنت و آثار صحابہ سے اسکی بنیادوں کو مستحکم کریں نیز وہ علم دین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور دین میں باہر سے جو چیزیں داخل ہوگئی ہیں ان دونوں میں تمیز کا جو سلیقہ اور

سنت ست وانچہ ہر فرقہ بدعت کردہ است افادہ ساختند۔ | یہ کہ ان میں کونسی باتیں تحریفی ہیں، کون کونسی چیز سنت ہے اور اسلام کے مختلف فرقوں نے کن نئی بدعتوں کو

مشرب کیا (ان تمام امور کا انکشاف جیسا شاہ صاحب نے کیا شائد ہی کسی نے کیا ہو)

الغرض اس قسم کے مختلف الاطراف والجوانب مباحث مہمہ کو انھوں نے اپنی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسالوں میں جو جمع کیا ہے، جن کی تعداد "حیات ولی" کے مصنف نے (۵۱) بتائی ہے، اگرچہ اسی کے ساتھ یہ بھی لکھدیا ہے۔

> آپ کی "تالیفات کے سلسلہ میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں، اگرہم نے صرف ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوع ہوکر شرق سے غرب تک نہایت وقعت کے ساتھ مشہور ہوچکی ہیں"

اور پھر یہی نہیں کہ ان کی توجہ اپنی ان کتابوں میں محض مضمون پر رہی ہے، بلکہ عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں، ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے، شاہ صاحب نے عربی انشاء و ادب کا جو نیا قالب تیار کیا ہے یہی نہیں کہ ہندوستانی مصنفین میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی بلکہ جہاں تک میری محدود رسائی کا تعلق ہے، میں نہیں جانتا کہ آغاز اسلام سے اس وقت تک کسی اسلامی علاقہ کے ارباب تصنیف نے اس کو اختیار کیا ہے، شاہ صاحب کے اس "اسلوب بدیع" کی کیا خصوصیتیں ہیں اس کے لئے بھی ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے لیکن مختصر لفظوں میں شاید یہ کہا جاسکتا ہو کہ شاہ ولی اللہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر صاحب "جوامع الکلم" النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے، یعنی وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مُدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاوروں میں کریں، جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں، اور اس میں خدا نے ان کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے، ان سے پہلے تو کسی کو عبارت کے اس ڈھنگ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی، لیکن ان کے بعد بھی اس کی تقلید آسان نہیں ہے حدیث کے بعد ان کی عبارت میں قرآنی طرز تکلم کا بھی اثر ہے، لیکن قرآن سے زیادہ اس باب میں وہ حدیث ہی کے زیادہ متبع نظر آتے ہیں، اور اسی چیز نے ان کی کتابوں کے رنگ کو عربی زبان کے تمام دوسرے مصنفین سے ممتاز کردیا ہے، فارسی میں شاہ صاحب نے اگرچہ کم لکھا ہے، لیکن جو کچھ لکھا ہے کم از کم اس میں ان علماء کے لئے درس عبرت ہے جو اپنے زمانہ کی عام طریقہ انشاء و کتابت میں لکھنے پڑھنے کو اپنی علمی شان سے ایک گری ہوئی بات خیال کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز کی کتابوں کو پڑھیئے اور اس زمانہ کے بڑے بڑے ارباب انشاء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیجئے، مشکل ہی سے ان حضرات کی عبارات ان سے دب سکتی ہیں۔

لیکن یہ سارا کام کتنی مدت میں انجام پایا، شاید ہی کسی نے اس پر غور کیا ہو، واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی سفرِ حج سے پہلے کا جو حصّہ ہے، اس میں تصنیف و تالیف کا بظاہر آپ نے کچھ کام نہیں کیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا خیال بھی نہ تھا،

والد ماجد یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات کے وقت آپ سترہ سال کے تھے اسی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے) ان کی وفات کے بعد اپنے والد کے پرانے مدرسہ رحیمیہ میں درس تدریس کا کام تقریباً ایک قرن تک انجام دیتے رہے خود فرماتے ہیں کہ

بعد از وفات حضرت ایشاں دوازدہ سال کم بیش	حضرت والد کے انتقال کے بعد کم و بیش بارہ[۱۲] سال
بدرس کتب دینیہ و عقلیہ نمودہ و در ہر علمے خوض واقع	تک دینی اور عقلی علوم کی کتابوں کا درس دیتا رہا اور
شد (انفاس)	ہر علم میں غور و فکر کا مذاق پیدا ہوا،

جس کے معنے یہی ہوئے کہ قریب قریب اُنتیس تیس سال کی عمر تک شاہ صاحبؒ کا بجائے تالیف و تصنیف کے زیادہ تر درس تدریس سے ہی تعلق رہا، اسی زمانہ میں یکایک سفرِ حجاز کا سودا سر میں سمایا، فرماتے ہیں

بعد از اں دوازدہ سال شوق زیارت حرمین محترمین	اس بارہ سال کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا
در سر افتاد	شوق سر میں سمایا۔

۱۱۴۳ھ و ۱۱۴۴ھ و ۱۱۴۵ھ یہ تین سال اسی سفر کے نذر ہوئے، جس میں تقریباً چودہ مہینے حرمین شریفین میں قیام کا موقعہ میسر آیا شاہ عبدالعزیز کا بیان گزر چکا ہے کہ

والد ماجد چہاردہ ماہ در حرمین بودہ (ملفوظات ص۹۲)	والد ماجد چودہ مہینے حرمین میں رہے۔

اور باقی مدت آمد و رفت میں صرف ہوئی، اس سلسلہ میں شاہ صاحب کو دو حج ملے، ایک اُس وقت جب حجاز پہونچے، اور دوسرا اس وقت جب واپسی کے قصد سے عرب سے روانہ ہونے والے تھے۔

اس حساب سے حضرت کی عمر کے تینتیس ۳۳ چونتیس ۳۴ سال ان ہی مشغلوں میں ختم ہو گئے آپ کی پوری عمر کتنی ہوئی، اس میں اگرچہ تھوڑا سا اختلاف ہے "حیات ولی" کے مصنف نے گو یہ لکھا ہی کہ

"جناب شاہ ولی اللہ عمر کے ترسٹھ ۶۳ سال مرحلے طے کر چکے تو چند روز خفیف سی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۱۷۶ھ میں عازم سفر آخرت ہوئے (ص۳۱۵)

لیکن اس کے برخلاف ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

عمر شریف شصت ۶۱ ویک سال و چہار ماہ شد، چہارم شوال تولد گشت، و در بست و نہم محرم وفات یافت، تاریخ تولد چہارم ماہ شوال چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود۔ تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں"

ودیگر تاریخ :۔ ہائے دل پروندگار رفت بست نہم محرم وقت ظہر

۱۱۷۶

(الملفوظات عزیزیہ صفہ ۳۴)

تاریخوں کے ملانے سے جیساکہ یوں بھی چاہیئے شاہ عبدالعزیز ہی کے بیان کی توثیق ہوتی ہے "بہرکیف ابھرا مقصد تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی عمر جب کل اکسٹھ سال چار مہینے مانی جائے تو اس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ اس اکسٹھ میں سے تقریباً تینتس چونتیس ہی متنوسیتوں میں گزگئی اب کل ستائیس اٹھائیس سال کی مدت رہ جاتی ہے جس میں وہ سارا کام انجام پایا ہے، جسے دنیا شاہ ولی اللہ کا کام سمجھتی ہے، بلکہ اسی کے ساتھ مرحوم حضرت میر شاہ خاں صاحب جو ولی اللہی خانوادہ کے گویا "اولیا" تھے الوران کے اس بیان کا بھی اضافہ کر لیا جائے کہ

"دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اترواکر ہاتھ بیکار کردیئے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کرسکیں امیرالروایات صفہ ۳۴)

اگرچہ اب تک اس واقعہ کی تاریخی شہادت مجھے میسر نہیں آئی ہے، لیکن میر شاہ کا بیان کم از کم میرے نزدیک خود ایک زندہ شہادت ہے، پھر چونکہ یہ نہیں معلوم کہ یہ ناگوار سانحہ حضرت کے ساتھ کس وقت پیش آیا، اس لئے کوئی معین مدت تو مقرر نہیں کی جاسکتی لیکن بقیہ ستائیس اٹھائیس سال والی وہ مدت لامحالہ اس بنیاد پر اور گھٹ کر رہ جاتی ہے،

ہی قلیل مدت میں ایسے عجیب وغریب گوناگوں کام کیسے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بن آئے؟ یہ یقیناً محل حیرت ہے، کوئی شبہ نہیں کہ اس میں بہت کچھ دخل خود ان کی خداداد فطرت اور خاص دل ودماغ کو بھی ہے، بھلا جس شخص کی ختنہ اور جس کا ختم قرآن ساتھ ساتھ ہوا ہو، جیساکہ خود فرماتے ہیں،

درسال ہفتم حضرت والد بزرگوار بر نماز ایستادہ کردند وبروزہ داشتن فرمودند وتطہیر نیز درہمیں سال واقع شد وچناں در خاطر ماندہ کہ آخر ہمیں سال قرآن عظیم ختم کردم (انفاس صفہ ۱۹۴)	عمر کے ساتویں سال میں والد بزرگوار نے مجھے نماز پر کھڑا کیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا اور ختنہ بھی اسی سال میں واقع ہوئی اور خیال ایسا ہوتا ہے کہ اسی سال کے آخر میں قرآن مجید بھی میں نے ختم کیا۔

اور دس سال کی عمر میں جو شرح ملا تک پہونچ گیا ہو، اور کس طرح پہونچا ہو، کہ مطالعہ کی قوت بھی پیدا ہوچکی ہو فرماتے ہیں،۔

درسال دہم شرح ملا می خواندم وراہ مطالعہ فی الجملہ کشادہ شد	میں دسویں سال شرح ملا پڑھتا تھا فی الجملہ اسی وقت سے مطالعہ کی راہ مجھ پر کھلی،

اور ٹھیک عمر کے پندرھویں سال میں باضابطہ دستار فضیلت جس کے سر پر بندھ گئی ہو جیساکہ ان ہی کا بیان

ہیے کر۔

بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم این دیار پانزدہم فراغ حاصل شد۔	خلاصہ یہ ہے کہ عام متداول علوم اس ملک کے درس میں جن کا رواج ہے ان سے پندرھویں سال فراغت حاصل ہو گئی،

ان علوم متداولہ میں صرف درس نظامیہ کی کتابیں ہی داخل نہیں ہیں، بلکہ ان عام کتابوں کے سوا طب اور تصوف کی ایک نہیں چند چند کتابیں چھوٹی بڑی بھی شریک ہیں بلکہ شائد علم خواص الاسماء وغیرہ کے طرز کی بعض چیزیں بھی اپنے والد سے آپ نے پڑھ لی تھیں، اور پھر سترہ سال کی عمر سے ہر قسم کے علوم وفنون عقلی ونقلی کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں ان کی خاص دماغی اور ذہنی قابلیت پر دلالت کرتی ہیں۔

عرب بھی جو وہ گئے، تو اس میں شک نہیں کہ وہاں کے اہل علم وفضل کی صحبتوں سے کافی فائدہ ان کو پہونچا، اور سب سے بڑی چیز جو وہاں سے لائے وہ حدیث کی سند تھی، کیونکہ گو ہندوستان میں بھی قبل سفر حجاز کے اپنے والد سے پوری مشکوٰۃ اور بخاری کا کچھ حصہ پڑھ چکے تھے، لیکن صحاح اور صحاح کے سوا دوسری حدیث کی کتابوں کی سند آپ کو عرب ہی سے حاصل ہوئی، لیکن خود ان کے بعض جلیل القدر اساتذہ بلکہ آپ کے سب سے بڑے استاد حدیث علامہ طاہر بن ابراہیم کردی ہی فرماتے تھے۔

یسند عنی اللفظ وکنت اصحح المعنی منہ (انیا نع الجنی)	مجھ سے وہ لفظوں کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے معنے کی تصحیح کرتا ہوں۔

بلاشبہ یہ ساری باتیں ان کی فطری ذہانت وذکاوت پر دلالت کرتی ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے منقول بھی ہے فرمایا کرتے تھے: "مثل والد ماجد شخصے کم نظر آید، حافظ کے متعلق اُن ہی کی شہادت یہ ہو کہ "مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام" صدا

اور ایک خاص بات شاہ عبدالعزیز نے ان کے متعلق یہ بھی بیان کی ہے کہ "مریض ہم کم می شدند" بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاہ صاحب کی ان علمی خدمات ومجتہدات میں ان کی فطری خصوصیتوں کو بھی بہت زیادہ دخل ہو۔

لیکن جو کام جتنی قلیل مدت میں ان سے بن پڑا ہے، اور ایسا کام جس کے اکثر حصہ کے وہ موجد ہیں ان کی کتابوں سے "الکوائن" باکورات" "بدائع" کا انتخاب کیا جائے جن کے ابتداع واختکار کا فخر صرف ان کے نوک خامہ کو حاصل ہے، تو بلا مبالغہ ہزار ہا ہزار سے وہ متجاوز ہو سکتے ہیں تو کیا شاہ صاحب کی اس عبقریت اور نابغیت میں صرف ان کے دل ودماغ کو دخل ہے ممکن ہے کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہوں

خصوصاً اس زمانہ میں "جینیس" کا ایک لفظ تراش لیا گیا ہے اور جب کسی شخص کے کام کے متعلق اس قسم کی مدہش اور حیرت انگیز اعجوبہ طرازیوں کا تجربہ ہوتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس "فن" کا فلاں شخص "جینیس" ہے اگر شاہ صاحب سے متعلق کوئی وثیقہ مجھے نہ ملا ہوتا تو شاید میں بھی کچھ اسی قسم کی بات کہہ کر یا سُن کر چُپ ہو جاتا، لیکن الحمد للہ کہ سفر حجاز سے پہلے اور سفر حجاز کے بعد کی شاہ صاحب کی دونوں زندگیوں اور ان کے کارناموں میں جو نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے اس کے تہہ میں جو حقیقی سبب کار فرما ہے، وہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے جو سمجھا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے ابتدائے مضمون میں عرض کیا تھا کہ حجاز پہونچکر شاہ صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا اور ایسا خواب کہ اگر اُس کی تعبیر پوری نہ ہوتی تو آج ہندوستان کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ اس خواب میں شاہ صاحب کو حضرت السلطان الغازی الابدالی اور اُن کی فیصلہ کن جنگ جو مرہٹوں سے ہوئی اس کا نقشہ دکھایا گیا تھا۔

ساری دُنیا جانتی ہے کہ "پانی پت" کے میدان میں اگر اُس دن قدرت ابدالی کے حق میں فیصلہ نہ کرتی تو یقیناً ہندوستان میں مرہٹوں کی حکومت قایم ہو چکی ہوتی اور مرہٹوں کی حکومت قایم ہو جانے کے بعد اس ملک میں مسلمانوں کا جو ہنجار ہوتا وہ یوں بھی ظاہر ہے پیشتر اس قوم کے جن نصب العینوں کا تھوڑا بہت ذکر آ چکا ہے ان سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، لوگ کچھ ہی خیال کریں لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ ان ہی مرہٹوں کے مظالم سے تنگ آکر جو حجاز بھاگا تھا اس کو اس فتنہ کے قلع قمع کی بشارت اس خواب کے ذریعہ سے دی گئی تھی، اور جس طرح کفر کے اس استیصال کی خبر سے وہ مبشر ہوئے۔ ٹھیک اسی سفر میں ان کو ایک اور مژدہ اور کامیابی کی خوشخبری سے سرفراز فرمایا گیا تھا جس کا ذکر شاہ صاحب نے حالانکہ اپنی ایک نہیں بلکہ متعدد کتابوں میں کیا ہے لیکن لوگ اس کو پڑھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں حالانکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں شاہ صاحب کی ساری انقلابی زندگی اور حجاز سے واپسی کے بعد ان سے اسلام کی جو عظیم خدمتیں بن آئیں، ان سب کا قصہ اوسی وقت ختم کر دیا گیا تھا واقعہ اسی وقت ہو چکا تھا: صرف اس کا ظہور ہندوستان آکر ہوا۔ میرا اشارہ شاہ صاحب کے اُس مشہور خواب کی طرف ہے جس کا ذکر حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں بھی کیا گیا ہے۔ اور فیوض الحرمین و در ثمین دونوں کتابوں میں بھی ہے، میں پہلے اس خواب کو در ثمین سے بجنسہ اُن ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں:-

کان الحسین والحسن علیہما السلام نزلا فی بیتی و بید الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلم قد انکسر لسانہ ولبسط الی یدہ لیعطینی و قال ھذا	گویا حسین اور حسن علیہما السلام میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کی زبان (نوک) ٹوٹی ہوئی ہے حضرت حسن نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور

قلم جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال حتی یصلحہ الحسین فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ فاخذہ الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واصلحہ ثم ناولنیہ فسررت بہ ثم جیٔ برداء مخطط فیہ خط اخضر وخطا ابیض فوضع بین یدیھما فرفعہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال ھذا رداء جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم البسنی فوضعتہ علی راسی تعظیما وحمدت اللہ تعالیٰ۔

فرمایا کہ یہ قلم میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اگر پھر آپ بولے کہ حسین اسے درست کرلیں (تب دوں گا) اور فرمایا کہ حسین جیسا درست کرسکتے ہیں، کوئی دوسرا اتنا درست نہیں کرسکتا پھر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قلم کو لے لیا اور درست فرمایا اور اس کے بعد مجھے عطا فرمایا میں اس (انعام) سے بہت مسرور ہوا پھر ایک چادر لائی گئی جس پر دھاریاں بنی ہوئی تھیں ایک دھاری سبز ایک سفید، پہلے یہ چادر ان دونوں حضرات کے سامنے رکھی گئی پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالے عنہ نے اسے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے پھر وہ چادر مجھے اُڑھا دی گئی، تب میں نے تعظیماً اس کو اپنے سر پر رکھ لیا اور حق تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔

شاہ صاحب نے یہ کیا خواب دیکھا ؟ ظاہر ہے کہ اس خواب میں چند اجزا ہیں (۱) حسنین علیہما السلام کا تشریف لانا (۲) حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک ایسے قلم کا ہونا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے (۳) شاہ صاحب کو دینے کا ارادہ فرمانا مگر پھر حضرت حسین علیہ السلام سے اس قلم کو بنوانا (۴) اور یہ فرمانا کہ فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ،، یعنی جیسا قلم حسین علیہ السلام بنا سکتے ہیں وہ قلم اور جو ان کا درست کیا ہوا نہ ہو برابر نہیں ہو سکتے (۵) بن جانے کے بعد اس قلم کو شاہ صاحب کے سپرد فرمانا (۶) اس قلم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرمانا، (۷) پھر شاہ صاحب کو ایک چادر جو بُرد یمانی" کے صفات سے موصوف ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے عطا فرمانا، (۸) اس کا اُڑھا دینا۔

میں نے ہر جز کو الگ الگ کرکے اس لئے لکھدیا ہے تاکہ غور کرنے میں آسانی ہو، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس خواب سے میری سمجھ میں جو کچھ آیا ہو وہی اس کی واقعی تعبیر بھی ہے، لیکن بہر حال میرا ذہن اس خواب سے جن امور کی طرف منتقل ہوا ہے اب اسے عرض کرتا ہوں،

حضرات حسنین علیہما السلام کی اصل خصوصیت یہی ہو کہ ملت اسلامیہ جب شدید نرغہ میں آئی ہے تو ان میں بڑے صاحب نے اپنی صلح کی روش سے اور چھوٹے صاحب نے مقابلہ اور مقاتلہ کے طریقہ سے اس

فتنہ کا مقابلہ کیا، پھر یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس وقت ہندوستان میں اسلام جن نرغوں میں گھر گیا تھا اسی کے مقابلہ کے لئے شاہ صاحب کا انتخاب کیا گیا، اشارہ ادھر تھا کہ شاہ صاحب سے جس مقابلہ کا کام لیا جائے گا، اس میں صلح و جنگ دونوں طریقوں کو دخل ہوگا، شاہ ولی اللہ نے آنے والے خطرات کے مقابلہ میں مذکورہ بالا جن پیشین بینی کارناموں کو پیش کیا، بظاہر تو اس کی صورت جنگ کی نہیں بلکہ ایک مصلحانہ مقابلہ کی تھی کیونکہ یہ تلوار سے نہیں بلکہ قلم کی جنگ تھی، لیکن اس جہاد میں شاہ صاحب اور ان کے خاندان والوں کو دشمنوں کی جانب سے جو اذیتیں برداشت کرنی پڑیں، کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں کربلائی قربانیوں کے نشانات نہ تھے ابھی گزر چکا کہ نجف خاں نے شاہ صاحب کے پہنچے اترواد یئے تھے، صاحب الیانع علامہ محسن البہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، کہ جس وقت شاہ صاحب نے فقہ و حدیث کے صحیح تعلقات کی تنقیح فرما کر کتابیں شائع کیں، جن میں ظاہر ہے کہ اس "تقلید جامد" کی مخالفت کی گئی تھی جس میں عموماً سرحدی پٹھان اور روہیلے مبتلا تھے، تو قدرتاً ان پر شاہ صاحب کی باتیں سخت شاق گزرتی تھیں، دلی اس وقت ان ہی لوگوں سے بھری ہوئی تھی بقول مولانا محسنؒ کے کہ غنم کلب کے بالوں سے زیادہ ان کی تعداد تھی یہ لوگ ہر طرح سے شاہ صاحب کے درپئے آزار ہوئے لیکن وہ لکھتے ہیں:۔

لم یصدہ شئی من ذلک مما کان علیہ من ترجیح ما وافق من اقوال الفقہاء ظواھر السنن والاثار ومن بیان ما صفا مورّدہ من ذلک عما ترنق فکان یصرح بھا بین ظھرانیھم نصحاً للامۃ ووفاء لعھد اللہ الذی واثق بہ العلماء (الیانع)

ان لوگوں کی مخالفتیں شاہ صاحب کو اس طرز عمل سے نہ روک سکیں جو ظاہر سنن و آثار کے مطابق فقہا کے اقوال کو ترجیح دینے کا تھا، اور اس سلسلہ میں جو مسلک صاف ستھرا تھا اس کو مکدر طریقہ سے وہ جدا کرتے تھے شاہ ولی اللہ ان متصلب سخت پٹھانوں کے درمیان علانیہ اپنے اس مسلک کا اظہار فرماتے تھے مقصد امت کی بہی خواہی تھی اور خدا کے اس عہد کو پورا کرنا تھا جس کا علماء سے وعدہ لیا گیا ہے۔

فتحپوری کی مسجد میں قتل کے ارادہ سے شاہ صاحب کا جو محاصرہ کیا گیا اس کا ذکر بھی گزر چکا پھر اس کے بعد آپ کے خاندان پر جو مظالم توڑے گئے اس کا اندازہ شاہ عبد العزیز صاحب کی بعض روایتوں سے ہوتا ہے مثلاً ملفوظات میں ہے:۔

لہ یہ مولانا محسن بہار کے شمالی حصہ ترہت کے رہنے والے تھے خصوصاً ضلع مونگیر میں ان کا عجیب کتب خانہ اب تک موجود ہے اگرچہ بڑا حصہ اس کا بلوۂ عید قربانی کے جھگڑے میں ہندوؤں کے ہاتھ برباد ہوگیا مولانا محسن نے ہندوستان میں تحصیل علم کے بعد حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی کچھ پڑھا تھا خاکسار کو آپ سے اور آپ کے خاندان سے قرابت قریبہ کے تعلقات ہیں ۱۲

چوں در شہر کہنہ بودم بسیار از رفضا و فساق و بردراں حسود تکلیفہا کشیدم

جب ہم پرانی دلی میں تھے تو رافضیوں اور فاسقوں اور حسد کرنے والے بھائیوں سے بہت تکلیفیں میں نے اٹھائیں۔

پھر ان "تکلیفہا" میں سے ایک تکلیف کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

بعضے قریب خانۂ ما تعزیہ بر سقف می کردند و تبرا وسب ہم می نمودند۔

بعض لوگ میرے گھر کے پاس اپنے کوٹھے اور بالاخانہ پر تعزیہ رکھتے اور تبرا بکتے (اور خلفاء ثلثہ کو) گالیاں دیتے اور اس طرح مجھے ایذا پہنچاتے۔

یہ تو خیر شیعوں کا سلوک تھا "فساق" کا برتاؤ کیا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ

روزے فاجرہ شراب خوردہ در وقت تراویح در عین قرأت قرآن شعر حافظ شیراز
"درکوئی نیک نامی ما را گذر ندادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را"
خواند و بعضے دہلہا وآوازہا می زدند کہ قرأت مشتبہ شود (ملفوظات صہ۵۵)

ایک دن ایک فاحشہ عورت نے شراب پی کر تراویح کے وقت عین قرأت قرآن کے درمیان حافظ شیراز کا یہ شعر گانا شروع کر دیا
درکوی نیکنامی ما را گذر ندادند ۔ گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را
اور بعض لوگ ڈھول تاشے بجاتے اور شور پکار بلند کرتے تاکہ میری قرأت میں گڑبڑ پیدا ہو۔

اور یہ تو خیر معمولی باتیں ہیں حضرت قبلہ میر شاہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو جس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے سن کر کلیجہ دہل جاتا ہے فرماتے ہیں کہ وہی نجف[1] خاں جس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروا دئے تھے اسی نے

"شاہ عبدالعزیز و شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکالدیا تھا، اور یہ ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مستورات کے ساتھ میدان کربلا میں جو نامناسبات ناگفتہ بہ پیش آئے تھے، کیا اوسکی جھلک اس واقعہ میں نہیں پائی جارہی ہے، شاہ ولی اللہ کی بہوئیں اور پوتیاں اس بے سروسامانی کیساتھ دلی سے پیادہ پائی۔ یہیں پھر انہی کا بیان ہے کہ شاہدرہ سے زنانوں کی سواری کا نظم تو حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش سے ہو گیا لیکن

"شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے"

[1] مغل دربار کا آخری امیر تھا جس کے بعد ہی لال قلعہ پر غیروں کا قبضہ ہو گیا دراصل یہ شروع میں نواب وزیر اودھ کی وزارت کا دلی میں نائب تھا لیکن بعد کو خود مستقل بن بیٹھا اور آخری ہانڈی حکومت کی اسی کے سر پھوٹی۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام زین العابدینؒ بیمار کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا تھا کیا اسی کا ظل ولی اللہ کے بیمار صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب میں نہیں ہے ملفوظات میں ہو کہ شاہ صاحب کو بائیس قسم کی بیماریاں تھیں لیکن ظالموں نے رحم نہیں کیا۔ اور دلی سے پیدل جونپور دوڑا دیا۔ دونوں بھائی سفر میں ساتھ ہوتے تو شائد گونہ تسلی ہوتی لیکن امیر شاہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ

اُن دونوں کو نہ سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا۔

خاں صاحب نے اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ

دُو دفعہ روافض نے شاہ عبدالعزیز صاحب کو زہر دیا تھا اور چھپکلی کا اُبٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص کا مرض ہو گیا تھا۔

مجھے یاد آتا ہو کہ میر شاہ خاں صاحب ہی سے میں نے یہ بھی سنا تھا کہ جس وقت شاہ عبدالعزیز پیدل جونپور بھیجے گئے ہیں یہ موسم ٹھیک جیٹھ کا تھا سخت لو کے دن تھے امیر الروایات میں بھی اتنا موجود ہے کہ

جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہوگئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے ملاؔ

اور آخر میں تو شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا اسمٰعیل صاحب اور اسی خاندان کے تربیت یافتہ بزرگ حضرت سید احمد بریلوی (رحمۃ اللہ علیہما) نے بالا کوٹ میں جس واقعہ کی تصویر پیش کی اس پر تو کربلا کی ظلمیت کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

بہر حال اس خواب میں حسنین علیہما السلام کے دیدار سے شاہ صاحب کا مشرف ہونا محض اتفاقی واقعہ نہ تھا۔ اس کے بعد حضرت حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں ٹوٹے ہوئے قلم کا ہونا جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت سے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا اسلام کے اہل علم و فضل پر ایسا جمود طاری ہو گیا تھا۔ کہ پچھلی چند صدیوں میں ایک بھی قابل ذکر مصنف نہیں پیدا ہوا تھا۔ تصنیف کا ذوق و شوق تو باقی تھا، لیکن کتابوں میں صرف لفظوں کی بھرمار ہوتی تھی، انتہا یہ ہے کہ تاریخ جس کا سرمایہ صرف واقعات ہیں۔ اس کی کتابوں میں بھی ادھر دو تین صدیوں سے یہ آفت آئی ہوئی تھی کہ محض لفظوں کی دھڑا بندی کی جاتی تھی، علماء اسلام کے جو تذکرے ادھر تیار ہوئے ان میں دیکھیئے بقول نواب علامہ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی سوائے "البحر العلام والبحر القمقام" کے ہم قافیہ الفاظ کے

ملہ دار العلوم دیوبند کے متوسلین میں شاید ہی کوئی ہوگا۔ جو حضرت امیر شاہ خاں سے واقف نہ ہو، خاکسار پر بڑی نظر عنایت تھی بلکہ ولی اللہی خاندان سے خاص نیاز خاں صاحب ہی کی بدولت بندہ ایں حاصل ہوا اور حضرت شیخ الہند کی غلامی دبیعت سے سرفرازی بھی انہی کی بدولت حاصل ہوئی۔"

واقع و حالات کی ایک سطر نہیں ملتی، بے مائگی میں یہی حال دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کا بھی تھا تو میرے خیال میں گویا اسی کی طرف ٹوٹے ہوئے قلم سے اشارہ کیا گیا تھا، اور اب یہ قلم شاہ ولی اللہ کے سپرد ہو رہا تھا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اصلاح کی راہ میں شاہ صاحب کو جو قلم دیا جا رہا تھا اس میں اشارہ کر دیا گیا تھا کہ حسنی رنگ کے ساتھ ساتھ حسینی دعات کے تجربے بھی پیش آئیں گے اور یہ جو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ حسین جیسا بناتے ہیں ویسا دوسرا بنا نہیں سکتا، تو اس میں گویا اشارہ تھا کہ ہر چیز سے بے پروا ہو کر صرف حق کی حمایت میں میدان میں کود جانا چاہیئے، اور میں بیان کر چکا کہ شاہ صاحب نے اس راہ میں کیسی جرأت دکھائی، اپنی تصوف کی کتابوں میں جب مشائخ عصر پر وہ تنقید فرماتے ہیں، جانتے ہیں کہ ملک ان ہی لوگوں کے زیر اثر ہے، ان کا ایک اشارہ فتنہ کی آگ کو روشن کر دینے کے لیئے کافی ہے لیکن متعدد مقامات پر یہ ارقام فرماتے جاتے ہیں:۔

ہر چند ایں سخن بر بسیارے از صوفیہ زمان دشوار خواہد بود اما مرا کارے فرمودہ اند بر حسب آں می گویم با زید عمر کارے نیست (وصیت نامہ ص ۵)	ہر چند میری یہ بات اس زمانہ کے صوفیوں پر گراں گزرے گی لیکن مجھے ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق کہہ رہا ہوں مجھے زید و عمرو سے کوئی سروکار نہیں،

آخر میں شاہ صاحب کو بردیمانی کے نیچے دونوں حضرات لے آتے ہیں، یعنی یہ فرماتے ہوئے کہ

ھذا رداء جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یہ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے،

وہ چادر حضرت شاہ ولی اللہ کو اڑھا دیتے ہیں، غالباً یہ ادھر اشارہ تھا کہ سب کچھ ہو گا، مخالفین بھی ہونگے دشمن ستائیں گے بھی لیکن زیر سایہ عاطفت نبوت کبریٰ علی صاحبہا الف سلام وتحیۃ چونکہ شاہ صاحب کی زندگی گزرے گی، اس لیئے ردائے محمدی کے سایہ میں پناہ لینے والوں پر انشاءاللہ مخالفین کی کچھ پیش نہ جائے گی اور ان کو خائب و خاسر ہو کر واپس ہونا پڑے گا۔ اور شاہ صاحب کے قلمی آثار کو دنیا میں فروغ ہو گا۔ بلکہ ٹوٹے ہوئے قلم، کے بعد اسلامی دنیا میں ایک نیا دور تصنیف و تالیف کا شروع ہو گا، جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ یہی ہوا خود شاہ ولی اللہ صاحب نے درثمین میں جہاں اس خواب کو نقل فرمایا ہے اس کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:۔

فمن یومئذ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیہ ص ۳	اسی دن سے میرا سینہ شرعی علوم میں تصنیف کے لیئے کھل گیا۔

جس کا صاف اور کھلا ہوا مطلب یہی ہو کہ شاہ صاحب کی آئندہ زندگی میں تصنیفی کوششوں کا جو سلسلہ شروع ہوا، اور وہ بڑھا اور اس حد تک بڑھا کہ اب نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر شرق حجاز اور کابل تک کے جامعات و مدارس میں آپ کی کتابیں داخل درس ہیں، اور ان ہی ممالک کے مطابع سے آپ کی کتابیں چھپ چھپ کر

ہندوستان آرہی ہیں، ان تمام کوششوں کی تہ میں حقیقی موثر غیب کی یہی قوت تھی

بیشک شاہ صاحب بچپن ہی سے غیر معمولی طبیعت و فطرت کے بھی مالک تھے لیکن آپ کے ان حکیمانہ ومجددانہ کارناموں میں صرف آپ کی طبیعت ہی کو دخل نہیں ہے اور نہ آپ کے والد ماجد و دیگر اساتذہ کی تعلیم وتربیت ہی کا اس کو نتیجہ کہا جاسکتا ہے بلکہ کسی کی نگاہ انتخاب نے اب شاہ ولی اللہ کو وہ ولی اللہ باقی نہیں رکھا تھا اب شاہ صاحب کی زبان پر کوئی اور بول رہا تھا اور ان کی انگلیوں میں اب کسی اور کا قلم چل رہا تھا۔ ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک دن اپنے والد کے اس خواب کا تذکرہ فرما رہے تھے جامع ملفوظات نے لکھا ہے کہ آخر میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد

حال نسبت وعلم وتقریر دگرگوں شد	والد کی نسبت باطنی اور علم وتقریر ساری باتوں کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی۔

شاہ ولی اللہ کا رنگ اس کے بعد اتنا بدل گیا تھا کہ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کے والد کے جو پرانے شاگرد تھے وہ سفر حجاز سے واپسی کے بعد آپ کی حالت کو دیکھ کر یہ محسوس کرتے تھے کہ پہلی بات ان کی باقی نہیں رہی ہے، شاہ عبدالعزیز کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔

چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند	چنانچہ جن لوگوں نے شاہ صاحب سے پہلے فیض پایا تھا (یعنی شاگرد ومرید) وہ پہلی نسبت کا آپ میں بالکل احساس نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کا ایک مصیبت زدہ مسافر حجاز پہونچا تھا، اخلاص وصداقت کے ساتھ پہونچا تھا جو رنگ لاکر رہا خود شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو

دراں میاں بروضہ منورہ حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوات واتم التحیات متوجہ شد وفیضہا یافت (انفاس)	اس عرصہ میں حضرت سید البشر (علیہ افضل الصلوات واتم التحیات) کی روضہ منورہ کی طرف متوجہ رہتا تھا اور اس سے بڑے بڑے فیض حاصل کیے

ان ہی "فیضہا" کی شرح وتفصیل میں شاہ صاحب نے ایک مستقل کتاب "فیوض الحرمین" ارقام فرمائی ہے، شاہ صاحب کے ساتھ کیا کیا نوازشیں ہوئی ہیں، ان کی تفصیل ہی کتاب میں پڑھنا چاہیئے مجھے تو اس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ مرہٹوں کے فتنہ کا ازالہ اور آئندہ ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق جو سوالات پیدا ہوئے تھے اور پیدا ہونے والے تھے ان کے جو جوابات اور ان مشکلات کا جو حل شاہ ولی اللہ کے قلم نے پیش کیا، یہ

درحقیقت انہی مدنی فیضہا کا کرشمہ تھا ــــ اور شاہ صاحب نے اس فیوض الحرمین ہی میں اپنے متعلق جو یہ دعویٰ کیا کہ

سلکنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وربانی بیدہ فانا اویسیہ وتلمیذہ بلا واسطۃ بلینی وبینہ (فیوض ص)	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سلوک کا راستہ طے کرایا اور اپنے دست مبارک سے میری تربیت فرمائی اس لیے میں آپ کا اویسی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ شاگرد ہوں۔

تو اس کی حقیقت بھی ان فیوض پر غور کرنے سے کھل جاتی ہے۔

بہرحال شاہ صاحب میں جو نشہ حجاز میں بھر گیا تھا، اس سے مست ہو کر جب وہ ہندوستان واپس ہونے لگے ہیں، اس وقت ان کے دل میں کن کن ولولوں کا زور تھا اور کن حوصلوں کو لے کر چلے تھے۔ انفاس العارفین کے ایک واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے سب سے بڑے شیخ الحدیث علامہ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی سے جب آخری دفعہ رخصت ہونے کے لیے ملنے تشریف لے گئے، تو خود فرماتے ہیں:-

ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایں بیت برخواند نسیت کل طریق کنت اعرفہ الا طریقا یؤدینی الی ربعکم	فقیر رخصت ہوتے وقت شیخ ابوطاہر کے پاس حاضر ہوا، اور یہ شعر میں نے پڑھا ہر راہ میں بھول گیا بجز اس راہ کے جو تمہارے گھر تک مجھے پہونچائے۔

کسی ایسے حال سے معمور ہو کر شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا کہ

بمجرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد وبغایت متاثر شد	کہ سننے کے ساتھ شیخ پر گریہ طاری ہوا اور بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

الغرض ہر چیز سے دست بردار ہو کر صرف ایک "نصب العین" کو سامنے رکھ کر انھوں نے ہندوستان کی زمین پر قدم رکھا، وہ سالہا سال کا پرانا اور موروثی ذوقِ درس وتدریس قطعًا غائب ہو چکا تھا، مدرسہ چونکہ باقی تھا اور اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے، آپ کے نام پر طلبہ آیا کرتے تھے، لیکن اب جو کام پیش نظر تھا اس کے ساتھ "معلم الصبیانی" کی زق زق بق بق کی گنجائش بھی، شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے ہیں کہ بجائے خود پڑھانے کے

حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند۔	والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شخص تیار کر لیا تھا، جس فن کا جو طالب ہوتا اس کو اسی فن کے استاد کے سپرد فرما دیتے،

فالبا دوازدہ سالہ تدریس سے بیتیار کیئے ہوئے لوگ تھے، اب مدرسہ ان ہی کے سپرد تھا اور خود اپنے لیئے کیا مشغلہ باقی رکھا تھا کل تین چیزیں جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے۔

خود مشغول معارف گوئی ونویسی بودند و حدیث می خوانیدند۔ — خودمعارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے اور صرف حدیث پڑھاتے۔

کس ذوق کس شوق، کس اہتمام و استغراق کے ساتھ حجاز سے واپسی کے بعد ان تین مشغلوں میں شاہ صاحب نے زندگی گذاری اس کے متعلق بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عجیب وغریب شہادت ہے فرماتے ہیں:۔

بعد اشراق کہ می نشست تا دو پہر زانو بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت ملفوظ — اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے، نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے۔

شاہ صاحب ۱۱۴۶ھ میں حجاز سے ہندوستان واپس ہوئے اور اپنے کام میں مشغول ہوئے ٹھیک چار سال بعد دلی کی زمین پر نادرگردی کا وہ آسمان ٹوٹا، جس کے خونی افسانوں سے اب تک ملک کے کوچہ و برزن معمور ہیں، لیکن شاہ صاحب پر جو دُھن سوار تھی اس حادثہ کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں پڑا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادر ہی کے چلے جانے کے بعد محمد شاہ نے طلبہ کے ہجوم و کثرت یا کسی اور سبب سے بجائے پرانی دلی کی نئے شہر میں خود بلا کر مدرسہ کے لیئے وہ حویلی عطا کی جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، اور اسی مدرسہ سے علم کا وہ سلسلہ جاری ہوا کہ آج عرب و عجم میں کم از کم علم حدیث کا جو زور شور ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہ ہی کے مخلصانہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے، مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے میر شاہ خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہیگا حضرت نانوتوی کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں انکی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتوی ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ حدیث کی سند اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاد مولانا عبدالغنی مجددی کا نام لیا محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ اسحاق کے، شاہ اسحاق سے بھی وہ ناواقف تھے، پوچھا کہ وہ کس کے شاگرد تھے؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے۔ شاہ عبدالعزیز کا نام سُن کر محدث صاحب رُکے بُولے اُن کو میں جانتا ہوں اور اس کے بعد فرمایا:۔

"شاہ ولی اللہ طوبی کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبی کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے"

اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا
سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں ص۱۵

اور یہ تو یمن کے ایک گمنام محدث کی شہادت ہے اس موقعہ پر جی چاہتا ہے کہ جامع الازہر کے ہم وطن علامہ رشید رضا مصری مرحوم کا قول ذرا زیادہ تفصیل سے نقل کر دوں اس سے اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ حضرت حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں جو ٹوٹا ہوا قلم تھا اس کا کیا مطلب تھا، علم خصوصاً علم نبوت کی حالت اسلامی ممالک میں کیا ہو رہی تھی،

ولولا عناية اخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل هذا القرن الرابع عشر وانني لما هاجرت الى مصر سنة ۱۳۱۵ رأيت خطباء مساجد الازهر وغيرها يذكرون الاحاديث في خطبهم غير مخرجة ومنها الضعيف والمنكر والموضوع ومثلهم في هذا الوعاظ والمدرسون ومصنفو الكتب فكنت انكر ذلك عليهم كما بدءت بانكار مثله على اهل بلدي طرابلس قبلهم

(مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ)

ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر شام عراق حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا، اور چودھویں صدی کی اوائل تک ضعف کی آخری منزل پر پہونچ گیا تھا میں نے جب ۱۳۱۵ھ میں مصر ہجرت کی تو ازہر کی مسجدوں کے خطیبوں کو اور دوسری مسجدوں کے خطیبوں کو دیکھا کہ اپنے خطبوں میں ایسی حدیثیں پڑھتے ہیں جن کا پتہ نہیں ان میں ضعیف منکر اور موضوع و جعلی روایتیں بھی ہوتی تھیں اور یہی حال واعظوں مصنفوں مدرّسوں سب کا تھا میں ان کو ٹوکتا تھا جیسا کہ اپنے وطن طرابلس میں بھی یہی کرتا،

یہ مصر کے ایک فاضل جلیل اور چودھویں صدی کے ایک ناقد بصیر کی گواہی ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی ایک ملک ہی میں نہیں بلکہ مصر شام عراق حجاز جو اسلام کے گہوارے ہیں ان سب میں دسویں صدی سے مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا تھا اور صرف کسی ایک طبقہ ہی میں جہل کی حکومت قائم نہیں تھی بلکہ دین و علم کے جو گروہ خادم تھے یعنی واعظ، خطیب، مدرسین و معلمین حتیٰ کہ مصنفین و مولفین سب ہی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ حدیث کے علم سے بے پرواہ ہو چکے تھے غلط سلط غیر معتبر اور گڑھی ہوئی حدیثوں پر لوگوں کا دار مدار رہ گیا تھا شاہ ولی اللہ صاحب کو علم نبوت (حدیث) کے اسی حال کا تمثل اگر ایسے قلم کی شکل میں ہوا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی، تو اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ اس سے بہتر مثال اور کیا ہوسکتی تھی اور جب مصر و حجاز عراق و شام جیسے ممالک علم حدیث سے دسویں صدی ہجری تک بے تعلق سے ہوگئے تھے تو پھر خراسان ترکستان، ایران وغیرہ جہاں ایک مدت سے اس علم کا چرچا مٹ چکا تھا ان کی جو حالت ہوگی وہ ظاہر ہی؛

علامہ رشید رضا کا یہ اقرار کہ اگر علماء ہند کی توجہ اس علم کی طرف نہ ہوتی تو اس علم کا مشرقی ممالک میں خاتمہ ہو جاتا، سب جانتے ہیں کہ یہ علماء ہند کی نہیں بلکہ براہ راست حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا اعتراف ہے، اس لیئے کہ ہندوستان میں حدیث کا جو کچھ بھی چرچا پچھلے دنوں ہوا، سب کی انتہا بالآخر حضرت شاہ صاحب ہی کے وجود باجود پر ہوتی ہے گویا شاہ صاحب کو حسنین علیہما السلام نے جو قلم عطا فرمایا تھا یہ درحاصل اسی قلم کے کارناموں کا اقرار ہی کیونکہ شاہ صاحب کے وہ سارے علمی مجاہدات جن کے اثر سے بالآخر اس ملک میں حدیث کے فن کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی، ان کا تعلق اسی قلم سے ہی، انھوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اسی قلم کے ملنے کے بعد کیا، بلکہ عوام تو شاید خواب کے اس قلم کو خواب وخیال والا قلم خیال کرتے ہوں گے، لیکن جس شخص کا خود ذاتی مشاہدہ تھا کہ ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کو خواب ہی میں دربار رسالت پناہی سے محاسن مبارک کے دو بال عطا ہوئے تھے، شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ حالت بیداری میں یہ دونوں موئے مبارک ان کے والد کو ملے جو ایک مدت تک خود ان ہی کے پاس رہے اور جب تبرکات تقسیم ہونے لگے تو

یکے ازاں دو موی بکاتب حروف عنایت فرمودند (انفاس صلا)	تو ان دو موئے مبارک میں سے ایک موئے مبارک کاتب حروف کو عنایت فرمایا

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف کی جو ایک خاص خصوصیت ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے جو یہ بیان فرمائی ہی کہ

بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند۔ (ملفوظات ۴۴)	کہ مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی اسے ارقام فرماتے تھے،

کون کہہ سکتا ہے کہ اس "مراقبہ" میں شاہ صاحب کا رخ کس طرف ہوتا تھا اور اس سے کیا مقصود تھا ان تصانیف کے لیئے آپ کو جس مقام سے قلم ملا تھا؟ کیا اسی طرف توجہ کرکے بیٹھ جاتے یا خواب والے قلم کو پھر اپنے اندر بیدار کرتے تھے، یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر تھی، بہرحال اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہی کہ شاہ صاحب کی کتابوں کا ڈھنگ جو نرالا معلوم ہوتا ہی اس میں ان کی تصنیف و تالیف کی ان خاص خصوصیتوں کو بھی ضرور دخل ہی بلکہ شاہ صاحب کی عبارت میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں "جوامع الکلم"، کی جھلک جو نظر آتی ہے

اس میں بھی قصد سے زیادہ ان کے اسی طریقۂ عمل کو شاید دخل ہو،

غرض سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد جیسا کہ اپنے اُستاد سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا اوفعا بنا

اس کا ترجمہ شاہ عبدالعزیز نے یہ فرمایا ہے جو ان کے ملفوظات میں منقول ہے کہ

پدرمن وقت رخصت از مدینہ از اُستاد خود عرض کردو او خوش می شد کہ ہر چہ خوانده بودم فراموش کردم الا علم دین یعنی حدیث ص۹۳

کہ میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے اُستاد سے عرض کیا اور اُستاد اس سے بہت خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا بجز علم دین یعنی حدیث کے بھلا دیا ہے (من انچہ خوانده ایم فراموش کرده ایم ، الا حدیث یا رکہ تکرار می کنیم)

گویا ۔"جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ ایک دم میں بھلا دیا" ۔۔ اب اُن کا مشغلہ صرف یہی رہ گیا تھا کہ متوسلین وتلامذہ کے سامنے اسرار و حقائق پر تقریر فرماتے رہتے تھے، یا حدیث کا درس دیا کرتے تھے یا لکھتے رہتے تھے، اور اس شان کے ساتھ لکھتے رہتے تھے کہ ہر مسئلہ "مراقبہ" کے بعد درج کتاب ہوتا تھا، حدیث کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کے درس کا ایک جزء اور بھی تھا جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز ہی نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ

معمول والد ماجد آں بود کہ بعد ختم قرآن حدیث می شد ص۳

والد ماجد کا معمول یہ تھا کہ ختم قرآن کے بعد حدیث کا دورہ شروع کراتے

جس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحاح کا درس جس کا نام اس زمانہ میں "دورہ حدیث" پڑ گیا ہے، اس سے پہلے شاہ صاحب قرآن کا دورہ بھی کرالیا کرتے تھے، اور بغیر تفسیر کے مجرد متن قرآن پڑھانے کی ترویج کم از کم ہندوستان میں شاہ ولی اللہ ہی کی ایجاد ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ اب مدارس خصوصاً ولی اللہی مدارس میں بھی یہ طریقہ ترک کر دیا گیا، اور محض ان حلقوں تک جن میں محض عامی شریک ہوتے ہیں، بعض شہروں کی مساجد میں حضرت کی یہ "سنت" باقی رہ گئی ہے، آپ نے وصیت نامہ میں طریقۂ تعلیم کے متعلق جو ایک "نظام نامہ" مرتب فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ

قرآن عظیم درس گویند باں صفت کہ صرف قرآن بخوانند بغیر تفسیر و ترجمہ گویند و در آنچہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود و بحث نمایند، بعد فراغ از درس تفسیر جلالین را بقدر درس بخوانند دریں طریق فیضہا است ص۱۱

قرآن عظیم کا درس دینا چاہیے اس طریقہ سے کہ صرف قرآن پڑھا جائے یعنی تفسیر کے بغیر صرف متن قرآن اور ترجمہ پڑھایا جائے، پھر قرآن کے متن کے متعلق جو دشواری پیش آئے مثلاً نحو کے متعلق یا شان نزول کے متعلق تو رُک جانا چاہیے اور چاہیے کہ اسکی تحقیق کی جائے پھر جب قرآن ختم ہو جائے تب نصاب تک جلالین پڑھائی جائے اس طریقہ میں بڑے بڑے فیض ہیں۔

واقعہ ہے کہ آج جتنا زور عربی مدارس کے قدیم سلسلوں میں حمداللہ اور میرزاہد کی عبارتوں کے حل پر دیا جاتا ہے یا نئے مدرسوں میں ادب و انشاء وغیرہ میں سر مارا جاتا ہے اگر اسی قوت کو قرآنی آیات کے حل ہی میں صرف کیا جائے تو جو کتاب صرف مغز ہی مغز ہے اس سے علماء اور طلبا کو کیسے کچھ فیوض پہنچ سکتے ہیں تفسیروں کے درس میں عموماً آدمی حق تعالے کے کلام سے ہٹ کر پھر اپنے ہی جیسے انسانوں کی تعبیروں میں اُلجھ جاتا ہے اور ان کے مشکلات میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ قرآنی آیات کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا صرف قرآن کے پڑھانے سے آدمی پر جن عجیب و غریب حقائق کا انکشاف ہوتا ہے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کے متعلق بڑے تجربہ کی بات فرمائی ہے کہ

مردماں چنانچہ در قرآن متلذذ می شوند در حدیث نہ، و مارا ہم چنانچہ در قرآن معنے ہائے عجیب و غریب دست می دہد و آمدی باشد در حدیث نہ، در حدیث موافق کتب بیان می کنم ملث	لوگ جتنا قرآن سے لذت گیر ہوتے ہیں اتنی لذت انکو حدیث میں نہیں ملتی، اور خود ہمارا حال بھی یہی ہے، کہ جتنے عجیب و غریب مطالب قرآن میں القا ہوتے ہیں اور انہیں آمد معلوم ہوتی ہے، حدیث میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی حدیث کے درس میں تو وہی بیان کرتا ہوں جو کتابوں میں ہے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قرآن میں جب تدبر کیا جاتا ہے تو بغیر کتابی امداد کے خود بخود مطالب کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں، بخلاف حدیث یا کسی دوسرے فن کے کہ اس کے درس میں عموماً شروح و حواشی کی ہی ریزہ چینی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ میں لکھنا چاہتا تھا خدا کا شکر ہے کہ وہ لکھا جا چکا اب آپ کے باقیات صالحات اولاد و امجاد کے مختصر تذکرہ پر اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں سب ہی کو معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب قدس سرہ کو حق تعالے نے علاوہ اُس اولاد کے جو صغر سنی ہی میں وفات پاکر آپ کے لئے ذخر و فرط بن چکی تھی چار فرزند عطا فرمائے تھے جو فرزندی کے علاوہ آپ کے صحیح جانشین بھی تھے یعنی شاہ عبدالعزیز یا شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی شاہ صاحب نے اس دُنیا سے جاتے وقت باضابطہ طور پر بھی ان چاروں حضرات کو اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا تھا۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات ہی میں ہے کہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی دستار بر سر ہر چہار فرزنداں نہادہ بودند	آپ نے چاروں فرزندوں کے سروں پر دستار مبارک رکھدی تھی یا باندھ دی تھی

جس کا مطلب یہ ہی ہوا کہ حضرت نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا، یہاں سوچنے بلکہ عبرت کی ایک چیز یہ ہے کہ اسی دلی میں ایک دنیدار بادشاہ نے اپنے چند بیٹوں کو اسی طرح دنیا میں اپنا جانشین قرار دیا تھا جیسا کہ مورخ فرید آبادی رقم طراز ہیں کہ

اورنگ زیب نے اپنی زندگی میں بڑے بیٹے محمد معظم کو شمالی ہند اور کابل کی حکومت سونپ دی تھی، وسط ہند، گجرات باپ کے چاہیتے بیٹے محمد اعظم کے زیر انتظام تھے اور جنوبی ہندوستان شہزادہ کام بخش کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔

فریدآبادی اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ

اسی انتظام کے مطابق وہ سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا،

لیکن دنیا کے ان زمین بادشاہوں نے ہندوستان اور کابل جیسے وسیع و عریض علاقوں میں اپنے لیے گنجائش نہ پائی، اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا ـــــ لیکن اسی دلی میں دین کا ایک سردار اپنے تین نہیں بلکہ چار بیٹوں کے سر پر خلافت کی دستار باندھتا ہے۔ پھر دین کے ان چار شہزادوں نے زندگی کس طرح گزاری، اس کا اندازہ اس تعلقات سے ہوسکتا ہے جو ان چاروں بھائیوں میں آخر عمر تک باقی رہے، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ

"شاہ عبدالقادر کا کھانا اکبری مسجد روزانہ شاہ عبدالعزیز ہی کے گھر سے جاتا تھا وہی اپنے اس متوکل بھائی کے کپڑے بنا دیا کرتے تھے، شاہ عبدالعزیز باوجود بڑے ہونے کے شاہ عبدالقادر کی ولایت کے کس حد تک قائل تھے اس کے متعلق وہی مشہور بات کہ عید کا چاند تیس کا ہوگا یا انتیس کا، اس کا پتہ چلانے کے لیے ہمیشہ حضرت شاہ عبدالعزیز رمضان کی پہلی تاریخ کو آدمی بھیج کے دریافت کراتے کہ

میاں عبدالقادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں؟ اگر آدمی یہ آکر کہتا کہ آج ڈیڑھ پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگائیں

(امیر الروایات ص۱۰۵)

علی ہذا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ عبدالعزیز کو جو دلی تعلق تھا اس کا اندازہ بھی اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب شاہ رفیع الدین کو لوگ دفن کرکے فارغ ہوئے اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز نے ایک خاص کیفیت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ رفیع الدین سے

مرا چہار رشتہ بود، یکے برادر حقیقی، دوم قبلہ گاہی (حضرت شاہ ولی اللہ) مرا بہ تقریبے دادند کہ فرزند تست سیومی شیر دایہ من نوشیدہ چہارم شاگرد

رفیع الدین سے میرا چار طرح رشتہ تھا ایک تو حقیقی بھائی تھے، دوسرے یہ کہ قبلہ گاہی (والد ماجد) نے ایک تقریب سے انہیں میرے سپرد کرکے کہا تھا کہ یہ تمہارا لڑکا ہے۔

تیسرے ہم نے اور انھوں نے ایک ہی دائی کا دودھ پیا تھا چوتھے وہ میرے شاگرد تھے۔

کسی نے اسی سلسلہ میں عرض کیا کہ شاہ رفیع الدین سے اس خاندان کی بڑی علمی عزت تھی، شاہ عبدالعزیز نے

اس وقت جو جملہ فرمایا وہ سچی اور خالص محبت کی کتنی اچھی تعبیر ہے فرمایا

اگر جاہل ہم می بودند مرا ہمچناں درد بودے | اگر وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا اسی قدر درد ہوتا

جامع ملفوظات نے مولانا رفیع الدین کے جنازہ کی کیفیت، اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا باوجود نابینا ہونے کے ان کی چارپائی اٹھانے کی کوشش اور انتہائی ضبط کی کوشش کے باوجود بار بار بلبلا اٹھنا اور فرمانا کہ "چہ گویم من طاقت ندارم"، ایک ایسے دردناک پیرایہ میں ان حالات کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھائیوں میں مودت و اخلاص کے کیسے گہرے مراسم تھے، یہ عجیب بات ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی شاہ عبدالعزیز ہی کا قول جامع ملفوظات نے یہ نقل کیا ہے کہ

ترتیب منعکس در رحلت برادران واقع شد یعنی اول مولوی عبدالغنی کہ خورد ترین ہمہ ما بودند بعد از اں مولوی عبدالقادر از وشاں بعد مولوی رفیع الدین کلاں سال از وشاں ہستم باری ماست

الٹی ترتیب بھائیوں کی وفات میں واقع ہوئی اول مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے اس کے بعد مولوی عبدالقادر، ان کے بعد مولوی رفیع الدین سب سے بڑا میں ہوں اب میری باری ہے،

واقعہ یہ ہے کہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں حضرت شاہ ولی اللہ کے ان چاروں صاحبزادوں نے بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی شان کو بوجہ کمال آخر عمر تک باقی رکھا، شاہ عبدالغنی چھوٹے صاحب نے تو کم عمر پائی لیکن ان کی تلافی قدرت نے ان کی نسل "شہید" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ کی، ناظرین "الفرقان" جن کے حالات سے شہید نمبر کے ذریعہ سے واقف ہو چکے ہیں، اور یوں بھی علم و دین کے دائرہ کا ایسا کون ہے جو ان سے اور ان کے محیر العقول و مدہش کارناموں سے تھوڑا بہت واقف نہیں ہے، شاہ عبدالقادر نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اگرچہ عزلت میں گزارا لیکن صرف میر شاہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک صاحبزادی تھیں، کل جائداد زندگی ہی میں ان ہی صاحبزادی اور دوسرے بھائیوں پر تقسیم فرما کر اکبرآبادی مسجد کی ایک سہ دری میں اپنی زندگی بسر کر دی، شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز دونوں متاہل ہوئے تھے، جن میں شاہ عبدالعزیز کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی صرف تین صاحبزادیاں تھیں اور شاہ رفیع الدین کے چار لڑکے مولوی موسیٰ مولوی عیسیٰ مولوی مخصوص اللہ مولوی حسن جان ہوئے، ان میں سے مولوی عیسیٰ صاحب کی شادی شاہ عبدالعزیز کی ایک صاحبزادی سے ہوئی اور بقیہ دو صاحبزادیوں میں سے ایک مولوی افضل صاحب اور دوسری مشہور رفیق شہید مولانا عبدالحی الخطیب المجاہد سے ہوئی تھی مولوی افضل ہی کے دو صاحبزادے یعنی شاہ محمد اسحاق و شاہ محمد یعقوب صاحب ولی اللہی خاندان کے آخری یادگار دلی میں رہ گئے تھے لیکن مسلمانوں کی دلی جب مسلمانوں کی دلی ہونے کی خصوصیت کو قطعی طور پر کھو چکی تو دونوں بھائی ۱۲۵۸ھ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ حجاز ہجرت کر گئے، اور اسی سرزمین پاک میں ہندوستان کے یہ علمی خزانے مدفون ہیں،

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کا کچھ حال پہلے گزر چکا ہے آخر میں چاہتا ہوں کہ دلی ہی کے ایک چشم دید گواہ کی ایک بیان کو

جو اس خاندان اور اس مدرسہ کے متعلق ہو درج کرکے اس مقالہ کو ختم کر دوں، کہ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً ۔ ع

قفا نبک من ذکریٰ حبیب ومنزل

دلی کے اس عجیب وغریب علمی و دینی خاندان اور اس خاندان کے دارالعلوم کا آخری انجام وہی ہوا جو ہر اس چیز کا انجام ہے جس کا تعلق اسی عنصری دور کی ابتلائی زندگی سے ہے۔ دہلی کے آثار و مقامات کے ذاتی تجربہ کار مولوی بشیر احمد مرحوم اپنی کتاب "دارالحکومت دلی" میں لکھتے ہیں۔

"جب شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ رح) کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحاق صاحب نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی ۱۲۵۸ھ میں آپ نے ہجرت کی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب اور مولانا موسیٰ صاحب خلف حضرت مولانا رفیع الدین صاحب اس کی نگرانی فرمانے لگے، ان حضرات نے بھی ۱۲۷۵ھ میں انتقال فرمایا، تو صرف مولوی محمد موسیٰ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں عبدالسلام صاحب بہت صغرسن رہے اور ایک صاحبزادی رہ گئیں، خاندان بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو عبدالسلام صاحب کو پڑھاتا لکھاتا غرض یہ سلسلہ جو کئی پشت سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔ غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیئے گئے، کڑی تختے تک لوگ اٹھا لے گئے "خانہ خالی را دیو می گیرد" ایک شریف کر دی تھی کہ الٰہی توبہ! جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جس کا جس پر قابو چلا قابض ہو گیا، اب متفرق لوگوں کے مکان اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے اس خاندان میں سوائے ایک آدھ خاتون عفت کے اور کوئی نام لیوا اور پانی کا دیوانہ رہا"

مولوی بشیر مرحوم نے اس سے بھی زیادہ دردناک واقعہ ایک دوسری جگہ یہ درج کیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا یعقوب کو جو مکانات بنوا کر دیدیئے تھے (اور شاہ اسحاق صاحب نے اس میں کچھ دن درس دیا تھا) اب

"اس مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، جو ان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھتے تھے، اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے

مولوی بشیر مرحوم نے اس کے بعد جو فقرہ لکھا ہے قلم اس کے لکھنے سے کانپتا ہے، لکھتے ہیں کہ اس لیے

اس گلی پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے" ج ۲ ص ۱۶۷

مسلمانانِ ہند کے لیے عموماً اور مسلمانانِ دہلی کے لیے خصوصاً اگرچہ یہ ایک شرمناک حادثہ ہے کہ "مدرسہ مولانا محمد اسحاق" پر "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے"۔

لیکن خدا کی وہ بات کہ اللہ کی راہ میں مرنے والے مرتے نہیں (بل احیاء ولکن لا تشعرون) اب بھی

پوری ہو رہی ہے شمال سے جنوب تک آج ہندوستان میں حدیث اور دارالحدیث کا جو چرچا پھیلا ہوا ہے کوئی شبہ نہیں کہ ان ہی چند عشقبازوں کی عشق بازی کا نتیجہ ہے ولنعم ماقیل

ازصدائے سخن عشق ندیدم خوشتر　　یادگارے کہ دریں گنبد دوار بماند

حضرت شاہ مولانا عبدالقادر کی سکونت گاہ کے سلسلہ میں اکبرآبادی مسجد کا بھی ذکر آیا تھا، جی چاہتا ہے کہ اس کا حال بھی کچھ اسی کتاب سے اخذ کرکے آخر میں درج کردوں اپنی مولوی بشیر مرحوم کا بیان ہے کہ یہ مسجد نواب اعزاز النساء بیگم محل شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۶۰ھ میں مطابق ۲۲ سنہ جلوس بنائی ہے ان بیگم کا خطاب اکبرآبادی محل تھا اسی سبب سے یہ مسجد بھی اکبرآبادی مشہور ہوگئی، اس مسجد کے تین گنبد اور سات در ہیں مسجد کی عمارت ۴۳ گز طول میں اور سترہ گز عرض میں نری سنگ سرخ کی اور اس کا پیش طاق سنگ مرمر کا پرچین کار ہے اور اس کے آگے ایک چبوترہ ۴۳ گز طول ستاون گز عرض اور تین گز اونچا اس پر سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے، اور اس کے آگے ایک حوض ۱۲×۱۲ گز کا چشمہ آفتاب و ماہتاب بہ شرف لے جاتا ہے، اور نہر کا پانی اس میں آتا ہے ...... اس کے گرد حجرے بنے ہوئے ہیں ۴ ۵ ۱ × ۴ ۱ گز، اور ہر حجرے کے آگے ایک ایوان ہے، اور اس کے سامنے سرتا سر چار گز عرض کا چبوترہ اس مسجد کے دو مینار بلند من جملہ ان کے شمالی مینار برجی کے صدمے سے ٹوٹ گئی ہے،

معلوم نہیں مولوی بشیر مرحوم نے یہ عبارت کس کتاب سے نقل کی ہے غالباً آثار الصنادید، سید احمد خاں سے ماخوذ ہے، اس لیے کہ اس وقت اس مسجد کا جو حال ہے اس کے متعلق وہی رقمطراز ہیں۔

فیض بازار ہی میں یہ مسجد تھی جو غدر کے بعد ڈھایا ڈھوئی کی نذر ہوئی۔ اور اب اس جلے ہوئے "دل" کو کس خاک میں ڈھونڈھنا چاہیئے، فرماتے ہیں۔

"محل و موقع اس کا موجودہ اڈورڈ پارک ہے"

آگے لکھتے ہیں "جس وقت اس کے لیئے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جن کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں مدفون تھیں ویسے ہی ڈھک دی گئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے خانہ خدا اور یہ بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہوگئی" فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاید کہنے والے نے اسی کے متعلق کہا تھا

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا　　کریدتے ہو جواب خاک جستجو کیا ہے
(مقرمت) (دین)

العبد الکئیب الآثم المعن الفانی السید مناظر احسن الگیلانی
غفر اللہ لہ ولمن والاہ

رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ ہجری

باسمہ سبحانہ

مزار شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ پر پہنچکر

از جناب مولانا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہی

مزار حضرتِ شاہ ولی اللہؒ پر ہمدم
دل پر یاس و حسرت چشم گریاں لیکے آیا ہوں

نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہ عالی میں
عقیدت کیشیاں، نقد دل و جاں لیکے آیا ہوں

جو کھلا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا
میں اپنے باغِ دل کی چند کلیاں لیکے آیا ہوں

چڑھانے کو تری تربت پہ چادر ساتھ کیوں لاتا
میں اپنے سر پہ تیرا بار احساں لیکے آیا ہوں

مرے پیش نظر تصویر ہے "بزم محدّث" کی
تصور میں گلستان در گلستاں لیکے آیا ہوں

وہ دہلی اور اس کی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں
خزاں کے دور میں یادِ گلستاں لیکے آیا ہوں

بچایا راہزن سے رہنمائی نے تری اس کو
بحمد اللہ متاع دین و ایماں لیکے آیا ہوں

تری تعلیم کے صدقے سے ہی جس میں تڑپ باقی
اسی حسّاس دل کو زیر داماں لیکے آیا ہوں

سُنا دے پھر وہی نغمے مجھے توحید و سنت کے
میں اُن نغمات کے سننے کا ارماں لیکے آیا ہوں

فلک سے کہہ دو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے
میں تیری تربت پہ اشکوں کی لڑیاں لیکے آیا ہوں

عقیدت، نقد الفت، یاد ماضی، سوز پنہانی
مزار شیخ پر کیا کیا میں ساماں لیکے آیا ہوں

سُنانی ہے مجھے اک داستان بزم تصوّر میں
میں اک دنیائے جذباتِ پریشاں لیکے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقد شہ پر
دعاہائے فراواں ذوق پنہاں لیکے آیا ہوں

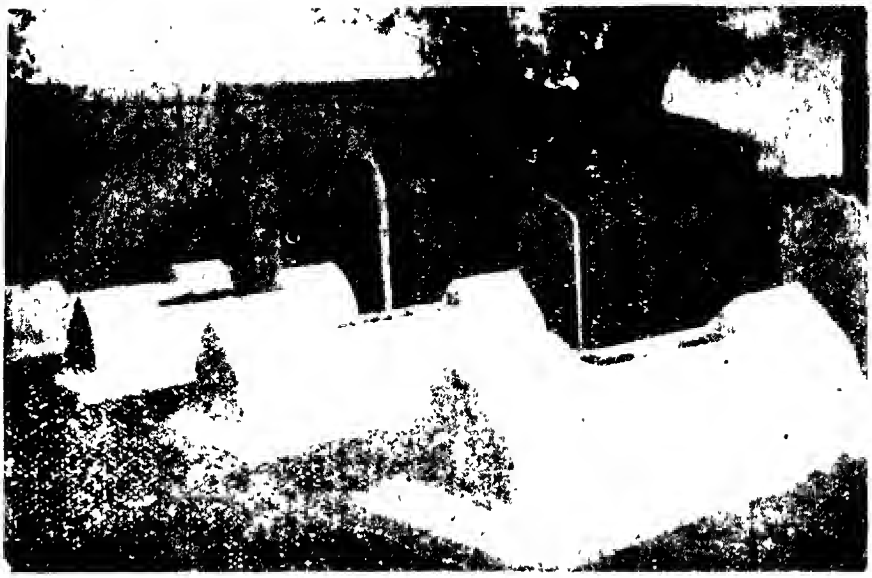

حضرت شاہ عبدالرحیم، حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے مزارات

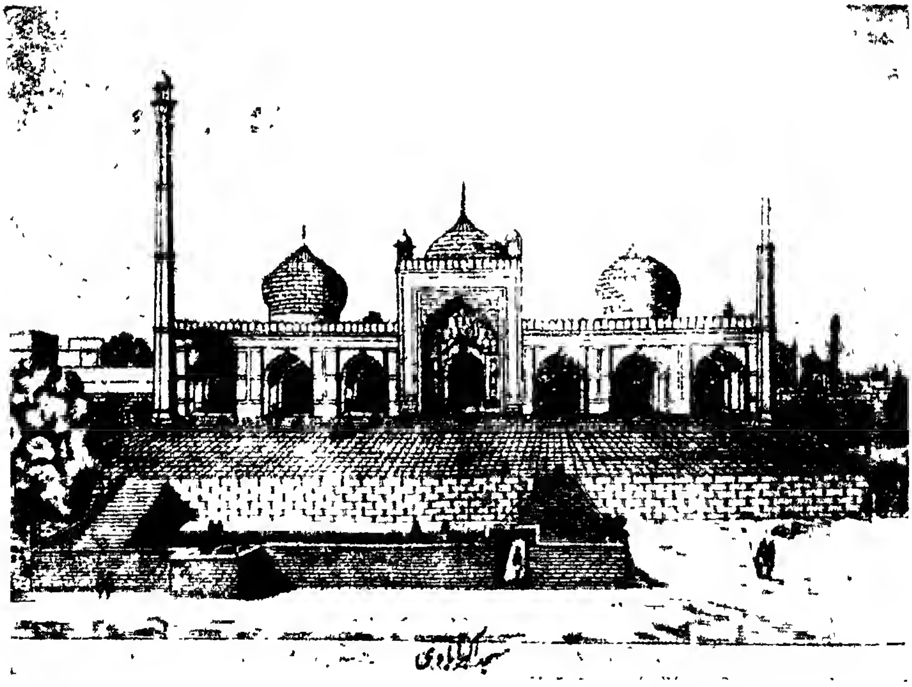

مولانا گیلانی کے مضمون کے آخر میں جس "اکبر آبادی مسجد" کا ذکر آیا ہے اسی کا عکس ہے جو سر سید احمد خان کی "آثار الصنادید" سے لیا گیا ہے

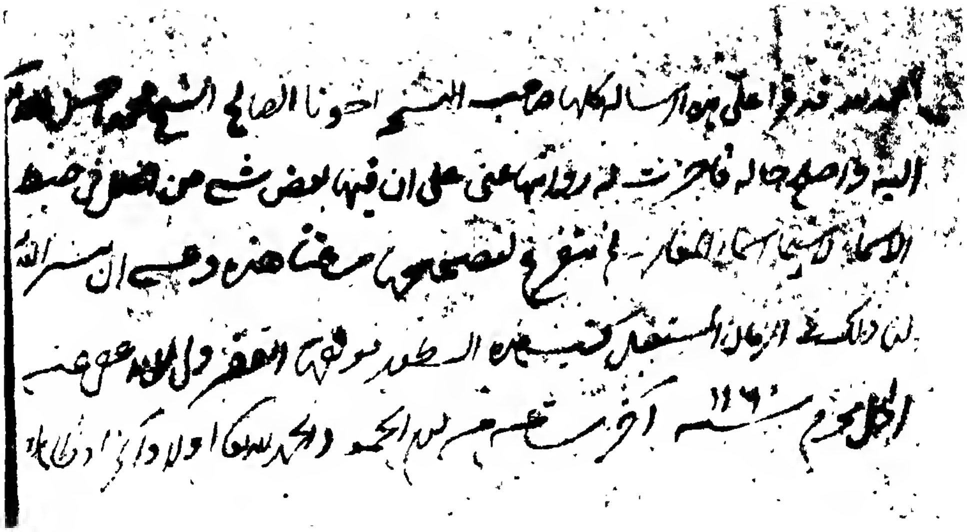

الحمد لله قد قرأ علي هذه الرسالة كلها صاحب النسخة اخونا الصالح الشيخ محمد محسن
البنة واصلح حاله فاجزت له روايتها على ان فيها بعض شيء من الخلل في ضبط
الاسماء لا سيما اسماء الصغار ثم شرع في تصحيحها ... وعسى ان يسر الله
لنا ذلك في الزمان المستقبل كتبه الفقير ولي الله عفي عنه
الجلل محرم سنة ١١٦٠

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا اجازت نامہ جو کتاب خانہ خدابخش (پٹنہ) کے صحیح بخاری کے ایک نسخہ سے حاصل کیا گیا ہے مفصل تعارف آئندہ صفحہ پر ملاحظہ ہو

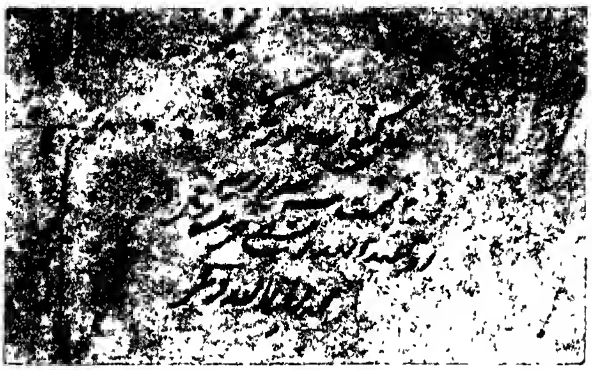

کتاب " النہایہ فی غریب الحدیث والاثر" علامہ ابن اثیر کی مشہور کتاب ہے جو مصر میں اب چھپ بھی چکی ہے اسکا ایک قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کے کتبخانہ میں موجود ہے یہ نسخہ حضرت شاہ ولی اللہ کی ملکیت میں بھی رہ چکا ہے ۔ اسکے آخری صفحہ پر حضرت شاہ صاحب کے دست مبارک سے یہ مختصر سی عبارت لکھی ہوئی ہے جسکا عکس آپ کے سامنے ہے " نہایہ " کا یہ نسخہ دارالعلوم کو ریاست رامپور کے مشہور عالم و مصنف مفتی سعداللہ صاحب مرحوم کے ہاں سے حاصل ہوا تھا

———:o:———

عکس تحریر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

تعارف

(از جناب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کتاب خانہ بانکی پور پٹنہ)

مقابل کے صفحہ پر حضرت شاہ صاحب کی جس تحریر کا عکس ہے اس کے متعلق چند سطریں پیش خدمت ہیں۔

ہمارے یہاں مشرقی کتاب خانہ پٹنہ (خدابخش لائبریری) میں صحیح بخاری کا ایک مکمل نسخہ شیخ محمد بن شیخ پیر محمد بن شیخ ابوالفتح بلگرامی الہ آبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، یہ نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے کہ یہ شاہ صاحب کے حلقہ درس میں استعمال ہوا ہے اور اس پر ان کے دست خاص کا لکھا ہوا اجازت نامہ ثبت ہے، نیز شاگرد (محمد بن پیر محمد) یہ پورا نسخہ جن کا لکھا ہوا ہی کے آخری نوٹ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ استاذ کی نگرانی میں شاگرد نے اس کی تصحیح کی تھی، مزید برآں شاہ عالم بادشاہ (۱۱۷۳-۱۲۲۱) کے حکم سے ۱۱۸۴ھ میں کسی محمد ناصح صاحب نے نسخہ کی مزید تصحیح کی اور اعراب لگایا، یہ اجمالی خاکہ تھا، نسخہ کی اہمیت کے پیش نظر تھوڑی سی تفصیل اور دستخطی تحریروں کے کچھ نمونے دیئے جاتے ہیں۔

صحیح بخاری کا یہ نسخہ دو جلدوں میں ہے پہلی جلد میں ۳۰۱ ورق ہیں دوسری جلد میں ۴۰۴ ورق (۸۰۸ صفحے) آپ ب ۴۹ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی نسخے کے آخر میں شیخ محمد بن پیر محمد کی مندرجہ ذیل دستخطی تحریر ہے،

تم الکتاب الجامع الصحیح للامام...... محمد بن اسمٰعیل...... الجعفی البخاری فی المسجد الجامع الفیروزی علی ساحل نہر الجون فی محروسۃ الدہلی (کذا) یوم الاربعا سادس شعبان المعظم فی سنۃ ۱۱۵۰...... بید احقر العباد شیخ محمد بن شیخ پیر محمد...... مع قراءتہ من الاول الی الآخر وتصحیحہ مرۃ بعد اخری فی خدمۃ عمدۃ علماء الزمان...... الشیخ ولی اللہ العمری...... الخ

... کے حاشیہ پر محمد ناصح کی یہ تحریر ہے:

"بحمد اللہ...... تصحیح و اعراب صحیح بخاری بحکم اقدس حضرت شاہ عالم بادشاہ...... در سنہ یکہزار و یکصد و ہشتاد و چہار ہجری فقیر محمد ناصح...... باتمام رسانید"

یہاں تک خط صاف نستعلیق ہے۔

اس کے بعد ۵۵ سے ۵۸ تک حضرت شاہ صاحب کے دستخطی اجازت نامے ہیں۔ ہر ہر کتاب کی الگ الگ اجازت ہے۔ پوری سند کے ساتھ۔ خط نہایت پاکیزہ، کشادہ صاف اور نسخ و نستعلیق کے درمیان ہے۔ روشنائی اب تک واضح ہے اول اور آخر کا کچھ نمونہ دیا جاتا ہے:-

"الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات .... اما بعد فان اخانی اللہ عز وجل الفاضل الصالح الشیخ محمد بن شیخ پیرن الشیخ ابی الفتح ......

.... قرأ علیّ الجامع الصحیح .... وقرأ علیّ ایضاً اطرافاً من سائر الکتب الستۃ ومن موطا الامام مالک بن انس ومن .... ومن ....

فاجزت لہ ان یروی عنی کل ما صح عندہ انہ من مرویاتی ....

کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم الودود ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین بن معظم ...... العمری نسباً الدھلوی وطناً الاشعری عقیدۃ الصوفی طریقۃ الحنفی عملاً والحنفی الشافعی تدریساً خادم التفسیر والحدیث والفقہ والعربیۃ والکلام ولہ فی کل ذلک تصانیف والحمد للہ اولاً وآخراً ...... کان ذلک یوم الثلثاء الثالث والعشرین من الشوال (کذا) سنۃ ۱۱۵۹

ان اجازت ناموں کے بعد کتب خمسہ کی کچھ حدیثیں (اطراف) درج ہیں اور ۵۸ سے ۶۰ تک شاہ صاحب کی تالیف الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین، ہے، جو شیخ پیر محمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے،

آخر میں پھر ایک مختصر اجازت نامہ ہے، جو شاہ صاحب کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے، مختصر ہونے کے باعث اسی کا عکس لینا مناسب معلوم ہوا، خط کی شان اور زبان کی حلاوت یکساں ہے، صرف اس کے حروف کچھ اڑے ہوئے ہیں، سیاہی اپنی رونق کھو رہی ہے امکن ہے عکس کے پڑھنے میں کچھ دشواری ہو، اس لیے یہ مختصر اجازت نامہ یہاں بھی درج کر دیا جاتا ہے ـــ اس تعارف کا اس سے بہتر خاتمہ اور کیا ہو سکتا ہے:-

"الحمد للہ قد قرأ علیّ ھذہ الرسالۃ کلھا صاحب النسخۃ اخونا الصالح الشیخ محمد احسن اللہ تعالیٰ الیہ واصلح حالہ فاجزت لہ روایتھا عنی علی ان فیھا بعض شئ من الخلل فی ضبط الاسماء لاسیما اسماء المغاربۃ لم نتفرغ لتصحیحھا ساعتنا ھذہ وعسی ان ییسر اللہ تعالیٰ تلافیہا فی الزمان المستقبل

کتب ھذہ السطور مؤلفھا الفقیر ولی اللہ عفی عنہ اوائل محرم سنۃ ۱۱۶۰ آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ والحمد للہ تعالیٰ اولاً وآخراً وظاھراً وباطناً۔

امام ولی اللہ دہلوی
کی
حکمت کا اجمالی تعارف

از حضرت مولینا عبید اللہ سندھی مدظلہ

خاص الفرقان کے ولی اللہ نمبر ہی کیلئے لکھا گیا

تقریب

حضرت مولانا سندھی کا جو مقالہ آپ کے پیش نظر ہے اس کے متعلق چند باتیں عرض کرنی ضروری ہیں:-

(۱) یہ ایک عمیق علمی مقالہ ہے اور صرف اہل علم ہی اس کے مخاطب ہیں اس لیئے عربی اور فارسی عبارات کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی

(۲) مولنا ممدوح نے یہ مقالہ املا فرمایا ہے اور ہمارے محترم مولنا نورالحق صاحب علوی نے اس کو قلمبند کیا ہے اور صرف چھ متفرق صحبتوں میں یہ مقالہ اس طرح تیار ہوا ہے اس لیئے املا اور تحریر میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ اس میں کہیں کہیں بہت نمایاں ہے۔

(۳) حواشی کا اضافہ بھی مولنا نورالحق صاحب ہی نے فرمایا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان حواشی نے مقالہ کی علمی افادی حیثیت میں کافی اضافہ کر دیا ہے اصل مضمون میں وفیات کی تعیین بھی آپ ہی کی محنت کا نتیجہ ہے

مولنا ممدوح نے اپنے ایک گرامی نامہ میں لکھا تھا کہ

"حوالہ جات اور وفیات کی تفتیش و تحقیق میں بہت وقت لگا ایک ایک حوالہ کے لیئے بسا اوقات پوری کتاب پڑھنی پڑی۔ وفیات کی تلاش میں بھی کافی محنت صرف ہوئی لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ وفیات کی تعیین سے ہر تحریک کا دور معین ہو جاتا ہے"۔

بہر حال اب یہ مقالہ بحالت موجودہ حضرت مولنا سندھی اور محترم مولنا علوی کی گویا مشترک محنت کا نتیجہ ہے اور اس کے لیئے میں ہر دو بزرگوں کا شکر گزار ہوں۔

(۴) تین چار جگہ ناچیز کو بھی اختلافی یا توضیحی نوٹ لکھنا پڑا ہے۔ ان کے شروع میں "الفرقان" یا آخر میں لفظ "نعمانی" لکھ دیا گیا ہے تاکہ مولنا علوی کے حواشی کے ساتھ اشتباہ نہ ہو

(۵) حضرات اہل علم خصوصاً اصحاب درس سے گزارش ہے کہ وہ اس مقالہ کو سرسری نظر سے نہیں بلکہ غور و تعمق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں، نیز ہر بحث کو شروع سے آخر تک بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں اور جہاں جہاں ضرورت سمجھیں ایک دفعہ کے زیادہ غور فرمائیں میں نے خود بھی بعض مقامات کا چند چند بار اور بہت غور سے مطالعہ کیا تو مراد کو سمجھ سکا۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مدیر الفرقان بریلی

ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

باب اوّل (تحصیلی ملکات)

شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے تحصیلی ملکات کی تشریح سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ایسے مشائخ کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے جن کی صحبت نے اُن کی ذہنیت کو صاف کیا ہے۔

تحصیلی ملکات سے ہماری مراد ہے عربی زبان کا سیکھنا۔ منطقی اصطلاحات کا استعمال کرنا۔ سوسائٹی کو رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون و شروح کا پڑھنا۔ اس قانون کے عقلی نظام یعنی اصول فقہ کا سمجھنا متکلمین کے مختلف اسکول اور انکی باہمی مسابقت سے شناسا ہونا۔ اس کے بعد حقائق کائنات پر اپنی صاف ذہنیت سے غور کرنا، اور اپنے کسبی اطمینان پر بھروسہ کرنا۔ یہ سب علوم وفنون تحصیلی ملکات کا ذریعہ ہیں اس وقت ہم آخری حصے پر سب سے پہلے بحث کرتے ہیں۔

آزاد ذہنیت سے حقائق کائنات کو سوچنے کا فلسفہ حقیقۃ الوجود اور اس کے تنزلات کو سمجھنے کا نام ہے۔ اس فن کے امام متاخرین صوفیہ میں حضرت شیخ اکبر (محمد بن علی۔ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ) ہیں۔ شاہ صاحب کے مربی اہل میں سب سے پہلے اُن کے والد شاہ عبدالرحیم (متوفی ۱۱۳۱ھ) ہیں وہ ابن عربی کے فلسفہ کے پورے ماہر استاذ تھے۔

شاہ عبدالرحیم[۱] اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد (متوفی ۱۱۰۱ھ) کے شاگرد ہیں۔ شیخ ابوالرضا، مذکورہ بالا فلسفہ میں

[۱] قال الامام ولی اللہ فی القول الجمیل صد۱۴ قرء سیدی الوالد صغاراً الکتب علی اخیہ ابی الرضا محمد والکبار منہا علی میرزاہد الہروی عن مرزا فاضل عن ملا یوسف الکوسج عن یوسف جان، وغیرہ عن محمود الشیرازی عن المحقق جلال الدین الدوانی رحمہ اللہ۔ العلوی غفرلہ

ایک مستقل امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ شاہ صاحب کی یہ ذہنیت اپنے والد اور چچا سے خاندانی خصوصیات کے ضمن میں بلا قصد تکمیل پاتی ہے شاہ صاحب کے والد اور چچو[1] خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد (متوفی ۱۰۷۴ھ) کے خاص صحبتی ہیں خواجہ خورد اپنے والد خواجہ رضی الدین محمد باقی عرف باقی باللہ دہلوی (متوفی ۱۰۱۲ھ) کے پانچ شاگردوں[2] کے ہم صحبت ہیں (۱) حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) (۲) شیخ اللہ داد دہلوی (متوفی سنہ ؟) (۳) خواجہ حسام الدین دہلوی (متوفی ۱۰۴۳ھ) (۴) شیخ رفیع الدین (متوفی ۱۰۵۰ھ) (۵) شیخ تاج الدین سنبھلی مکی (متوفی ۱۰۵۰ھ)

---

[1] فی القول الجمیل ص ۱۰۰ صحب سیدی الوالد شیوخا کثیرۃ ۔ اجلہم ثلثۃ ۔ اولہم خواجہ خورد ۔ صحب الشیخ احمد السرہندی والشیخ اللہداد والخواجہ حسام الدین صحبوا خواجہ محمد باقی الخ۔

[2] خواجہ خورد اور ان کے بھائی خواجہ کلاں ہر دو خواجہ باقی باللہ کی آخری عمر میں پیدا ہوئے خواجہ محمد باقی باللہ نے حضرت مجدد الف ثانی فرمودند ایشاں از حیات کم اند۔ از احوال اطفال خبردار باید بود (خواجہ خورد بعد از چہار ماہ از ولادت خواجہ عبید اللہ مشہور بخواجہ کلاں در ۱۰۱۰ھ از بطن مادر دیگر متولد گردید) ہر دو طفل را کہ در ایام رضاعت بودند در حضور مبارک طلبیدہ بہ حضرت مجدد سپردند۔ خواجہ خورد در سرہند در سایہ تربیت حضرت مجدد جاگرفت۔ واز معارف ایشاں فراواں بہرہ برداشت و بہ تفویض خلافت وارشاد ممتاز گردید۔ و در سال ۱۰۷۴ھ بجنت الٰہی پیوست ھ مآثر الکرام از آزاد بلگرامی ص ۱۰۰

فی انفاس العارفین خواجہ خورد و خواجہ کلاں ہر دو صغیر بودند کہ خواجہ باقی باللہ وفات یافتند بعد ازاں چوں بسن بلوغ رسیدند بخدمت شیخ احمد سرہندی رفتند و مدتے آنجا باشیدند۔ حقیقت خواجہ کلاں معلوم نیست۔ اما خواجہ خورد از ایشاں اخذ طریقہ کردند و اجازت یافتند بعد ازاں بازگشتند۔ و از خواجہ حسام الدین و شیخ اللہداد۔ کہ ہر دو خلیفہ خواجہ بودند۔ استفادہ و استرشاد نمودند

(خواجہ حسام الدین) در اوائل حال در سلک امرائے وقت انتظام داشتند، والد ایشاں از اعاظم امرائے زماں بود۔ چوں صحبت خواجہ رسیدند۔ و جذب طریقت در ایشاں اثر کرد ہمہ را ترک کردند۔ طوعاً و رغبۃً از ہمہ برآمدند، آنقدر مراعات خواجہ۔ در بارہ اولاد ایشاں و اتباع ایشاں، و طریقہ ایشاں و اشتغال ایشاں۔ کہ ازیں دو عزیز (حسام الدین واللہداد) بظہور پیوست از دیگراں بوقوع نیامد۔

(شیخ اللہداد) نخست از طریقہائے دیگر بہرہ یافتہ بودند۔ و بہ صحبت بزرگاں عصر رسیدہ، چوں بخدمت خواجہ باقی باللہ رسیدند آں ہمہ فتر اطر نمودہ بالکلیہ متوجہ ایشاں گشتند۔ و خدمات خانقاہ خواجہ بر خود گرفتند چہ خدمت ظاہری از تہیأ آب و نان و چہ باطنی از تفقد حال طالبان و توجہ بایشاں و کیفیت بیخودی و استغراق کہ حاصل نسبت نقشبندیہ ہماں است۔ باوجود اشتغال باں خدمات آں قدر تمکین بودند کہ از دیگرے بظہور نہ پیوست۔

(شیخ تاج الدین سنبھلی) اول خلفاء حضرت خواجہ بودند۔ در آخر بمکہ معظمہ اقامت اختیار کردہ ہماں جا مدفون شدند۔ و ایں فقیر از مشائخ اہل ہند ہیچ کس ندیدہ کہ اہل مکہ زیادہ از شیخ معتقد او باشند و کرامات وے روایت کنند۔ و در بیان اشغال شعبہ یا قوبہ کہ ہماں طریقہ نقشبندیہ است بے افراط و تفریط رسالہ دارند در عربیت۔ و حضرت ایشاں (یعنی شاہ عبدالرحیم) در ترجمۂ آں رسالہ فارسیہ نوشتند ملتقط از عبارات سلف، ایں فقیر (ولی اللہ) ہر دو را بخدمت حضرت ایشاں گزرانیدہ ھ انفاس ص ۱۱ ملخصاً

خواجہ باقی باللہ نظریہ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے امام تھے۔ ان کی امامت اشراقی طرز کی ہے۔ وحدۃ الشہود کا اسکول امام ربانی نے مرتب کیا ہے۔ خواجہ خورد، اور شاہ صاحب کے والد اور چچا اگرچہ امام ربانی سے پردے مستفید ہوئے مگران کا فکر وحدۃ الوجود کی طرف مائل ہے۔ امام ولی اللہ نے انفاس العارفین میں اپنے والد اور چچا کے مقالات اور مقامات اس طرح ذکر کیے جس سے مذکورہ مقالات اور مقامات کی شرائع الٰہیہ سے تطبیق ہو جائے۔ ہر دو بھائیوں کے خاص نظریات کا حاصل ایک ایسی شاہراہ بنانے کی سعی ہے جس پر مسلمان فلاسفر، صوفیہ، متکلمین اور فقہا ساتھ ساتھ چل سکیں۔ کشف، عقل، نقل میں خصوصی مہارت پیدا کر کے جس طرح اہل علم فرقوں میں منقسم ہو گئے اسی طرح یہ افتراق فنا ہو جائے تاکہ اسلامی ذہنیت جو زنگ آلود ہو رہی ہے اپنے جوہر دکھا سکے۔ یہ شاہ صاحب کی ذہنیت کا ایک اچھا مظاہرہ ہے۔ کہ وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو شرائع الٰہیہ کی تشریح و تفصیل میں استعمال کر سکتے ہیں۔

فصل (۲)

امام ولی اللہ حدیث شریف کی تکمیل کیلئے[1] ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین گئے۔ پورے دو سال وہاں رہے سب سے بڑا استاد جس سے ان کو معنوی مناسبت پیدا ہوئی وہ شیخ ابوالطاہر[2] مدنی (متوفی ۱۱۴۵ھ) ہیں۔ یہ شیخ مذکور زیادہ تر اپنے والد شیخ ابراہیم[3] کردی (متوفی ۱۱۰۱ھ) سے مستفید ہوئے۔

---

[1] قال الامیر القنوجی فی ابجد العلوم ص ۹۱۳ "واقام ہناک عامین کاملین ثم عاد الی الہند ۱۱۴۵ھ"۔ واضح رہے کہ شاہ عبدالرحیم (متوفی ۱۱۳۱ھ) کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ سال امام ولی اللہ ہند میں رہے اور علوم دینیہ اور عقلیہ کی تدریس کرتے رہے۔ خود فرماتے ہیں "بعد وفات حضرت ایشاں (والد امام عبدالرحیم) دوازدہ سال کم و بیش بدرس کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود، و در ہر علم خوض واقع شد و توجہ بقبور مشائخ پیش گرفت (یعنی بالطریقۃ المعہودۃ عندہم فی السلوک) و دراں ایام فتح توحید وکشادہ راہ جذب و جانبے عظیم از سلوک میسر آمد و علوم وجدانیہ فوج فوج نازل شد (جزء لطیف) زیادہ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، ابجد العلوم صفحہ ۹۱۳ و بعد

[2] الشیخ ابوالطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی لبس الخرقۃ من ابیہ واستجاز لہ ابوہ من مشائخ کثیرین منہم الشیخ محمد بن سلیمان المغربی۔ تحمد النحو عن السید احمد دمایس المغربی والکتب فقہ الشافعی عن الشیخ علی الطولونی المصری والمعقول عن المنجم البابتی المرومی والحدیث عن الحسن العجیمی الحنفی واحمد النخلی والشیخ عبداللہ البصری والشیخ عبداللہ اللاہوری وکان مجتہداً فی الطاعۃ مشتغلاً بالعلم والمذاکرۃ رقیق القلب کثیر البکاء توفی ۱۱۴۵ھ ابجد العلوم ص ۹۴۳

فی العجالۃ النافعہ ص ۲۳ واز حسن اتفاقات اینکہ شیخ ابوالطاہر سند مسلسل دارد بصوفیہ دعوتاً شیخ زین الدین زکریا انصاری و ہوانہ اخذ من ابیہ الشیخ ابراہیم الکردی وہو عن الشیخ احمد القشاشی وہو عن الشیخ احمد الشناوی الخ

[3] الشیخ ابراہیم الکردی عارف بفنون العلم من الفقہ والحدیث والعربیۃ والاصلین قال الشیخ عبداللہ العیاشی کان مجلسہ روضۃ من ریاض الجنۃ وکان یرجع کلام الصوفیۃ علی الحقائق الحکمیۃ ویقول ہولاء الفلاسفۃ قاربوا اعتبروا علی الحق ولم یہتدوا الیہ تاریخ وفاتہ "الا الا فرانک یا ابراہیم لمحزونون" ص ابجد العلوم ص ۸۵۳ محمد نور الحق العلوی عفی عنہ

حسنِ اتفاق سے شیخ ابراہیم کردی اور شاہ عبدالرحیم کی ذہنیت متقارب تھی۔ کیونکہ ہر دو کا سلسلہ تلمذ جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے بنا بریں شیخ ابوالطاہر مدنی کی صحبت شاہ ولی اللہ کو بہت موافق آئی۔

ہم نے شیخ ابراہیم کردی کے بہت سے رسالے مطالعہ کیے۔ وہ شریعت اسلامیہ کو ابن عربی کے فلسفہ سے حل کرتے ہیں اور اس باب میں وہ ایک مستقل مفکر امام کا درجہ رکھتے ہیں شیخ ابراہیم کی تاثیر شیخ ابوالطاہر کے ہر قول و فعل میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ہماری سمجھ میں ان دو مختلف طریقوں کا (شاہ صاحب کے والد اور چچا کا طریق، اور دوسرا شیخ ابوالطاہر مدنی اور شیخ ابراہیم کے دوسرے شاگردوں کا طریق، جو حرمین میں تھے) ایک فکر پر متحد ہونا شاہ صاحب کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ ہے۔ کوئی عالم خواہ کسی زمانے کا، کسی مذہب و ملت کا ہو۔ مگر اس کی تعلیمات شاہ صاحب کے اساسی فلسفہ پر پوری اترتی ہوں وہ سب عالم شاہ صاحب کے یہاں مصیب ہیں۔ ان کے مختلف اقوال کو جمع کرنا، ان میں تطبیق دینا شاہ صاحب کا علمی کمال ہے۔

(۱) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ اکبر کی وحدت وجود اور امام ربانی کی وحدت شہود کو شاہ صاحب ایک دوسرے پر منطبق مانتے ہیں۔ تعبیرات کے اختلاف کو کچھ زیادہ وزن نہیں دیتے۔ اس مسئلہ کو شاہ صاحب نے مکتوب مدنی[1] میں واضح کر دیا ہے۔ شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تطبیق گو "ائمہ مجددیہ" کو سخت ناگوار گزری ہے تاہم وہ شاہ صاحب کے کمالات کے انہیں لفظوں میں معترف ہیں جن میں وہ اپنے ائمہ کا کمال بیان کرتے ہیں

(۲) ہم شاہ صاحب کے اس مسئلہ کو، کہ وہ ائمہ فقہا میں حنفیہ اور شافعیہ کو ایک ہی درجہ پر قبول کرتے ہیں۔ اسی اصول پر حل کرتے ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے والد اور چچا حنفی ہیں۔ اور اس فلسفہ (وحدۃ الوجود) کو صحیح طریق سے جانتے اور چلاتے ہیں۔ نیز انھوں نے دیکھا کہ شیخ ابوالطاہر مدنی، اور شیخ ابراہیم کردی شافعی المذہب ہیں۔ پھر اس اصول کو اسی طرح مانتے ہیں۔ بنا بریں ان کے نزدیک حقیقت شناسی کے نقطۂ نظر سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔ شاہ صاحب اپنے ملک میں اپنی سوسائٹی میں، فقہ حنفی کے پابند ہیں مگر انکی عقلیت فقہ شافعی کی توہین برداشت نہیں کرتی جیسے عام فقہا کے مشاجرات، بلاقصد، استخفاف مذکور پر منتج ہوتے ہیں۔

اب اسی مسئلہ کو ہم ذرا آگے بڑھاتے ہیں۔ شاہ صاحب فقہ حنفی کو امام ربانی محرر مذہب نعمانی محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) کی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں اور فقہ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کو براہ راست امام شافعی کی کتابوں سے لیتے ہیں۔ پھر ان ہر دو اماموں کو امام مالک[2] (متوفی ۱۷۹ھ) کا شاگرد مانتے ہیں۔ اس پر وہ یہ قاعدہ تجویز

[1] ملاحظہ ہو "تفہیمات الٰہیہ" ص۲۱۶ و "کلمات طیبات" ص۱۹۹ ۱۲ محمد نور الحق

[2] فی الجواہر المضیئۃ من ابن عبد الحکم سمعت الشافعی یقول قال محمد اقمت بباب مالک ثلاث سنین وسمعت من لفظہ سبع مائۃ حدیث و نیفا ھ ص[illegible] وکذا فی الفوائد البہیۃ نقلاً من الجواہر ص۱۶۳ واللسان ۱۲

کر لیتے ہیں کہ موطا مالک فقہ کی اصل ہو جس سے مالکی، شافعی، حنفی مذاہب پیدا ہوئے، پھر آگے بڑھکر وہ اہل مدینہ کی فقہ کا مرکز حضرت فاروق اعظم کو قرار دیتے ہیں۔ بنا بریں ان مذاہب ثلثہ کو فاروق اعظم کے مذہب کی تشریح مانتے ہیں۔ ازالۃ الخفا میں وہ فاروق اعظم کو مجتہد مستقل[1] اور ان ائمہ ثلثہ کو مجتہد منتسب کے درجے پر تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے وہ ائمہ اہل سنت کے مذہب کو قرآن و سنت کی صحیح تشریح قرار دیتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں یہ چیز اس رنگ میں، جو متقدمین کی کتابوں میں بھی نظر نہیں آئی۔ شاہ صاحب کی اس مذکورہ بالا عقلی ذہنیت کی صفائی کا نتیجہ ہے۔

فصل (۳)

چشتی طریقہ میں حضرت شیخ عبد العزیز دہلوی البحر المواج عرف شکر بار،[2] مولف رسالہ عزیزیہ" (یہ رسالہ انفاس العارفین میں پورا نقل ہے) (متوفی ۹۷۵ھ)۔ ایک بہت بڑے عالم، عارف، متشرع بزرگ گزرے ہیں، اُن کے والد شیخ حسن بن طاہر (متوفی ۹۰۹ھ) سلطان سکندر لودی کے زمانے میں دہلی آبسے تھے۔ شیخ عبد العزیز کے پوتے شیخ رفیع الدین بن قطب العالم بن عبد العزیز ہیں، جو خواجہ باقی باللہ کے خواص اصحاب سے تھے شیخ رفیع الدین شاہ

---

[1] قال الامام ولی اللہ فی ازالۃ الخفاء توسع فاروق اعظم در علم احکام کہ مسمے بہ فقہ مے شود پس اکثر از اں است کہ بہ ضبطِ تقریر درآید۔ اتفقت علی الاطلاق او ستاد۔ و آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم در مسائل فقہیہ باو بشارت فرمودتا از وے اخذ کنند، و صحابہ و تابعین باں تصریح نمودند در تاریخ بہمچنیں واقع شد۔ و نسبت فقہ او با فقہ سائر مجتہدین اہل سنت بمنزلہ نسبت متن است با شروح۔ و نسبت او با مجتہدان امت مانند نسبت مجتہد مستقل است با مجتہدانِ منتسب و فائدہ ایں در حقِ عوام مسلمین آں است کہ مذاہب مجتہدین را شعب یک شریعت دانند و ہر مذہبے را دینے علحدہ و ملتی جداگانہ خیال نکنند و اختلاف امت مشوش یقینِ ایشاں باحکام ملت نشود انتہی منتقاً ص۲۴۲ جلد ۲

مجتہد کے اقسام کے لیئے شاہ صاحب کا رسالہ الانصاف، اور عقد الجید ملاحظہ ہو ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

[2] شیخ عبد العزیز کا ترجمہ شاہ صاحب نے انفاس میں اور شیخ عبد الحق نے اخبار الاخیار ص۲۸۲ اور صاحب تذکرہ علمائے ہند نے صفحہ ۱۲۱ میں دیا ہے۔ "شیخ عبد العزیز بن حسن بن طاہر دہلوی از مشاہیر مشائخ چشتیہ و اکابر علمائے صوفیہ عالم بود بعلوم شریعت و طریقت و حقیقت و اتباع مشائخ و حفظ قواعد و آداب ایشاں یگانہ عصر بود و مرید پدر خود۔ و در زمانِ خود یادگار مشائخ چشت بود۔ در دہلی بوجود او سلسلہ ارشاد رونق بجا بود۔ وے در جونپور بسال ۸۹۸ھ متولد شد۔ بعمر یک و نیم سالگی ہمراہ والد خود بدہلی تشریف آوردہ ہرجمادی الآخرہ ۹۷۵ھ وفات یافت۔ صاحب تصانیف مشہورہ است۔ از انجملہ است "رسالہ عینیہ" کہ در مقابلہ "رسالہ غیریہ" شیخ امان پانی پتی نوشتہ و بسیارے از مسائل غوامض وحدت وجود موافق کشف در انجا بیان نمودہ انتہی ملفوظات مولانا شاہ عبد العزیز بن الامام ولی اللہ میں ہے "رسالہ عزیزیہ" تصنیف شاہ عبد العزیز شکر بار خوش رسالہ ایست و نیز "رسالہ عینیہ" ہم در بیان وحدت وجود از وست۔ خوب گفتہ و تصنیفات دیگر مثل "آداب السلوک" خوب است، باز ارشاد شد کہ تصنیف شیخ حسن بن طاہر کتاب "مفتاح الفیض" در سلوک خوب تصنیف کردہ۔ انتہی ص۲۳

(شیخ قطب العالم) واجب اولاد شیخ عبد العزیز شیخ قطب العالم است۔ عالم و فاضل و صاحب اخلاق حمیدہ و صفات پسندیدہ، قدم صدق

عبدالرحیم کے نانا ہیں۔ اُن سے اوپسی طریقے پر شاہ عبدالرحیم کو فیض پہنچا۔ شاہ عبدالرحیم کی پیدائش سے دو سال پیشتر آپ شیخ عبدالرحیم کی خلافت کی سند لکھ کر ان کی والدہ کو دے گئے تھے۔ یہ جملہ مشہور ہے کہ جس طرح مغلیہ خاندان میں سلطنت کا تسلسل رہا اسی طرح شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں شاہ ولی اللہ تک، پھر اُن کی اولاد میں تک جو سراج الدین بہادر شاہ ثانی (متوفی ۱۲۷۹ھ) کے زمانے تک رہی۔ علم و عرفان کا تسلسل رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیم کے ایک اُستاذ میر محمد زاہد ہروی (متوفی ۱۱۰۱ھ)[۵۲] ہیں۔ ان کا سلسلہ تلمذ شیخ محقق جلال الدین دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) پر ختم ہوتا ہے۔ سلطان محمد خاں فاتح[۵۳] نے جب یورپین اقوام کو اسلام سے آشنا کرنا ضروری سمجھا تو اپنے اہل عصر علماء کو شریعت و حکمت کی تطبیق پر متوجہ کیا ان میں سے محقق دوانی ایک نامور اُستاذ ہیں

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) استقامت بر سجادۂ پدر نہادہ اوقات بطاعت و عبادت معمور دارد۔ و اعظم خلفاء او (شیخ عبدالعزیز) نجم الحق چا[...] است کہ در میان سائر خلفاء و مریدان شیخ باتحاد و محرمیت و عزت امتیاز دارد۔ و از فرزندان شیخ اد ایاند انتہی اخبار الاخیار ص۲۵۲

۵۱ قال الامام ولی اللہ فی القول الجمیل ص۱۱۰ تاہبت یخنا عبدالرحیم علی روح جدہ لامہ الشیخ رفیع الدین محمد و اجازہ لہ قبل ان یولد بسنتین بطریق خرق العادۃ عن ابیہ قطب العالم عن نجم الحق چا بُلڈا عن الشیخ عبدالعزیز ص۱۲۵" حضرت مولانا الشیخ ایک رسالے میں فرماتے ہیں "شاہ عبدالرحیم مادر زاد ولی تھے کیونکہ ان کو پیدا ہونے سے دو سال پہلے اجازت حاصل ہو چکی تھی" شیخ عبدالعزیز، شیخ رفیع الدین اور اُن کے خاندان کے حالات "انفاس العارفین" میں بھی ملاحظہ ہوں۔

[نکتہ] شیخ عبدالعزیز کا لقب "شکر بار" ہم نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ملفوظات سے نقل کر دیا ہے حضرت مولانا عم فیضہم نے کتاب "التمہید فی ائمۃ التجدید" میں ہر جگہ اُن کو البحر المواج سے ملقب کیا ہے ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ۔ العلوی

۵۲ میر محمد زاہد کا ترجمہ "انفاس العارفین" ص۳۲ اور "مآثر الکرام" ص۲۰۵ سے التقاط کر کے دیا جاتا ہے۔ میرزاہد علم از پدر بزرگوار و دیگر علمائے روزگار اخذ کرد۔ اما بہ قوت ادراک قدم از استاذاں پیش گزاشت۔ میرزاہد در عمر سیزدہ سالگی از علوم فارغ شدہ بود، در جودت ذہن و استقامت عدیم النظیر زماں خود گشتہ۔ در رمضان ۱۰۶۳ھ از پیشگاہ صاحب قران ثانی شاہجہاں بخدمت وقائع نویسی دارالملک کابل مامور شد و در سال ہشتم عالمگیری بمنصب احتساب اردوے بادشاہی معزز گردید و بعد چندے صدارت کابل باو تفویض یافت۔ و بایں تقریب در وطن مالوف (کابل) گوشۂ جمعیتی گرفتہ متاع علم را در جا سوئے عالم رواج داد۔ مرزا از مشرب صافی صوفیہ نیز بہرۂ تمام داشتہ بصحبت یکے از اکابر طریقہ دریافتہ و سہ نکتہ از تصانیف ایشاں بہ خاطر فقیر (ولی اللہ) چسپیدہ۔ یکے آنکہ در مبحث وجود می نویسد الخ ۱۲

۵۳ فائدۂ جلیلہ) قام امیر تیمور فی ۸۰۶ھ بتایید جمع من اہل العلم منہم الشیخ بہاء الدین نقشبندؒ و اقام منہ خلافۃ ہلالیۃ عجمیۃ و توفی ۸۰۷ھ و اولادہ صاروا ملوکاً فی الشرق و فی الہند و کان فتح القسطنطنیۃ علی ید السلطان محمد خان الفاتح ۸۵۷ھ مبدءً للدور العجمی الخالص فی مراکز الاسلام۔ و کذالک کان مبدءً للدور الارتقاء فی اوروبا ھ کتاب التمہید از حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم۔ محمد نور الحق العلوی غفرلہ الیہ تعالیٰ و لمشائخہ الکرام

حکمت عملی میں اکثر افاضل زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے مگر شیخ جلال الدین دوانی نے محقق نصیر الدین طوسی[۵۱] (متوفی ۶۷۲ھ) کے بعد اخلاق جلالی لکھ کر اس فن کو زندہ کر دیا۔ شاہ عبد الرحیم نے شاہ ولی اللہ کو حکمت عملی سکھانے میں خصوصی توجہ دی ہے جس کا ذکر "انفاس العارفین" اور "جزء لطیف" میں موجود ہے۔

شاہ عبد الرحیم قدس سرہ کا یہ کارنامہ بھی قابل احترام ہے کہ حکمت عملی سکھانے پر خاص زور دیتے تھے علماء متکلمین نے ارسطو کی حکمت نظریہ کو اپنا مطمح نظر بنا لیا ہے۔ وہ حکمت عملی سے سروکار نہیں رکھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم کلامیہ میں دلچسپی سے حصہ لینے والے فقہا اور متکلمین قومی زندگی کی ضروریات میں تدبر اور تفکر سے محروم ہوگئے۔ امام ولی اللہ فرماتے ہیں "حضرت ایشاں با اخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفایت و غیرت بوجہ اتم موصوف بودند۔ و عقل معاش مثل عقل معاد کامل و وافر داشتند و در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار می آموختند" بحوالہ کتاب تمہید فی الانفاس "ایں فقیر را در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیارے آموختہ شدہ"[۵۳] اس بنیاد پر شاہ ولی اللہ نے عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی ہے۔ اپنے حالات میں جہاں "انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہیں یہ بھی لکھتے ہیں حکمت عملی کہ صلاح این دورہ دراں است بوسعت تمام افادہ فرمودند و توفیق تشیید آں بہ کتاب و سنت و آثار صحابہ دادند" (جزء لطیف) اگر شاہ ولی اللہ کے شاہ کار حجۃ اللہ البالغۃ پر غور کیا جائے تو اس میں ایک امتیازی وصف یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ مباحث ارتفاقات میں حکمت عملی کا مفصل ذکر کرکے تمام احادیث کو انھیں ابواب پر تقسیم کر دیتے ہیں پھر خاص موقعہ پر حدیث کے ذیل میں حکمت عملی کا کوئی نکتہ ذکر کر دیتے ہیں۔

الغرض شاہ صاحب کی تمام کتابیں عبادات کے چار ابتدائی ارکان کے بعد حکمت عملی کے ابواب پر مرتب ہیں اس کا ایک نتیجہ ہماری سمجھ میں یہ ہے کہ شاہ صاحب نے حسن و قبح[۵۴] (یعنی بر و اثم) کے معنی لفظی بحثوں سے مجرد کرکے ہر

حاشیہ صفحہ گذشتہ[۵۳] حضرت شیخ علم فیضہم کتاب التمہید میں فرماتے ہیں ۸۵۷ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں عثمانی سلطان محمد خاں فاتح نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو اسکی حکومت کا عیسائی علماء و حکماء سے اختلاط و ارتباط زیادہ بڑھا سلطان نے خاص طور پر اہل علم کو متنبہ کیا کہ وہ یونانی فلاسفروں کے مختلف مکو کی سے تنقیح و تنقیت پیدا کریں۔ نیز حکمائے اسلام نے جس قدر علم حقائق مدون کیا ہے۔ غزالی ہوں یا ابن عربی۔ ان کی تحقیقات و نظریات کو فلسفی زبان میں تحریر کریں۔ خواجہ زادہ (متوفی ۸۹۳ھ) عبد الرحمان جامی (متوفی ۸۹۸ھ)، جلال الدین دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) کی تصانیف ہی کی شاہد عدل ہیں۔ ان سب میں یہی جلوہ نظر آتا ہے۔ اھ (قلت) علامہ مصلح الدین مصطفیٰ بن یوسف الحنفی المعروف بہ خواجہ زادہ جو سلطان محمد خان فاتح کے استاذ اور قسطنطنیہ کے سرکاری کالج کے مدرس تھے۔ آپ نے سلطان مذکور کے ارشاد پر تہافۃ الفلاسفہ اسی سلسلہ میں لکھی ۱۲ نور الحق

[۵۱] ابو عبد اللہ نصیر الدین محمد بن محمد بن حسن، کان راساً فی علم الاوائل ذا منزلۃ من ھولاکو، کان وزیرًا لہ قد ذمّہ ابن القیم فی الاغاثۃ اقبح ذمٍّ یروم فی ذمہ خلط منہ علوم الحکمۃ وکونہ راساً فی الفتنۃ (توفی ۶۷۲ھ) محمد نور الحق العلوی غفر لہ ولآبائہ ولمشائخہ الکرام

طالب حق کیلئے ذہن کو مشخص کر دیا ہے۔ انکی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے نوعی خواص اس میں کاملاً پائے جاتے ہیں مثلاً اگر ایک گدھے کو ہم اچھا کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ حماریت کے لوازم اُس میں پورے موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ مثلاً ایک انسان سے بھی بڑھکر ہے۔ اسی طرح اگر ہم ایک نبات کو یا ایک جماعت کو اچھا کہیں گے تو اُن کے نوعی خواص کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائیں گے بنا بریں ایک انسان کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں انسانیت نوعیہ کے خواص کاملاً پائے جاتے ہیں اسی طرح جس قدر ان اوصاف میں تنزل ہوگا اسی قدر اس کی خوبی میں نقص پیدا ہوتا جائے گا۔ انسانیت کے اوصاف کیا ہیں؟ اس کا جواب ایک ماہرِ حکمت کے نزدیک یہ ہوگا کہ تمام اقوام اور اصناف میں استقرار تام کے بعد جس قدر اوصاف مشترک پائے جاتے ہیں وہ انسانیت کا مصداق ہیں شاہ صاحب کی حجۃ اللہ پڑھکر دیکھیئے وہ ہر بات ہر کسی عمل کی، کسی خُلق کی، کسی عقیدہ کی خوبی فقط اس طریقہ سے ثابت کریں گے کہ وہ انسانیت کے عام افراد میں یعنی مشرق و مغرب میں اور عجم و عرب میں پایا جاتا ہے۔ یہ ایسا نفیس جوہر حکمت ہے جس سے عام مصنفین کی کتب خالی ہیں دوسرے علما کی کتابیں پڑھکر حسن و قبح کی تمیز میں بروا ثم کی حقیقت معین کرنے میں خیالی فلسفہ گھڑنے سے زیادہ کوئی کمال پیدا نہیں ہوتا[1]

شاہ صاحب کی اس استقرائی اجتماعیت کے بعد ایک طالب علم اس ورطہ سے یکلخت نکل جاتا ہے۔ وہ گھر کے نظام کو ایک سلطنت کے طور پر چلانے کی فکر صحیح اپنے اندر رکھتا ہے، اسی کو تبھا کر وہ محلّے، مدینے اور مدن میں پھیلا کر دنیا کی سیاست پر حکمران بن سکتا ہے۔ اس کے بعد وہ عالم سمجھ سکتا ہے کہ اسلام عالمگیر انقلاب کا مکمل پروگرام ہے جس پر قرآن عظیم حاوی ہے۔ اور وہ اس نقطۂ نظر سے اپنی تشریح آپ ہے کسی تکمیل اور تشریح کا محتاج نہیں۔ یہ شاہ صاحب کے فلسفہ کا بہترین نتیجہ ہے جس نے قرآن کو مسلمانوں کے اذہان کے قریب کر دیا۔

باب دوم (تکمیلی ملکات)

اب ہم شاہ صاحب کے تکمیلی ملکات سے بحث کرتے ہیں تکمیلی ملکات سے ہماری مراد یہ ہے کہ

(الف) صاف عقلیت سے تمام معلومات کو مرتب کر لینا تاکہ اُن میں کسی قسم کا تضاد اور تزاحم باقی نہ رہے

---

[1] [تنبیہ] واضح رہے کہ یہ مسئلہ کہ حسن و قبح عقلی ہے، یا شرعی۔ یہ جداگانہ موضوع۔ اور مذکورہ بالا مسئلہ سے نازل درجہ کی بحث ہے۔ دونوں میں خلط نہیں کرنا چاہیئے۔ رہا یہ کہ حسن و قبح شرعی ہے یا عقلی؟ اس کا قطعی فیصلہ شاہ صاحب نے انفاس العارفین صفحہ ١٨ میں بسط سے کر دیا ہے۔ ظہیر احمد ١٢ محمد نورالحق

(ب) وہبی قوتوں سے سرشار ہونا، تاکہ تمام اختلافات کی اصلاح کے لیئے جو تدابیر الٰہیہ کام کر رہی ہیں وہ بھی محسوس ہونے لگیں۔ اس قوت وہبی کا استناد، اول الذکر قوت عقلی پر ہو۔ غرض اس پہلے عقلی فیصلہ کی اس قوت وہبی سے تائید ہو رہی ہو۔

(ج) اس کے بعد قرآن حکیم کے حقائق پر عقلی اور وہبی ہر دو قوتوں سے غور کرنا۔ اور اس کے تاریخی انقلابات کو مرتب طور پر سوچنا، سامنے لانا، اور واضح کرنا۔ پھر اس علم کی ایک تعلیم گاہ بنا کر راسخین فی العلم تیار کرنا۔ جو اپنے زمانہ میں اور آئندہ آنے والے دَور میں قرآنی تعلیمات کو ملل اور ادیان کے مقابلہ میں قایم رکھ سکیں۔

یہ (نمبر سوم) مذکورہ بالا قوتوں (عقلی اور وہبی) کے استعمال کا پہلا میدان ہے۔ اس کی تفاصیل بہ مختصراً آئندہ بحث آتی ہے۔

فصل (۱)

فقہاء عظام نے قرآن عظیم کو اپنی "اصول فقہ" میں پہلے درجہ پر رکھا ہے۔ مگر اس سے مراد ان کے یہاں چند آیات احکام ہیں جو اوامر و نواہی کی شکل میں قرآن حکیم میں مدون ہیں۔ اس تخصیص کا یہ اثر پیدا ہوا کہ ایک عالم سارا قرآن سمجھنا ضروری نہیں جانتا پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی تفسیر واعظوں اور قصہ گو افسانہ طراز لوگوں کے ہاتھ آگئی۔ اور فقہا کا اس میں دخل نہ رہا۔

ائمہ فقہا نے اپنے اصول میں بالاتفاق یہ مسئلہ درج کیا ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک آیت بلفظ عموم نازل ہوئی ہو اور مفسرین اس کا کوئی خاص واقعہ سبب بتاتے ہوں تو قرآن فہمی میں عموم الفاظ ہی مدنظر رہے گا خصوصیت محل کو اس میں دخل نہیں ہوگا۔

اس قاعدے پر اتفاق ہوتے ہوئے آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے ہر آیت کے ماتحت ایک جزئی واقعہ پائیں گے۔ مثلاً یہ آیت ابوجہل کے حق میں ہے، یہ عبداللہ بن اُبی منافق کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت میں اُتری، اس میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے، عام اساتذہ اور طلبہ کو آپ انھیں جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے۔ شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" کی ابتدا میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اور آیات احکام کا مطلب یہ بتلایا کہ اجتماعی طور پر انسانوں میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں موجود ہیں ان کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہیئے۔ عرب یا عجم، زمانے کے تقدم یا تاخر سے ان کو کوئی تعلق نہیں، الفوز الکبیر میں ہے محقق آنست کہ وجود اعمال فاسدہ و جریان مظالم میان ایشاں سبب نزول آیات احکام است اھ۔

اس طریقے پر سوچنے والی ایک جماعت شاہ صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پیدا ہوگئی

شاہ محمد عاشق پھلتی اور شاہ محمد امین کشمیری ولی اللہی اس گروہ کے سرکردہ ہیں۔ سراج الہند مولانا شاہ عبد العزیز (متوفی سنہ ۱۲۳۹ھ) نے شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد ان سے پڑھکر تکمیل کی۔

فصل (۲)

قرآن شریف میں انبیاء کے قصے مکرر سہ کرر موجود ہیں۔ انسان بے ترتیبی سے پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے شاہ صاحب[1] نے عامہ کتب الہیہ کے لیئے تین اصول مقرر کیئے ہیں جن کے بعد وہ تمام قصص ایک اعلیٰ روحانیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ وہ تین اصول حسب ذیل ہیں:-

(۱) التذکیر بآلاء اللہ (۲) التذکیر بایام اللہ (۳) التذکیر بالموت وما بعدہ۔ آپنے ان تین فنون پر الفوز الکبیر کے مقدمے میں تفصیل سے بحث کی ہے[2] ——— قرآن شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذکر، یعنی مطلق تذکیر کیلئے نازل ہوا، قال تعالیٰ شانہٗ "ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر"

---

[1] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم مسائل تمہید میں فرماتے ہیں عام طور پر صدہا اہل علم شاہ ولی اللہ سے مستفیض ہوئے۔ حرمین سے باہمذاق عالم اُن سے علم سیکھنے کیلئے دہلی آتے رہے لیکن اُن کے مکمل نظریہ کو سمجھنے والے تین چار رفقاء سے زیادہ نہیں (۱) ان کے ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق (۲) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللہی کشمیری (۳) شاہ نور اللہ بڈھانوی (۴) شاہ ابو سعید بریلوی پہلے تین حضرات شاہ عبد العزیز کے استاذ ہیں۔ اور چوتھے کا نواسہ سید احمد امیر شہید پیدا ہوا ہے۔ رد انفاس میں درادخرایام خود/ بایں فقیر وصلاح آثار محمد عاشق اشارہ کردہ، والد ماجد فرمود تا کہ باہمدیگر دوستی دارند واین دوستی سبب ابتہاج وسرور من مے شود۔ سر ایں کلمہ من بعد بظہور پیوست۔ کہ ایں عزیز بایں فقیر ارتباط طریقت پیدا کرد ومنتفع شد۔ وامید این است کہ ایں دوستی مثمر فوائد بسیار باشد۔ رد انفاس صفحہ ۱۹ الشیخ محمد عاشق بن الشیخ عبید اللہ بن الشیخ محمد اُودع محبتی من اول ترعرعہ وکان سیدی الوالد یرانی انا وایاہ متحابین للہ فیقول انہ یسرنی ذلک وعسے ان یکون لذلک شان ثم الہم طلب طریق الحق منی وحکمتی فی ہذا الطریق ووذق محبتہ عظیمۃ منی ونسخ الاقبال التام علی الاخذ منی فما نال بصعد ولصید۔ حتی رأیت فیہ تیقظ لطیفۃ انا والبحر البہت۔ وہو محمد اللہ نصحی روعار علمی وحافظ اسراری وناظو کتبی۔ بل ہو کان الباعث علی تسوید کثیر منہا والمباشر لتبییضہ الموی الی علومی تبقی فی الناس من جہتہ۔ اخذ منی وشارکنی فی الاخذ عن مشائخ الحرمین رد تفہیمات صفحہ ۲۵-۲۶ بعد از والد نا یارانِ عمدہ ایشان مثل شاہ محمد عاشق وخواجہ محمد امین ولی اللہی نیز علوم، حاصل کردم۔ شاہ محمد عاشق در سماع وقراءت بر شیخ ابو الطاہر ودیگر مشائخ حرمین شریک حضرت ایشاں بودند ملفوظات صفحہ ۲۲ قال الشیخ محسن فی الیانع الجنی ومن اجلۃ اصحاب الشیخ ولی اللہ الشیخ محمد عاشق۔ قد شارکہ فی الاخذ عن مشائخ الحجاز ومن مؤلفاتہ کتاب فی السلوک معروف والشیخ محمد امین الکشمیری نجارا والدہلوی قرارا۔ کان ینتسب الی شیخہ ویعرف بالنسبۃ الیہ وہما اللذان اخذ عنہما الشیخ عبد العزیز کما ذکرہ فی مجالسہ صفحہ ۹۲

[2] باید دانست کہ معانی منطوقہ قرآن خارج از پنج علم نیست (الف) علم احکام از واجب ومندوب ومباح ومکروہ وحرام۔ خواہ از قسم عبادات باشد یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدنیہ وتفصیل ایں علم ذمہ فقیہ است (ب) علم مخاصمہ با چہار فرقہ ضالہ۔ یہود ونصاریٰ ومشرکین ومنافقین وتفریع بریں ذمہ متکلم است (ج) علم تذکیر بآلاء اللہ از بیان خلق آسمان وزمین والہام بندگان آنچہ ایشاں را

تذکیر مذکورہ کی بحث کو مستقل طور پر کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ عام واعظ اور قصہ گو لوگ ان آیتوں میں تصرف کرتے رہے اور ان کی بحثیں ایک طرح تلاعب کے درجہ تک جا پہنچیں۔

(۱) واضح رہے کہ مذکورہ بالا تذکیر میں مفسر کو ایک تو علوم طبعیات میں کافی مہارت ہونی چاہیئے تاکہ آلاء اللہ کی تشریح کر سکے "سطعات"[۱] میں شاہ صاحب نے تصریح کردی ہے کہ حکمت طبعیہ کو قرآن عظیم نے آلاء اللہ کی تذکیر میں استعمال کیا ہے۔

(۲) تذکیر بایام اللہ کو فقط ایک مورخ اور فلسفہ تاریخ کا حاذق و ماہر ہی حل کر سکتا ہے کہ ایک قوم کس طرح بڑھی تھی، پھر کس طرح گری۔

(۳) انسانی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی۔ اس پر حنیفی ادیان[۱] میں یہودی، نصرانی، مسلم سب متفق ہیں اور صابی ادیان[۲] میں سے سانتی، بدھشٹ، اور مجوس۔ جو تناسخ کے قائل ہیں۔ وہ بھی موت پر زندگی کو ختم نہیں کرتے آزاد طبع عقلمندوں کی جماعت[۳] میں سے بھی بہت بڑا حصہ انسانی زندگی کو موت پر ختم نہیں کرتا البتہ ادنے طبع[۴] کے چند بوالہوس شور مچاتے رہتے ہیں۔ ان سے عوام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس غفلت سے انسان کو نکالنا اور اُس کی زندگی کا مفہوم اُسے سمجھانا، اس کے ثمرات جو اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں یا وہ ثمرات جو موت کے بعد پیدا ہونگے ان کو ذہن نشین کرانا قرآن عظیم کے مقاصد میں اہم چیز ہے۔

اس مسئلے کو (تذکیر بالموت وما بعدہ کو) الہیات کا ایک بہت بڑا فاضل ہی سمجھا پڑھا سکتا ہے جسے عقلی الہیات کے ماسوا مختلف ادیان کے نظریات ما بعد الموت پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔

عقدہ لاینحل یہاں ایک پیچیدگی غلط تفسیر سے پیدا ہوئی جس نے مسلم مفکرین کے اذہان کو جامد بنا رکھا ہے۔ ما بعد الموت کے مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر انسانی روح[۱] کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ عامہ مفسرین نے روح کے علم کو متشابہات میں داخل کر رکھا ہے۔ کوئی مفکر اس کے قریب نہیں جا سکتا۔ اس لیئے تمام مسائل ما بعد الموت تحت اللفظ ترجمہ پڑھنے سے زیادہ قابل غور نہیں سمجھے جاتے یہاں تک کہ عقائد کی کتابوں میں توحید اور نبوت کا مسئلہ تو عقلی مانا جاتا ہے اور عذاب القبر سے لے کر آگے کی تمام بحثیں نقلی سمجھی جاتی ہیں۔ عذاب القابر کو صرف اسلئے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) درمی بایست وازبیان صفات کاملہ او تعالیٰ (د) علم تذکیر بایام اللہ یعنی بیان وقائعے کہ آں را خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از انعام مطیعین وتعذیب مجرمین (ہ) علم تذکیر بالموت وما بعد آں از حشر ونشر وحساب ومیزان وجنت ونار وحفظ تفاصیل ایں علوم والحاق آثار واحادیث مناسبہ آں وظیفہ واعظ ومذکر است ہ فوز کبیر ص۳ ۱۲ نور الحق علوی غفرلہ

[۱] دیکھو سطعات طبع جدید ص۱۱ سطعہ (۱۵) نوع انسانی کا اعتدال جن علوم کا خواہشمند ہو وہ تین ہیں علم الہیات۔ علم طبعیات علم ایام اللہ وغیرہ ۱۲ نور الحق

[۲] روح کے مسئلہ کو شاہ صاحب نے حجۃ اللہ کے علاوہ تفہیمات الہیہ ص۱۴۳ ج۱ بعد۔ اور الطاف القدس ص۵ بعد میں حل کیا ہے تفہیمات میں یوں شروع کرتے ہیں ایں کلمات چند در تحقیق سعادت اخرویہ بدانکہ تحقیق سعادت اخرویہ موقوف بر مقدمہ بہت حقیقت روح ونسمہ، وآنچہ مجازات بحر نور الحق العلوی غفرلہ

مانا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں اس کا ذکر موجود ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی تالیفات میں مسلمانوں کو اس غلطی سے بچا لیا ہے۔ مابعد الموت جو زندگی قرآن ثابت کرتا ہے۔ ان کے یہاں مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے عقل صریح کی پوری تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن منوانے کی خواہش نہیں رکھتا۔

اس ہمارے دور میں جب سے ہندوستان سے اسلامی حکومت چلی گئی ہے شاہ صاحب کے ان افادات پر توجہ نہ کرنا مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔

فصل (۳)

شاہ صاحب نے قرآن کے اصول میں سے پانچویں اصل مخاصمہ قرار دیا ہے جو یہود و نصاریٰ مشرکین اور منافقین کے ساتھ جاری ہے۔ اس کی پوری تفصیل "الفوز الکبیر" کے مقدمہ میں ملیگی۔ ہماری سمجھ میں شاہ صاحب کے مباحث (دربارۂ مخاصمہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اخلاق جو احکام شرعیہ کے ضمن میں ملحوظ ہے۔ اس کی تعلیم دو طرح دینی چاہیے۔ اول بطریق اوامر و نواہی۔ دوم اُن اخلاق حمیدہ کے تارکین کی زندگی میں جو معائب پیدا ہوتے ہیں انکی تفصیل بتائی جائے۔

ایک جماعت جو اپنے آپ کو احکام الٰہیہ کا پابند مان لیتی ہے پھر اس ملت کے متبعین کیلئے مرکز کا کام دیتی ہے۔ اس جماعت کی خرابی سے ساری ملت برباد ہو جاتی ہے۔ انکی مثالیں یہود اور نصاریٰ سے مخاصمہ کرکے واضح کر دی گئیں۔

ایک ایسی جماعت جو عقلی اصول پر اپنی ترقی تجویز کر لیتی ہے۔ وہ اپنے مسلمہ اخلاق کی پابندی کو ترک کرکے کس طرح برباد ہوتی ہے۔ اس کی توضیح مشرکین کے مناظرے میں آئے گی۔

ایک شخص جو اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند سمجھتا ہے۔ پھر تساہل اور تہاون سے اُن احکام کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔ اس کی غلطیاں منافقین کے مناظرے سے واضح ہوں گی۔

شاہ صاحب کی اس توضیح کے بعد مخاصمہ قرآن حکیم کے مقاصد میں نہایت اہم درجہ رکھتا ہے فقہی اس کو بے التفاتی سے پڑھ کر گزر جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں بہت کم مفسرین ایسے ہوں گے جو اس مقصد پر متوجہ ہوتے ہوں۔ جن لوگوں نے یہ خیال بنا لیا تھا کہ فقیہ بننے کیلئے قرآن کریم کے فقط امر و نواہی کافی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ قرآن کو مس تک نہیں کر سکے۔

جب مسلمانوں کی مرکزی جماعت کا قرآن عظیم کے متعلق یہ خیال ہو، تو عوام بیچارے اس بارہ میں کہاں تک

قابل ملامت قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے قرآن کے مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کرکے دنیائے اسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ یہاں اگر اُن کی کسبی عقلی اور وہبی اشراقی قوتیں کام نہ کرتیں تو ہمارے خیال میں قرآن کو اس طرح واضح کرنا ناممکن تھا۔

ہم نے امام فخرالدین رازی (محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر پڑھی۔ نیز جار اللہ زمخشری (محمود بن عمر متوفی ۵۳۸ھ) کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ ان کے علاوہ معالم التنزیل از (ابو محمد حسین بن مسعود فراء) بغوی (متوفی ۵۱۰ھ) اور تفسیر حافظ (عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر المعروف بہ) ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) بھی پڑھی۔ ان سے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق سوائے تحیّر کے کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اگر طالب علمی کے عہد میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ[۱] (متوفی ۱۳۳۹ھ) سے چند آیتوں کی تفسیر نہ سنی ہوتی جو کتابوں میں نہیں ملتی اور ہمارے لیے وہ اطمینان کا ذریعہ بن سکی۔ اور اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے تو ہم علم تفسیر کے حاصل کرنے سے قطعاً مایوس ہو جاتے۔ ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے انہی کتابوں سے قرآن سمجھا تھا جب وہ قرآن کی حکومت مجتہدانہ اصول پر قائم کر رہے تھے، مگر اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ہمارے لیئے ناممکن ہے۔

ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصول تفسیر پر کتابیں مانگیں۔ آپ نے کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" از حافظ جلال الدین (عبدالرحمان بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی۔ میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بارہا پڑھی۔ سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی۔ جسے اصول کا درجہ دیا جاسکے۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ میں اصول فقہ سے فارغ ہوکر اس میں ایک مستقل تصنیف[۲] لکھ چکا تھا۔ اُسی زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کا نام "الفوز الکبیر" ہے۔

---

[۱] رأیت فی مبشرۃ ان الامام مالکاً جاء الی مدرسۃ "دار الرشاد" فی السندھ واقام فی حجرۃ منہا، ثم جاء شیخنا شیخ الہند الی دار الرشاد ونزل فی تلک الحجرۃ۔ فمن یومئذ اُشبہ شیخنا بالامام مالکؒ ونظراً الی ذٰلک جعلت عنوانہ "نجم الائمۃ" قال الامام الشافعی اذا ذکر العلماء فمالک النجم، "کتاب التمہید حصہ تحدیث النعمۃ" ص ۹۳ خطبہ) ۱۲

[۲] قال الشیخ عم فیضہم فی کتاب التمہید فی ائمۃ التجدید رفی آخر ۱۳۰۶ھ صنفت مراصد الوصول الی مقاصد الاصول، لخصت فیہ مسلم الثبوت، واضفت الیہا اشیاءً من تحریر ابن الہمام وشرح المختصر للعضد، وشرح المسلم للشیخ نظام الدین اللکھنوی وشرح بحر العلوم حسب ما ادی الیہ فکری فلما عرضتہ علی شیخ الہند استحسنہ جداً والبسنی بلباسہ مراراً ھ ص ۵ ۱۲ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

یہاں میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مولانا قدس سرہ کی عادت مبارکہ کا ضمناً ذکر کروں۔ آپ جانتے تھے کہ امام فخرالدین رازی اور علامہ[1] (مسعود بن عمر المتوفی ۷۹۱ھ) تفتازانی کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان نام بردہ حضرات کے مقابلہ میں طلبہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لئے کبھی تیار نہیں۔ نجم الائمہ شیخ الہند اگر کسی مسئلے میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تغلیط کرتے تو مبہم طور پر یہ فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے۔ طلبہ سمجھتے کہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی متقدم ہستیاں ہونگی۔ میں ایک لمبے عرصے کے بعد متفطن ہوا۔ کہ محققین سے مراد حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم اور ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام ہیں۔ جو شاہ ولی اللہ صاحب پر ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ باعث تھا کہ آپ نے "الفوز الکبیر" مجھے شروع میں عطا نہ کی۔ بلکہ فقط اس کا تذکرہ کر دیا جب میں سندھ پہنچا تو مجھے "فوز کبیر" کا نسخہ ملا۔ اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا۔ فصل اول کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ انشاء اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکا۔

فصل (۴)

قرآن شریف کو عامۂ مسلمین کے اذہان کے قریب لانا ضروری تھا مسلمانوں کی ذہنی سطح استوار کرنے کے لیئے سب سے پہلے شاہ عبدالرحیم نے یہ بہترین راستہ اختیار کیا کہ متن قرآن عظیم تحقیق و تفہیم سے پڑھانے لگے۔ اس سے پہلے علما کا یہ دستور تھا کہ قرآن شریف فقط تلاوت کرنے کے لیئے پڑھاتے اور مطالب سکھانے کے لیئے جس فن سے انہیں دلچسپی ہوتی اس قسم کی ایک تفسیر طالب علم کو پڑھا دیتے جس سے قرآن شریف گویا اس فن کی ایک اعلیٰ کتاب بن جاتی۔ اور جو اخلاقی ذہنیت استاد کی طبیعت میں مرکوز ہوتی، تفسیر پڑھنے سے اور راسخ ہو جاتی۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں۔ غالباً در حلقہ یاراں بیرون از تلاوت ہر روز دو سہ رکوع بہ تدبّر و بیان

---

[1] اختلف فی اسمہ وفی مذہبہ فی الفقہ فقیل اسمہ مسعود۔ قال ابن العماد فی الشذرات تبعتہ السیوطی فی طبقات النحاۃ بلفظ مسعود وھو المشہور والذی اثبتہ ابن حجر فی الدرر الکامنۃ وانباء الغمر بلفظ محمود ص ۳۱۹۔ قال مولانا الشیخ عمر نعیمہم فی کتاب التمہید۔ قلت قال اللکنوی قیل انہ شافعی والاوجہ انہ حنفی لتالیفہ فی اصول الفقہ الحنفیہ ولما ذکرہ صاحب المنہل الصافی المستوفی بعد الوافی فی ترجمۃ علاء الدین محمد بن محمد البخاری وھو حنفی بلا ریب من انہ تفقہ بابیہ وعمہ وسعد التفتازانی وغیرہم انتہی۔ ودعوی امکان تفقہ العلاء البخاری بالسعد مع کونہ شافعیاً تکلف لا یخفی علی المنصف انتہی قول اللکنوی قال السید احمد الطحطاوی فی حواشیہ علی الدر المختار التفتازانی کان حنفیاً لما ذکرہ صاحب البحر فی دیباجۃ شرح المنار وانتہت الیہ ریاسۃ الحنفیۃ فی زمانہ حتی ولی قضاء الحنفیۃ ولہ تکملۃ شرح الہدایہ للسروجی وفتاوی الحنفیۃ وشرح تلخیص الجامع الکبیر والتلویح حاشیۃ التوضیح لصدر الشریعۃ انتہی قول الطحطاوی۔ انتہی ما فی التمہید ۱۲

محمد نور الحق العلوی غفرلہ

معانی مے خواندم۔ انفاس ص۶۳ دوسرے موقع پر تحریر کیا ہے "از جملہ منن عظمیٰ بریں ضعیف آں بود کہ چند بار در مدارست قرآن عظیم۔ با تدبر و شان نزول و رجوع بہ تفاسیر بہ خدمت ایشاں حاضر شدم و ایں معنی سبب فتح عظیم افتاد۔ لطیف جزء"

اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے متن قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کرلی کہ یہ کتاب بذات خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی شاہی زبان فارسی تھی۔ سنہ۱۱۵۰ھ میں آپ نے اس کتاب مجید کا فارسی میں "فتح الرحمان" کے نام سے ترجمہ کیا۔ جو ۱۱۵۱ھ میں ختم ہوا۔ اور ۱۱۵۱ھ میں "فتح الرحمان" کی تدریس کا افتتاح ہوا۔ آپ نے ترجمہ کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے۔ جن کی اہمیت میں یورپ جاکر سمجھ سکا ہوں۔

(الف) مثال کے طور پر "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ قصاص کا ترجمہ مساوات اور مماثلت، غالباً آپ کو کسی تفسیر میں نہیں ملے گا۔ انسانی مساوات کو یہاں مبنائے حیات قرار دیا گیا ہے کما قال تعالیٰ شانہ "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تعقلون" پھر انسانی سوسائٹی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (الف) خود اپنی قوم (ب) اور اجنبی۔ اجنبی کو "العبد بالعبد" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اپنی قوم کو (ج) "الذکر والانثیٰ" میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس بنیادی چیز پر جہاں تک میری نظر کام کر سکی کسی حکیم نے تنبیہ نہیں کی۔ ہمارے دور میں جبکہ ہم یورپ سے اشتراک عمل کرنے پر مجبور ہیں اور یورپین نظریات کو ہم بڑی عزت و عظمت سے لیتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انسانی سوسائٹی کو تحلیل کرنے والے حکما مسلمانوں میں کم نظر آتے ہیں تو نوجوان مسلمان کے دماغ پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑتا۔ وہ یہاں پہونچ کر اپنی خودی گم کرنے لگتا ہے۔ اگر اساسی چیزیں اس کو قرآن حکیم میں سے سمجھا دی جائیں تو وہ تفصیلات ہر اچھے عالم سے لے سکتا ہے۔ اور اس کی اسلامیت کو کوئی صدمہ نہیں پہونچ سکتا۔

(ب) سورۂ رعد کی آخری آیتوں "اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها والله یحکم لا معقب لحکمه والله سریع الحساب" پر شاہ صاحب کا حاشیہ[1] پڑھیے۔ اس سے مکہ معظمہ میں "اسلامی حکومت" کی تاسیس آپ کو سمجھ آنے لگے گی اور اس سے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں آپ کو سہولت ہوگی پارٹی پالٹکس کی بنیاد اس بیان میں روشن نظر آتی ہے جس کی تفصیل "فیوض الحرمین" میں زیادہ موجود ہے وہاں آپ نے سلطنت کو خلافت ظاہرہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور سلطنت پیدا کرنے والی پارٹی کو آپ خلافت باطنہ کا

---

[1] حاشیہ کی عبارت یہ ہے: "یعنی روز بروز شوکت اسلام بر زمین عرب منتشر مے شود و دار الحرب ناقص مے گردد از اطراف آں۔ عامہ مفسرین ایں آیت را مدنیہ دانند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد مراد از نقصان دار الحرب، اسلام اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل یمن است پیش از ہجرت" محمد نور الحق غفرلہ

نام دیتے ہیں (دیکھو ۵۶:۵) قرآن کی حکومت پیدا کرنے والی پارٹی ہی کا نام حزب اللہ ہے اس طرح سیاسی مسائل پر غور کرنے کی توجہ شاہ صاحب کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد یورپ کی موجودہ ترقی ہمارے لیئے کوئی نئی چیز نہیں رہتی البتہ اپنے چند غفلت شعار بادشاہوں اور امیروں کی سستی کا برا نتیجہ ہم بھگت رہے ہیں۔ ہمارا مذہب اگر قرآنی قانون سے ماخوذ ہے تو ہم دنیا کے مقابلے میں پسپا نہیں ہو سکتے اگر بادشاہوں کی شکست کے بعد ان کی باقی ماندہ میراث کو ہم اسلام سمجھیں تو میری رائے یہ ہے کہ اس اسلام کی پوری شکست مان لینی چاہیئے۔ تاکہ نئی نسل کو نئے سرے سے کام کرنے کی ہمت پیدا ہو۔ غلط اصولوں کی تصحیح میں ان کے دماغوں کو الجھانا نہیں چاہیئے۔

قرآن عظیم کا مذکورہ بالا ترجمہ، میرے نزدیک ایک ہندوستانی کے لیئے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے۔ اسکے ازبر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہئیں۔ تب کہیں ان سے استفادہ[ف] کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ ترجمہ ایک استاد سے پڑھنے کے بعد ذہن میں راسخ نہیں ہوا تو میرے خیال میں ایک عجمی موجودہ تفاسیر سے کوئی معتدبہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ خواہ وہ تفاسیر نقلی ہوں یا عقلی یا ادبی۔

فصل (۵)

قرآن حکیم نے آیات قرآنی کی تقسیم محکمات اور متشابہات میں کر دی ہے۔ عموماً اہل علم متشابہات میں بحث کرنا ناممکن سمجھتے ہیں۔ پھر متشابہات کی ایسی واضح تعریف و تفسیر جس سے تمام ایسی آیتیں تحقیقی اور تحدیدی طور سے جدا کر لی جا سکیں کوئی متفق علیہ موجود نہیں ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک تو قرآن بتمامہ ناقابل فہم ہو گیا۔ اور متشابہات میں غور کرنا ایک ہول اور عقیدہ مقرر ہو گیا۔ ایک کتاب کی نسبت جب یہ عقیدہ بن جائے۔ کہ اس کے بعض حصے جس کا پورا تعین بھی نہیں، فہم سے بالاتر ہیں تو انسانی متوسط عقول کے لیئے ساری کتاب مشتبہ بن جاتی ہے طبیعت میں خدشات اور اوہام اٹھتے ہیں کہ فلاں فلاں آیات کا جو مفہوم ہم نے معین کیا ممکن ہے کہ اسکی نقیض ان آیات میں موجود ہو جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اس غلط فکر نے عمل کے لیئے قرآن کی طرف سے مسلمانوں کے التفات کو یکسر ہٹا دیا۔

شاہ صاحب کے علوم میں یہ خاص قوت ہے کہ وہ متشابہات کے معانی راسخین فی العلم کے لیئے تحقیقی راہ سے سمجھا سکتے ہیں۔ ان علوم کو ہم تکمیلی علوم میں شامل جانتے ہیں۔ بیشک ہر طالب علم اس درجہ پر نہیں پہونچ سکتا

ف (لطیفہ) حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے ایک دوسری مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ دور حاضر کے علما اور طلبا کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ کتاب الٰہی کی تعلیم کے وقت متن کو چھوڑ کر شروح (تفاسیر) پر زور دیتے ہیں۔ اور فن حدیث میں صحاح کی شرح حجۃ اللہ البالغہ سے پوری پوری غفلت برت کر صرف متون پر اکتفا کرنا شعار بنا لیا گیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں غیر طبعی ہیں انتہی۔ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ

لیکن اگر وہ اپنی جد وجہد مسلسل جاری رکھے تو راسخ فی العلم کا مرتبہ حاصل کر لینا اس کے لیئے ناممکن نہیں ہے۔

اس یقین کو پیدا کرنے کے بعد قرآن کریم کے عالموں کی ایک مستقل سوسائٹی پیدا ہونا لازم ہے جس میں علماء کامل و مکمل اور اہل علم۔ اول اور دوم درجہ کے شامل ہوں۔ یہ قرآن کی تعلیمات کو دنیا میں کامیاب بنانے کے لیئے مرکزی قوت ہوگی۔

مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے ہمیں زیادہ تر واسطہ ان اہل علم سے پڑتا رہا جو شیخ الاسلام (حافظ تقی الدین احمد بن عبد الحلیم عرف) ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کی امامت کے قائل ہیں۔ ظاہریہ۔ حنابلہ اور شافعیہ محدثین کی طرف ان کا علمی میلان ہے۔ وہ اسی وہم میں مبتلا تھے کہ متشابہات میں بحث کرنا فتنے کا دروازہ کھولنا ہے اور متشابہات کا علم یقینی طور پر حاصل کرنا کسی عالم کے لیئے ممکن نہیں۔ اس طرح وہ ہماری تعلیم پر ایک پابندی عائد کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کو کھلے طور پر طلبہ کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ کیونکہ شاہ صاحب متشابہات میں بحث کرتے ہیں اور یہ اُن کے اصول کے خلاف ہے۔

ہمیں اس سے تھوڑے دنوں پریشانی رہی اور ہم نرمی سے عقلی طور پر ان کو سمجھاتے رہے۔ اتفاقاً ہمیں حافظ ابن تیمیہ کی تفسیر قل ھو اللہ احد مطبوعہ مصر ہاتھ آئی جو ہمارے لیئے ایک حیرت کا سبب بن گئی۔ ابن تیمیہ نہایت شدت سے اُس فکر کی تردید کرتے ہیں کہ متشابہات کا علم خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، اور یہ نتیجہ ہے اس مشہور قاعدہ کا کہ "وما یعلم تاویلہ الا اللہ" پر وقف لازم مانا جاتا ہے۔ اور "والراسخون فی العلم" کو اس سے منقطع کر دیا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ پوچھتے ہیں کہ آیات متشابہات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا یا نہیں؟ اور اس سے اوپر جبریل بھی جانتے تھے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو ان آیتوں کے نازل کرنے کا کیا مطلب تھا؟[۵]

---

[۵] مقالہ زیر بحث کی ترتیب کے وقت شیخ الاسلام کی تفسیر سورۂ اخلاص میرے سامنے نہیں ورنہ اہل علم کے لیئے اس کی عبارت بعینہا نقل کر دی جاتی البتہ ان کے رسالہ الاکلیل فی المتشابہ والتاویل کے چند اقتباسات ذیل میں ذکر کیئے جاتے ہیں جو نحن فیہ میں کافی ہیں۔

قال شیخ الاسلام۔ لم یقل فی المتشابہ لا یعلم تفسیرہ ومعناہ الا اللہ وانما قال وما یعلم تاویلہ الا اللہ لم ینف علمهم بمعناه وتفسیره بل قال "کتاب انزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته"، وهذا یعم المحکمات والمتشابهات۔ و ما لا یعقل له معنیٰ لا یتدبر وقال "افلا یتدبرون القرآن" ولم یستثن شیئاً منه نهی عن تدبره والله ورسوله انما ذم من اتبع المتشابه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله۔ فاما من تدبر المحکم والمتشابه کما امره الله وطلب فهمه ومعرفة معناه فلم یذمه الله بل امر بذلک ومدح علیه۔

ولهذا قال الحسن البصری ما انزل الله آیة الا وهو یحب ان یعلم فی ما انزلت وما ذا عنی بها۔ وما استثنی من ذلک لا متشابها ولا غیره۔ وقال مجاهد عرضت المصحف علی ابن عباس من اوله الی آخره

ہم نے یہ نقل ان اہل علم کو دکھلانا شروع کی اس پر وہ حیران رہ گئے بعدازاں وہ خود ابن تیمیہ کی دوسری کتابوں سے اس کی تائیدات تلاش کرکے ہمیں آکر سنانے لگے۔

میرا اپنا اس معاملے میں یہ حال ہے کہ جب سے میں نے "مسلم الثبوت" کی شرح از مولنا بحر العلوم (متوفی ۱۲۲۵ھ) پڑھی (اور یہ ۱۳۰۷ھ کا واقعہ ہے) تو اس زمانہ سے میں اس پر مطمئن تھا کہ بحث اور مناظرہ سے تو متشابہات[1] کا مطلب حاصل نہیں ہوسکتا مگر وہبی طریقہ سے اللہ تعالےٰ کاملین امت مرحومہ کو یہ علم عطا کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد کافی زمانہ گزرنے پر خواجہ محمد[2] معصوم سرہندی۔ العارفۃ الوثقیٰ (متوفی ۱۰۷۹ھ) کے مکتوبات میں میں نے پڑھا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) مرات اقف عند کل آیۃ واسألہ عنہا" ـــ فھذا ابن عباس حبر الامۃ یجیب مجاھداً عن کل آیۃ فی القرآن۔ وھذا ھو الذی حمل مجاھداً ومن وافقہ کابن قتیبہ علی ان جعلوا الوقف عند قولہ "والراسخون فی العلم" فجعلوا الراسخین یعلمون التاویل لان مجاھداً تعلم من ابن عباس تفسیر القرآن کلہ وبیان معانیہ۔ ویبیّن ذلک ان الصحابۃ والتابعین لم یمتنع احد منھم عن تفسیر آیۃ من کتاب اللہ۔ ولا قال ھذا من المتشابہ الذی لا یعلم معناہ ولا قال قط احدٌ من سلف الامۃ ولا من الائمۃ المتبوعین ان فی القرآن آیات لا یعلم معناھا ولا یفھمھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا اھل العلم والایمان جمیعاً لا نعلم احداً من سلف الامۃ ولا من الائمۃ لا احمد بن حنبل ولا غیرہ انہ نفی ان یعلم احد معنی المتشابہ وجعلوہ بمنزلۃ الکلام الاعجمی الذی لا یفھم۔ ولا قالوا ان اللہ ینزل کلاما لا یفھم احد معناہ وانما قالوا فی احادیث الصفات تمرّ کما جاءت ونھوا عن تاویلات الجھمیۃ وردوھا وابطلوھا ونصوص احمد والائمۃ قبلہ بیّنۃ فی انھم کانوا یبطلون تاویلات الجھمیۃ فھذا اتفاق من الائمۃ علی انھم یعلمون معنی المتشابہ وانہ لا یسکت عن بیانہ وتفسیرہ بل یبیّن ویفسّر باتفاق الائمۃ من غیر تحریف ولا الحاد۔ وانما مذھبھم نفی ھذہ التاویلات وردھا لا التوقف عنھا ثم ان الصحابۃ نقلوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم کانوا یتعلمون منہ التفسیر مع التلاوۃ ولم یذکر احدٌ منھم عنہ قط انہ امتنع عن تفسیر آیۃ اھ ۱۲

[1] قال مولنا عبد العلی فی "فواتح الرحموت" فما نقل عن الاولیاء الکرام اصحاب الکرامات، انھم یعلمون تاویل المتشابہات عند ریاضاتھم الشدیدۃ والمجاھدات القویمۃ وخلعھم ابدانھم وانخراطھم فی اعلیٰ علیین فانہ نیاض علیھم عند ھذہ الحال علوم وھی من غیر قصد وطلب کسب وما لا عین رأت ولا اذن سمعت والسلف انما راموا بعدم مفھومیۃ المتشابہات عدم المفھومیۃ بالکسب والنظر اھ ص ۶۸ طبع مصر بالمستصفی للغزالی

قال الامام عبد القاھر البغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) فی کتابہ "اصول الدین" کان شیخنا ابو الحسن الاشعری یقول لا بد ان یکون فی کل عصر من العلماء من یعلم تاویل المتشابہ من حروف الھجاء وغیرھا۔ والیہ ذھبت المعتزلۃ اھ ص ۲۲۳

[2] خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات گو مطبوع ہیں مگر باوجود سعی جمیلہ کے اُسکا کوئی نسخہ مجھے دستیاب نہ ہوسکا تاکہ حضرت خواجہ کی اصل عبارت سے مقالہ کو مزین کیا جاتا ۱۲ محمد نور الحق عفی عنہ

کہ حضرت امام ربانی وہی طریقہ سے متشابہات کی تاویل پر قادر ہونے کو صحیح مانتے ہیں اور مقطعات کی تفسیر سمجھانے میں انھوں نے بڑی احتیاط برتی کہ اس مجلس میں سوائے خواجہ محمد معصوم کے کوئی دوسرا حاضر نہ ہو۔

یہ میرے اساسی خیالات تھے شاہ ولی اللہ کی حکمت نے اس فکر کی تکمیل کر دی۔ اس کے بعد قرآنی مفاہیم کو میں اطمینانی شکل میں سمجھ سکا۔ میری خیال میں شاہ صاحب کا اس فن کو تعلیم و تلقین کے ذریعہ اپنی خاص جماعت میں عام کر دینا اس دوسرے ہزار میں ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ شاہ صاحب کے اتباع میں مولانا محمد اسمٰعیل شہید (متوفی ۱۲۴۶ھ) پھر مولانا محمد قاسم اس حلقے میں ایک استقلالی شان رکھتے ہیں یعنی اپنے اپنے زمانے کی اصطلاحات کے مطابق اہل علم کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص تقدیر کے مسئلہ کو "حجۃ اللہ البالغۃ" کے اصول پر حل نہیں کر سکتا وہ حکمت ولی اللہیہ سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے میں مولانا محمد قاسم کی بھی وہی شان ہے جو شاہ صاحب کی ہے۔ مگر شاہ صاحب اپنے متبعین کو سمجھاتے ہیں اور مولانا ایک عیسائی، ایک آریہ سماجی کو بھی سمجھا سکتے ہیں۔

جو لوگ اُن اصطلاحات کے پابند ہیں جن سے ان مسائل پر غور کرنا کسی راسخ فی العلم کے لیے بھی جائز نہیں ہو سکتا (اور اُنہی سے مدارس اور مکاتب بھرے پڑے ہیں) میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اس زمانہ میں اسلام کے لیے کس قدر مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ میری تربیت کا اثر لازم ہے کہ میں اس قسم کے غوامض میں خود رائی پسند نہیں کرتا اگر کسی راسخ فی العلم جماعت سے تعلق بھی پیدا نہ کرنا اور ان مسائل کے متعلق ہر وقت پریشان دماغی میں مبتلا رہنا طالب علم کی شان سے دور جانتا ہوں۔

فصل (۶)

"رسوخ فی العلم" کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عالم کے معلومات میں کہیں تناقض نہیں ملتا۔ جو چیزیں بظاہر متعارض ہیں وہ ایک "قاعدے" کے اندر اس کی نظر میں جمع ہو جاتی ہیں شاہ ولی اللہ نے مکتوبات مدنی[له] کے شروع میں لکھا ہے کہ ہمارے دور کے علوم خاصہ میں سے چوٹی کا علم تطبیق آ رہا ہے۔ اسی کلیہ کے ماتحت وہ وحدت شہود اور وحدت وجود کی تطبیق اسی رسالہ میں بیان کرتے ہیں۔

[له] شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ نصیبنا فی ھذہ الدورۃ من رحمۃ اللہ ان یجتمع فی صدورنا علوم علماء ھذہ الامۃ معقولھا ومنقولھا ومکشوفھا وینطبق بعضھا علی بعض ویضمحل الخلاف بینھا ویستقر کل قول فی مقرہ ھذا الاصل منسحب علی فنون العلم من الفقہ والکلام والتصوف وغیرھا ۱۲ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

شاہ رفیع الدین صاحب (متوفی ۱۲۳۳ھ) نے تکمیل الاذہان[1] میں تطبیق الآراء کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے مولانا محمد اسمٰعیل شہید "عبقات" میں وجودیہ و مراتبیہ اور شہودیہ ظلیہ میں تطبیق کی سعی کرتے ہیں۔ مولانا محمد قاسم "قاسم العلوم"[2] میں "راسخین فی العلم" کے مابین اختلاف تسلیم ہی نہیں کرتے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے دو سلیم الحواس ایک چیز کے دیکھنے سننے میں مختلف نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح دو راسخ فی العلم کسی عقلی وجدانی مسئلے میں بھی کبھی مختلف نہیں ہو سکتے جو اختلاف بظاہر نظر آتا ہے وہ فقط صوری ہوتا ہے۔

ان مقالات پر غور سے تامل کرنے کے بعد راسخ فی العلم کے معنے محقق ہو جاتے ہیں۔ ہم شاہ صاحب کو "راسخین فی العلم" کا امام مانتے ہیں۔

مثال کے طور پر شاہ صاحب کی تحقیقات کا ایک نازک مسئلہ یہاں ذکر کر دیتے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر جو وحدت وجود کے مسئلے کے مسلم امام ہیں۔ ان کے کلام میں دو مختلف نظریئے ملتے ہیں۔ ان کی تفصیل مولانا اسمٰعیل شہید کی زبان میں عینیۃ اور مراتبیۃ ہے۔ یہ اصطلاح "اخبار الاخیار" میں بھی ملتی ہے اور "نفحات الانس" میں بھی موجود ہے۔ اہل علم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان مختلف عبارات کا مرجع و محمل کیا ہے جن میں ہر چیز کو وجود کا عین (بالفاظ دیگر واجب الوجود کا عین) کہا جاتا ہے پھر وہی عالم (شیخ اکبر) دوسری موقع پر واجب الوجود اور ممکن الوجود میں فرق کرنے بیٹھ جاتا ہے پھر اس کے بعد تنزل وجود کا اصول تحقیق سے پیش کرتا ہے۔

اب شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ عینیت، نفس کلیہ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس تمام تر کائنات کا ایک نفس ہے۔ جیسے ایک شخص کا ایک نفس ہے۔ اس حقیقت پر ابن عربی کے یہاں بھی پوری بحث موجود ہے اور حکما کے ہاں بھی شاہ صاحب، نفس کلیہ اور اس کے ماتحت "تمام کائنات کو من وجہ ایک دوسرے کا حقیقۃً عین مانتے ہیں۔ جیسے زید و عمرو اور انسان من وجہ عین ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نفس کلیہ کو

---

[1] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے کتاب التمہید کے "موقف سادس" میں موضوع تطبیق پر بحث کی ہے اور اس موضوع کے متعلق ائمہ ثلثہ۔ مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا محمد قاسم کی تصریحات بسط سے نقل کی ہیں مضمون کی ابتدا میں فرماتے ہیں ولما کان التطبیق بین الاحادیث المختلفۃ۔ ثم التطبیق بین الاحادیث الصحیحۃ واقوال الفقہاء الحنفیۃ من خواص علوم مشائخنا۔ ائمۃ الطائفۃ الدیوبندیۃ والدہلویۃ عموماً۔ ومن اہم علوم شیخنا شیخ الہند خصوصاً۔ واناالآن اقدر علی ایضاح طریقۃ لعامۃ اہل العلم الابعد اعلامہم بما انتہی الیہ افکار الولی اللٰہیین فاضطررت الی نقل من کلام الامام رفیع الدین دہلوی ثم من کلام الصدر الشہید محمد اسمٰعیل الدہلوی ثم من کلام شیخ الاسلام محمد قاسم الدیوبندی ما یتعلق بالباب ۱۲ [2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب "العبقات" از ص۳ بعد عبقہ ص۲۰ و ص۱۲ بعد ۱۲

[2] کاش قاسم العلوم کا ایک نسخہ میری پاس بھی ہوتا ۱۲ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

جنس الاجناس قرار دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک جوہر اور عرض دونوں جنسیں نفس کلیہ کے ماتحت آتی ہیں۔ عام حکماءِ یونان کا جوہر و عرض سے اوپر جنس مشترک عالی کا نہ ماننا[1] اُن کی قصورِ نظر پر محمول ہے۔

نفس کلیہ کا بطریق ابداع ذاتِ حق سے صادر ہونا، ذاتِ حق کو "واسطۃ الوسائط" ثابت کردیتا ہے نسبت ابداعیہ میں مبدِع اور مبدَع کے مابین ایک طرح کی وحدت کہی جاسکتی ہے۔ مگر وہ وحدت حقیقی نہیں ہوتی۔ انسانی عقل وہاں جاکر تھک جاتی ہے۔ درجہ ابداع پر پہنچکر عقل کسی امتیاز کو قائم کرنے پر قادر نہیں ہوتی۔ اس لیئے مجازاً "وحدت (بین المبدِع والمبدَع) کا اطلاق کرلیا جاتا ہے۔

اب مسئلہ صاف ہوگیا نفس کلیہ تک کائنات کی عینیت حقیقیہ ہے۔ اسی لیئے صوفیہ بحر اور موج کی مثال دیتے ہیں۔ اس سے اوپر ایک معلوم[2] الانیۃ مجہول الکیفیۃ نسبت ہے جسے ابداع سے تعبیر کرتے ہیں۔ عقل کے احاطے سے خارج ہونے کے باعث اس میں ہر قسم کے متشابہ الفاظ مجازاً استعمال کیئے جاسکتے ہیں۔ اس قسم کا فیصلہ دینا، اور اس کو محقق طور پر سلیم عقول کے دماغ تک پہنچانا اور تمام متعارض اقوال کی توجیہ پر قادر ہونا ایک راسخ فی العلم امام ہی کی شان ہے۔

فصل (۷)

قرآن عظیم میں فکری انتشار کا ایک اور باعث مسئلہ ناسخ و منسوخ کی بحث بھی ہے۔ اہل علم منسوخ

---

[1] شاہ صاحب "الطاف القدس" میں فرماتے ہیں: فلاسفہ درمیان جوہر و عرض حقیقت مشترکہ اثبات نہ کردہ اند۔ و نفس کلیہ اصلاً نشمردہ اند و منشاء آں عدم ظہور نفس کلیہ است نزدیک عقل ایشاں۔ شہادت کسے کہ مشہود لہ و علیہ و بہ دراں خفتہ است، یا در نتواں کرد۔ ما خود میدانیم کہ یک حقیقت متشبح مے شود بہ اشباح گاہے در کسوت قیام بنفسہ ظہور کند۔ و گاہے بجوہر گردد۔ و گاہے در لباس قیام بغیرہ برآید۔ و گاہے بہ عرض شود

گہے در کسوت لیلیٰ فرو شد۔ گہے در صورت مجنوں برآمد

از نیرنگی ہائے ہمیں معنے ست تجوہر اعراض در عالم مثال۔ و عرض شدن جواہر در موطن وہم۔ و صدق صورت ذہنیہ بر وجود خارجی الیٰ غیر ذالک مما لا یخفی اھ ص۱۰۲ ۱۲

[2] مسئلہ ابداع پر شاہ صاحب نے بدور بازغہ و تفہیمات وغیرہ کتب میں بحث کی ہے۔ "الطاف القدس" میں ص۱۰۲ سے ص۱۰۵ تک مفصل بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ درمیان مبدِع و مبدَع نسبتے واقع است کہ نظیر آں در شہادت موجود نیست مادہ نیست تا تعلق مبدَع در مادہ بود۔ و ازیں جہت انفرادے و استقلالے پیدا کند۔ وحدت نیست کہ سابق و لاحق بتقدم و تاخر زمانی از ہم ممتاز شوند الی ان قال۔ پس محقق در مسئلہ ابداع آن است کہ نسبتے است معلوم الانیۃ و مجہول الکیفیۃ الخ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

آیات کو متفقہ طور پر محدود و محصور نہیں کرتے۔ یعنی ایسی آیات کی تحدید میں وہ خود باہمی مختلف ہیں اس کا اثر قرآن شریف پڑھنے والے پر یہ پڑتا ہے کہ وہ ہر عملی معاملے (حکم) میں اس کے منسوخ ہونے کا شبہ پیدا کر کے اپنے آپ کو فارغ الذمہ بنا لیتا ہے۔

شاہ صاحب کے رسوخ فی العلم کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا۔ "الفوز الکبیر" میں اس کی مفصل بحث موجود ہے۔ شاہ صاحب نسخ کا لغوی ترجمہ متقدمین کی اصطلاح کو مانتے ہیں۔ متقدمین جب کسی آیت کو منسوخ کہیں گے تو اس سے اُن کی مُراد کوئی خاص اصطلاحی معنی نہیں ہوں گے۔ بلکہ لغوی مفہوم جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہی اُن کی مراد ہوتا ہے۔ اگر کوئی مضمون ایک دفعہ مطلق یا مجمل بیان کر دیا جائے اور دوسرے موقع پر مطلق کی قیود واضح کر دی جائیں۔ یا اجمال کو تفصیل سے بدل دیا جائے تو لغوی طور پر دونوں جگہ کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون نے پہلے کو منسوخ کر دیا۔

اس اعتبار سے بے شک قرآن کی آیات میں کثرت سے نسخ موجود ہے مکی سورتوں میں عموماً اصول اور کلیات محقق کیے جاتے ہیں۔ اور مدنی سورتوں میں ان کی تشریح اور تفصیل آتی ہے۔ ایک قوم کو تدریجی ترقی دینے والا کوئی اُستاد اس طریق بیان سے بچ نہیں سکتا۔ اس تبدیلی کو جو قطعاً طبعی ہے معیوب نہیں سمجھا جا سکتا، ورنہ اس سے شکوک پیدا ہوتے ہیں، پھر متقدمین کے بعد متاخرین آتے ہیں۔ وہ نسخ کا ایک خاص مطلب معین کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جیسے تورات کے تفصیلی احکام پر عمل کرنا قرآن کے تفصیلی اوامر کے بعد ممنوع ہے، اسی طرح قرآن میں بعض ایسی آیتیں موجود ہیں جن پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔

یہ اصطلاح فقہا کے باہمی اختلاف اور تضارب کے بعد پیدا ہوئی۔ شاہ صاحب اس اصطلاح پر قرآن میں منسوخ نہیں مانتے — لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحب کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے۔ قوم کی عام حالت کو مدنظر رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے اہل علم پانچسو آیتیں منسوخ مانتے رہے۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی اتقان میں بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم نہیں کرتے

۱؎ پوری بحث کے لیے دیکھو فوز کبیر طبع مجتبائی دہلی از صفحہ ۱ بعد ۱۲

۲؎ فوز کبیر کی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔ "متقدمین (بنظر اصطلاح خود) عدد آیات منسوخہ بہ پنج صد رسانیدہ اند واگر نیک تامل کنی غیر محصور است۔ اما آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است عدد قلیل بیش نیست لاسیما بحسب توجیہے کہ ما اختیار کردہ ایم۔ شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب اتقان بعد ازانکہ از بعض علما آنچہ مذکور شد بہ بسط تقریر نمود۔ آنچہ برائے متاخرین منسوخ است بوفق شیخ ابن عربی تحریر کردہ قریب بہ بست شمردہ۔ فقیر را در اکثر آں بست نظر است الی ان قال۔ قلت وعلی ما حررت لایتعین النسخ الا فی خمس آیات ۱ھ فوز کبیر ۱۲ نورالحق

اس بارے میں سیوطی کا مقتدا اور شیخ قاضی ابوبکر محمد ابن عبداللہ المعروف بہ ابن العربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) ہے۔ شاہ صاحب مذکورہ بالا بیس[1] آیتوں میں بھی تطبیق دے کر نسخ کو پانچ آیتوں میں منحصر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے ان پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی وہ باقی ماندہ پانچ آیتوں میں بھی بآسانی تطبیق دے سکتا ہے۔ شاہ صاحب صراحۃً یہ نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور وہ اس طرح صراحۃً لکھتے تو بعض معتزلہ کے قول سے تشابہ ہو جاتا۔ اور عامہ اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے۔

اب صورت حال یہ ہو کہ مشکل آیتوں کو تو انھوں نے حل کر دیا اور نہایت آسان آیات میں نسخ مان لیا اگر اسلوب حکیم بیان کے بیان کو شل کیا جائے تو ہمارا مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کرنا بعید نہیں ہوگا۔

ان پانچ آیات میں جو سب سے زیادہ مشکل ہے ہم اس کو یہاں مثالاً بیان کر دیتے ہیں قال الامام ولی اللہ، كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت الاية. قلتُ منسوخةٌ باية يوصيكم الله فى اولادكم وحديث لا وصية لوارثٍ مبيّنٌ للنسخ ھ الفوز الکبیر ص۵۔

اگر وارثوں کے ایسے حالات نہ ہوتے جن میں وہ غیر وارث بھی بن سکتے ہیں تو اس کی توجیہ ناممکن ہوتی۔ والدین خصوصاً ایسی حالت میں ہیں کہ وہ غیر وارث نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان کے حق میں وصیت قطعی طور پر منسوخ ہونی چاہیئے۔ اور آیت مذکورہ بالا میں مکتوبہ وصیت والدین کے لیئے ہے۔ اس لیئے شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا۔ مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے تنبہ ہوا۔ میری والدہ غیر مسلمہ میرے ساتھ موجود تھی۔ میں بیمار ہوا تو مجھے اُس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مر جاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ اس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے۔ میرے مرتے ہی یہ محروم ہو جائے گی۔ اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا۔ کہ اگر حالات ایسے درپیش ہوں تو وصیت لازم ہے بنا بریں كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی اسلئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اطلاق کو تطبیق کی خاطر مقید بشیک کر لیجئے یہ تو فقہ قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہے۔

علی ہذا القیاس باقی ماندہ چار آیتوں میں تطبیق بہت آسان ہے۔ وہ اولیٰ غیر اولیٰ عزیمت و رخصت پر عمل کرنے سے حل ہو جاتی ہیں۔

میں اپنی سمجھ کے موافق شاہ صاحب کے بیان کو ایک حکیمانہ طرز بیان سمجھتا ہوں۔ میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔ کہ جس امر پر مجھے تنبہ ہوا شاہ صاحب کی نظر ادھر جا ہی نہ سکتی تھی۔ اور باقی چار آیتوں کی مثالیں

---

[1] قال الامام عبد القاهر البغدادی زعم بعض القدرية من اهل عصرنا انه ليس فى القرآن آية منسوخة ولا آية ناسخة وھو ابو مسلم الاصبهانی الخراسانی م ۳۲۲ھ (راجع ترجمتہ فی الاعلام لخیر الدین الزرکلی) ۱۲ محمد نور الحق العلوی عفرلہ

میرے مطلب کی شواہد ہیں۔ وہاں انھیں قواعد سے بآسانی تطبیق ہوسکتی ہے جن کو وہ دوسری آیات میں استعمال کررہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ذہنیت عامہ کو منتشر نہ کرنے کے لیے شاہ صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کی مثال مسوّٰی[۵۱] میں بھی ایک جگہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات غیر مطہر چیز کو شارع مطہر کے درجے پر رکھتا ہے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جس کی تطہیر زیر بحث ہے نجس ہی نہیں ہے مگر چونکہ دیکھا جاتا ہے کہ نجاست کی نفی سے ذہنیت عامہ ابا کرے گی اس لیے ایک غیر مطہر چیز کو کہدیا جاتا ہے کہ "یطھرہ ما بعدہ"۔

فصل (۸)

قرآن شریف کا مقصد معین کرنے کے لیے "حجۃ اللہ"[۵۲] کا باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان پڑھنا چاہیے۔ اس کے بعد ازالۃ الخفا[۵۳] میں "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق الایۃ" کی تفسیر پڑھنا ضروری ہے یہ تفسیر شاہ صاحب کے نوادرات میں سے ہے۔ یہ مسئلہ [تعیین مقصد قرآن] بہت بڑی اہمیت کا مالک ہے کہ پہلے تمام ادیان پر اس دین کو فوقیت دینا کیوں ضروری ہے؟ پھر آیا اس کا تحقق بھی ہوا یا محض ایک امید افزا خیال ہے۔ دونوں کتابوں کے مذکورہ بالا دو مباحث [باب تنسیخ الادیان اور تفسیر ھو الذی ارسل رسولہ الخ] کے پڑھنے کے بعد مذکورہ بالا دو سوالوں کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے اور اس سے قرآن شریف کی حکمت اساسی صورتہ معین ہوجاتی ہے۔ پھر اس کی مزید توضیح آپ کو "حجۃ اللہ البالغہ"[۵۴] کے باب "اقامۃ الارتفاقات" میں ملے گی۔ اس مقصد [وجہ غلبۂ دین حق اور اس کا وقوع] کو تشخیص اور تعیین سے محفوظ کرنے کے بعد اسلام کی حقیقت روشن ہوجائیگی۔

---

[۵۱] مسوّٰی کی عبارت حسب ذیل ہے: ان ام ولد لابراھیم بن عبد الرحمان بن عوف سالت ام سلمۃ زوج النبی صلعم فقالت انی امرأۃ اطیل ذیلی وامشی فی المکان القذر فقالت ام سلمۃ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یطھرہ ما بعدہ۔ قلت فی المنہاج طین الشارع المتیقن نجاستہ یعفی منہ عما یتعذر الاحتراز منہ غالبًا ویختلف بالوقت وموضعہ من الثوب والبدن۔ وفی الھدایۃ عن محمد انہ لما دخل الری وراے البلوی فی الارواث افتی بان الکثیر الفاحش لا یمنع الصلاۃ وقاسوا علیہ طین بخاری ھ ص۲۳ طبع مکہ معظمہ تفصیل کیلیے مصفّٰے ص۶۳ بعد ملاحظہ ہو ۱۲

[۵۲] حجۃ اللہ طبع مصر ص۹۳ ۱۲

[۵۳] دیکھو ازالۃ الخفا طبع ہند ص۲۳ ۱۲

[۵۴] حجۃ اللہ طبع مصر ص۲۹ ۱۲

محمد نور الحق العلوی

فصل (۹)

مذکورہ سابق مقصد قرآنی کو ہم شاہ ولی اللہ کی حکمت کی اساس مانتے ہیں۔ جب کبھی ہم فلسفۂ ولی اللّٰہی کہیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگا۔ اس فلسفے کی تاریخ ارتقائی دنیا کی تکوینی ترقی کے ساتھ ساتھ "تاویل الاحادیث" میں ملیگی۔ آدم علیہ السلام کے زمانے میں جو شرائع مقرر تھے وہ اسی فلسفے کے ماتحت تھے اور اس زمانے کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے جس قدر انسانیت ترقی کرتی گئی۔ اسی قدر اس فلسفے کی تفریعات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ابراہیم سے پہلا دور (یعنی حنیفیت سے پیشتر کا دور) صابئین کا ہے "تاویل الاحادیث" میں اس دور کی (جس میں آدم ادریس و نوح تا قبل ابراہیم علیہم السلام داخل ہیں) پوری تشریح ملے گی ادریس علیہ السلام ہی طبعیات، ریاضیات، الٰہیات کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ حکمت کے ان اقسام کا مرکز بدلتا رہا کبھی ہند[1] کبھی ایران، کبھی یونان اس کے بعد ابراہیمی دور آتا ہے گا۔ حنفا اسی فلسفے کی شکل کو دوسرے رنگ میں بدل دیتے گئے۔ اس تبدیلی کے اسباب کیا تھے؟ اور تبدیلی کس شکل میں ہوئی، اس کی تفصیل "تاویل الاحادیث" میں ملے گی۔ اس اہم مسئلے کے حل کرنے پر انسانیت کی حقیقت مشخص ہوگی فلسفہ وہی ہے جو دورِ صابئین میں تھا اس کی تشریعی صورت بدل جاتی ہے ؎

دم بدم گر شود لباس بدل   مرد صاحب لباس را چہ خلل

ہمارے حکماءِ اسلام اس مسئلے میں بہت تھوڑی بحث پر اکتفا کرتے رہے اس لیئے وہ "سوءِ تعلّم" کو کبھی قابلِ اطمینان طریقے سے حل نہیں کرسکے۔ شاہ صاحب کی کتابیں عموماً اور "تفہیمات الٰہیہ" و "بدور بازغہ" خصوصاً اس مسئلہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے بار بار[2] پڑھنی چاہئیں۔

الامام کا لقب اور شاہ صاحب

ہم نے امام کا لفظ شاہ ولی اللہ کے منصب میں اسی ضرورت کیلئے اضافہ کیا ہے۔ کہ یہ اہم مسئلہ ہیں کوئی پہلا امام نہیں بتلاتا۔ اگر ہم شاہ صاحب کو امام مان لینگے، تو دوسرے لفظوں میں اس مسئلہ کی اہمیت اہلی شان میں طلبہ کے سامنے آجائے گی۔ انھیں غور کرنا پڑے گا کہ شاہ صاحب کیوں امام کہلاتے ہیں تو اس خصوصیت کی طرف آسانی سے توجہ مبذول ہوسکتی ہے "تاویل الاحادیث" میں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تک تمام

---

[1] یہ ممالک صابیت کا مرکز تھے۔ جس کی دعوت ادریس علیہ السلام سے منسوب ہے۔ صابیت کے بعد حنیفیت ہے۔ جس کے داعئ اول ابراہیم علیہ السلام ہیں ۱۲

[2] تفہیمات الٰہیہ ص ۶۱/۱ وص ۲۸/۱ وص ۱۴۷/۲۔ وتفہیم علم مقامات الملاء الاعلیٰ ص ۹۳ نسخہ خطیہ، و بدور بازغہ ص ۱۸۵ بعدہ وص ۱۹۹ بعدہ ملاحظہ ہوں ۱۲   محمد نور الحق غفرلہ العلوی

انبیا کی زندگی کو تدریجی ترقی کے اصول سے موجہ بنایا گیا ہے۔

یہاں ہم یہ امر واضح کر دینا چاہیئے کہ کسی مفکر کا اس سلسلہ بیان میں کسی خاص حصے سے اختلاف کرنا ہمارے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں ہم شاہ صاحب کی امامت کو اس تسلسل تاریخی میں منحصر کرنا چاہتے ہیں ہمیں کوئی بڑا امام ایسا نظر نہیں آتا کہ جن انبیاء کا ذکر قرآن شریف میں ہے انکی تاریخ کو کسی فلسفے کے ماتحت مرتب کر دے۔ یہ خصوصیت خدا تعالے نے شاہ صاحب کے لیئے ودیعت رکھی ہوئی تھی ہماری رائے یہ ہے کہ شاہ صاحب کی اس حکمت کو محققانہ سمجھنے کے بعد اگر قرآن عظیم تحت اللفظ پڑھا جائے گا۔ تو وہ کسی زائد تفسیر کا محتاج نہیں ہوگا۔

فصل (۱۰)

یہاں تک جس قدر بحث قرآن عظیم کے متعلق شاہ صاحب کی کتابوں سے ذکر کی گئی۔ اس کا موضوع قرآن کے مواد خمسہ کی عقلی تشریح ہے۔ قرآن نے ان مضامین کو ایک خاص طریقے سے بیان کیا ہے مضامین مختلف سورتوں میں منقسم ہیں۔ سورتوں کے مضامین میں ایک ربط جیسا کہ علمی کتابوں کی شان ہے۔ نظر نہیں آتا مولوی شبلی مرحوم کی زبان میں اسے مختلف پھولوں کا ایک ڈھیر کہا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب حکمت بیان کرتے وقت اس موضوع (ربط آیات) پر مطلق توجہ نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں۔ امی قوم کی تفہیم کیلئے ان کی عادات کے مطابق خود ان کے محاورات میں قرآن نے اپنے مقاصد واضح کر دیئے۔ تکرار سوال الطناب اس سے بچنے کی کبھی سعی نہیں کی۔ مخاطبین کو عالم بنا دینا مقصد ہے۔ اس میں قرآن کامیاب ہوگیا ایک حکیم کی نظر میں اگر ایک علمی کتاب اس طرح سوسائٹی کو بلند کر دیتی ہے تو وہ تناسب آیات کی زیادہ ضرورت نہیں سمجھے گا الفوز الکبیر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں بیان ایں علوم بروش تقریر عرب اول واقع شدہ۔ نہ بروش تقریر متاخران۔ پس مناسبت در انتقال از مطلبے بمطلبے رعایت نہ کرد۔ بلکہ آں چہ القاے آں بر عبادِ خود مہم دانست۔ آں را نشر

لہ حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے ایک دوسری مجلس میں شاہ صاحب کی طرف سے توجیہ کرتے ہوئے مجھے ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحبؒ کورہ بالا مضامین خمسہ میں ترتیب و ربط کے قائل نہیں ہیں۔ مثلاً احکام مرتباً ایک جگہ مذکور ہوں۔ پھر مخاصمہ کسی خاص ترتیب سے یک جگہ بیان ہو۔ بعدہ تذکیر بالآء اللہ مرتباً۔ اس کے بعد تذکیر بایام اللہ آئے وعلی ہذا القیاس، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ آیات و سور میں ربط کا انکار کرتے ہیں۔ سورہ بقرہ رکوع یا بنی اسرائیل کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ مترجم گوید ازیں جا تا سیقول السفہاء خدا ے تعالے اشارت میفرماید بنوت پیغمبر ما صلے اللہ علیہ وسلم از قصہ دعا حضرت ابراہیم کہ در تورات مذکور است و ترجیح میدہد ملت حنیفیہ را کہ پیغمبر ما برائے آں مبعوث شدند و رد میکند قول یہود را کہ حضرت یعقوب بہ یہودیت وصیت کردہ است۔ و از تفریق در انبیا نہی میفرماید یعنی معتقد بعضی باشند و منکر بعضے۔ ہ فتح الرحمن دیکھا کس طرح ایک طویل مضمون کو چند الفاظ سے مرتبط کر دیا ۱۲ محمد نور الحق العلوی عفرلہ

فرمود، ہر چہ مقدم شود گوشود و ہر چہ مؤخر شود گوشود ۵ ص۳۱

فصل (۱۱)

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ شاہ صاحب قرآن کی ادبی لطافت (نسق آیات) پر نظر نہیں رکھتے۔ ان کا مطلب فقط یہ ہے کہ سب سے پہلے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔ جسے اکثر مفسرین فراموش کر چکے ہیں۔ علوم بلاغت اور اس کے توابع میں ہمارے متاخرین نے کوتاہی نہیں کی۔ مگر چونکہ حکمت کے اصول پر مطالب کو ذہن نشین کرنے کی طرف توجہ نہیں کر سکے۔ اس لیئے ان کی ادبی موشگافیاں عقلمندوں پر زیادہ موثر نہیں ہوتیں۔ جب شاہ صاحب اصل مطلب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو نمونے کے طور پر ربط آیات پر توجہ دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت یا بنی اسرائیل کے حاشیہ سے ظاہر ہے۔ اُن کے بعد شاہ عبدالعزیز آئے۔ انھوں نے فتح العزیز میں ربط آیات پر التزام سے بحث کی۔ اور اس فن کو ظاہر کرنے میں شاہ صاحب کے اتباع میں سے آپ نے سبقت کی۔

میری توجہ شروع سے اس فن (ربط آیات وسور) کی طرف منعطف رہی۔ بعض بعض لطیف نکتے سمجھ میں آنے لگے۔ میں نے مولانا شیخ الہند سے جب ذکر کیا۔ تو حضرت نے بعض نادر فوائد تلقین فرمائے مثلاً ایک غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے، قرآن کے اندر ربوا کا مسئلہ آگیا ہے[۱] حضرت مولانا نے اس کا ایسا لطیف ربط بتایا جو تفسیروں میں نہیں ملتا۔ مولوی احمد علی صاحب نے مجھ سے سُن کر اپنے حاشیئے میں نقل کر دیا ہے۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ربط آیات پر بحث کی اس قدر سرسری مضمون لکھتے ہیں کہ اس سے کہیں بہتر ہوتا کہ نہ لکھتے حضرت خود اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ کہ یہ مسئلہ اُن کا زیادہ وقت لیتا تھا۔

میں اس فن کی طرف قاضی ابوبکر بن عربی کا ایک مقولہ کتاب الاتقان میں پڑھنے کے بعد متوجہ ہوا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ربط آیات کے تحت میں علوم جمہ مستنبط کیئے۔ مگر لوگوں کو اس کا طالب نہ دیکھا اس لیئے توجہ ہٹالی[۲] میں خود تقریباً چالیس برس سے اس مسئلے پر غور کر رہا ہوں۔ عموماً ان مقاصد قرآنیہ کو پیش نظر رکھکر

---

[۱] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم نے نظارۃ المعارف دہلی میں اس آیت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا صحابہ کرام نے جب احد میں شہیدوں کی حالت زار دیکھی تو کہا لنربین۔ یعنی ہم زیادتی سے بدلہ لیں گے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جب معمولی معاملوں میں تم ربوا اور زیادتی کو ناجائز قرار دے چکے ہو (جیسے سورہ بقرہ میں گزرا۔ ان الذین یاکلون الربوا لا یقومون الخ نزد) تو یہاں پھر زیادتی کو کیسے جائز قرار دیتے ہو۔ "اضعافاً مضاعفۃ" کا یہ مطلب لینا کہ ربوا کھانا تو جائز ہے۔ مگر اضعافاً مضاعفۃ حرام ہے۔ بالکل غلط ہی کیونکہ ربوا کی حرمت سورہ بقرہ میں صاف طور پر واضح کر دی گئی ہے۔ انتہیٰ بکلماتہ الشریفۃ ۱۲

[۲] قال ابوبکر بن العربی فی سراج المریدین ارتباط ای القرآن بعضہا ببعض حتی تکون کالکلمۃ الواحدۃ متسقۃ المعانی منتظمۃ

جو شاہ صاحب کی حکمت میں معین ہوئے۔ ایک ایک سورت کو ایک خاص عمود اور معین مضمون کے لئے مقرر کرکے تسلسل قایم کرنے میں کامیاب ہوا مجھے کسی دوسرے حکیم کا قرار دادہ مضمون سلسلہ کلام الٰہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی میں معانی کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا۔ عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کرونگا وہ شاہ صاحب کے اصول سے تشبث کے تحت میں ہوگا۔ بعض ایسے مواقع بھی ملیں گے کہ میری سند مولانا شاہ عبدالعزیز، اور شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے کلام میں ملیگی شاذ و نادر باتیں ایسی ہونگی جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں۔ میں ایسے موقع پر صراحۃً بتا دیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا رد و قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم تناسب آیات میں توجہ کریں۔ اور انکی نقلیب سے ابا نہ کریں۔

فصل (۱۲)

عام اہل علم قرآن شریف کے ساتھ سنت اور اجماع کو ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب سنت کو قرآن سے مستنبط چیز مانتے ہیں۔ لیکن اس استنباط کا طریقہ وہ نہیں ہے جو ائمہ فقہا میں مروج ہے۔ بلکہ حکمت کے اصول[۵۲] پر استنباط کرنے کے طریقے اور ان کے اصول شاہ صاحب کے یہاں علٰحدہ مقرر ہیں۔ "خیر کثیر" میں اس مسئلہ کی انھوں نے تفصیل لکھدی ہے۔ اس طرح ہر اگر سنت کو مانا جائے تو قرآن کے استقلال پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔

فصل (۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت عثمان

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) المبانی علم عظیم لم یتعرض لہ الا عالم واحد عمل فیہ سورۃ البقرۃ، ثم فتح اللہ لنا فیہ فلما لم نجد حملۃ ورأینا الخلق باوصاف البطلۃ ختمنا علیہ وجعلناہ بیننا وبین اللہ ورددناہ الیہ ۔ وقال غیرہ اول من اظہر علم المناسبۃ الشیخ ابوبکر النیشاپوری وکان یزری بعلماء بغداد بعدم علمہم بالمناسبۃ۔ وقال الشیخ ولی الدین الملوی قد وہم من قال لا یطلب للآی الکریمۃ مناسبۃ لانہا علی حسب الوقائع المتفرقۃ، وفصل الخطاب انہا علی حسب الوقائع تنزیلاً وعلی حسب الحکمۃ ترتیباً وتاصیلاً فالمصحف علی وفق ما فی اللوح المحفوظ مرتبۃ سورہ کلہا وآیاتہ بالتوقیف کما انزل جملۃ الی بیت العزۃ ومن المعجز البین اسلوبہ ونظمہ الباہر والذی ینبغی فی کل آیۃ ان یبحث اول کل شئ عن کونہا مکملۃ لما قبلہا او مستقلۃ۔ ثم المستقلۃ ما وجہ مناسبتہا لما قبلہا ففی ذلک علم جم وہکذا فی السور یطلب وجہ اتصالہا بما قبلہا وما سیقت لہ۔ قال الامام الرازی فی سورۃ البقرۃ ومن تامل فی لطائف نظم ہذہ السورۃ وفی بدائع ترتیبہا علم ان القرآن کما انہ معجز بحسب فصاحۃ الفاظہ وشرف معانیہ فہو ایضاً معجز بسبب ترتیبہ ونظم آیاتہ ولعلی رایت جمہور المفسرین معرضین عن ہذہ اللطائف والاسرار اتقان ج ۲ ص ۱۰۸

[۵۲] انکی سند شاہ صاحب کی عبارتیں مجھکو نہیں ملی حضرت نے فرمایا شاید فوز کبیر میں ہو تو نکلوا لیجیئے ۲ صفحہ دیکھو خیر کثیر صفحہ وسیاتی تفصیلہ کما تستقر ولدالحق الحمد

۳۵ھ تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اس دور کو وہ دورِ اجماع کہتے ہیں اس کی تفصیل ازالۃ الخفاء میں مذکور ہے شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا۔ اب اجماع وہی مستند ہوگا جو مذکورہ دور اول کے تتبع میں منعقد ہو۔ شاہ صاحب اس دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل "ازالۃ الخفاء"[۱] میں موجود ہے۔ اسے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا مستند سوائے قرآن عظیم کے کوئی اور لکھی ہوئی چیز نہیں تھی اس پر یہ جماعت اپنے پارٹی پالٹکس کے نظام کو محفوظ رکھتے ہوئے عمل کرتی تھی۔ اس پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کی طرف اشارہ ہے قرآن حکیم کی ذیل کی آیت میں "السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان اولٰئك الذين رضى الله عنهم و رضوا عنه"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوئی۔ اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول و فعل خدا تعالےٰ کے ہاں پسندیدہ ہے وہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ تھا۔ اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لیئے قیامت تک مسلمانوں کے لیئے ضروری ہے۔ جو چیز اس زمانہ میں متعین ہوگئی۔ اس کو اسی شکل میں اور اسی معنے میں قایم رکھنا اتباع بالاحسان ہے۔ زمانے کے تغیرات سے جو نئی چیز قابل بحث پیش آئے وہاں اس جماعت متبعین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہوگا یہ اس دوسرے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے۔ اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قایم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے۔ یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا۔ لہذا اجماع قرآن سے علحدہ کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اجماعیات قرآنی اصول کے تشریحی بائیلاز ہوں گے۔ اس سے کوئی ترقی کن جماعت، جو زمانہ کے طویل عرصہ میں کام کرے۔ خالی نہیں ہوسکتی۔ اس طرح اجماع بھی قرآن کے مقابل ایک مستقل اصل نہ بنا۔ بلکہ قرآن کی حکومت قایم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہوا۔ اس طور سے مسلمانوں میں قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللہ دھلوی ہیں[۲]

---

[۱] تفصیل کیلیئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء ص۵ و ص۱۲۱ و دیگر مواضع ۱۲

[۲] حضرت مولنا الشیخ عم فیضہم نے ۱۲ اگست ۱۹۳۹ء کو تفسیر سورۂ والنجم میں مجھ سے املا فرمایا "علماء اصول فقہ لکھتے ہیں کہ اصول دین چار ہیں۔ کتاب[۱] و سنت[۲] و اجماع[۳] و قیاس[۴]۔ درحقیقت یہ تعبیر صحیح نہیں۔ کیونکہ قیاس تو وہی معتبر ہے جو اصول ثلاثہ سے مستنبط ہو۔ باقی رہے تین اصول سو ہمیں بڑی محنت کے بعد معلوم ہوا کہ ساری سنت قرآن سے مستنبط ہے۔ خیر کثیر ص۸۵ میں اس کی تصریح موجود ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء ثلثہ کے متفقہ فیصلہ کے بغیر کوئی عمل مستند نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت علی کے عہد میں خیر الامم سے مشورہ کا جوہر کھو گیا تھا لہذا اجماع کا مدار بھی کتاب و سنت پر ہوا۔ بنا بریں اصل ہی فقط کتاب اللہ "وما ینطق عن الهوىٰ" ای ما ینطق بالقرآن عن الهوىٰ۔ ہمارا رسول دین کے معاملہ میں کوئی ہوٰی کی بات نہیں کہتا۔ ذاتی خواہش کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اور دین قرآن میں منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے۔ یہاں ما ینطق کی

باب سوم علم حدیث

شاہ ولی اللہ سنت کے تمام ابواب کو قرآن عظیم سے مستنبط مانتے ہیں۔ مگر انبیاء کے اصولِ استنباط کو ائمہ فقہا کے

(بسلسلہ صفحہ سابق) مطلق نطق مُراد رکھ کر وحی متلو اور غیر متلو کو ملا دیا گیا ہے۔ ہمارے بیان یہ پسندیدہ نہیں بلکہ مطلق نطق بالقرآن مراد ہے۔

واضح رہے کہ جب اساسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ قانون اساسی غیر متبدل ہوتا ہے اور تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم سُنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء ثلثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔ خلافت عثمانیہ کے بعد یہ نظام ٹوٹ گیا کہ تمام کام مشورے سے کیے جائیں۔

[تنبیہ] واضح ہے کہ ارشاد "وشاورھم فی الامر" میں صیغہ امر وجوب کے لیئے ہے جن لوگوں نے امر استحبابی بنایا ہے۔ اُن کی تغلیط امام ابوبکر جصاص رازی (متوفی ۳۷۰ھ) کی تفسیر "احکام القرآن" میں مفصلاً موجود ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت اس قرآن پر عمل کرنے کیلئے اولیں بار پیدا ہوئی جن کو "السابقون الاولون من المھاجرین والانصار" کہا جاتا ہے ان کے مشورہ سے قانون تمہیدی بنانا یہ سُنّت ہے سنت کو ہمارے فقہاء حنفیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں مشترک مانتے ہیں اور یہی ہماری رائے ہے اور یہ سنت قرآن ہی سے پیدا ہوگی۔ آج کل کی اصطلاح میں اس کو بائیلاز کہا جاتا ہے۔ جیسے "تعزیرات ہند" اصل ہے اور "ضابطہ فوجداری" بائیلاز اول قانون ہے اور دوسرا اُس کی تفصیل ہے (اجماع) مشورہ سے کثرت رائے سے بحث کر جو فیصلہ ہو وہ اجماع ہے [فائدہ] سنت کا نازل درجہ یہ ہے کہ حضور نے کچھ ارشاد فرمایا، یا کہا۔ اور سب نے اس کو تسلیم کرلیا۔

(قیاس) اپنے زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر بائیلاز تیار کرلینا یہ قیاس کہلاتا ہے۔ حضرت عثمان کے بعد بائیلاز تیار کرنے والے حضرات کو "والذین اتبعوھم باحسان" کہا جاتا ہے۔ اصل قانون اساسی متبعون ہے۔ بائیلاز اُس وقت اور تھے اس وقت اور ہوں گے جنہیں زمانہ کے اقتضاآت کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہونگی نئی نئی پیش آمدہ صورتوں کے متعلق تفصیلی احکام کا استخراج ہوگا اور اس کا نام فقہ ہے۔ ان ھوالاوحی یوحی، ان ھوای القرآن مد فتح الرحمان۔ بعض حضرات "ھو" کی ضمیر آنحضرت کے مطلق نطق کی طرف راجع کرتے ہیں۔ تاکہ حدیث شریف بھی اس میں داخل ہو جائے۔ بے شک احادیث صحیحہ وحی غیر متلو ہیں۔ مگر اس حصہ کو آیت کے مفہوم میں داخل کرنے سے بعض خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ استنباط حضور ملحق بالوحی ہے۔ اس کو وحی باطنی کہا جاتا ہے۔ یہی وحی باطنی صوفیہ میں بطور الہام موجود ہے۔ اور یہ وحی باطنی اقامت قرآن کے لیئے کام آتی ہے۔ ۱۲

ؔ۱ یہ تصریح مجھے نہیں ملی ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

اصول فقہ سے علیحدہ قرار دیتے ہیں چنانچہ خیر کثیر[51] میں فرماتے ہیں "میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے استنباط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسے عام اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام دیا ہے جسے علماء حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا اس طرح انبیا کی سیرتوں کو جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔ سطعات[52] میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ

---

[51] خیر کثیر کی عبارت حسب ذیل ہے: ومن علوم الحدیث تفسیر القرآن والاستنباط منہ۔ وھو اعظم العلوم و سنورد علیک منہ کفافاً۔ امر اللہ سبحانہ باشیاء مطلقۃ کالصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ وکقولہ سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ وسبح بحمد ربک وغیر ذلک۔ فوقتہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوقاتٍ معینۃٍ۔

وامر بامورٍ کقوموا، وکبر، واتل ما اوحی الیک، وارکعوا واسجدوا۔ فبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا ارکان الصلوٰۃ۔

واقسم بامورٍ کالفجر۔ والضحیٰ، واللیل اذا سجیٰ۔ والشفق، ولیالٍ عشرٍ۔ فاستنبط منہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہا اوقات الصلوٰۃ علی تفصیل ذکر فی کتب الاحادیث۔

وسبح نفسہ فی اوقاتٍ وحمد نفسہ فی اوقاتٍ فذکر ان المراد الصلوٰۃ السریۃ والجہریۃ وبالجملۃ۔ ھذا طریق استنباطہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ونحن قد تتبعنا جمیع ما وصل الینا من الاحادیث الواردۃ فی کتاب الصلوٰۃ، فوضح لنا انہا مستنبطۃ کلہا من کتاب اللہ استنباطاً حکمیاً۔ وعسی ان نحیط فی رسالۃ منفردۃ۔ خیر کثیر ۱۲

[52] قال الامام ولی اللہ۔ در نفس پیغمبر برکات الٰہی از دو میزاب مے ریزد (میزاب اول) از دریائے تشریع۔ چنانکہ حقیقت او را در اقسام ہفت گانہ بیان کردیم [دیکھو ص ۱۱ سطر ۱۵۔ نور] میزاب دوم] از دریائے ستر کلام و تعیین منع از آں منزل بر قلب پیغامبر قرآن باشد۔ اگر میزاب اول پیش دستی کرد و میزاب ثانی تخلف نماید آں حدیث قدسی باشد و آنکہ میزاب کلام پیش دستی نماید و میزاب تشریع تخلف کند محتمل غیر واقع است۔ و کتب الٰہی پیش از قرآن ہمہ بروش حدیث قدسی بودہ اند۔ الا ماشاء اللہ۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند۔ انما کان ینزل علی النبی ما مثلہ آمن علیہ البشر الحدیث۔ دو چیز لازم کتاب الٰہی است یکی برکات ملکوت و استحسان ملاء اعلیٰ و رضائے ایشاں از ہر کہ آں کتاب را خواند و در ترویج آں کوشد۔ دیگر بقائے آں کتاب علی ممر الدہور والاعصار۔ و توفیق یافتن امت حفظ آں را۔ اگر ایں دو معنی متخلف شود آں کتاب الٰہی نخواہد بود بلکہ صحیفہ فردے از افراد بشر کہ بہ ارادہ خود جمع علم پیغمبر کردہ است۔ مانند صحیح بخاری و صحیح مسلم در زمانِ ما۔ سطعات طبع جدید ص ۱۶ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ العلوی شب ۲۱ اپریل ۱۹۴۰ء

مقرر ہو کر نازل ہوں اور بجز قطعی طور پر محفوظ رہیں۔ چند ٹکڑوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں بطریقہ نہیں برتا گیا۔ عام طور پر ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آجاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معنیً مقرر ہو کر نازل ہوئی جیسے تورات کے احکام عشرہ۔ یا انجیل کے بعض خطبات نیز وہ چیز بھی آجاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی بھی جاتی ہو ہماری امت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحب صحیح بخاری و صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں[۱]۔

اس بظاہر سادہ تحقیق میں ایک بہت بڑے اشکال کا حل موجود ہے جو کتب مقدسہ کے متعلق ہمارے اہل علم کے اذہان پر مستولی ہے۔ ہمارے علماء عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی تورات اور انجیل غائب ہو چکی ہے۔ چونکہ وہ کوئی کتاب قرآن شریف کی طرح محفوظ نہیں دیکھتے۔ اور ان کی ذہنیت میں یہ چیز راسخ ہے کہ سابقہ کتب الٰہی بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ سے یہ بُرا نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ اور عمل نہ کرنے کا الزام دیا اس کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علما عاجز آگئے۔ محض اسرائیلی یا خرافاتی روایات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر کتب مقدسہ کو کتب حدیث کی طرح مان لیا جائے تو یہ اشکال من اصلہ رفع ہو جاتا ہے۔

سورۂ والنجم کی آیت "ان ھو الا وحی یوحی" کی دو طرح تفسیر کی جاتی ہے:۔

(۱) شاہ صاحب کے طریقے پر تحقیق یہ ہے کہ ضمیر "ہو" قرآن کی طرف راجع ہے۔ اور "ما ینطق عن الھوی" میں بھی نقل قرآنی کے متعلق بحث ہے۔

(۲) مگر اہل علم کی دوسری جماعت اس آیت کو قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام تر اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے ان کے نزدیک "وما ینطق عن الھوی" قرآنی نقل سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر قول "وما ینطق عن الھوے"

---

[۱] "الفرقان" ۔ غالباً شاہ صاحبؒ کی یہ تمثیل صرف نوعیت تنزیل اور طریقۂ جمع و تالیف کو لحاظ کر کے اور یقیناً بالکل صحیح ہے ورنہ جس شخص نے بائبل بالخصوص "عہد جدید" کو بغور دیکھا ہے اور ان کتب مقدسہ کی تاریخ پر جس کی نظر ہے اس کے نزدیک ان کی روایتی حیثیت صحیحین کیا معنی معاجم طبرانی جیسی کتابوں کے برابر بھی مشکل ہی سے ہو سکتی ہے لیکن اس کے باوجود شاہ صاحب کی اس تحقیق سے وہ مشکل حل ہو جاتی ہے جس کا ذکر مولانا نے آئندہ سطور میں کیا ہے۔ کما لا یخفیٰ علی المتبصر المتیقظ ۱۲

میں داخل ہے۔ اور اسی کو "ان ھو الا وحی یوحی" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ فقط الفاظ کا فرق ہے۔ قرآنی الفاظ وحی سے معین ہوئے۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ سے صادر ہوتے ہیں۔ مگر معانی سب کے سب وحی ہیں۔

(۲) پھر اُن کے نزدیک یہ فرق بھی موجود ہے۔ کہ قرآن خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں کتابتہً محفوظ کردیا گیا۔ اور اُس کی روایت بالتواتر قایم رہی۔ لیکن حدیث میں جو وحی آئی اُن کے نزدیک بھی، نہ تو حضور کے زمانے میں اُس کی کتابت ہوئی اور نہ اُس کے لئے تواتر ضروری ہے۔

ان لوگوں کی اصطلاحات پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا درجہ دیا جائے تو بطریق اولےٰ اس کو مسلّمہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے۔

(۱) ہمارے کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں (۲) نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے (۳) ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کو محققین علما درست کرتے رہتے ہیں اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (صحیحین، ابو داؤد، ترمذی) کے درجہ پر رکھدیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہیں آئے گا۔[ف]

میں نے انجیل کی شرح (مسٹر جنری اسکاٹ) کی اُردو میں مطالعہ کی اُس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اُسی طرح جمع کرنے، اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں۔ اُس دن سے میرے دماغ میں ایک نیا فکر پیدا ہوا جس سے کتب مقدسہ کی تحریف کا الزام جس طرح عموماً ہم اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور مولنا رحمت اللہ مہاجر مکی نے 'اظہار الحق' میں اس کو بڑی شد و مد سے ثابت کیا ہے۔ کمزور ہونے لگا۔ اور جو محقق عالم تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں جیسے امام بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ دہلوی، اُن کی تحقیق کا مطلب سمجھ میں آنے لگا مگر یہ فکر کبھی مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ہم

ف "الفرقان" اناجیل اربعہ کو صحاح اربعہ کے درجہ میں رکھنے کا اگر یہ مطلب ہو کہ انکی جمع و تالیف اس انداز سے ہوئی ہے جس طرح کہ صحاح اربعہ کی، تو بے شک قابل قبول ہے۔ لیکن اگر روایتی استناد میں مساوات مراد ہو تو اس کے لیے بہت سے ناقابل انکار حقائق و واقعات سے چشم پوشی کرنا پڑے گی۔ ہاں تورات کا حال بہ نسبت، اناجیل کے ضرور کچھ غنیمت ہے لیکن صحاح اربعہ کے درجہ میں تو اس کو بھی نہیں رکھا جا سکتا۔ م

کتب مقدمہ سابقہ کو کتب حدیث کے درجہ پر نہ لے آئیں۔ جب سطعات میں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا تصریح پڑھی تو اطمینان کا سانس لیا۔

فصل (۲)

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئیں۔ پہلی قسم وہ ہے جن میں فقط صحیح احادیث درج ہیں۔ دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں صحیح روایات کے ساتھ غیر صحیح روایات بھی لکھی گئیں۔ مگر تصریح کردی گئی کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں[1]۔ پھر ان مصنفات کی روایت کا سلسلہ بھی یکساں قایم نہ رہ سکا۔ بعض صحاح ایسی ہیں جو تواتر کے قریب پہونچ گئیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو مشہور اور مستفیض کے درجے پر رہیں۔ اس فرق کو ملحوظ رکھ کر شاہ صاحب نے کتب احادیث کے طبقات مقرر کردیئے۔

طبقۂ اولیٰ میں موطا مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم کو رکھا۔ طبقۂ ثانیہ میں سنن ابوداؤد۔ جامع ترمذی سنن نسائی مقرر کی، ان چھ کتابوں کے ماسوا باقی طبقات میں کئی دہائیاں اور کئی سیکڑے کتب ملیں گی۔ شاہ صاحب کے نزدیک وہ سب قابل احتجاج نہیں ہیں۔

اس طرح شاہ صاحب نے علم حدیث میں ایک نئی روح پھونک دی۔ شیخ الاسلام ابن حجر اور سیوطی کے زمانے سے جو غیر محققانہ طریقہ اہل علم پر غالب آرہا تھا اس نئی روح نے اس کو مغلوب کردیا۔

میں نے شیخ عبدالحق، محدث دہلوی (متوفی سنہ ۱۰۵۲ھ) کے مقدمہ مشکوٰۃ میں جب یہ مضمون دیکھا کہ پچاس کے قریب حدیث کی کتابیں ہیں۔ جن میں صحیح اور غیر صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور شیخ نے ان سب کو ایک درجے پر رکھا ہے وہ صحاح ستہ میں بھی غلط روایات کا اختلاط اسی طرح[2] مانتے ہیں جس طرح باقی کتب میں۔ تو میرے دماغ پر

---

[1] قال الامام فی حجة اللہ البالغة۔ فان ایراد الضعیف مع بیان حاله لایقدح فی (صحته) الکتاب انتہی ص۲۰۵ ۱۲

[2] حضرت مولانا الشیخ کتاب التمہید۔ فی ائمۃ التجدید میں لکھتے ہیں۔ اشاعة الحدیث فی الملة الهندیة انما کانت بعد الالف الثانی لما جاء الشیخ عبد الحق الدهلوی فی ابتداء المائة الحادی عشر۔ واقام فی دهلی، وعلّم ودرس نحو خمسین سنة [طریقة الشیخ] وطریقة الشیخ عبد الحق مبنیة علی [الف] الانتصار لمذهب الفقهاء الحنفیة [ب] والانتصار لائمة طرق التصوف لاسیما القادریة والنقشبندیة [ج] وعدم التعرض للسلاطین والملوک فی سیاستهم مع عدم الاغلاط بهم۔ فان کانت رسوم الناس موافقة للسنة فیها ونعمت وان کانت المخالفة قلیلة فیؤول ویؤلف، وان کانت واضحة فلا یجهر بالانکار، بل یقرر الحدیث علی حقیقته وعمل المتاخرین بتوجیه باختلاف المصالح لاختلاف الزمان، ولولا ذلک لما تیسر شیوع الحدیث فی الذین ما قبع به اسماعهم ولا تالف اذهانهم منذ اربع مائة سنة۔ بل من ستمائة سنة [وکان الباعث] الجلب

ایک پریشانی طاری ہوگئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ یہ سب کتابیں مجھے کسی کتاب خانہ میں یکجا ملیں۔ اُن کے مطالعہ کے بعد علم حدیث کی جو تحقیق ثابت ہو اس پر اعتماد کیا جائے۔ خالی پانچ کتابیں پڑھ لینے سے کیا ہوتا ہے! اسکے بعد میں متون مذکورہ بالا کی فراہمی میں لگ گیا مگر بہت جلد اپنے آپ کو اس سے عاجز ماننے لگا۔

مجھے حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہ نے اس قسم کی تشویش سے نجات دلانے کے لیے مشورہ دیا کہ میں حجۃ اللہ البالغۃ کا مطالعہ جاری رکھوں۔ لیکن سندھ جانے سے پیشتر مجھے ایسا موقع دستیاب

[بسلسلہ صفحہ گزشتہ] النظر من عامۃ المحصلین الی طریقۃ الشیخ عبد الحق امورًا۔ منھا۔ ان الشیخ لا یذعن بحکم المحدثین بحصر الاحادیث الصحیحۃ علی الاغلب فی الکتب الخمسۃ، بل یتبع الشیخ کمال الدین ابن الھمام فی تسویۃ جمیع کتب الحدیث مع البخاری ومسلم فی الاحتجاج باحادیثھا، اذا کان رجالھا مثل رجال الصحیحین، وبذلک یتسع نطاق البحث للحنفیۃ، والا فاحادیث الکتب الخمسۃ اکثرھا مخالفۃ للمذھب الحنفی فی زعمھم۔ ومنھا۔ انہ یستخرج الاحادیث من مجموعات جلال الدین السیوطی، کالجامع الکبیر والدر المنثور لانتصار المذھب الحنفی۔ ولذلک یاتی الشیخ عبد الحق بتلخیص ما ذکرہ الفقھاء المحدثون مثل العینی وابن الھمام واتباعھما، لتائید المذھب الحنفی۔ ومنھا انہ یخترع القواعد لتصحیح الاحادیث التی یستدل بھا الحنفیۃ۔ ونذکر لذلک مثالًا من کتابہ "اللمعات"، قال فی باب التیمم: اعلم ان الاحادیث وردت فی الباب مختلفۃ متعارضۃ جاء فی بعضھا ضربتان۔ وفی بعضھا ضربۃ واحدۃ، وفی بعضھا کفان، وفی بعضھا یدان الی المرفقین۔ والاخذ باحادیث الضربتین والمرفقین اخذ بالاحتیاط (فان قلت) التعارض علی تقدیر ان یکون الاحادیث متساویۃ المرتبۃ والمحدثون حکموا بان احادیث الضربتین والمرفقین غیر مذکورۃ فی الصحاح (قلت) عدم ذکرھا فی الصحاح محل بحث، کما نقلناہ من الحاکم والدارقطنی۔ علی ان عدم صحتھا وقوتھا فی زمن الائمۃ الذین استدلوا بھا محل منع، اذ یحتمل ان یطرق الوھن والضعف من جھۃ لین الرواۃ الذین رووھا بعد زمان الائمۃ۔ فالمتاخرون من المحدثین الذین جاءوا بعدھم رووھا فی السنن دون الصحاح۔ ولا یلزم من وجود الضعف فی الحدیث عند المتاخرین وجودہ عند المتقدمین مثلا رجال الاسناد فی زمن ابی حنیفۃ کان واحد من التابعین یروی عن الصحابۃ، وامثالہ [illegible] ثم روی ذلک الحدیث من بعدہ من لم یکن فی تلک الدرجۃ۔ فصار الحدیث عند [illegible] مثل البخاری ومسلم والترمذی وامثالھم ضعیفًا ولا یضر ذلک فی الاستدلال بہ عند ابی حنیفۃ [illegible] (قلت) ولیظھر ضعفھا لمن اتقن فنون الحدیث من النظر فی مبادی السند [illegible] بادی الثقات۔ انتھی عبارۃ التمھید ۱۲ محمد رحمت [illegible]

نہ ہو سکا۔ طبقاتِ[۵۲] مذکورہ کی بحث جب حجۃ اللہ میں مجھے سمجھ آئی۔ اور معلوم کیا کہ اصل قابلِ اعتنا فقط چھ کتابیں ہیں، جو پہلے اور دوسرے طبقے میں بیان ہو چکی ہیں تو طبیعت سے تمام بوجھ جاتا رہا۔

جن محدثین نے غیر صحیح احادیث جمع کر کے،

(الف) ان کی عدم صحت کی تصریح کر دی (ب) پھر اُن کا فیصلہ بھی اہلِ علم کے نزدیک مسلم ہے (ج) مزید اس کے اُن کی کتابیں اہلِ علم میں رواج پذیر بھی ہیں۔ ان تینوں خصوصیات والی کتابوں کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ اُن کتابوں کے درجے پر نہیں لانے دیتے، جو خصوصیات مذکورہ بالا سے یکسر عاری ہیں۔

عام اہلِ علم اس دقیقے پر متنبہ نہیں ہو سکے۔ اور پچاس کتابوں کو مساوی درجے پر ایک فہرست میں درج کر گئے۔

شاہ ولی اللہؒ کی حجۃ اللہ کا یہ مضمون شاہ عبدالعزیزؒ نے زیادہ تفصیل اور توضیح سے عجالہ نافعہ[۵۳] میں درج

لہ [نکتۃ فی طبقات کتب الحدیث] (الف) قال النووی فی التقریب "اول مصنف فی الصحیح المجرد صحیح البخاری ثم مسلم، وھما اصح الکتب بعد القرآن۔ والبخاری اصحھما واکثرھما فوائد واختص مسلم بجمع طرق الحدیث فی موضع واحد (والصواب) انہ لم یفت الاصول الخمسۃ من الصحیح الا الیسیر اعنی الصحیحین وسنن ابی داؤد والترمذی والنسائی (ب) قال السیوطی فی تدریب الراوی "منکر الحصر الصحیح فی الاصول الخمسۃ، ان فی مجمع الزوائد، وغیرہ من کتب الحدیث یوجد صحیح کثیر (قلت) وھل تقدر علی الجمع بین قول الامام النووی "والصواب انہ لم یفت الاصول الخمسۃ الا الیسیر، وبین قول السیوطی "ان فی مجمع الزوائد وغیرہ یوجد صحاح کثیرۃ" الا بان تقول ان الاول قول المحققین والثانی قول اولٰئک المتعمقین قال الامام ولی اللہ فی "قرۃ العینین"، جمعے کہ ناظر اند در علم حدیث بطریق دراقیت۔ نہ بطریق اجتہاد و تحقیق۔ از استاد الحق حدیث را نگرفتہ اند سوفسطائیہ ملت مصطفویہ گشتہ اند۔ نہ تقلید سلف را محکم کردہ ونہ طریق اجتہاد وتحقیق را استوار نمودہ اندھ

ومارأینا فی طبقات کتب الحدیث کلاما اتقن من کلام الامام ولی اللہ فی حجۃ اللہ البالغۃ ثم شرحہ الشیخ عبد العزیز فی "العجالۃ النافعۃ"، ثم شید ارکانہ مولانا محمد قاسم الدیوبندی فی ھدیۃ الشیعۃ، بالدلائل العقلیۃ۔ فیتبین منہ ضعف رای ابن الھمام الذی یبطل الطبقات بالکلیۃ وکذلک ضعف رای السیوطی الذی لا یفرق فی الطبقۃ الثانیۃ والثالثۃ والرابعۃ۔ ولیظھر منہ ان الذین لا یتقنون الحدیث من المحدثین والفقھاء ھم مثل السوفسطائیۃ من الحکماء ھ کتاب التمہید ۱۲

[۵۲] دیکھو حجۃ اللہ۔ طبع مصر ص۲۰۵ ببعد ۱۲

[۵۳] ملاحظہ ہو عجالہ نافعہ ص۴ ببعد ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ۔ العلوی

کر دیا ہے۔

مولانا محمد قاسم کی شان

مگر دونوں کتابوں میں یہ مضمون ایک وجدانی فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ ہر دو بزرگوں نے کوئی عقلی دلیل اس پر قائم نہیں کی۔ بلکہ محققین اہل علم کا اتفاق اس معاملہ پر کافی سمجھا گیا ہے۔ ابتدا میں ایک حد تک میری دماغی تڑپ کو پورا کرنے کے لیئے یہ امر کافی تھا۔ مگر میں اس سے زیادہ توضیح و توثیق کا خواہشمند تھا۔

اتفاقاً میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کا رسالہ "ہدیۃ الشیعۃ" مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں مولانا نے شاہ صاحب کے مذکورہ بالا مضمون کو عقلی طور پر مدلل کر دیا۔ اس طرح علم حدیث کی تنقید جو شاہ صاحب نے قائم کی تھی۔ ہمارے لیئے قابل استفادہ ہو گئی۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

اول بطور تنبیہ گزارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں۔ جھوٹے سچے، معتبر غیر معتبر، فہمیدہ غیر فہمیدہ۔ ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔

(۱) ملحدان بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے، اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دی ہیں اور اُن میں اپنی واہیات سیکڑوں بھر دی ہیں۔

(۲) اور جو کتابیں کبرائے اہل سنت کی تصنیف ہیں، ان میں بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ لوگوں کی فیض رسانی کے لیئے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطور بیاض کے جمع کی گئیں تاکہ نظر ثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں۔ اور اتفاق سے نظر ثانی کا اتفاق نہیں ہوا یا ہوا اور کسی وجہ سے وہ بیاضیں لوگوں کے ہاتھ لگ پڑ گئیں۔

(۳) اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کم یاب اور بدرجہ غایت نادر الوجود بلکہ مفقود ہیں۔ اور ملحدوں اور مبتدعوں کے وہ ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایتیں اُن میں داخل کر دی ہیں۔ یا اہل سنت کے مقابلے کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ تاکہ اہل سنت خاموش ہو جائیں۔

سو اہل تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اسلیئے اہل حق کو لازم ہو کہ جب کسی شیعہ سے کسی کتاب کا حوالہ سنیں تو اول تو یہ دریافت کریں کہ یہ روایت اس کتاب میں ہے کہ نہیں۔ دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کریں کہ معتبر ہے کہ نہیں،

فصل ۲

اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریح طبائع محزونہ کے لئے فقط قصہ گوئی، اور افسانہ خوانی، مدنظر نہ ہو۔ بلکہ واقعات واقعی سے مشتاقوں کی تسکین کیلئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو۔ ورنہ چاہیئے کہ "بہار دانش"[1]، "بوستان خیال" کے افسانے اور "چہار درویش"، "اور گل بکاؤلی" کی کہانیاں، اور "فسانہ عجائب"، "او فسانہ غرائب" کے طوفان سب کے سب دستاویز خاص وعام ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مصنف کتاب کسی کی رو و رعایت۔ اور کسی کی بغض وعداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار، اور صدقِ گفتار، اس درجہ مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک وشبہ نہ ہو۔ ورنہ طومار کے طومار اخباروں کے جولڑکیوں کی باتوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اور اُن کے غنیموں کی بُزدلی سے مشحون ہوا کرتے ہیں بالاتفاق مسلم ہو جائیں۔ اور شیعہ سُنیوں کی، اور سنی شیعوں کی سندیات پر سر وچشم رکھنے لگیں۔ اور ہر کس وناکس کی بات قبول کرنے لگیں۔ اور یہ فرق قوت وصف حفظ، وتفاوت صدق وکذب، اور علیٰ ہذالقیاس یہ تہمت رو ورعایت اور کینہ وعداوت ہرگز قابل لحاظ نہ رہے۔

تیسری یہ کہ مصنف کتاب، باوجود صدق ودیانت اور حفظ وعدالت کے اس فن میں جس کی وہ کتاب ہے دستگاہ کامل رکھتا ہو۔ اور ملکہ کما ینبغی۔ نہ یہ کہ دین میں مثلاً نیم ملا ہو جس سے خطرہ ایمان ہو۔ یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو۔ کہ بیماروں کو خطرۂ جان ہو۔

چوتھی یہ کہ وہ کتاب باوجود شرائط مذکورہ کے قدیم سے مشہور ومعروف اور اسی قسم کے لوگوں کے واسطے جو مجموعہ اوصاف مرقومہ ہوں۔ دست بدست ہم تک پہونچی ہو۔ ورنہ لازم کیا، الزم تھا کہ انجیل وتورات جو کلام ربانی ہیں۔ اور اس خدا

---

[1] اس کتاب کا مصنف شاہجہانی عہد کا اچھا عالم ہے شرح وقایہ پر حاشیہ لکھا ہے۔ جب مولف اس کتاب کو شاہجہان مرحوم کے پاس لے گیا تو شاہ نے صرف ایک روپیہ انعام دیا اور فرمایا۔ کہ یہ کاغذ کی قیمت ہے ۱۲ مولانا عم فیضہم محمد نورالحق

کی تصنیف ہیں جو بوجہ اتم جامع اوصاف مذکورہ۔ کیا مجموعۂ صفات کمال ؒ اور معدن جملہ کمالاتِ جلال و جمال ہے۔ اعتماد و اعتبار میں ہم پلہ قرآن مجید اور فرقان حمید کے ہو جائے۔

یا پنچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں ضروری ہے کہ مصنف کتاب نے اوّل سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو۔ کہ بجز صحیح روایتوں، اور محقق حکایتوں کے، اور اپنی کتاب میں درج نہ کرونگا۔ جیسے صحاح ستہ کہ اُن کے مصنفوں نے یہ شرط کرلی ہے کہ بجز صحیح روایت کے اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے اسی واسطے اُن کتب کا نام صحاح ستہ مشہور ہوگیا۔

فصل (۳)

سو اگر کوئی کتاب کسی بیاض کی طرح کہ اس نے اُس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں، اور صحیح و غلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کرلی ہیں کہ بعد میں نظر ثانی کرکے صحیح صحیح کو قایم رکھ کر، باقیوں کو نقل کے وقت حذف کر دونگا جیسا امام بخاری اور مسلم نے کیا۔

یا صحیح کو صحیح بتلاکر، موضوع۔ یعنی بنائی ہوئی باتوں، اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف وغیرہ کو لکھ کر اُس کے بعد لکھ جاؤنگا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے مثلاً جیسے امام ترمذی نے کیا۔ لیکن اتفاقات تقدیر سے اُن کا یہ ارادہ پیش نہ گیا۔ اور یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی، جی کی جی ہی میں تھی کہ اجل نے آدبایا۔ تو ایسی روایات کا ہرگز اعتبار نہ ہوگا۔

ورنہ کونسا مصنف نہیں کہ اس نے اول ایک مجموعہ بیاض بطور کلیات کے فراہم نہیں کیا۔ خود امام بخاری سے بہت سی سندوں سے منقول ہے کہ انھوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالی ہیں۔

اور عبدالرزاق[1] بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ذکوئی تین دفعہ حدیثوں کی بیاض اکٹھی کی تھی اور ان کو چھانٹ کر بخاری کا مسودہ کیا تھا۔

---

[1] امام ولی اللہ محدث "میں فرماتے ہیں امام مالک در موطا قریب دہ ہزار حدیث جمع کردہ بود۔ بعد ازاں روز بروز نظرے کردہ ازاں کم مے ساخت تا ایں قدر باقی ماندہ صفحہ ۱ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ ۲۲ر اپریل ۱۹۳۰ء

بہرحال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہو سو اگر اتفاق سے امام بخاری مثلاً بعد فراہمی بیاض کے قبل اس کے کہ بخاری میں مندرج کی حدیثیں اس میں سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں۔ اس دار فانی سے کوچ کر جاتے تو وہ بیاض امام بخاری کی تصنیف سمجھی جاتی۔ لیکن کوئی بتلائے تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہوجاتی؟

سب جانتے ہیں کہ اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس صورت میں خود امام بخاری ہی اس بات کو گواہ ہیں کہ وہ بیاض قابل اعتبار نہیں۔ پھر ہم کیونکر فقط اس سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے محدث امام المحدثین کی تصنیف ہے کہ جہان میں کوئی اس کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا۔

غرض اگر کوئی اس قسم کی کتاب کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف کو گو وہ کتنا ہی بڑا محدث کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ کتاب کسی طرح علماء کیا، جہال کے نزدیک بھی بشہادت عقل قابل اطمینان نہیں انتہی[۵] ملخصاً من الشرایفۃ بحوالہ کتاب التمہید ۔

شیخ الاسلام مولنا محمد قاسم کے ارشادات کے بعد علم حدیث تنقید شاہ صاحب نے قایم کی تھی ہمارے لیے قابل استفادہ ہوگئی۔

یہ تھا تذکرہ پہلے اور دوسرے طبقہ کا۔

فصل (۳)

شاہ صاحب نے تیسرے، چوتھے، اور پانچویں طبقے میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے

(الف) یا تو اُن کے مصنف ملتزم الصحۃ نہیں

(ب) یا اُن کی روایت منقطع ہوگئی ہے یعنی کتابوں کی بلا تصحیح نقل پر نسخوں کا انتشار تو ہوتا رہا مگر محدثین نے اپنے مشائخ سے پڑھکر اُس نسخہ کو صحیح کیا ہو۔ پھر اس طرح تسلسل قایم رہے کہ ہمارے زمانہ تک

---

[۵] کنت قرأت تعیین طبقات کتب الحدیث فی العجالۃ وانا فی دیوبند وقرأت ذلک المبحث فی حجۃ اللہ البالغۃ۔ لکن ما حصل لی الانشراح فی فہم المسئلۃ الا بعد ما قرأت ما قررہ شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم فی "ھدیۃ الشیعۃ"، ھ کتاب التمہید ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ ۲۰ اپریل ۱۹۴۰ء

صحیح شدہ نسخے محفوظ طور پر مل سکیں۔ ایسا نہیں ہوا۔ ایسے نسخے قابل اعتماد نہیں ہوں گے۔

(ج) اُن کے سوا بعض ایسے محدثوں نے بھی کتابیں تصنیف کیں۔ جن کی لیاقت علمی بھی مسلم نہیں ہے متاخرین محدثین نے۔ جن کی ابتدا ابن السبکی [حافظ تاج الدین عبدالوہاب متوفی ۷۷۱ھ] سے ہوئی اور حافظ عراقی [عبدالرحیم بن حسین متوفی ۸۰۶ھ] اور ابوالحسن ہیثمی [علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷ھ] اور ابن حجر عسقلانی کے توسط سے سیوطی پر خاتمہ ہوا۔ ان غیر معتمد کتابوں کی روایتیں مناقب و فضائل کے نام سے جمع کردیں جس سے علم حدیث میں فتنے کا دروازہ کھل گیا اس ذخیرہ میں کافی سے زیادہ روایتیں ایسی موجود ہیں جن کو دوسرے طبقے کا مصنف ضعیف قرار دیتا ہے۔ اور ان طبقات میں پہونچکر۔ ان متاخرین کے نزدیک وہ حدیث متواتر بن جاتی ہے۔

ہم نے کئی سال کی محنت سے شاہ صاحب کے طبقات کو استقرا کرکے یقین حاصل کیا۔ گو عقلی دلائل سے مولانا محمد قاسم نے ہمیں مطمئن کردیا تھا مگر ہم نے اس کے ساتھ، محدثین کی جو کتابیں مل سکتی ہیں اُن میں عمل استقرا بھی جاری رکھا تو شاہ صاحب کے اس نظریہ پر [کہ پہلے اور دوسرے طبقے کی حدیثیں ہی صحیح ہیں] پورا اطمینان حاصل ہوا۔

مثال کے طور پر صحیح حدیث میں آیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ افضل الاعمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "الصلوٰۃ لوقتہا"۔ اس جملے کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ وقت سے نماز کو موخر نہ کیا جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ اول وقت میں نماز ادا کی جائے۔ بلکہ بعض اوقات آخر وقت میں نماز ادا کرنا زیادہ مستحب مانا جاتا ہے۔ کما ثبت عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام "ابردوا بالظہر" اس کے مقابل بعض روایتوں میں "افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتہا" آیا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کی تضعیف کردی۔ اب مستدرک حاکم کو دیکھیے۔ وہ اسی جملہ مضاعفہ کو تیس چالیس سندوں سے روایت کرتا ہے۔ ایک غیر محقق عالم اس کثرت اسانید سے متاثر ہوکر اس کی صحت یا اس کے درجہ شہرت اور تواتر پر یقین کرنے کے لیئے تیار ہو جاتا ہے۔ ہم نے حاکم کی ان روایات کی تنقید "فتح الباری" کی امداد سے شروع کی تو ان میں سے ایک اسناد بھی صحیح نہ نکلی۔

ان متاخر محدثین نے ائمہ متقدمین پر تصحیح احادیث میں پورا اعتماد نہیں کیا۔

واضح رہے کہ ائمہ تنقید کے طبقات تین ہیں۔

(طبقۂ اولیٰ) شعبۃ بن الحجاج (متوفی ۱۶۰ھ) سفیان بن سعید ثوری (متوفی ۱۶۱ھ)

(ثانیہ) یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸ھ) عبدالرحمان بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ)

(ثالثہ) یحییٰ بن معین. متوفی ۲۳۳ھ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

ان کے بعد ائمہ فقہ الحدیث کو چار طبقوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(طبقۂ اولیٰ)	سفیان ثوری	امام مالک بن انس
(ثانیہ)	عبداللہ بن المبارک	امام شافعی
(ثالثہ)	امام اسحٰق بن ابراہیم راہویہ	امام احمد بن حنبل
(رابعہ)	امام بخاری	امام ابوداؤد

ان کے بعد ائمہ مصنفین کے طبقے آتے ہیں:۔

طبقہ اولےٰ۔ امام بخاری، اور ابوداؤد[1]

طبقہ ثانیہ ۔ مسلم و ترمذی ۔نسائی بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ان حضرات پر تصحیح احادیث کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

اس کے بعد محدثین کی خدمات دو قسم ہیں:۔

اول یہ کہ ان کتابوں کی خدمت کریں جن کا تعلق طبقہ اولےٰ اور ثانیہ سے ہے مثلاً ان کے اسماء الرجال لکھیں ۔ ان کی فقہ پر بحث کریں۔ ان کی تائید میں طرق جمع کریں ۔ ان کی غلطیوں پر متنبہ کریں کیونکہ تھوڑی تھوڑی غلطیاں ہر مصنف سے ہوتی رہیں حتیٰ کہ امام بخاری جو سب سے زیادہ متقن مانے جاتے ہیں اُن کی کتاب میں حافظ ابن حجر[2] چالیس کے قریب ایسی حدیثیں مانتے ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں۔ اور حافظ صاحب کے پاس بھی ان کا کوئی حل نہیں ہے۔ مگر جن ائمہ کی کتب پر اس طرح کی تنقید عمل میں آئی۔ اور اُنکی غلطیاں محدود اور معین ہوگئیں۔ ان کی کتابوں سے استفادہ کرنا سہل ہوجاتا ہے۔

---

[1] امام ابوداؤد کو طبقہ اولےٰ میں اور امام مسلم کو طبقہ ثانیہ میں دیکھ کر کسی صاحب کو سہو قلم کا شبہ نہ ہو فی الحقیقت طبقہ کے لحاظ سے امام ابوداؤد امام مسلم سے مقدم اور امام بخاری کے ہم طبقہ ہیں اگرچہ ان کی کتاب "سنن ابی داؤد" کا درجہ امام مسلم کی صحیح کے بعد ہے۔ لیکن مصنفات کی ترتیب بدلنے سے ان کے ذاتی تقدم پر کوئی اثر نہیں آتا۔ اپنے زمانے کے اکابر میں امام احمد اور امام اسحٰق گنے جاتے ہیں ان کے بعد امام احمد کی جگہ ابوداؤد نے اور امام اسحٰق کی جگہ امام بخاری نے لی۔ ۱۲ منہ عم فیضہ

[2] یوں تو حافظ ابن حجر نے صحیح بخاری میں سو کے قریب معلل روایتیں نکالی ہیں۔ پھر اُن خدشات کے جوابات بھی بیان کیئے ہیں۔ مگر چالیس کے قریب روایات کا ضعف اُن کے نزدیک اس درجہ کا ہے کہ یہ اعتراف حافظ اُس کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا ۱۲

محمد ندالحق العلوی غفرلہ ۲۲ اپریل

اس (قسم اول) کی طرح حدیث کی خدمت کرنے والے ائمہ محدثین، ہمارے اساتذہ تک پائے جاتے ہیں۔ قسم دوم وہ محدثین ہیں جو علم حدیث میں جدت پیدا کرکے نئی تصانیف پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کی تمام کتابیں اس قابل نہیں کہ اُن سے کوئی دینی مسئلہ اخذ کیا جائے۔ اُن میں جو نئی روایتیں ملیں گی وہ عموماً وہی ہونگی جن کو پہلے ائمہ نے غیر صحیح سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح کی بے احتیاطی نے علم حدیث کو بجائے مفید ہونے کے ایک طرح مضر بنا دیا۔ اس دوسرے (جدت پسند) طبقے کی تصانیف میں وہ تمام نقائص پائے جاتے ہیں۔ جو اہل کتاب کی روایتوں میں ہمارے علما کے نزدیک قابل اعتراض ہیں۔

ہم نے حافظ ذہبی (شمس الدین محمد بن احمد متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ھ، اور حافظ ابوالحجاج مزی (یوسف بن زکی متوفی ۷۴۲ھ) کے زمانہ تک علما میں تنقید کا مادہ واضح طور پر پایا ہے، اس زمانہ تک پہلی صنف کے عالم (یعنی محفوظ و صحیح کی خدمت کرنے والے) دوسروں سے ممتاز چلے آئے ہیں لیکن ابن السبکی سے لے کر پھر دونوں قسم کے علما میں اختلاط پایا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اسی طرح شاہ ولی اللہ تک ممتد ہے۔ شاہ صاحب نے پھر تمیز پیدا کر دی۔ اور محققین کے اس طریقے پر چلنے والی ایک مستقل جماعت تیار کر دی۔ اسے ہم شاہ صاحب ہی کی قوت تجلایا کا ایک مظہر جانتے ہیں۔

فصل (۴)

محدثین میں عموماً مشہور ہے کہ صحاح چھ کتابیں ہیں۔ اُن میں سے پانچ متفق علیہ ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی، سنن نسائی۔ ششم میں اختلاف ہے **ایک بڑی جماعت** موطا مالک کو چھٹی کتاب مانتی ہے۔ اس جماعت کے اولیں امام قاضی عیاض (بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ) ہیں۔ انھوں نے مشارق الانوار[ا] (موطا، بخاری، مسلم، کی شرح میں لکھی۔ اُسی عہد کے دوسرے امام قاضی

[ا] قال الامام عبدالعزیز الدہلوی، فی العجالۃ النافعۃ طبقہ اولی از کتب حدیث سہ کتاب اند۔ موطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم قاضی عیاض کتاب "مشارق الانوار" را برائے شرح ایں ہر سہ کتاب مخصوص نوشتہ۔ و ایں "مشارق الانوار" غیر مشارق الانوار صغانی است [قال مولانا الشیخ عم فیضہم حسن بن محمد الصغانی اللاہوری فقیہ محدث و اکابر ائمۃ الطریقۃ مثل شیخ الاسلام فریدالدین اجودھنی و سلطان المشائخ نظام الدین الدہلوی و اکابر فقہاء الہند ترجع اسانیدہم الی الامام العلامۃ الصغانی فی الفقہ والحدیث۔ فانہ اخذ من صاحب الہدایۃ بواسطۃ ولدہ عمر المرغینانی فہو **شیخ الہند الاول**۔ توفی ۶۵۰ھ] بعید آنکہ احادیث صحیحین را بحذف اسناد فقط جمع نمودہ۔ چنانچہ مشارق الانوار عیاض شرح ایں سہ کتاب است و کتاب جامع الاصول از ابن اثیر شرح صحاح ستہ است و صاحب جامع الاصول ابن ماجہ را در صحاح عدد نکردہ۔ بلکہ موطا را ششم قرار دادہ **والحق معہ** ھ ۱۲

محمد نورالحق غفرلہ العلوی

ابوبکر بن عربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) ہیں ان کے بعد اس فکر کے داعی حافظ مجدالدین ابن اثیر شافعی (مبارک بن محمد، مولف جامع الاصول، ونہایہ، متوفی ۶۰۶ھ) ہیں جنھوں نے جامع الاصول میں ابن ماجہ "کو نظرانداز کرکے موطا مالک کو چھٹی کتاب قرار دیا۔ ان کے بعد حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیچ حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) ہیں ان کی تصریح ہے "اوّلُ من صَنّفَ الصحیحَ مالک" قالہ فی المصنف، پھر ان اساتذہ کی متابعت میں محدثین کی کثیر جماعتیں پیدا ہوئیں۔ شاہ صاحب ان میں غالباً آخری ہستی ہیں۔

دوسری جماعت نے سنن ابن ماجہ کو چھٹی کتاب قرار دیا۔ پہلے جس عالم[2] نے یہ تجویز کی۔ وہ اسماء الرجال میں تو امام تھے۔ مگر فقہ اور تعامل مسلمین سے تقریباً ناآشنا ہیں۔ پھر ان کے تتبع میں عام طور پر یہی کتاب صحاح میں شمار ہونے لگی۔

اس کتاب (ابن ماجہ) کا **علمی درجہ** فقہاء محققین کے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں وہ منفرد ہے۔ اگر موضوع نہیں تو ضعیف ضرور ہوگی۔

یہ کتاب ہمارے اساتذہ کے یہاں بھی درس میں مروّج ہے۔ اس کو مذکورہ بالا قسم کی غیر صحیح کتب حدیث کے مطالعہ اور سمجھنے کے لیے **نمونہ** بنایا جاتا ہے۔ مگر طالب علم ابتداءِ تحصیل میں ان مشکل مسائل پر غور نہیں کرتے۔ جب ایک عالم ہمارے مشائخ کے پاس درجہ تکمیل طے کرنے لگتا ہے تب اسے ان دقائق پر متوجہ کیا جاتا ہے۔

درجہ تکمیل ہمارے یہاں درجہ تکمیل ایک قاعدے میں منضبط شدہ طریقہ نہیں بن سکا۔ عام طور پر فارغ التحصیل طلبہ جب اپنے طور پر پڑھانے لگتے ہیں تو ان کو شکوک پیدا ہوتے ہیں اور وہ اُن کے ازالہ کے لیے پھر اساتذہ کی خدمت میں بار بار آتے ہیں۔ اور تدریجاً اُن شبہات کا حل کرتے کرتے، درجہ اطمینان تک جا پہونچتے ہیں۔ ہم اُن کو درجہ تکمیل کا فارغ مانتے ہیں۔

میری طالب علمی اسی طرح پر ہوئی۔ اور میں آخر میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے طرز میں منفرد نہیں تھا میری طرح میرے ساتھیوں میں اور حضرات بھی تحقیق کرتے کرتے انھیں مسائل پر پہونچے، جہاں میں پہونچا تھا۔ اس تجربہ کے بعد میں نے یہ نظریہ قایم کرلیا ہے کہ تحصیل کے بعد غیر قانونی طور پر ہمارے اساتذہ

---

[1] احد الثلاثۃ الاخوۃ۔ ثانیہم الامام عز الدین، علی بن محمد بن الاثیر۔ مولف الکامل و اسد الغابۃ ولباب الانساب لخص فیہ الانساب للسمعانی۔ توفی ۶۳۰ھ۔ وثالثہم الوزیر الادیب ضیاء الدین نصر اللہ ابن محمد صاحب المثل السائر، توفی ۶۳۷ھ ۱۲

[2] باوجود جد وجہد کے میں اس عالم کی تعیین کرنے سے قاصر رہا ہوں، لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

اپنی صحبت میں رہنے والے عالموں کو مکمل بنا دیتے ہیں۔

نوجوان طلبہ کے ساتھ میرا ان مسائل پر مذاکرہ ہوتا رہا۔ اُنھوں نے عام علما کی شکایت کی میں نے اُنکو اس خاص طبقے (میری طرح تکمیل کرنے والے حضرات) کا تعارف کرایا جن سے وہ مطمئن ہو گئے۔ جن لوگوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی میں نے اُنھیں یونیورسٹیوں کے متوسط الاستعداد گریجویٹوں کی کثیر مثالوں سے لاجواب کر دیا۔

فصل (۵)

یہ خرابی جو عام اذہان پر مستولی ہے۔ اُس کی تہہ میں یہ مرض پنہاں ہے کہ حدیث کے فن کو خصوصاً تصحیح و تضعیف کو تقلیداً اخذ کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا عالم جو اپنی سمجھ سے صحیح حدیثوں کو صحیح سمجھتا ہو آج پیدا ہونا متعذر ہو گیا ہے۔ اسماء الرجال میں توثیق و تضعیف کا اختلاف۔ پھر صحیح حدیث کی تعریف میں مختلف آرا طالب العلم میں یکسوئی سے کوئی ملکہ پیدا ہونے نہیں دیتیں۔ آخر مجبور ہو کر فقہا[۱] کا جو متوارث مسلک ہے اُسی میں راجح و مرجوح کی تمیز پیدا کرنے کے بعد، جو حدیث اس مسلک کے موافق ہو اسے صحیح اور جو مخالف ہو اُس کو ضعیف بنانے کی استعداد حاصل ہونے پر طالب علم اپنا سفر ختم کر دیتا ہے۔

شاہ صاحب نے پہلے اس مرض کی تشخیص میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ اس کے بعد مرض کے ازالہ کا پورا نصاب تیار کر کے اپنے طریقہ کی تعلیم شروع کر دی۔ اب ان کے طرز پر چل کر مجتہد منتسب کی طرح ایک محقق محدث پیدا ہو سکتا ہے۔ جو ایک نئی حدیث کی تصحیح میں اگرچہ اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوگا مگر جن احادیث کو ائمہ نے عموماً صحیح کہا ہے ان کی صحت کے وجوہ معلوم کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔ اس اطمینان کے بعد وہ فقہ پر نظر ثانی کرے گا۔ جو مسائل صحیح احادیث کے مطابق پائے گا اُنھیں کو راجح مانے گا۔

اس طریقے کے عالم پیدا کرنے سے شاہ ولی اللہ نے سلف کے طریقے کو زندہ کر دیا جس کی مثال تیسری صدی ہجری کے بعد ملنا مشکل ہے۔

مُؤطا امام مالک فن حدیث میں شاہ صاحب کی تجدید یا اس بنیاد پر مرتکز ہے کہ صحاح ستہ میں اصح الکتب بخاری نہیں بلکہ مؤطا ہے بوجوہ ذیل:-

---

[۱] یعنی طلبہ مجبوراً حدیث کو ترک کر کے پہلے فقہ حاصل کرتے ہیں اور اس سے نصب العین معین کر کے پھر حدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بعدازاں جو حدیث مقررہ نصب العین کے مطابق پائی اُس کو راجح اور جو مخالف نظر آئی اس کو مرجوح قرار دیتے ہیں ۔ حضرت شیخ عم فیضہم ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

(۱) مؤطا مالک کے اسانید کی تصحیح سمجھنا بہت آسان ہے کیونکہ ان میں عموماً ایک ڈو ہی راوی ہوتے ہیں۔ جن کا اکثر حصہ، علماء مدینہ سے ہے۔ جن کو عام ائمہ مسلمین معتمد علیہ۔ اور ثقہ مانتے ہیں اس لیئے ان اسانید کا سمجھنا بہت آسان ہے۔

(۲) ادھر امام مالک کی شاگردی امام شافعی اور امام محمد ہر دو نے کی، ان ہر دو اماموں کی تنقید موطا پر موجود ہے۔ اس سے بھی انسان کو مؤطا کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

یہ ہر دو مجتہد، امام مالک کے استنباط کی مخالفت تو کرتے ہیں۔ مگر روایت کی تضعیف نہیں کرتے یہ چیز طالب العلم کے لیئے سرمایہ توثق ہے۔

(۳) اس کے بعد ائمہ حدیث، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، امام مالک کی کتاب کی شروح[۱] لکھتے ہیں۔ اس حصے کو شاہ صاحب نہایت وضاحت سے موطا کی شرح میں سمجھا دیتے ہیں۔

قال الامام ولی اللہ فی المسوی مشہ من تتبع مذاھبھم ورزق الانصاف من نفسہ علم لامحالۃ ان الموطا عدۃ مذھب مالک واساسہ، وعمدۃ مذھب الشافعی واحمد ورأسہ، ومصباح مذاھب ابی حنیفۃ وصاحبیہ ونبراسہ۔ وھذہ المذاھب بالنسبۃ للموطا کالشروح للمتون۔ وھو منھا بمنزلۃ الدوحۃ من الغصون۔ وان الناس وان کانوا من فتاوی مالک فی رد وتسلیم وتنکیت وتقویم۔ ماصفا لھم المشرب ولا تأتی لھم المذھب الا بما سعی فی ترتیبہ واجتھد فی تھذیبہ وقال الشافعی لذلک۔ لیس احد امنّ علیّ فی دین اللہ من مالک۔

وعلم ایضاً ان الکتب المصنفۃ فی السنن کصحیح مسلم وابی داؤد والنسائی وما یتعلق بالفقہ من صحیح البخاری وجامع الترمذی مستخرجات علی المؤطا مطمح نظرھم فیھا وصل ما ارسلہ ورفع ما اوقفہ واستدراک ما فاتہ وذکر المتابعات والشواھد لما اسندہ واحاطۃ جوانب الکلام بذکر ما روی خلافہ۔ وبالجملۃ فلا یمکن تحقیق الحق فی ھذا ولا ذلک الا بالاکباب علی ھذا الکتاب، انتہی۔

---

[۱] قال الشیخ الاندلسی عم فیضھم الامام ولی اللہ لایقبل قول اکثر المحدثین فی تقدیم الصحیحین علی الموطا۔ بل یوافق الامام الشافعی، حیث قال ما اعلم فی الارض کتابا بعد کتاب اللہ اصح من موطا مالک ویجعل الموطا متنا متینا مقدما علی جمیع کتب الحدیث ویجعل صحیح البخاری ومسلم وغیرھما کالشروح لہ ھم کتاب التمھید۔ موقف ثالث ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ العلوی

وقال فی المصفّٰی، بہ یقین معلوم شد کہ طریق اجتہاد و فقہ امروز مسدود است الا از یک وجہ کہ موطا را پیش گیرند و وصل مرسل آں. و ماخذ اقوال صحابہ و تابعین بہ شناسد و نظر مجتہدانہ افتیار کند و تعقبات شافعی وغیرہ آں در نظر دارد۔ بعد ازاں جہد کند بعلم احکام الٰہی و یقین یا غالب رائے حاصل کند بدلالت دلائل براں مسائل ہ

وقال ایضًا۔ چوں مبتدی قدرت بزبانِ عربی یافت موطا مالک بخواناند۔ و ہرگز آں را معطل نگزارند کہ اصل علم حدیث است و خواندن آں فیض ہا دارد ہ

وقال فی الحجۃ الطبقۃ الاولیٰ۔ من کتب الحدیث محصورۃ بالاستقراء فی ثلثۃ کتب الموطا و صحیح البخاری و صحیح مسلم و تدری الموطا عن مالک بغیر واسطۃ الف رجل قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا مالک واتفق اہل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علیٰ رأی مالک و من وافقہ و اما علیٰ رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل و لا منقطع الا و قد اتصل السند بہ من طرق اخرے۔ فلاجرم انہا صحیحۃ من ھذا الوجہ ھ باب طبقات کتب الحدیث۔

وقال الامام عبد العزیز فی العجالۃ النافعۃ۔ و نسبت دریں ہر سہ کتب (موطا و بخاری و مسلم) آں است کہ موطا گویا اصل و امّ صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ۔ و ہزار کس از علمائے عصر مالک موطا را روایت کردہ اند و عدالت و ضبط رجال ایں کتاب مجمع علیہ است۔ در مکہ و مدینہ و عراق و شام و یمن و مصر مشہور شدہ و بنائے فقہاء امصار براں ہست۔

در زمانِ مالک۔ و بعد از زمانِ مالک نیز علماء در تخریج بر موطا و ذکر متابعات و شواہد احادیث آں

لہ قال شیخ الاسلام ابن حجر کتاب مالک صحیح عندہ و عند من تقلدہ فی الاحتجاج بالمرسل و المنقطع و غیرھما۔ یعنی ان العلماء قد اختلفوا فی العمل بالحدیث المرسل و المنقطع فمذھب الامام مالک والامام ابو حنیفۃ و اکثر العلماء من تبع التابعین الی صحۃ العمل بھما۔ و یعم عندھم الاستدلال بقول عمر و امثالہ و الاستدلال باتفاق جمع من التابعین من اھل المدینۃ۔ فالامام مالک علی مقتضے اصلہ و لیست ھذہ العلل قادحۃ فی صحۃ الحدیث عندہ۔ فیکون الموطا کلہ صحیحًا عند مالک و ابی حنیفۃ و سائر تبع التابعین۔

وزاد السیوطی علی الحافظ ابن حجر فقال ان المرسل و المنقطع حجۃ عند مالک و من وافقہ فی ھذہ المسئلۃ و کذا الشافعیۃ عندنا (ای الشافعیۃ) اذا اعتضد بالروایۃ المرفوعۃ او بموقوف صحابی۔ و لیس فی الموطا مرسل الا وقد اعتضد بالروایات المرفوعۃ بلفظھا او بالمعنی۔ فالصواب ان یقال ان الموطا صحیح عند الجمیع ھ تعریب مقدمۃ مصفٰی ص ۲ ۱۲ محمد نور الحق غفرلہ

سعی بلیغ نمودہ اند ودر شرح غریب، وضبط مشکلات وبیان فقہ و سائر وجوہ بیان، آں قدر اہتمام نمودند کہ زیادہ براں متصور نیست۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در بسط وکثرتِ احادیث دہ چند موطا باشند لیکن طریق روایت احادیث، وتمیز رجال، وراہِ اعتبار واستنباط از موطا آموختہ اند انتہی۔

(قلت) فبتقدیم الموطا علے سائر کتب الحدیث والفقہ تختلف الطریقۃ الولی اللّٰھیۃ عن عامۃ الفقہاء والمحدثین اختلافاً جوھریاً۔ ومن لم یتفطن بذلک لا یصح ان یُعدّ من اتباع الامام ولی اللّٰہ انتھی۔ کتاب التمہید۔

پس موطا مالک ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر فقہا اور محدثین سب متفق ہیں۔ اب اگر اس کتاب کو اصل قرار دے کر حدیث کی باقی کتابیں پڑھی جائیں تو ان کتابوں کی صحت پر یقین حاصل ہو سکتا ہے میں اس طریقہ پر دو ماہ میں طالب العلم کو حدیث سمجھنے کا فن سکھا تا رہا ہوں۔ آخر میں مکہ معظمہ رہتے ہوئے بھی حرم محترم کے علمانے مجھ سے یہ فن سیکھا۔

قرآن عظیم ہماری دانست میں اپنے موضوع کی مستقل کتاب ہے۔ گزشتہ فصول میں ہم نے اس کی توضیح کرنے کی سعی کی ہے۔ مگر آیات احکام پر عمل کرنے کے لئے ہمیں دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے ہمیں ایک فقہ کی کتاب درکار ہے۔ جس میں تصریح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز یوں ادا کرتے تھے مسلمانوں سے زکوٰۃ اس طرح وصول کرتے تھے۔ بیع وشرای کے معاملات اس طرح طے ہوتے تھے۔ غرض جمیع آیات احکام کی تفصیل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے وفاقی دور (یعنی شہادت عثمان تک) سے معلوم ہونی چاہیئے۔ اور یہ چیز موطا میں ملتی ہے۔

حضرت علی کے زمانے میں جب باہمی جنگیں شروع ہوئیں تو حضرت علی مدینہ منورہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے۔ یعنی اہل مدینہ نے جو علم سیکھا تھا۔ اس پر فتنہ کا کوئی اثر نہیں پڑسکا۔

اس کے بعد بنی امیہ کے دور میں سیاسی مرکز دمشق بنا۔ مگر انھوں نے علمی مرکز مدینہ طیبہ ہی کو تسلیم کیا۔ اس سے اہل مدینہ کا توارث بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا۔ اور یہ توارث موطا میں مذاہب "السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا وکذا"، کا جملہ امام مالک جب ارشاد کرتے ہیں تو اس سے یہی توارث مراد ہوتا ہے۔ جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر بنی امیہ کے دور تک قائم رہا۔

فقہاء سبعہ | مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے بعد سات[1] فقہا پیدا ہوئے (۱) سعید بن مسیب۔

[1] استاذ امام ابو منصور عبد القاہر تمیمی بغدادی، متوفی ۴۲۹ھ کتاب اصول الدین ص۳۱۷ میں لکھتے ہیں۔ اربعۃ من الصحابۃ تکلم

(۲) عروۃ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (۴) خارجہ بن زید بن ثابت (۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود (۶) سلیمان بن یسار (۷) ابوبکر بن عبد الرحمٰن ابن حارث۔ یا سالم بن عبد اللہ بن عمر یا ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف ۔ تعریب مقدمہ مصفی ص ۳۵

ان فقہاء سبعہ نے اہل مدینہ کے تمام تر علم کو محفوظ کر دیا۔ پھر اُن کے شاگردوں (امام ابن شہاب زہری وغیرہ) سے امام مالک نے علم لیا۔ لہذا اس سے بڑھکر دنیا میں کسی کتاب کا صحیح ملنا ناممکن ہے۔

فصل (۶)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل علم نے کیوں اس کتاب کو موخر کر دیا؟ اس کا جواب معلوم کرنے کیلئے اس حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں میں محفوظ ہے۔ اُن کی چار قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ (الف) علم فقہ (ب) مغازی وسیر (ج) تفسیر (د) فتن وملاحم۔ امام بخاری کی کتاب ان ہر چہار فنون کی جامع واقع ہوئی ہے۔ اندریں طرح کی جامع کتاب اور اس سے بڑھ کر صحیح مجموعے کا ملنا ممکن نہیں ہے بنا بریں اہل علم سب اسی پر ٹوٹ پڑے۔

امام ولی اللہ قرآن عظیم کے معانی کو علٰحدہ علٰحدہ ابواب میں تقسیم کر چکے ہیں اور اُن کے نزدیک ہر ایک باب اُن میں سے اپنے افادے میں مستقل ہے۔ نہ تو کسی پہلی کتاب کا محتاج ہے۔ اور نہ کسی بعد کے علم وعمل سے متاثر ہوتا ہے۔ البتہ فن احکام عملی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسوہ سمجھنے کا محتاج ہے خیر القرون میں جس طرح قرآن شریف پر عمل کیا گیا۔ وہ اہل مدینہ کے یہاں محفوظ تھا۔ اور موطا اس کا ایک اچھا نصاب ہے۔ اس لیئے قرآن پڑھنے کے بعد موطا کی ضرورت بہرحال باقی رہے گی۔

شاہ صاحب کی تقسیم میں احکام کے سوا جو فنون ہیں۔ اُن میں قرآن حکیم کسی فن (مثلاً مغازی و تفسیر، اور فتن وملاحم) کا محتاج نہیں ہے۔ اب ایک ایسے امام کے لیئے جو اسلام کو قرآن شریف میں مکمل پاتا ہو۔ موطا جیسی فقہ کی کتاب کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) فی جمیع ابواب الفقہ۔ وھم علی وزید وابن عباس وابن مسعود (۱) وھولاء الاربعۃ متی جمعوا فی مسئلۃ علی قول فالائمۃ فیھا مجتمعۃ علی قولھم (۲) وکل مسئلۃ اختلف فیھا ھولاء الاربعۃ فالامۃ فیھا مختلفۃ، وکل مسئلۃ انفرد فیھا علی بقول تبعہ فیھا ابن ابی لیلی والشعبی وعبیدۃ السلمانی، وکل مسئلۃ انفرد فیھا زید اتبعہ مالک والشافعی فی اکثرہ۔ ویتبعہ خارجۃ لا محالۃ (۳) و کل مسئلۃ انفرد فیھا ابن عباس اتبعہ فیھا عکرمۃ وطاؤس وسعید بن جبیر، وکل مسئلۃ انفرد فیھا ابن مسعود تبعہ فیھا علقمۃ والاسود ثم من بعد الصحابۃ مرتبۃ الفقہاء السبعۃ وھم سعید بن المسیب وعروۃ بن الزبیر وخارجۃ بن زید والقاسم بن محمد

پھر شاہ صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمد بن حنبل مغازی، تفسیر اور ملاحم تک صحیح روایات کا انکار کر چکے ہیں

وصیت شیخ الہندؒ مجھے مولانا شیخ الہند نے دو کتابوں کے مطالعہ کی وصیت فرمائی:۔

(الف) فنون حدیث میں میرا شغف دیکھا کہ میں تمام کتابوں کو جمع کرنے کا از حد ساعی ہوں۔ تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ تمھیں صحاح سے اگر مزید کی ضرورت ہے تو مسند امام احمدؒ کو کافی سمجھو۔

(ب) اور شرحِ حدیث میں فتح الباری سے تمسک کرو۔

مسند احمد شاہ صاحب کا طریقہ سمجھنے کے بعد مجھے صحاح سے زائد متون کی حاجت محسوس نہیں ہوئی۔

(۱) مسند احمد کے متعلق افسوس ہے کہ اس میں اُن کے بیٹے عبداللہ کی روایتیں ملادی گئی ہیں۔

(۲) اور جن روایتوں کو امام احمد نے صراحۃً غیر صحیح کہا۔ اور مسند سے اُن کو کاٹ دیا تھا کاتبوں نے وہ بھی اُس میں درج کر دی ہیں۔

(۳) ایک اور اتفاقی مصیبت یہ پیش آئی کہ امام احمد جب گھر میں معتکف ہو چکے تھے اُس وقت اُن سے مسند پڑھا گیا ہے۔ اور امام کے بیٹے عبداللہ کے سوا اُس کا اور کوئی راوی نہیں ہے۔ اور عبداللہ ابن احمد اتنا لائق اور قابل اعتماد نہیں ہے جتنا کہ اس کتاب کی روایت کے لیئے ثقہ ہونا ضروری ہے یہ کتاب یا تو مجمع مسلمین میں پڑھائی جاتی۔ اور متعدد لوگ اُس کے راوی ہوتے۔ اور یا عبداللہ سے کوئی بہت بڑا فاضل اس کا راوی ہوتا۔

اِن حالات کے پیش نظر مجھے ادھر توجہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ پھر بھی میں نے اس سے استفادہ کیا۔ اور خاص خاص عالموں کے لیئے میرا یہ مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔ عام طور پر اس کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) وسلیمان بن یسار، وعبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود وابوبکر بن عبد الرحمان بن الحارث بن ہشام

لہ فی الحجۃ۔ کاد مسند احمد ان یکون من جملۃ الطبقۃ الثانیۃ (اے سنن ابی داؤد وجامع الترمذی و مجتبی النسائی) فان الامام احمد جعلہ اصلاً یعرف بہ الصحیح من السقیم وقال احمد ما لیس فیہ فلا تقبلوہ ھ

وفی العجالۃ النافعۃ۔ حضرت والد ماجد قدس سرہ مے فرمودند کہ مسند امام احمد نزد فقیر نیز از طبقہ ثانیہ است۔ وو مے اصل است در معرفت سقیم از ضعیف وبہ وے شناختہ مے شود حدیثے کہ آں را اصل ہست، وآنچہ اورا اصل نیست مگر آنکہ در مسند احمد احادیث ضعاف بسیار اند۔ کہ حال آں ہا بیان نہ کردہ اند۔ اما ضعیفے کہ در وے ہست۔ ازیں احادیثے کہ متاخرین تصحیح آں ہا مے کنند بہتر مے نماید۔ وعلمائے حدیث وفقہ آں را پیشوائے خود ساختہ اند۔ وبحقیقت کن علم ست در فن حدیث

محمد منظور نعمانی

فتح الباری اس کے بعد میں نے فتح الباری سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ میں صحیح بخاری کو حافظ ابن حجر سے بھی بڑھ کر اصح الکتاب مانتا تھا۔ جن چالیس حدیثوں پر حافظ ابن حجر نے جرح کرکے لکھا کہ اس جرح کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ میں اُن کا بھی جواب دینے کے لیئے تیار تھا۔ مجھے یہ بُرا معلوم ہوتا تھا کہ طالب علم کو حدیث کی جو پہلی مرکزی کتاب پڑھائی جائے۔ اس پر بھی اُس کو اعتماد کامل نہ ہو۔

سَببُ الرجوع الی المؤطا میرا کافی زمانہ اسی طرح گزرا۔ اُس کے بعد تشکیک پیدا ہونا شروع ہوئے جبکہ میں نوجوان تعلیم یافتہ گروہ سے ملنے لگا تو بعض چیزیں ان کو سمجھانا میرے لیئے مشکل ہوا۔ میں نے صحیح بخاری کے ابواب میں ربط پیدا کرنے کی اسی طرح کوشش کی جس طرح ایک سورت کی آیات میں تناسب پیدا کرتا رہا۔ میں نے ان چیزوں میں سے بعض چیزیں مولانا شیخ الہند کو سنائیں۔ آپ نے بہت پسند کیں میں نے اس کے لیئے قواعد کلیہ ضبط کرلیئے ہیں جنہیں لکھ نہیں سکا۔ یہ چیزیں میرے پاس فتح الباری سے زائد تھی۔

مگر جس قدر میری توجہ قرآن عظیم کی طرف بڑھتی گئی۔ اور نوجوانوں کو بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہوتا گیا۔ اُسی قدر میرے سابقہ یقین میں تزلزل پیدا ہونے لگا[۵] میں اس کا کبھی قائل نہیں ہوا کہ دینی تعلیم

---

[۵] الفرقان "صرف اس بنا پر کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کو صحیح بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہے اس کی صحت کے یقین میں "تزلزل" پیدا ہونا باوجود غور کے سمجھ میں نہیں آسکا ——— اس ناچیز نے بھی اس طبقہ کی دینی تعلیم کا کچھ تھوڑا سا تجربہ کیا ہے اور اس تجربہ نے اس نتیجہ پر پہونچایا ہے کہ انمیں سے جن افراد کی ذہنیت صرف کالج ہی میں بنی ہے یعنی ان کو کسی اچھی سوسائٹی یا گھر کی فضا سے اچھے اثرات لینے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا اور صرف کالج ہی کی فضا ان پر اثر انداز ہوئی ہے اور ویسی ہی سوسائٹی ان کی رہی ہے ——— اُن کا حال عموماً یہ ہے کہ "قرآن عظیم" کے بھی بہت سے حصے کا سمجھانا انھیں مشکل ہے۔ بالخصوص آغاز آفرینش کے متعلق قرآن پاک جو کچھ کہتا ہے اور ماورائیات کے متعلق اُس کے جو بیانات ہیں آج کل کے کتنے ہی جدید تعلیم یافتہ نوجوان ہیں جو از راہ عناد وتمرد نہیں بلکہ ذہنیت کی ماؤفی کی وجہ سے عملی طور پران کو نہیں قبول کرسکتے ——— ایسے نوجوانوں کے لیئے خود میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُن کو ابتداءً قرآن پاک بطور ترجمہ نہیں پڑھایا بلکہ پہلے دو تین مہینے بس اپنے مخصوص طریقے پر میں نے اس قدر عربی زبان ان کو سکھائی کہ وہ قرآن کو حقیقی معنی میں پڑھ سکیں اور اس دو تین مہینے میں مسلسل تبادلہ افکار کے ذریعہ انکی ذہنیت کو ہموار کرنے کی کوشش میں بھی لگا رہا۔ اس کے بعد بھی اُن کو قرآن پاک ایک سرے سے شروع نہیں کرایا بلکہ ابتداءً ایسی سورتیں منتخب کیں جن کو مضامین کو وہ بآسانی سمجھ کر قبول کرسکتے تھے۔ اس طریقہ عمل سے بفضلہ تعالٰے وہ قرآن کی اُن تعلیمات کو بھی قبول کرنے کے قابل ہوگئے

اگر عربی مدارس کے طلبہ کو دی جائے تو اطمینان بخش ہو۔ اور اگر وہی تعلیم کالج کے طلبہ کو دی جائے تو اطمینان پیدا نہ کر سکے۔ اگر ایسا ہو تو وہ تعلیم حقیقی اسلام کی تعلیم نہیں ہوگی۔ اس لیئے کہ قرآن ساری دنیا کے لیئے نازل ہوا ہے اگر کالج کے طلبہ کو ہم قرآن کی تعلیم اسی طریقے پر (جو عربی مدارس میں کامیاب ثابت ہوا) نہیں دے سکتے تو غیر مسلم لوگوں کو ہم کیا پڑھا سکتے ہیں۔

اس طرح ابن حجر کی تحقیقات سے میری طبیعت غیر مطمئن ہونے لگی۔ رحمت الٰہی کا ایک کرشمہ سمجھنا چاہیئے کہ مجھے موطا مالک کی شرح التمہید[۱] (از حافظ ابن عبد البر یوسف ابو عمر مغربی متوفی ۴۶۳ھ)

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ)
جو شروع میں اُن کے لیئے ناقابل فہم تھیں — میرا خیال ہے کہ اس تدریجی طریقہ سے اُن کو صحیح بخاری بھی پڑھائی جا سکتی ہے — علاوہ ازیں اس یورپ زدہ طبقہ، یا یورپین نو مسلموں کے فہم و عدم فہم کو احادیث کی صحت و عدم صحت کے لیئے کسوٹی بنانا تو تجربہ سے قطع نظر علمی و عقلی طور پر بھی صحیح نہیں — اور اس معیار پر تو قرآن کے بعض حصے بھی قابل غور ہو جائیں گے۔

(۲) نیز اس باب میں عربی مدارس کے طلبا کا اس طبقہ سے مختلف الحال ہونا اور اس کی وجہ بھی بالکل ظاہر ہے، تحتانی درجات کے تعلیمی اثرات کے علاوہ مدارس عربیہ کا ماحول بھی ہمارے طلبہ کے ذہن کو علوم نبوت سے قریب تر کرنے میں کافی مدد دیتا ہے۔ بخلاف یورپی علوم کی درسگاہوں کے کہ وہاں کا ماحول اور وہاں کی تعلیم نہ صرف یہ کہ اس بارہ میں کوئی مدد نہیں دیتے بلکہ انسانی ذہن کو وہ علوم نبوت سے اور دور کر دیتے ہیں، اس لیئے عربی مدارس کے طلبہ کا قرآن و حدیث کے علوم کو بہ آسانی قبول کر سکنا، اور کالجوں کے تعلیم یافتوں کے لیئے اُن کا مشکل ہونا اور بعض چیزوں کو نہ سمجھ سکنا بالکل فطری چیز ہے، جس میں قرآن یا حدیث کا کوئی قصور نہیں۔

اس موقع پر یہ سطریں لکھنے کی جسارت اس لئے کرنی پڑی کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کے متعلق خود حضرت شاہ صاحب کا یہ فیصلہ ہے کہ اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع ..... وان کل من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین الخ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ ۱۲ النعمانی غفرلہ،

[۱] کتاب التمہید از ابن عبد البر کا مکمل نسخہ مغرب میں موجود ہے۔ مکہ معظمہ کے زمانہ اقامت میں مجھے یہ معلوم ہوا تھا۔ ہندوستان میں اُس کی چند جلدیں میرے مطالعہ سے گزریں جن کا تعلق مولوی شمس الحق عظیم آبادی کے کتاب خانہ سے تھا۔ بعد ازاں کابل میں چند اور جلدیں اُسی کتاب کی میرے مطالعہ میں آئیں۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہند اور کابل کے نسخوں کا کاتب ایک ہی ہے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ جب ہندوستان غارت ہوا تو یہ جلدیں یہاں سے کابل پہنچیں سہ

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری (قالہ مولانا شاہ نور الحق علوی)

ل گئی۔ اس نے فتح الباری کی جگہ لے لی۔ میں حافظ ابن حجر کی نسبت ابن عبد البر کو بہت بڑا محقق مانتا ہوں دھر شاہ ولی اللہ کا زور تھا کہ موطا کو سب پر ترجیح دینا لازم ہے۔ اب میں اس کا قائل ہونے لگ گیا وطا میں وہ تمام مشکل حدیثیں نہیں پائی جاتیں جن کا سمجھانا نوجوانوں کے لیئے بہت مشکل ہے۔

اب ان مختلف اثرات کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن عظیم کے بعد میں شاہ ولی اللہ کی کتاب مسوّی شرح موطا کا پڑھنا، حدیث اور فقہ کے لیئے کافی سمجھتا ہوں۔ اور یہ اسلام میں ساری دنیا کو سکھا سکتا ہوں سلمانوں کو ائمہ فقہا کے طریقے پر اور غیر مسلموں کو حکمت کے اصول پر۔

جہاں تک میرا حلقہ اثر رہا، میں اس میں خدا کے فضل سے کامیاب رہا ہوں۔ اس سے مجھے شاہ لی اللہ کی اس تجدید کی (کہ موطا اصح الکتب ہے) بڑائی بعین قدر و قیمت نظر آنے لگی۔ متاخرین حدثین اس چیز کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہیں۔ میں اُن کی تعلیمات کو درجہ تکمیل کے لیئے تو جائز قرار دیتا ہوں۔ مگر قرآن سمجھنے کے لیئے اُن کی تعلیمات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

مولنا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے۔ قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا۔ اگرچہ طریقے اور پروگرام میں کسی قدر اختلاف رہا۔ وہ بائیبل مجھ سے بدرجہا اعلے جانتے تھے۔ اور میں حدیث اُن سے زیادہ جانتا تھا۔ جب تک میں ہندوستان میں اُن سے ملتا رہا حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا۔ اتفاقاً جس سال میں مکہ معظمہ پہونچا ہوں اُسی سال وہ بھی حج کے لیئے آئے۔ ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں۔ افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی۔ ہم نے سختی سے اُن پر انکار کیا۔ اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے گا۔ تنگ آکر فرمانے لگے، آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا موطا مالک! فرمایا ہم اسکو مانتے ہیں۔ میں نے کہا بس آج سے ہمارا تنازع ختم ہے۔ ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لیئے مجبور نہیں کرتا رہا یہ کہ صحیح بخاری میں میرے اشکالات کیا ہیں۔ اور میں ایک یورپین نومسلم کو وہ کتاب کیوں نہیں پڑھا سکتا ان تفاصیل پر میں مجالس عامہ میں گفتگو کرنے کا روادار نہیں۔ اہل علم جو تکمیل کر چکے ہیں۔ یا تکمیل کے قریب ہیں اُن سے میں مذاکرات میں سب کچھ کہدونگا۔ میں نے یورپ کا سفر سخت انقلابی حالات میں کیا ہے اور بحمد اللہ شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن دانی اور موطا مالک کی فقہ کو مانتا ہوا سالم نکل آیا ہوں۔ یہ میں شاہ صاحب کی تجدید کی بہت بڑی برکت مانتا ہوں۔ کاش اہل علم ادھر توجہ کریں۔ اور نوجوان مسلمان کی مرکزی طاقت (یعنی عربی مدارس اور کالج کے طلبہ) سے ہونہار افراد کو جمع کر کے ایک شیرازے میں باندھ دیں۔

باب چہارم ۔ علم فقہ

فصل اول . عرب

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سورۂ جمعہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کے پہلے مخاطب امیین ہیں ۔ امیین سے مراد عرب کے وہ طوائف ہیں جنھوں نے قریش کی امامت کو تسلیم کرلیاہے ۔ بعثت کا مقصد دوسرے موقع پر قرآن عظیم نے اس طرح واضح کیاکہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے مل کر دعا کی کہ ہماری نسل سے ایک امت مسلمہ (یعنی ابراہیمی حنیفی ملت پر) پیدا کی جائے . اور یہ "بیت الحرام" اس کا منبع اور اس کا مرکز ہو ۔ اس امت مسلمہ کو ایک نبی کی ضرورت ہوگی . جو ملت حنیفیہ کی صحیح معنوں میں تعلیم دے ۔ اور ان کو اس کے لیئے تیار کرے کہ اس دین کو وہ تمام امم میں پہونچا سکیں . یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش کیلئے ہے (؟) [عـــه] قریش عربی قوموں میں مل جل کر عرب بن چکو ہیں ۔ یہ سلسلہ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہلے طبقہ سے شروع ہوا ۔ اسمٰعیل کی اولاد قبائل میں تقسیم ہوگئی ہر جگہ انھوں نے

عـــه "الفرقان" اس موقع پر اصل مسودہ مضمون میں یہی الفاظ ہیں ایں نے ایک عریضہ کے ذریعہ مولنا کو ان الفاظ کی طرف توجہ بھی دلائی تھی لیکن پھر بھی مولنا نے یہ الفاظ برقرار رکھے اور تحریر فرمایاکہ اس کی تفصیل حضرت شاہ صاحب رح کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ جلد اول صفحہ ۲۰ میں مذکور ہے" اس وقت اتفاق سے میرے پاس "تفہیمات" کا نسخہ نہیں ہے کہ میں مراجعت کرکے اس کے منشا کو سمجھ سکوں لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کا مطلب آنحضرت کی بعثت عامہ کو قریش یا صرف عرب کے ساتھ مخصوص کرنا نہیں ہے (جیساکہ بادی النظر شبہ ہوتاہے کیونکہ اس سے اوپر والی سطر میں آپ کے دین کے "تمام امم" کیلئے ہونے کی تصریح موجود ہے اور آگے بھی اسی بحث میں یہ تصریح چند جگہ ملے گی ۔ نیز قرآن پاک میں بار بار اس کا اعلان کیا گیاہے کہ آپ کی رسالت تمام اقوام عالم کیلئے ہے (قال تعالے، قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السموات والارض وقال تعالی "تبارک الذی نزل الفرقان علےٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیراً" ـــــ وقال تعالیٰ ـ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علے الدین کلہ" الے غیرذالک من الآیات) ـــــ تو غالباً اس سے مولنا کا منشا یہ ہوگاکہ آپ کی اولین بعثت قریش کیلئے ہے اور آپکے ذریعہ سے من حیث القوم قریش ہی کو وہ بلند مقام دینا مقصود ہے جس کی دعا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کی تھی وہ قریش ہی آپکے اولین مخاطب ہیں اور باقی دنیا کیلئے وہی آپ کے

اپنا مرکز دعوت قایم کیا۔ اور اس گروہ خاص کی امامت حاصل کرلی۔ یہاں تک کہ تورات میں جو بارہ سرداروں کی پیش گوئی ہے، اہل کتاب اس کو اسمٰعیل علیہ السلام کی بلا واسطہ صلبی اولاد پر حمل کرتے ہیں۔ ہم ان کی تاویل کو نمت عربیہ میں حنیفیت کی اشاعت کے لیئے تسلیم کرتے ہیں کہ انھیں بارہ سرداروں (یعنی حقیقی بلا واسطہ فرزندان اسمٰعیل) نے حنیفیت کا مرکز عرب میں پیدا کیا۔ بہت دیر کے بعد قُصَیؔ نے منتشر اولاد اسمٰعیل کو مکہ معظمہ میں جمع کیا۔

یہاں سے خاتم النبیین کی بعثت کا ارہاص شروع ہوتا ہے۔ یہ لوگ (جماعت قصیؔ بن کلاب) فقط عرب کی سرداری پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ عراق وشام تک میں تجارت کے ذریعہ اپنا رسوخ پیدا کر رہے تھے اس طرح یہ مجمع الاقوام بنا کر ان پر سرداری اور حکومت کے متمنی تھے۔ یہ چیزیں اُن کے یہاں خاندانی روایات کے ذریعے منتقل ہوتی رہتی تھیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک بہت بڑا نبی پیدا ہوگا جو ہمیں تمام اقوام کا سردار بنا دے گا۔ بنی اسرائیل میں بھی یہی جذبہ موجود تھا۔ اور اس معنی میں ہر دو خاندانوں کی باہمی رقابت جاری تھی۔

بنی اسرائیل پہلے تو موسےٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو اُن کے برابر ماننے کے لیئے تیار نہیں ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام موسیٰ علیہ السلام نے کیا اُن کے نزدیک وہی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا مصداق تھا مگر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اسرائیلی قوموں سے باہر نہیں جا سکی۔

مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں ـــــ بالفاظ دیگر صابئین یا آرین قوموں میں بھی پہونچانے کی کوشش کی۔ مگر اُن کی مرکزیت کو اسرائیلی قوموں نے ہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہود عموماً مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے کم مستفید ہوئے۔ اگرچہ آگے چل کر موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم کو دنیا میں سنبھالنے والے یہی لوگ رہے۔ جو مسیح کے حواریین سے مستفید ہوئے۔ آج ہمارے زمانے میں جس قدر تورات کی اشاعت ہے کیا یہ یہودیوں کی محنت کا نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ مسیح کی تعلیم کے شایع کرنے سے پہلے عہد قدیم کا شایع کرنا ضروری تھا۔ اس لیئے مسیحی سلطنتیں اور مسیحی اشاعتی جماعتیں، عہد قدیم کی اشاعت کا ذریعہ بنیں۔

ان چیزوں کا اثر قریش کے اولی الرائے بزرگوں پر پڑتا رہا۔ وہ دیکھتے تھے کہ عیسائیوں نے

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) پیغام کے حامل اور مبلغ ہیں جیسا کہ حضرت شاہ صاحب الفوز الکبیر میں مقصد بعثت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خدا تعالیٰ خواست کہ بدست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	خدا تعالیٰ نے چاہا کہ آنحضرت کے ذریعہ سے عرب کو
عرب را پاک کند و بدست عرب سائر اقالیم را الخ	پاک کرے اور ان کے ذریعہ سے ساری دنیا کو۔

یہاں تک کتابت بھی ہو چکی تھی اس کے بعد تفہیمات اور حجۃ اللہ البالغہ میں بھی اس بحث کے مطالعہ کا موقع ملا اور وہیں سے پورا مطلب حل ہوا۔ اب میں انشاء اللہ تیسرے مقالہ میں اس مقام کی وضاحت کر سکوں گا ۱۲ نعمانی عفرلہ۔

بڑی بڑی سلطنتیں قایم کریں۔ گروہ حنفی دین کو سنبھال نہیں سکے۔ اس سے قریش کہ کے مرکز میں یہ توقع نفسی کے بعد مسلسل زور سے قایم رہی کہ ہم میں سے کوئی آدمی پیدا ہوگا۔ جو اصلی مرکز پیدا کرے گا۔

جملہ معترضہ [اجتماعیت اسلامیہ اور انفرادیت مخترعہ]

ہمارے اہل علم ایک لمبے زمانے سے سلاطین کی انفرادی تحریکوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ انھوں نے اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیا ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اس طرح غور کیا جاتا ہے کہ ساری نسل انسانی میں خدا تعالے کو منظور تھا کہ ایک اکمل انسان پیدا کرے وہ فرد فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اس موضوع کی ہر عالم اپنے فن سے توضیح کرتا ہے۔ یہی پر سیرت کی کتابیں کثرت سے لکھی گئیں۔

ہم نے جب سے یورپ کی سیاسیات کا براہ راست مطالعہ شروع کیا۔ ہمیں انسانی اجتماعی تحریک کے دونوں اسکولوں (یعنی سرمایہ دار اور محنت کش) کے مطالعہ کا ایک حد تک پورا موقع ملا آج کل کے لیڈر بین الاقوامی تحریکوں کو چلانے کے لیئے مذہب سے عداوت رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں سوشلسٹ اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں جانتے۔ وہ علانیہ مذہب پر حملہ کرتے ہیں سرمایہ دار اسکول معناً ان کا ہم صفیر ہے مگر اپنی سیاست کو چلانے کے لیئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتا رہتا ہے اس لیئے یہ لوگ علانیہ مذہب سے دشمنی نہیں خریدتے۔

ہم نے اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی طبعی ربط محسوس نہیں کیا۔ اس لیئے ہم نے لادینیت کو اجتماعی تحریک سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ اب اسلام میں جو ہماری واقفیت تھی وہ دیوبندی اسکول میں تعلیم پانے سے شاہ ولی اللہ کی امامت پر مرتکز تھی شاہ صاحب کی کتابوں میں ہم نے اجتماعیت کا خاص زور دیکھا اگرچہ وہ اسے نمایاں نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ ملک کی عام حالت اس کو برداشت نہیں کر سکتی تھی ہمارا زمانہ شاہ صاحب کو چھوڑ کر بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ مجھے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ شاہ صاحب کی طرح میں بھی اجتماعیت اسلامیہ کو نمایاں کرنے میں تامل کروں۔ میرے لیئے زیادہ سے زیادہ یہی نقصان ہوگا کہ میرے دوستوں میں جن لوگوں نے شاہ صاحب کی حکمت غور سے نہیں پڑھی۔ وہ میری مخالفت پر ڈٹ جائیں گے لیکن اب ہماری حالت ایسی کمزور ہو چکی ہے کہ ان کمزور طاقتوں کی رعایت کرنا کوئی ضروری امر نہیں رہا۔ شاہ صاحب کے زمانے میں پھر بھی مسلمانوں کا ایک سرمایہ محفوظ تھا۔ اس کی حفاظت کے لیئے وہ مصالح وتقیہ کا خیال کرتے رہے۔ دو سو برس کے بعد وہ سب کچھ لٹ چکا ہے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس کی حفاظت کیلئے ہم مصلحت وتقیہ کا خیال دل میں لاسکیں۔

اس لیئے شاہ صاحب کی اصلی تعلیم کو، پوست کندہ، تمام اصناف انسانیت میں شایع کرنا، میں نے اپنا مقصد زندگی بنا لیا ہے۔

اس فیصلے کے بعد پہلا اثر میرے افکار پر یہ آیا کہ مجھے قرآن شریف کی تفسیر پر نظر ثانی کرنا پڑی جس سے انفرادیت کو خارج کر کے اصول اسلامیہ کی اجتماعی روح کو قایم رکھنا میں نے اپنے لیے ضروری قرار دیا۔ ورنہ میں دُنیا کی اقوام کے سامنے قرآن پیش نہیں کر سکوں گا۔

اگر قرآن شریف کی تعلیم کا مرکز میرے ذہن میں یہ ہوتا کہ وہ ایک اکمل ترین انسان کے ذریعہ نازل ہوئی۔ اس لیئے دُنیا کو وہ پیغام سُننا چاہیئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہر قوم اپنے بزرگ ومقتدا کو خصوصًا مسیحی تو بیں معارضے میں اکمل ثابت کرنے کی سعی کرینگی۔ اور وہ مقصد ان مبادی کے طے کرنے کرتے قابل توجہ نہیں رہے گا

میں قریش کی نسبتی ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہوں۔ کہ ایک امت ہونی چاہیئے کہ وہ امم کو ہدایت دے (ومن ذریتنا امۃً مسلمۃً لک)

پھر اس امت کی ضرورتوں کے لیئے ایک فرد امام درکار ہے اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلق دُنیا سے بواسطہ قریش ہے اس نکتہ[ف] سے میرے بہت سے عقدے حل ہو گئے۔

میں قریش میں فردیت اور صنفیت کا قائل نہیں رہا۔ اس لیئے ہاشمیت، صدیقیت اور فاروقیت کے الفاظ میرے دماغ سے نکل چکے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے الائمۃ من قریش "، ایک اور روایت میں آیا ہے کہ بارہ سردار[لہ] پیدا ہوں گے۔ کلھم من قریش۔ مگر اب انفرادیت نے ہمارے دماغ خراب کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد سورہ بقرہ کی آخری آیتوں میں لانفرق بین احدٍ من رسلہٖ " سے میں یہ سمجھا کہ پہلے ہمیں تمام انبیاء، اللہ پر ایمان صحیح حاصل کرنا ضروری ہے۔ اُن میں سے ایک فرد اکمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جماعت انبیاء سے قطع کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرنا

ف یہاں مولانا نے اپنے اس مُدعا اور اُس نکتہ کو جو اہل علم کے لیئے بھی نامانوس ہے بہت ہی ایجاز و اختصار سے بیان فرمایا ہے جس سے بہت سوں کو طرح طرح کے شبہے پیدا ہونے کا قوی امکان ہے کاش مولنا ایک مستقل مقالہ میں اس مقصد پر وضاحت سے روشنی ڈالیں ۱۲ نعمانی

لہ وسیاتی تحقیقہ۔ فانتظرہ ۱۲ محمد نورالحق غفرلہ العلوی

میرے نزدیک صحیح نہیں رہا۔
ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی اوصاف میں اس قدر انہماک کر چکے ہیں کہ آپکی پیدا کی ہوئی جماعت کی قدر و قیمت ہماری نظروں سے جاتی رہی۔ مگر قرآن شریف کا ایک اشارہ ہمارے اس تخیل کو درست کرنے کے لیئے کافی ہے۔

(۱) محمد رسول اللہ" کے ساتھ "والذین معہ" ملاکر آپ کی تمام کامیابی کو جماعتی کام بنا دیا گیا ہے۔

(۲) کتب حدیث میں ایک جملہ معروف ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت برسرِ حق رہے گی اس کی تفسیر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما انا علیہ واصحابی"

(۳) قرآن عظیم نے جو دعا ہمیں اسلامی عقائد پر مضبوط رہنے کے لیئے سکھائی وہ سورہ فاتحہ میں مذکور ہے۔ وہاں "صراط مستقیم" کی تفسیر "صراط الذین انعمت علیہم" سے کی گئی۔ اور الذین انعم اللہ علیہم کی تفسیر خود قرآن شریف میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سے کی گئی ہے اس سے فی البدیہہ قرآن شریف کی تعلیم کو اجتماعی سمجھنا ضروری تھا۔ مگر کسی بے التفاتی کا شکار ہو کر ہم انفرادیت کی دلدل میں پھنس گئے۔

اس کے بعد میرے دماغ پر یہ اثر پیدا ہوا کہ قرآن عظیم دنیا کی تمام اقوام میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام ہے۔ اسے میں نے آیت "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون" سے استنباط کرلیا۔ دین ہر قوم کا علحدہ علحدہ رہ چکا ہے۔ اور قومی افکار و اعمال کا مقدس حصہ اُس قوم کا دین کہلاتا ہے۔ جب اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرنا منظور ہے تو تمام اقوام میں انقلاب پیدا کرنا ضروری ہوگا۔
انقلاب مذکور کی دو صورتیں ہیں اوّل یہ کہ تمام ادیان پر غلبہ فقط تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ہو۔ اس طرح اگر متحقق ہوتا تو قومیں اپنی خوشی سے اس دین حق کو قبول کرتیں۔ جب اس کے ساتھ "ولو کرہ المشرکون" کا جملہ نازل ہو چکا ہے۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مرکزی طاقت کے زور سے اس دین کا غلبہ پیدا کیا جائے گا۔ انٹرنیشنل انقلاب کا ترجمہ اس سے زیادہ اور کچھ ہم سمجھ نہیں سکے۔

عدمِ تشدد کا مسئلہ آج کل ہندوستان میں ایک نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے کہ عدم تشدد کی پابندی سے اقوام پر غلبہ حاصل کرلیا جائے گا۔ اور انقلاب اس نئے طریقے پر ہوگا۔

اب تک جو انقلاب کا مطلب سمجھا گیا ہے یہ اُس سے مختلف چیز ہے۔

جب تک یہ تھیوری عمل میں نہ آجائے قدیم فیصلوں کو منسوخ نہیں کر سکتی میں ذاتی طور پر عدم تشدد کی پالیسی ایک محدود زمانے کے لیئے معین کر چکا ہوں۔ اور مجھے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ تاریخ میں مقدس ہستیوں نے اس پالیسی کو ایک خاص وقت کے لیئے ضرور استعمال کیا ہے۔ مگر انسانی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ محض اسی کی بنیاد پر آخر تک کامیابی کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

خیر یہ [عدم تشدد کا نظریہ] تو جملہ معترضہ میں ایک دوسرا جملہ معترضہ تھا اب ہم پھر اصل مطلب [تحمیں جملہ معترضہ] پر بحث کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر قرآن عظیم کی تعلیم کو انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام مان لیا جائے تو اس کے لیئے تین چیزوں کی تعین ضروری ہے۔

(الف) اس کا آئیڈیا[1]۔ (ب) اس کا پروگرام (ج) اس پروگرام کو چلانے والی سنٹرل کمیٹی۔

کوئی انقلابی تحریک، پارٹی پالیٹکس کے سوا کامیاب نہیں ہوتی۔ اور ہر پارٹی پالیٹکس میں ان تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

(۱) میں نے قرآن عظیم میں غور کر کے اس کا آئیڈیا اس آیت کو مقرر کیا ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولوکرہ المشرکون۔

(۲) پروگرام کے لیئے پہلے حزب اللہ کی تعیین وتحدید ضروری ہے۔ حزب اللہ اُس پارٹی

---

[1] آئیڈیا کا ترجمہ ہماری زبان میں عموماً نصب العین۔ مطمح نظر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ ترجمہ پوری اصطلاح کو واضح نہیں کرتا سیاست کے ماہر حکما کے نزدیک یہ کلمہ آج کل خاص اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کو ہم بالاختصار اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ وہ ایک بہت بڑا مقصد ہے جو طریق عمل کی رہنمائی کرتا رہے گا اُس کا اپنی تکمیلی شکل میں متحقق ہونا ضروری نہیں ہے [بلکہ یہاں تک کہنا جائز ہے کہ آئیڈیا مکمل صورت میں کبھی متحقق ہو نہیں سکتا۔ وہ صرف طریق عمل کی رہنمائی کرتا ہے] مثلاً ایک ستارے کو دیکھ کر ہم ایک جہت معین کر لیتے ہیں اور عام الفاظ میں کہہ دیتے ہیں کہ اس ستارے پر پہونچنا مقصد ہے۔ اسی طرح ایک نہایت ارفع واعلیٰ چیز کو انسانیت کے جمع کرنے کے لیئے کارکن طاقتوں کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے یہ سب اس طرف اپنا رخ درست کر لیتے ہیں۔ یہ آئیڈیا کہلاتا ہے۔ ہماری تعلیمات میں اس کی کچھ مثال استقبال قبلہ ہے۔ قالہ مولانا الشیخ قدم فیضہم"

محمد نور الحق غفرلہ العلوی

کا نام ہے۔ جو قرآن عظیم کے انٹرنیشنل انقلاب کو کامیاب بنانا اپنا مقصد حیات قرار دیتی ہے۔

حزب اللہ حزب اللہ کی ضروریات پر قرآن عظیم کی مختلف سورتوں میں کافی ہدایتیں دی گئی ہیں۔ جہاں جہاں یا ایہا الذین اٰمنوا وغیرہ سے مومنین کو خطاب کیا گیا کہ وہ کفار اور منافقین کے راستے پر نہ چلیں۔ بلکہ فلاں فلاں حکم کی اس اس طرح پابندی کریں۔ ان تمام مواقع کو حزب اللہ کا پروگرام سمجھنا چاہیئے۔ یا ایہا الذین اٰمنوا کے پہلے مخاطب حزاب اللہ کے افراد ہی ہوتے ہیں۔ اس میں مرد و عورت۔ عرب و عجم سب شامل ہیں، اس کا پہلا نمونہ، السابقون الاولون من المہاجرین والانصار ہیں۔ اور ان کے بعد والذین اتبعوھم باحسان، قیامت تک کی جمیع اقوام مسلمہ کو شامل ہے اس طرح یہ پروگرام قیامت تک جاری رہے گا۔

(۳) اب فقط مرکزی کمیٹی کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ میری سمجھ میں آیت السابقون الاولون من المہاجرین والانصار، سنٹرل کمیٹی کو معین کر دیتی ہے۔

مسئلۂ خلافت و امامت اس تخیل پر تفصیل سے بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر ایک آدھ مسئلہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اہل سنت اور شیعہ اہل بیت ہمارے اصول پر اس اختلاف کا حل نہایت سہل ہو گا۔ ابوبکر صدیقؓ کی تقدیم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس قدر کمالات نفسیہ کے مالک تھے کہ پوری جماعت صحابہ میں کوئی آدمی ان کے مقابل نظر نہیں آیا۔ ہمارے نزدیک مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) نے فیصلہ کیا کہ ابوبکرؓ مقدم ہوں۔ اس لیئے وہ واجب الاتباع تھے۔ اگر جماعت، علیؓ یا عثمانؓ یا عمرؓ کو مقدم کر دیتی

ع ”الفرقان“: واضح رہے کہ مولانا کا منشا یہاں صحابہ کرام کے نفس الامری فرق مراتب اور تفاضل باہمی کا انکار کرنا نہیں ہے بلکہ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ انتخاب بڑا سے خلافت کی بنیاد ان ذاتی اور شخصی کمالات کی زیادتی پر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق صرف سابقین اولین کے فیصلے سے ہے۔ اور اس باب میں یہ فیصلہ ہی اصل چیز ہے ۱۲ م

ے موجودہ دور کی محافل علمیہ اور سیاسیہ میں حصہ لینے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ ایک رزولیوشن جب پیش ہوتا ہے تو اس کے اثبات اور تائید و توثیق پر مختلف المذاق ارکین، مختلف نقطہ نظر سے روشنی ڈالتے ہیں۔ آخر میں ہیں اس رزولیوشن کے حق میں متعدد دلائل نظر آتے ہیں جو سب کے سب مستدل حضرات کے خیال میں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ اس کے بعد وہ تجویز اتفاق، یا کثرت رائے سے منظور ہو کر آئین بن جاتی ہے۔ پھر صرف تجویز کا متن شایع کر دیا جاتا ہے۔ خلافت صدیق اور سنٹرل کمیٹی کے ارکان کو اسی پر قیاس کیجئے۔ کسی رکن نے ان کی سابقیت اسلام سے استدلال کیا۔ کسی کے پیش نظر مرض وفات کی امامت ہے۔ علی ہذا القیاس مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے صدیق کی تقدیم کا رزولیوشن سنٹرل کمیٹی نے پاس کر دیا۔ ان مختلف زاویہ ہائے نگاہ کی تفصیل ازالۃ الخفا“ اور قرۃ العینین میں مذکور ہے

تو مسلمانوں پر اُن شخص کی اطاعت ضروری ہوتی۔ اس منصب کے لیئے جس قدر اہلیت امیدواروں میں ضروری ہے اس میں یہ ہر چار حضرات کامل اہلیت کے مالک ہیں مسلمانوں کو اُن کے ذاتی اوصاف دیکھ کر مسئلہ خلافت میں ایک کو ترجیح دینے کا فکر پیدا ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا جس سے یہ تحزب الاحزاب پیدا ہوا۔ جو جماعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو چلانے کے لیئے چھوڑی ۔ وہ مہاجرین اور انصار کے پہلے طبقہ میں سے ایسے لوگ تھے جن پر یہ صادق آتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ،، یہ جملہ اس طرف مشیر ہے کہ اُن کا فیصلہ خدا تعالےٰ کے یہاں پسندیدہ اور مرضی ہے۔ اس لیئے کسی کو اُن کی اطاعت سے چون وچرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بظاہر یہ مرکزی کمیٹی کی تشخیص میرا اپنا فکر ہے۔ مگر "قرۃ العینین اور ازالۃ الخفا" کو غور سے پڑھیئے تو آپ کو شاہ صاحب کا اصلی مطمح نظر یہی نظر آئے گا۔ میرا کام اس میں اُن کی بات کو عام سمجھدار طبقہ تک پہونچانے کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔

یہاں پر مذکورہ بالا جملہ معترضہ ختم ہوگیا ہے۔

فصل دوم۔ عجم

سورہ جمعہ میں امیین کے بعد "واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم،، کا ذکر آیا ہے۔ اسکی تفسیر میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے ایرانی قوم کی طرف اشارہ نکل سکتا ہے۔ ایران اس زمانہ میں آرین (صابی) قوموں کا مرکز بن چکا تھا اُس سے پہلے زمانے میں ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی ہماری سمجھ میں "واٰخرین منھم" کے مصداق میں، ایران اور ہند وما بینھما شامل ہونے چاہیئں ہم اس حصّہ کو قرآن حکیم کی بین الاقوامی تعلیم کا متن سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جیسے امیین کے لیئے ہے ویسے ہی اٰخرین کے لیئے بھی ہے۔ اس اجتماعی تحریک کا پہلا مرکز قریش ہیں۔ ہماری دانست میں اُنکی حکومت پانچسو برس تک رہی۔ اس حکومت کے پہلے حصّے میں وہ بارہ سردا

[لطیفہ] بقیہ حاشیہ گزشتہ ایک سندھی ہندو نے اپنے یہاں کے ایک شیعہ سے دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگا کہ ہم بجائے شورای کے نوس بیٹ کے خواہاں ہیں۔ اس پر ہندو نے مسکرا کر کہا کہ ساری دنیا کی مرکزی سیاست کو (جیسے اسلام کا دعوی ہے) تم ایک خاندان میں منحصر کرنا چاہتے ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پیغمبر اسلام صرف قریش کے لیئے نبی تھے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شورای پر اعتماد کرو۔ ھد حضرت مولانا عم فیضہم ۱۲

محمد نورالحق

گزر چکے ہیں، جنہوں نے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو ملا کر رومن امپائر کے رتبہ سے دو چند ممالک پر حکومت کی۔ اس حکومت کی، اگر سیاسی فلاسفی سے تحلیل کی جائے تو وہ انسانیت کے لیئے ایک نمونہ کی حکومت ہے۔ ولید[5] بن عبد الملک (متوفی ۹۶ھ) کہتے ہیں کہ داؤد و سلیمان علیہما السلام کی حکومت شام میں رہی۔ وہ نبی تھے اس سے قطع نظر کر لو۔ پھر میری حکومت کا ان کی حکومت سے مقابلہ کرو۔ اور دیکھو۔ کوئی اندھا[6] نہیں جس کیلئے میں نے عصا کش مقرر نہ کیا ہو۔ کوئی بھوکا اور بیمار نہیں ہے جس کو کھانا اور دوا نہ پہونچتی ہو۔"

یہ ایک عرب بادشاہ کی حکومت ہے۔ خلیفہ راشد کی خلافت نہیں۔ خلیفہ راشد کی حکومت تو گویا آئیڈیل حکومت ہے اس کی نظیر پھر مسلمان پیدا ہی نہیں کر سکے۔ مگر قریش کے یہ بادشاہ اور سردار بھی اس قدر

---

[4] اخرج الشیخان واللفظ لمسلم، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفۃ من قریش۔ قلت، ھم الخلفاء الاربعۃ الراشدون۔ ثم التحق بھم معاویۃ رض بعد صلح الحسن۔ وکذلک عبد الملک بن مروان بعد اتفاق الناس علیہ۔ عقیب مقتل ابن الزبیر رض ثم السابع منھم الولید بن عبد الملک۔ وجاء بعدہ سلیمان بن عبد الملک وھشام بن عبد الملک والاحسن ان لا نتغالی فی الاطراء فی حق العبد الصالح عمر بن عبد العزیز بجعلہ مستقلاً بل ھو کان مثل النائب والتتمۃ لسلیمان بن عبد الملک) ثم تجعل بعدھم منھم۔ المنصور۔ والمھدی وھارون فان اوائل خلفاء بنی ھاشم ماکانوا مستضعفین ولا مداھنین۔ فلا یقاسون باواخرھم والذین ینقمون علیھم بقایا م بنی امیۃ فی جزیرۃ الاندلس، فلیس بشیٔ فانھم ما تدرسوا علی تنظیم الخلافۃ الابعد زمان اما فی اول الامر فلیس حالھم الا کالامراء الخارجین علی الجماعۃ۔ قال الامام ولی اللہ الدھلوی فی ازالۃ الخفاء در اول دولت عباسیہ امر خلیفہ در اطراف عالم نافذ بود۔ و بعد معتصم حکم ایشان ضعیف شدہ کتاب التمہید موقف ثانی ۱۲

[5] لم اظفر بالروایۃ لقلۃ الکتب عندی ۱۲

[6] والولید اعطی المجذامین ومنعھم من سوال الناس۔ واعطی کل مقعد خادماً وکل ضریر قائداً وفتح فی خلافتہ فتوحاً عظاماً۔ منھا الاندلس، وکاشغر والھند ھ تاریخ فخری ملخصاً مرزا محمد

مدیر "الفرقان" اقول ومن امعن النظر حق الامعان فیما قام بہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز فی خلافتہ من اعزاز الدین وایثار الآخرۃ علی الدنیا فی سائر شعب الامارۃ واصلاح ما افسد بعض من قبلہ من الولاۃ والامراء واحیاء السنن النبویۃ واماتۃ البدعات الشنیعۃ الامرضیۃ الی غیر ذالک من الاصلاحات والتجدیدات لن یرضی بجعلہ تتمۃ سلیمان ولا لاحد مثلہ۔ وکیف یرضیٰ صنیعہ فی خلافتہ طریق عملہ رضی اللہ عنہ عین صنیع الخلفاء الراشدین سیما جدہ عمر بن الخطاب فمالہ ولسلیمان عبد الملک امثالہ وکیف نجعل خلافتہ تتمۃ لملکہم والتفصیل لا یسعہ ھذا المقام ۱۲ م

اجتماعیت کے مالک تھے۔ وہ اگرچہ اپنے گھروں میں، اور اپنے خاندان کے افراد کے لیئے قیصر وکسریٰ سے بھی زیادہ شاندار زندگی مہیا کرتے ہوں (اور اس کا ہم انکار نہیں کرسکتے) مگر وہ انسانی اجتماع کو، اور اس کی ضروریات کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے۔

انفرادی فکر والے ہمارے مورخین نے اُن کے ذاتی اور شخصی نقایص کو بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے۔ اس لیئے کہ اُس مورخ کے نزدیک جس خاندان کی حکومت چاہیئے۔ بدقسمتی سے حکمران خاندان اور اُس کی آپس میں جنگ ہے۔

اب ہم تاریخ اس طرح پڑھنا نہیں چاہتے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے عام انسانیت کے لیئے کیا کام کیا۔ اگر شاہان اسلام کے اجتماعی کام اچھے ہیں۔ تو اُن کے شخصی نقائص اور تھوڑا سا مالی تفوق ہم برداشت کرسکتے ہیں۔ مسلمانوں سے باہر بھی بادشاہ گزرے ہیں۔ ہند اور یونان میں کوئی شخص اس طرح انسانیت کا خادم نظر نہیں آتا۔

سلاطین اور علماء کرام ان بادشاہوں میں اعتدال پیدا کرنے والی جماعتیں ہمارے نزدیک فقہا اور صوفیہ تھے۔ فقہا میں سے جب ایک فقیہ کو قاضی القضاۃ بنا دیا جاتا۔ تو بادشاہ اپنی تمام قلمرو کے قضاۃ کے فیصلوں میں (جو قاضی القضاۃ کے نائب ہوتے تھے) کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا تھا۔ اس نے اسلامی انصاف کو ایک استقلالی درجہ دے دیا ہے۔

ہمیں ہندوستان کی تاریخ میں ایسی چیزیں معلوم ہیں کہ سلطان عالمگیر کے نالائق جانشینوں نے اپنے سب سے بڑے قاضی کی مجالس خاصہ میں نہایت بے توقیری کی قاضی مذکور کے بعض احباب نے اسکو شرم اور غیرت دلائی کہ تم کیوں اس درجہ تک اپنی ہتک گوارا کرلیتے ہو۔ قاضی کا جواب یہ تھا کہ یہ شخص میری قضا کے فیصلوں میں میرا قلم نہیں روکتا۔ اس لیئے اُس کی سلطنت میں مسلمانوں کے فائدے کے لیئے اپنی ہتک گوارا کرلیتا ہوں۔

اب دیکھیئے۔ اجتماعی فکر بدلتے سے میں اس ہتک کرنے والے (سلطان محمد شاہ) کی بھی تعریف کرتا کرتا ہوں۔ اور پہلے میں اس قاضی کی بے عزتی کو اُس کا سب سے بڑا جرم قرار دیتا تھا۔ یہ چیز (قاضی کے فیصلوں میں دخل نہ دینا) ہارون، دمہدی ومنصور کے زمانے سے ایک حقیقت واضحہ بن چکی ہے۔ اور ترکوں کے آخری زمانے تک نہایت سختی سے اس کی پابندی کی گئی۔ قاضی کے فیصلے کو وہ گویا خدا تعالیٰ کا حکم سمجھ کر نہایت ادب و احترام سے دیکھتے تھے۔

سلاطین اسلام اور صوفیہ دوسرا عنصر جس نے شاہانہ طغیان سے ان بادشاہوں کو بچایا وہ صوفیہ

کا مجمع تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ) بغداد میں خلفاء کے سامنے، اپنی خانقاہ میں، ان کے احکام پر تنقید کرتے رہے۔ اور وہ شیر مادر کی طرح اُسے پی جاتے تھے۔ اور یہ عرب بادشاہوں کے منزل کا آخری دور تھا۔ وہ جس وقت زیادہ صلاحیت کے مالک تھے تو صوفیہ اور زہاد کی صحبت اور نصیحت کو اپنی سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے[1]

بغداد میں خلفاء عباسیہ نے ایرانیوں کو حکومت کے لیئے تیار کر دیا[2]۔ اور بغداد کے زوال کے بعد بخارا کی حکومتیں برسرکار آگئیں۔ اُس سے غزنی پیدا ہوئی پھر غزنیں سے لاہور اور دہلی عجمیوں کے مرکز بنے۔

اگر اسلام کو عربی اقوام کے لیئے معین کر دیا جائے تو یہ تمام حکمتیں (بغداد۔ بخارا۔ غزنی، مصر، دہلی وغیرہ کو مرکز بنانا) اسلامی اجتماع پر ایک ذبل ہونگی۔ آج ہم غلط فہم عربوں کو اسی میں مبتلا دیکھتے ہیں مگر جس وقت ہم نے اسلام کی اساسی حکمت بین الاقوامیت کو قرار دیا۔ تو ہمارے نزدیک قرآن کے مقاصد پورا

---

[1] قال عبید اللہ بن عمر القواریری لما لقی هارون الرشید فضیل بن عیاض قال له الفضیل یا حسن الوجه انت المسئول عن هذه الامة (خطیب ص۴۸) قال سفیان بن عیینة دعانا هارون الرشید فدخلنا علیه ودخل الفضیل آخرنا مقنعاً راسه بردائه۔ فقال لی یا سفیان ایهم امیر المومنین۔ فقلت هذا او مات الی الرشید فقال له یا حسن الوجه انت الذی امر هذه الامة فی یدک و فی عنقک لقد تقلدت امراً عظیما۔ فبکی الرشید ثم اتی کل رجل منا ببدرة فکل قبلها الا الفضیل (وفیات الاعیان) وقال ابن الاهدل قال الرشید لفضیل ما ازهدک۔ قال انت ازهد منی لانی زهدت فی الدنیا الفانیة وانت زهدت فی الآخرة الباقیة (شذرات الذهب) قبل المنصور یوماً راکباً والفرج ابن فضالة جالس عند باب الذهب فقام الناس ولم یقم له الفرج فاستشاط غضبا ودعا به فقال ما منعک من القیام حین رایتنی۔ قال خفت ان یسالنی اللہ عنه لم فعلت ویسالک لم رضیت قد کرهه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ فبکی المنصور وقربه وقضی حوائجه (خطیب بغداد ص۳۹۳، ج۱۲) ۱۲

[2] هم الاسرة السامانیة۔ وهی اسرة تنسب الی بهرام جور صاحب کسری۔ فهی اسرة عریقة فی المجد فی الامة الفارسیة وکان فی عهد المامون من تلامذ الاسرة اولاد اسد بن سامان۔ وکان المامون یرعی حقوق الحرمة لذوی البیوتات۔ ففرق بهم ورفع من اقدارهم۔ وکانت بلاد ما وراء النهر منقسمة بینهم۔ یلونها من جهة امارة خراسان (الف) فکان نوح بن اسد فی سمرقند (ب) واحمد بن اسد فی فرغانة (ج) ویحیی بن اسد فی الشاس واشروسنة (د) والیاس بن اسد فی هراة وکان احمد بن اسد عفیف الطعمة مرضی السیرة، لا یاخذ رشوة ولا احد من اصحابه ولما توفی استخلف ابنه نصراً علی اعماله بسمرقند وما وراءها وکان اسمعیل بن احمد یخدم اخاه نصراً فولاه بخارا سنة ۲۶۱ھ۔ واسمعیل هذا هو الذی علی یده انتهی عز عمرو بن اللیث وورث ما کان بیده

کرنے والے عرب، اور پھر اُن کے بعد عجم ایک ہی درجہ پہ آ جائیں گے۔ یہ اسی اجتماعی فکر کا اثر ہے کہ عربوں کی انفرادیت ہماری نظروں سے غائب ہو چکی ہے۔ وہ (عرب) اس اجتماعی تحریک کے امام ہیں۔ انھوں نے سب سے پہلے اس اجتماعیت کو دنیا میں کامیاب کر دکھلایا۔ وہ قیامت تک انسانی نسلوں کیلئے قرآن کی اجتماعیت پر عمل کرنے کے لیے نمونہ رہیں گے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ان کی مرکزی قوت کے کمزور ہونے پر اسلام ختم ہو گیا۔

ہم امیرالمومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور قسطنطنیہ[1] پر اُن کے حملہ کو جس قدر

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) من ملک خراسان وصارت له دولة عظيمة او رثها اهل بيته. واستمرت دولتهم (۱۲۰) سنة وستة اشهر. ثم انتهت على يدى الى سبكتگين. من جهة. والترك الخاقانية من جهة اخرى. وهذه اسماء تواريخهم وملوكهم.

۱۔ نصیر بن احمد بن سامان	۲۶۱	۲۷۹
۲۔ اسمعیل بن احمد	۲۷۹	۲۹۵
۳۔ احمد بن اسمعیل	۲۹۵	۳۰۱
۴۔ نصر بن احمد	۳۰۱	۳۳۱
۵۔ نوح بن نصر	۳۳۱	۳۴۳
۶۔ عبد الملک بن نوح	۳۴۳	۳۵۰
۷۔ منصور بن نوح	۳۵۰	۳۶۶
۸۔ نوح بن منصور	۳۶۶	۳۸۷
۹۔ منصور بن نوح	۳۸۷	۳۸۹
۱۰۔ عبد الملک بن نوح	۳۸۹	۳۸۹

ولقد زالت على يد السامانيين دولت رجلين كبيرين ۱۔ عمرو بن الليث الصفار ۲۔ محمد بن زيد وبذلك صارت القوة للاسرة السامانية. فكان بيدهم بلاد ما وراء النهر وخراسان الى الرى وسجستان ولهم فيها نفوذ وسلطان تام. محاضرات خضرى ج۲ ص۲۱ و ص۳۲۱ ۱۲

[1] كان الصحابة يغزون مع يزيد بن معاوية فانه غزا القسطنطنية فى حياة ابيه معاوية رضى الله عنه وكان معه فى الجيش ابو ايوب الانصارى. وذلك الجيش اول جيش غزا القسطنطنية وفى صحيح البخارى عن ابن عمر عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال اول جيش يغزو القسطنطنية مغفور لهم (منهاج السنة ج۲ ص۲۴۵). ولى معاوية يزيد على الجيش الى قسطنطنية وكانت تلك الغزاة تحت راية

عزت واحترام سے دیکھتے ہیں، سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ)[۱] کی محنتوں کی بھی ہم ویسی ہی قدر کرتے ہیں۔ ہمارے ذہن سے عربی عجمی فرق کے زائل ہونے کا ایک نمونہ ہے۔

فصل ۳ تطبیق الفقہ والحدیث

انقلابی تحریکوں میں اساسی قانون غیر متبدل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے چلانے والی قوم کے طبعی خصوصیات کے مطابق دوسرے درجہ کا نظام سنٹرل کمیٹی پیدا کر لیتی ہے جسے بائیلاز کہا جاتا ہے۔ بنی اُمیہ کے آخری دور تک اسلامی تحریک کی مرکزیت حجاز میں رہی بنو امیہ نے دمشق کو اپنی سیاست کا مرکز بنایا۔ مگر اصل اجتماعیت کا مرکز مدینہ منورہ ہی رہا۔ عباسیوں نے مرکزیت حجاز سے بغداد میں منتقل کر لی۔ اس لیئے خلفاء عباسیہ کے تمام وزراء ایرانی ہوئے۔ اور جب وہ اپنی حیثیت میں آگے بڑھتے تو خلفا کے لیئے اُن کے قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا۔ خلیفہ منصور (متوفی ۱۵۸ھ) نے ابومسلم خراسانی (عبدالرحمان بن مسلم متوفی ۱۳۷ھ) کو قتل کیا۔ خلیفہ محمد مہدی (متوفی ۱۶۹ھ) نے ابو علیہ اللہ اور ابو عبداللہ کو[۲]۔ ونداء ہارون رشید (متوفی ۱۹۳ھ) نے برامکہ کو موت کے گھاٹ اُتارا

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) یزید وھو کان امیرھم یومئذ۔ وذلک فی ۵۵ھ فجعل ابوایوب یقول ماعلیّ ان اُمّر علینا شاب۔ فمرض فی غزوتہ تلک ودخل علیہ یزید یعودہ فقال لہ اوصنی۔ قال اذا انامت فاحملونی فاذا صاففتم العدو فادفنونی تحت اقدامکم (استیعاب واصابہ ص۴۰۴ و ۴۰۵ ج۱ و ص۹۴ ج۵) ۱۲

[۱] درکتب تاریخ یافتہ مے شود کہ زائچہ سلطان محمود غزنوی بازائچہ طالع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشابہت تمام داشت از جہت مواضع کواکب سیارہ ومناظرات آنہا۔ دقران علوبین ومسعودیت شمس ومریخ وماننداٰں پس فتوح ومجاہدات عظیمہ از سلطان محمود بظہور رسید ھ تفہیمات الہٰیہ ص۲۴۶

[نکتہ] والذی اعتقدہ انہ ان اتفق غلبۃ الهنود علی اقلیم الهند غلبۃ مستقرۃ وجب فی حکمۃ اللہ ان یلہم رؤسائهم التدین بدین الاسلام کما الهم الترک۔ وذلک منشعب عن عموم نبوتہ والخفاء وکونہ صاحب ملۃ ھ تفہیمات ص۳۰۳ ۱۲

[۲] خلیفہ محمد مہدی کے تین وزیر یکے بعد دیگرے ہوئے

(اول) ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار۔ غلام آزاد کردہ اشعریین۔ نزاہت اخلاق اور حسن سیرت میں ممتاز زمانہ تھا اسی نے سب سے پہلے خراج کے موضوع پر نہایت نفیس کتاب لکھی جو بعد کے مصنفین کے لیئے شمع راہ بنی۔ ربیع حاجب کو اس سے رقابت

اس کے بعد خلفا کی یہ طاقت ختم ہو گئی۔ مامون (متوفی ۲۱۸ھ) خود وزراء علی الخصوص فضل بن سہل زیر دوڑ ہما لکہ اکا تر بیت یافتہ تھا پھر بھی اس لئے اپنے اس عربی ذی الریاستین فضل بن سہل (متوفی ۲۰۲ھ) کو قتل کرا دیا۔

مگر عباسی خلافت ہی نے ایرانیوں کو حکمرانی سکھلائی۔ بعد کے خلفا ایرانی وزیروں یا ایرانی قائدوں کے اشاروں پہ چلتے تھے۔

ایران اور خراسان ہماری سمجھ میں ایران اور خراسان کے درمیان حقیقی تضاد نہیں دونوں تومیں ایک ہی قوم کے شعبے ہیں۔ اس لیے ترکیت کا جو خیال معتصم کے بعد پیدا کیا جاتا ہے۔ ہم اُسے قبول نہیں کرتے یہ سب ایرانیت تھی۔ ترکوں کے بچے ایرانی تہذیب سے مہذب ہو کر حکومت کرتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کو دیکھ لیجئے۔ وہ نسلاً ترک ہے۔ مگر سوائے ایرانیت کے اُس کے دربار میں کوئی چیز نہیں ہے۔

ہندوستان میں بھی جس قدر سلاطین آئے وہ عموماً ترکی نسل سے تھے۔ مگر ہم سب کو ایرانی مانتے ہیں۔ اُن کی زبان، فکر، فلسفہ تمام تر ایرانی تھا۔ اس تہذیب سے باہر نکل کر کوئی ترک حکومت کے کسی منصب پر نہیں پہونچا۔

یہ سمجھ بھی ہمارے اس اجتماعی تاثر کا نتیجہ ہے۔ جیسے ہم نے قریش کی تقسیم بھلا دی اسی طرح

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) پیدا ہوئی اس نے خلیفہ مہدی سے کہا کہ ابو عبید اللہ کا لڑکا (محمد) ملحد ہے۔ مہدی نے اس کو قتل کرا دیا۔ بعد ازاں مہدی ہموارہ ابو عبید اللہ سے خائف رہا کہ مبادا اپنے بیٹے کا انتقام لینے کی سازش کرے۔ چنانچہ ۱۶۷ھ میں اُس کو وزارت سے معزول کر دیا گیا اور وہ معزولی کی حالت میں ۱۷۰ھ کو فوت ہوا۔

(دوم) دوسرا وزیر ابو عبد اللہ یعقوب بن داؤد ہے۔ یہ خاندان سلیم کا آزاد کردہ غلام ہے۔ خلیفہ محمد مہدی کو اس سے اسقدر محبت تھی کہ عام شاہی اعلان میں لکھا کہ یعقوب میرا بھائی ہے۔ مہدی کے حاشیہ نشینوں نے از راہ حسد اس کے خلاف سازش کی کہ یہ انتقال خلافت کا متمنی ہے۔ اس پر مہدی نے اس کو ۱۶۶ھ میں معزول کر دیا۔

(سوم) بعد ازاں محمد مہدی نے فیض بن ابی صالح کو وزیر مقرر کیا۔ یہ شخص عیسائی خاندان سے ہے۔ خلیفہ مہدی کی وفات تک وزیر رہا۔ اور ۱۷۳ھ اوائل سلطنت رشید میں فوت ہوا۔

وفی المحاضرات، واوقع المهدی بابی عبید الله معاویة بن یسار۔ ویعقوب بن داؤد لوشایتہٖ کانت بهما۔ مع نزاهة الاول وحسن سیرته۔ ومع ما کان للمهدی من الولوع بالثانی حتی کتب الجمهور ۲ فاتخذه ۱۴ اخانی الله ه ص ۱۱۹ ۱۲

محمد نور الحق عفرلہ

ایرانیت کے اقسام ہماری نظر سے غائب ہیں۔

ہم "واٰخرین منھم" کی اس تفسیر کو زیادہ صحیح مانتے ہیں۔ جس میں ایرانیوں کی طرف اشارہ ہے۔

ایرانی اشخاص ہمارے نزدیک زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ بلکہ ہمارے نزدیک ایرانیت سے مُراد ایرانی تہذیب ہے۔

حجازی اور عراقی فقہ کی تدوین جب اسلام کی مرکزی طاقت اموں کے عہد سے ایرانیوں کے ہاتھ آئی۔ تو قرآن کی اساسی اجتماعی تحریک کے لیے عربی بائیلاز کے علاوہ ایرانی بائیلاز کی ضرورت فقہا کو محسوس ہونے لگی۔ ہم اسلامی فقہ کے یہ دو اسکول (حجازی و عراقی) علحدہ علحدہ مانتے ہیں موجودہ اصطلاحات کے رو سے فقہ کا ترجمہ بائیلاز ہے۔ اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک قرآن شریف میں منضبط ہے اور وہ غیر متبدل رہے گی۔ خلافت راشدہ میں عربی ذہنیت کے مطابق اُس کے بائیلاز تیار ہوئے۔ اور وہ حجازی فقہ ہے جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا اور امام مالکؒ نے اس کو موطا میں ضبط کر دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ میں ائمہ فقہا خلیفۂ راشد کے مشیر رہا کرتے تھے۔ فاروق اعظمؓ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عراق فتح کرنے کے بعد اس میں ایک نیا مرکزی شہر بسایا جائے۔ نیز یہ بھی محسوس ہوا کہ میرے مشیروں میں سے ایک بڑا استاذ عراق کے بائیلاز بنانے کی بنیاد رکھدے۔ اس کے لیئے انھوں نے عبداللہ بن مسعود کو اپنی صحبت سے جدا کرکے بطور معلم عراق بھیجا۔ عبداللہ بن مسعود کی صحبت سے عراقی فقہا تیار ہوئے جنھوں نے ایرانی مرکزی حکومت کے لیے بائیلاز (فقہ عراقی) تیار کر دیے۔[1]

---

[1] قال الحافظ ابن عبد البر فی کتاب الاستیعاب۔ بعث عمر بن الخطابؓ عبد اللہ بن مسعود الی الکوفۃ مع عمار بن یاسر۔ وکتب الیھم انی قد بعثت الیکم بعمار بن یاسرٍ امیرًا وعبد اللہ بن مسعود معلمًا ووزیرًا۔ ھما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بدر۔ فاقتدوا بھما واسمعوا من قولھما۔ وقد اثرتکم بعبد اللہ بن مسعود علی نفسی۔ واقبل عبد اللہ بن مسعود وعمر جالس فقال کنیف ملئ فقھا۔ وقال ابن مسعود انی لاعلمھم بکتاب اللہ وما انا بخیرھم۔ استیعاب ص۳۲۱ ج۳ ص۳۲۳ وحلیۃ الاولیاء لابی نعیم ص۱۲۹ ج۱ وازالۃ الخفاء ج۲۔)

۱۲۔ محمد نور الحق العلوی غفرلہ

جس طرح اہل مدینہ کے فقہا امام مالک کے ذریعہ سے زندہ رہے۔ اسی طرح اہل عراق کے فقہا کا علم امام ابوحنیفہؒ کے ذریعہ محفوظ رہا۔ امام ابوحنیفہؒ نے ایک ایسی جماعت تیار کردی کہ ایرانی حکومتوں کے تبدلات میں وہ نئی نئی ضرورت کو پورا کرسکے گی۔

بغداد کے رہنے والے ایک تمدن رکھتے ہیں۔ جو کہ عربی اور ایرانی تمدن کا مجموعہ ہے بغداد میں جیسے فارسی بولی جاتی تھی۔ اسی طرح عربی بھی استعمال ہوتی تھی زوال بغداد پر عربی بولنے والی قوموں نے قاھرہ کا رُخ کیا۔ اور فارسی بولنے والی قومیں دھلی میں جمع ہوگئیں۔ ایرانیت اور عجمیت میں بغداد اور دہلی یکساں مان لیئے جائیں پھر بھی اُن میں زمین و آسمان کا فرق ہے بغداد سے حکومت دہلی پہونچی اس میں اُس نے بخارا اور غزنی کا رستہ طے کیا ہے۔ بغداد اور بخارا کے تمدن میں بھی اتنا فرق موجود ہے جتنا دو قوموں میں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح بخارا اور غزنی کا فرق بھی قومیت سے کم درجے کا نہیں ہے۔ اس کے بعد لاہور اور دہلی کا نمبر آتا ہے یہاں کئی نوبتیں بنی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کو ہارون الرشید کے زمانے میں فقہ کی امامت تفویض ہوئی۔ امام ابو یوسف قاضی القضاۃ[1] تھے۔ اور امام محمد لا کالج کے پرنسپل۔ ان کی تعلیم اور صحبت میں اس قدر بلند مرتبہ فقہا تیار ہوئے کہ دہلی تک پہونچنے میں جس قدر تبدلات پیش آئے۔ ان کا لحاظ رکھ کر وہ اسلامی بائیلاز تیار کرنے میں کمال رکھتے تھے انھیں کے زور پر سلاطین اپنا علاالتی قانون قوموں سے منواتے رہے۔

دہلی میں قضا کا مستقل مرکز پیدا ہوا جسے دوسرے اسلامی ممالک اس لیئے نہیں جانتے کہ اُس کی تاریخ فقط فارسی زبان میں مدون ہے

تدوین فقہ اور ہندوستان اس مرکز سے دو دفعہ اجتماعی تحریک میں تجدید پیدا ہوئی۔ اُس اسلامی فقہ کو جو بخارا سے یہاں پہونچی تھی ہندوستان کے مطابق کرنے کی سعی کی گئی پہلی دفعہ تغلقوں کے عہد میں فتاوی تاتارخانیہ[2] تیار ہوا۔ دوسری بار سلطان عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) کے

---

[1] یعقوب بن ابراھیم الانصاری، الامام ابو یوسف۔ اخذ عن ابی حنیفۃ۔ وثقہ ابن معین واحمد ولی القضاء لثلاثۃ من الخلفاء۔ المھدی، والھادی والرشید۔ وکان الیہ تولیۃ القضاء فی المشرق والمغرب وھو اول من دعی فی الاسلام بقاضی القضاۃ۔ وکان یقال لہ قاضی قضاۃ الدنیا۔ لانہ کان یستنیب فی سائر الاقالیم التی یحکم فیھا الخلیفۃ۔ مات فی ۱۸۲ھ (تاج التراجم از حافظ زین الدین قاسم بن قطلوبغا ج ۲)

[2] فتاوی تاتارخانیہ۔ مولانا عالم بن علاء اندرپتی دہلوی متوفی ۷۸۶ھ نے امیر کبیر تاتارخاں دہلوی کے نام نامی پر لکھا۔ اب نذر کو لغیط ہے۔ جو

زمانے میں خود سلطان نے فتاویٰ عالمگیری تیار کرایا۔ اور تمام قلمرو میں اس پر عمل واجب قرار دیا سلطان کے بعد بھی نادر شاہ کے حملے تک (یعنی ۱۷۰۷ء سے ۱۷۳۸ء تک) یہ قانون ہندوستان میں متبوع رہا ہے۔

یہاں تک ہم نے فقہ حنفی کو سمجھنے کے لیئے چند اصول پیش کیئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور فقہ اب ہم شاہ ولی اللہ پر آتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فقہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے پڑھی۔ اور شاہ عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین[۱] میں سے ایک عالم ہیں۔ ہمارے زمانے میں ہندوستان

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) سلطان غیاث الدین تغلق کو کسی جنگ میں ملا۔ سلطان نے اس کی خاص تربیت کی۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق نے اسکو ارکان سلطنت میں شامل کر لیا۔ امیر مذکور بہت بڑا سخی، عادل اور بہادر تھا۔ تفسیر تاتارخانی اسی کی تصنیف ہے نیز اسی کے حکم سے مولانا عالم بن علاء نے فتاویٰ تاتارخانیہ لکھا کتاب مذکور کا اصلی نام زاد السفر ہے ۷۷۷ ہجری میں تصنیف ہوئی سلطان فیروز شاہ ابن رجب نے ہر چند چاہا کہ کتاب مذکور میرے نام سے ہو۔ مگر مؤلف نے اس کو منظور نہ کیا لصداقۃ کانت بینہ وبین تاتارخان۔ وھو کتاب عظیم فی مجلدات جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی والذخیرۃ والخانیۃ و الظھیریۃ۔ ولخصہ الامام ابراھیم بن محمد المتوفی ۹۵۶ھ فی مجلد۔ وانتخب منہ ما ھو غریب او کثیر الوقوع ولیس فی الکتب المتداولۃ ھ (نزھۃ الخواطر لمولانا عبدالحی الحسنی) ۱۲

[۱] امام ولی اللہ فرماتے ہیں حضرت ایشاں ۔ فرمودند کہ در زمان عالمگیر فتاویٰ عالمگیری بامر وے تدوین کردہ بودند۔ و نظر ثانی مے کردند بعضی از آں کار بہ شیخ حامد کہ در ورد میں مرزا محمد زاہد شریک او بود مفوض شد۔ وے بہ خانہ من آمدہ رفاقت من کنید۔ مبلغ کذا یومیہ بنام شما مقرر خواہد شد۔ قبول نہ کردم۔ والدہ من ایں قصہ استماع کردہ بر بہ جد شدند و مبالغہ از حد گذرانید۔ مضطر شدہ بوظیفہ موظف شدم۔ و بہ آں کار مشغول گشتم۔ حضرت ابو القاسم اکبرآبادی چوں بہ ایں معنی مطلع شدند فرمودند آں وظیفہ را ترک کنید۔ گفتم والدہ ناخوش می شود فرمودند اذا جاء حق اللہ ذھب حق العباد۔ قول صحیح است۔ گفتم دعا کنید کہ خدا تعالیٰ ایں وظیفہ را بہ غیر سعی من دور کند۔ تا والدہ ناخوش نہ شود۔ دعا کردند۔ در چند روز بادشاہ اسامی اہل وظیفہ را طلب کرد۔ وآں را بہ عزل و نصب تغیر میداد۔ چوں بہ نام من رسید آں وظیفہ را دور کرد۔ و نوشت اگر خواہند ایں قدر زمین بدہید۔ مرا پرسیدند، قبول نہ کردم و شکرانہ بجا آوردم۔

میفرمودند۔ روزے در نظر ثانی بر عبارتے ناموجہ، کہ از اختلال کلا صورت مسئلہ برہم برخوردہ بود۔ مرا گذر افتاد۔ بہ کتابہا کہ ماخذ آں مسئلہ بودند رجوع کردم معلوم شد کہ ایں مسئلہ در دو کتاب مذکور است و در ہر یک بہ عبارت دیگر۔ مولف فتاویٰ ہر دو عبارت را جمع کردہ، ازیں سبب اختلال تمام پذیرفتہ۔ بر حاشیہ نوشتم "من لم یتفقہ فی الدین فقد حرف فیہ۔ ھذا غلط۔ وصوابہ کذا" در آں ایام عالمگیر را بجمع و تدوین آں اہتمام عظیم بود۔ ملا نظام ہر روز یک دو صفحہ پیش بادشاہ مے خواند۔ چوں ایں جا رسید اتفاقاً ایں حاشیہ را با متن مخلوط کردہ بہ یک نسق خواند۔ بادشاہ متنبہ گشت و گفت ایں عبارت چیست۔ ملا نظام در اں مجلس تدارک کرد کہ ایں را مطالعہ نہ کردہ ام۔ فردا تفصیل عرض خواہم کرد۔ چوں بخانہ آمد، ملا حامد را عتاب کرد کہ ایں جلد بہ اعتماد شما گذاشتہ بودم۔ شما پیش بادشاہ مرا خفیف کردید۔ بارے ایں لفظ چہ بود۔ ملا حامد در اں وقت ہیچ نہ گفت بعد ازیں با من اظہار ملال کرد۔ کتابہا کہ ماخذ ایں مسئلہ بود حاضر کردم و اختلال عبارت و پریشانی واضح کردم بوجہے کہ بر ہم گماں ثابت شد۔ باز اکثر آں قوم بر من حسد بے بردند۔ و بہ

گی اندر جس قدر علمی تحریکیں مرکزیت رکھتی ہیں وہ سب کی سب ایسے اساتذہ پر ختم ہوتی ہیں جو عالمگیری دور کے ممتاز فرد تھے۔ شیخ محب اللہ بہاری (متوفی سنہ ۱۱۱۹ھ) کی کتابیں اصول اور معقول میں ہمارے یہاں کافی رائج پذیر ہیں۔ اور ہندوستانی طریقۂ تحصیل دوسرے اسلامی ممالک میں انھیں کتابوں کی بدولت ممتاز ہوگیا ہے شیخ محب اللہ عالمگیری دور کے نامور فاضل تھے "فاضل خان"[1] ان کا لقب اور خطاب تھا۔

شاہ ولی اللہ کی اساسی تربیت فکریہ میں ہم شاہ عبدالرحیم کو مرکز مانتے ہیں۔

(الف) قرآن شریف کا ترجمہ تفسیروں سے علیحدہ انھوں نے (شاہ عبدالرحیم نے) پڑھانا شروع کیا۔

(ب) وحدت وجود کا مسئلہ صحیح طریقہ سے انھوں نے تعلیم دیا ہے۔

(ج) حکمت عملی کو اسلامی علوم میں باوقعت بنانا انھیں کے ارشاد کا نتیجہ ہے۔

یہ چیزیں شاہ ولی اللہ کی تعلیم میں بہت اہم مانی جاتی ہیں۔ لہٰذا ہم شاہ صاحب کے تمام کمالات کو بھی عالمگیری دور کا ایک نتیجہ بنانا چاہتے ہیں شاہ صاحب اپنے والد کی وفات کے بعد بارہ[12] سال تک دلی میں درس دیتے رہے۔ یعنی جو کچھ انھوں نے اپنے والد سے سیکھا تھا۔ وہ اُن کے دماغ میں راسخ ہوگیا اس کے بعد وہ حجاز پہونچے اور شیخ ابراہیم کردی کے شاگردوں میں سے شیخ ابوالطاہر مدنی، اور شیخ حسن[2] بن علی عجیمی (متوفی سنہ ۱۱۱۳ھ) کے شاگردوں میں سے شیخ تاج الدین قلعی (متوفی سنہ ؟) کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔ شیخ ابوالطاہر شافعی تھے۔ اور شیخ تاج الدین حنفی۔ شاہ ولی اللہ نے حجاز جاکر حنفیہ اور شافعیہ کو ایک درجہ پر مان لیا۔

پہلے ہم ذکر کرچکے ہیں کہ امام مالک حجازی فقہ کے جامع ہیں اُن کی شاگردی کے بعد امام شافعی نے

(بسلسلہ "نخلہ گز شتہ" ظاہر سبب این نزل حسد ایشان بود۔ واللہ اعلم۔ انفاس صفحہ ۲۴ اسی کتاب کے صفحہ ۶۹،۶۵ پر مذکور ہے کہ شہنشاہ عالمگیر کو شاہ عبدالرحیم سے ملاقات کرنے کا اشتیاق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ ہر دو کی ملاقات ہوئی ۱۲

[1] قال الامیر القنوجی۔ لازم السلطان عالمگیر۔ فولاہ قضاء لکھنؤ۔ ثم بعد مدۃ قضاء حیدرآباد ثم عزلہ ثم امرہ بتعلیم ابن ابنہ رفیع القدر بن محمد معظم ولما فوض عالمگیر فی آخر عمرہ حکومۃ کابل الی ابنہ محمد معظم الملقب بشاہ عالم وسار ھو مع ابنہ رفیع القدر من الدکن الی کابل صحبہ القاضی۔ ولما توفی عالمگیر فی الدکن (سنہ ۱۱۱۸ھ) وانتھض شاہ عالم من کابل الی الدیار الھندیۃ اعطی القاضی منصباً جلیلاً وولاہ صدارۃ ممالک الھند کلھا۔ ولقبہ بفاضل خان۔ فی سنہ ۱۱۱۹ھ فتوفی فی ھذہ السنۃ ہ ابجد العلوم ومآثر الکرام وتذکرہ علمائے ہند) ۱۲

[2] راجع ترجمۃ الشیخ حسن بن علی وترجمۃ الشیخ تاج الدین الحنفی فی "ابجد العلوم" صفحہ ۹۲۶ "وانفاس العارفین" ۱۲ محمود

حجازی فقہ کو عراقی فقہ کا مقابل بنا دیا۔ امام شافعی کی فقہ کی خصوصیات پر اس موقع پر ہم بحث کرنا نہیں چاہتے۔ مگر اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جس قدر صوفیہ اور محدثین حجاز میں دیکھے وہ اکثر شافعی تھے۔

ادھر شاہ صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ سلاطین عثمانیہ سلاطین دہلی کی طرح حنفی ہیں۔ بنابریں وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے کہ شافعیت اور حنفیت کے اختلافات پر زیادہ توجہ کریں۔ وہ اسلام کی بین الاقوامی سیاست میں جیسے عرب اور عجم کو مستقل مانتے ہیں (یعنی ہر دو نے سیاست اسلامیہ کے فرض کو ادا کیا) اس طرح فقہ شافعیہ کو عرب کی جگہ، اور فقہ حنفیہ کو عجم کی جگہ مانتے ہیں۔ کیونکہ فقہ حنفی عجمیوں نے پیدا کی۔ اور یہ اُن کے مذاق کے عین مطابق ہے۔

اب شاہ صاحب کی تجدید اور تحقیق یہ ہے کہ وہ فقہ کے ہر دو طریقوں کو امام مالک سے استنباط کرتے ہیں۔ یعنی اُنھوں نے دونوں طریقوں میں ایک امر مشترک پیدا کر دیا ہے حجازیوں میں بھی امام شافعی اہل مدینہ کی روایتوں کو مقدم مانتے ہیں۔ اس لیئے کہ اُنھوں نے ابتدا میں اہل مکہ سے پڑھا۔ بعدازاں امام مالک کی کتاب پڑھ کر فقہ میں ترمیم کر لی۔

اسی طرح عراقی علما میں سے امام محمد نے پہلے عراقی فقہا کی روایتیں پڑھیں۔ اس کے بعد امام مالک سے موطا پڑھ کر عراقی فقہ میں ترمیم کر لی۔[1]

اس طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی تو مقابل بن گئیں۔ مگر موطا امام مالک اُن میں امر مشترک رہا۔ شاہ

---

[1] (زیادۃ نفیسۃ نحلو عنہا الاسفار) امام محمد کی کتب ثلثہ کا موضوع۔

(الف) موطا امام مالک کی کتاب میں فقہ عراقی سے جس قدر موافق روایتیں تھیں اُن کو لے کر امام محمد نے کتاب موطا تالیف کی

(ب) کتاب الحجہ میں امام نے عراقی فقہ کی مخالف روایتوں پر تنقید کر دی۔

(ج) کتاب الآثار (اہل مدینہ کے پاس تلامذہ ابن مسعود کی جو روایتیں نہ تھیں، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ مستند ہیں ان کو امام محمد نے کتاب الآثار میں جمع کر دیا

(نکتہ) شیخ الاسلام ابن حجر، جو حنفی علما کے تراجم میں زیادہ انصاف نہیں کر سکے، لسان المیزان میں امام محمد کے حق میں لکھتے ہیں "کذبہ ابو یوسف"۔ حالانکہ وہ معاملہ از قبیل حدث و نسیٔ ہے۔ امام ابو حنیفہ سے امام ابو یوسف نے چار مسئلے روایت کیئے۔ پھر بھول گئے۔ جب امام محمد نے اُنھیں یاد دلایا کہ آپنے مجھے یہ روایتیں سنائی ہیں تو ابو یوسف نے انکار کر دیا۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہر دو میں تنافر پیدا ہو چکا تھا (تنافر کی تفصیلات کے لیئے ملاحظہ ہو شرح سیر کبیر از سرخسی۔ نوٹ) الغرض یہ تمام معاملہ حدث و نسیٔ کے ماتحت ہے نہ کہ کذب کے۔ زیادہ سے زیادہ اُن چار روایات کا اعتبار نہ ہوگا لیکن اس سے ثقاہت پر ذرہ برابر اثر نہیں پڑ سکتا کیا شیخ الاسلام ابن حجر اس کو نہیں جانتے؟ حضرت مولانا عم فیضہم ۱۲

ولی اللہ، یہ امر مشترک واضح طور پر دنیائے اسلام کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حنفی شافعی تنازعہ ختم ہو جائے

شاہ ولی اللہ نے حجاز پہونچکر اسناد کے سمجھنے میں تعمق پیدا کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی پانچ کتابوں میں آپ نے موطا مالک کو مقدم قرار دیا۔ صحیحین اور سنن موطا کی متابعات و شواہد کر کرنے والی کتابیں بنیں۔ اس طریق تعمق سے شاہ صاحب کے شاگرد احادیث صحیحہ کو اپنے اجتہاد سے صحیح مان سکتے ہیں۔

جس طرح فقہا نے مجتہد منتسب کا درجہ مجتہد مستقل کے ساتھ مان رکھا ہے۔ اگرچہ مجتہد مستقل پیدا ہو کر ایک زمانہ سے ختم ہوگئے۔ مگر مجتہد منتسب ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور انھیں کے ذریعہ سے فقہ کی تجدید اور تحقیق قایم ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب نے ائمہ محدثین کو مجتہد مستقل کا درجہ دیا۔ اور مجتہد منتسب تیار کرنیکا راستہ موطا مالک کو مقدم مان کر تیار کر دیا۔ اب شاہ صاحب کے اتباع میں سے جو محقق عالم پیدا ہوں گے وہ صحیحین اور سنن ابی داؤد و ترمذی میں سے صحیح حدیثیں نکالنے پر خود قادر ہوں گے۔ وہ مذکورہ بالا کتب حدیث کو اسی لیے صحیح نہیں مانتے کہ ان کے مصنف بہت بڑے عالم تھے۔ بلکہ وہ اپنی ذاتی تحقیق اور اجتہاد سے ان ائمہ کی تصحیح کو قبول کرتے ہیں۔

علم کے اس مرتبہ کی تعیین اور تعلیم کے بعد علم فقہ میں شاہ صاحب کا یہ مسلک قرار پایا کہ صحاح ستہ میں جو حدیثیں صحیح ہیں۔ ان کے موافق جو فقہی عالم فتوے دیتا ہے اُسی کو ترجیح دی جائے۔ خواہ شافعی ہو خواہ حنفی۔ یہ پہلا درجہ ہے۔ اُن کی فقہی تحقیق کا جو حجاز میں رہ کر انھیں سمجھ میں آئی۔ وہ عام علما کی طرح اس بات کو قبول نہیں کر سکتے تھے کہ فقط فقہ حنفی تمام مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ عربی بولنے والے ممالک عموماً شافعی اور مالکی مذہب رکھتے ہیں۔ پھر اگر وہ لوگ سلطنت عثمانیہ کے مرکز سے دور رہیں تو وہ فقہ حنفی بہت کم جانتے ہیں مصر اور مغرب اس کی مثالیں ہیں۔ اب شاہ صاحب کا فیصلہ یہ ہوا کہ حنفی، شافعی فقہ کو مساوی درجہ پر رکھا جائے۔ اور موطا مالک کو اصل بنا کر کتب حدیث میں جو معروف اور اکثریت کی زیر عمل روایتیں ہیں (یعنی شواذ اور غرائب کو چھوڑ دیا جائے) اُن کو انتخاب کر لیا جائے۔ اُس کے مطابق اگر حنفی روایت ہے تو اُس کو ترجیح دو۔ اگر شافعی ہے تو وہ راجح ہے۔ اگر اس فقہ کو اسلامی مرکز میں قایم کر دیا جائے تو مسلمانوں کا ایک نقطہ پر جمع ہو جانا آسان ہو جائے گا

مرکز کی تلاش اور پھر حنفی فقہ کی طرف رجوع شاہ صاحب پہلے یہی فکر رکھتے تھے کہ شاید اُن کا عمل تجدید حجاز میں مستقر ہوگا اور تمام دنیائے اسلام اس کو قبول کر لے گی مگر حجاز میں جا کر حالات کا پورا تتبع کرنے کے بعد ان کی رائے بدل گئی۔ اس کی طرف تفہیمات الٰہیہ[1] میں اشارہ موجود ہے۔

---

[1] امام ولی اللہ کو ہندوستان میں الہام ہوتا ہے کہ آپ کو مہدویت (دعا یعنی بالمصطفویت) کا درجہ عطا کیا گیا ہے جبکہ بعد باختتار نبوت

فقہ حنفی اور ہند اس کے بعد وہ دہلی آئے اور اسی کو مرکز بنالیا۔ دہلی کے مرکز میں فقہ شافعی کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں حنفی فقہ برسر اقتدار رہی۔ ہم ہندوستان میں اپنے فقہ حنفی کے خصوصی واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کہ شروع اسلام سے یہاں سوائے فقہ حنفی کے اور کوئی

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کوئی شہادت محقق نہیں ہے۔ اس الہام کا سب سے بڑا مقصد فوری طور پر موجودہ نظام کی درہمی برہمی تھی (یعنی محمد شاہ کے زمانے کی بوسیدہ سیاست کا قلع قمع کرکے از سر نو حکومت کا ہموار کرنا تھا) مگر شاہ صاحب نے الہام کے سمجھنے میں غلطی کی۔ اور آپ اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے حجاز چلے گئے (حالانکہ الہام ہند سے متعلق تھا) وہاں جاکر دیکھا تو کچھ بھی نہیں۔ آپ وہاں سے ہندوستان واپس آگئے۔ تجدید ذمت کے گزرنے پر الہام ہوتا تو ثانیاً یہ مطلب ہوا کہ آپ اپنی حد وجہد جاری رکھیں اور سیرت انبیاء پر چلیں۔ غرض ایک فوری مقصد غلط فہمی کے باعث موخر ہو گیا اگر فوراً کام شروع کردیا جاتا تو مقصد پورا ہوجاتا ھ (تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۳۲) پھر شب جمعہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ میں آپ کو مکہ معظمہ میں دوبارہ الہام ہوا۔ فرماتے ہیں۔ میں نے مکہ معظمہ میں دیکھا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس زمانہ کا نظام قایم رکھنے میں ایک واسطہ بنایا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا سردار مسلمانوں کے شہروں پر غالب آگیا۔ ان کے اموال لوٹ لیئے۔ انھیں قید کرلیا۔ اور اجمیر جیسے شہر میں کفر کے خصوص و احکام جاری کردیئے اور اسلامی قانون ممنوع قرار دیا۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے متاثر ہوکر میں غضب سے بھر گیا۔ اور میرے غضب کا اثر اس ہجوم میں بھی پھیل گیا جو میرے ساتھ تھا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ "فکّ کلّ نظام" تمام بوسیدہ نظاموں کو توڑ دو۔ اس کے بعد وہ ہجوم آپس میں جنگ شروع کر دیتا ہے اور میں ایک شہر کے قریب پہونچا تا کہ اس کو برباد کردوں۔ ادھر وہ لوگ بھی میرے پیچھے پیچھے چلے آئے اور لگاتار شہروں کو برباد کرتے ہوئے اجمیر پہنچ گئے۔ یہاں میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے کفار کے سردار کو ذبح کر ڈالا ہے اور اس کی رگ ہائے گردن سے خون بڑے زور سے بہہ رہا ہے۔" ھ فیوض الحرمین صفحہ ۶۲)

[تعبیر] ہمارے خیال میں یہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی قوت کی شکست کی طرف اشارہ ہے، اور شاہ صاحب من وجہ اس کے سرانجام دینے کا واسطہ ہیں اجمیر کا ذکر اس لیئے آیا ہے کہ دہلی کا روحانی مرکز اجمیر تھا حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر تشریف لائے اور یہیں سے اشاعت اسلام کا کام شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں دہلی فتح ہوئی۔ اس خواب سے دو سال بعد یعنی ۱۱۴۶ھ میں باجی راؤ شمالی ہند پر حملہ آور ہوا۔ ادھر ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ افشار کے حملہ سے تمام سابقہ انتظامات کمزور ہونا شروع ہوئے۔ نادر شاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جس میں مسلمانوں کی خانہ جنگی اور ان کے نظام سلطنت کی بوسیدگی ظاہر کرنے کے سوا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مگر اسی احمد شاہ نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا خاتمہ کر دیا۔

ہند میں جن مسلمان امیروں نے احمد شاہ کو اس حملہ کی دعوت دی تھی ان میں نواب نجیب الدولہ پیش پیش ہیں جسے یہ تاریخی حقیقت معلوم ہو کہ نواب نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ کے خاص مسترشدین میں سے تھے۔ اس کو ہماری یہ تعبیر قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا۔

[۹] ارشاد شد کہ نزد نواب نجیب الدولہ شہ صد عالم بود۔ ادنے پنج روپیہ و اعلیٰ پنج صد روپیہ۔ و سہ قاضی، حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی را طلبیدہ بود رفتہ بانذر مود حاجی غلام مصطفےٰ حنبلی باتباع حضرت الاعظم بود۔ چنانچہ میاں حیات خوشنویس ہم حنبلی است۔ ھ ملفوظات شاہ عبد العزیز صفحہ ۵۸)

فقہ معلوم ہی نہیں ہوتی۔ ایران کے اثر سے شیعہ کی حکومت یہاں قایم ہوئی۔ مگر وہ اسکول ہی غلط رہے اس پر ہماری بحث نہیں۔ مسلمانانِ ہند کی اکثریت حنفی مذہب کی پابند ہے۔ ہند میں جب اسلام آیا تو یہاں کے ایک بڑے حصے نے اس کو اجنبی چیز سمجھا۔ مگر کافی زمانے کے تامل و تعاون اور بڑی بڑی سلطنتوں اور بڑے حکما اور صوفیہ کی محنتوں سے ہندوستانی قوم نے اسلام کو اپنی چیز بنا لیا۔ یہ اسلام ان کے قلوب و اذہان میں حنفی صورت میں آیا۔ اس لیے حنفیت ہندوستانی قوم کا قومی مذہب ہے۔ اب یہاں کوئی مصلح و مجدد اس طرح کبھی کام نہیں کریگا کہ جہاں حنفیت کی رعایت ممکن ہو وہاں بھی اس کی پروا نہ کرے۔ اس مذہب نے ہندوستانیں

(بسلسلہ صفحہ گذشتہ) اس واقعہ کے تاثر "فک کل نظام" کو شاہ ولی اللہ نے اپنے انقلابی نظریہ کا عنوان قرار دیا اور تفسیر و حدیث وفقہ و تصوف کی تمام کتابوں میں جو پچاس کے قریب ہیں، مناسب مواقع پر اجتماع اسلامی (اسلامی سوسائٹی) کے فساد کی تفصیل اور انقلاب کی ضرورت پر زور دیا اور بسط سے بحث کی ہے۔

چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کے باب "اصلاح الارتفاقات" صفحہ میں فرماتے ہیں۔ اگر کسی قوم میں تمدن کی مسلسل ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت اور حرفت اعلیٰ مدارج کمال پر پہونچ جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر حکمران جماعت آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی اپنا شعار بنالے تو اس کا بوجھ قوم کے کارکن طبقات پر اتنا بڑھ جائے گا کہ سوسائٹی کا اکثر حصہ حیوانات جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا

ایسے وقت میں ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کردے۔ اور قوم کے سر سے اس ناجائز حکومت کا بار اُتار دے۔ چنانچہ قیصر و کسریٰ کی حکومتوں نے یہی وطیرہ (آرام و آسائش اور رفاہیت بالغہ) اختیار کیا۔ اس مرض کو دور کرنے کے لیے ان پڑھ لوگوں میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

یہاں ضمنی طور پر شاہوں کی ذیل میں بتلاتے ہیں کہ دہلی کے بادشاہوں اور امیروں کی حالت بھی قیصر و کسریٰ کے لگ بھگ جا پہنچی ہے فرماتے ہیں وما تراہ من ملوک بلادک یغنی عن حکایاتھم۔

دوسرے موقع پر جہاں ربوا کی بحث ہے (حجۃ اللہ صفحہ) کہ اسلام نے ربوا کو قطعی طور پر بند کر دیا ہے۔ وہاں تفصیل سے بتایا کہ رفاہیت بالغہ کے مرض سے سوسائٹی کو محفوظ کر دینا از حد ضروری ہے۔

"فک کل نظام" کے بعد نئی تعمیر ضروری ہے اس کے لیے تفہیمات الٰہیہ صفحہ میں ہیئت اجتماعیہ کے ہر ہر صنف کو اس کی غلطیوں پر متنبہ کرکے سیدھا راستہ بتلایا ہے۔

سب سے پہلے علما اور صوفیہ اور اولاد مشائخ اور طلبہ اور واعظوں اور زاہدوں کو تبلیغ کی ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ بعد ازاں ملوک و امرا اور فوجی طاقت اور پیشہ ور جماعتوں کے فرایض پر مفصل بحث کی ہے۔ عورت اور مرد کے اجتماع میں جو غلطیاں ہو رہی ہیں ان کو نمایاں کرکے جتلایا ہے شہروں کے انتظامات اور صوبہ داروں کے فرایض نہایت تحقیق سے واضح کیئے ہیں۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ ملاء اعلیٰ کی طرف سے نیابۃً تحریر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس اجتماع میں صحیح بات کہنے والے کیلئے کس قدر خطرات ہوں گے۔ حضرت مولانا عم فیضہم ۱۲ محمد نور الحق

اتنا توسع پیدا کرلیا ہے کہ محقق کے لیے حنفیت سے باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس کو شاہ صاحب نے فیوض الحرمین میں ضبط کردیا ہے۔ اور یہی بار لکھا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ لا تخالف عرا۔ البلاد۔[1] اسی بنا پر ہم نے شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے ایسے لوگوں کو جو حنفی بننا نہیں چاہتے ہندوستانیت سے خارج کردیا ہے۔ انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہندوستانی معاملات میں دخل دیں۔

پھر ایسے بھی دو قسم کے عالم ہیں (۱) جن لوگوں کو شاہ صاحب کے اتباع میں سے حنفی مذہب پر پورا اعتماد نہیں رہا ان میں سے بعض نے شافعی مذہب اور بعض نے حنبلی مذہب اختیار کرلیا۔ اس کی چند نظیریں شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسحاق (متوفی سنہ ۱۲۶۲ھ) کے شاگردوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ ہندوستانی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کو حنفیت سے مخاصمہ نہیں مرکز اسلام میں یہ چاروں مذہب اسلام کے مساوی شارح سمجھے جاتے ہیں ایک حنفی کسی شافعی یا حنبلی سے عناد نہیں رکھتا۔

(۲) مگر ایسے عالم جن کو حنفیت پر اعتماد نہ ہو اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے پابند ہوکر نہ رہ سکیں۔ ان سے شاہ ولی اللہ نے تبری کی ہے۔ ان کو اپنے سلسلہ میں منتسب ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس لیے ہم ایسے انسانوں کو اپنی تحریک کا قیّم کبھی نہیں مان سکتے۔ یہ اصلی دیوبندیت ہے۔ شاہ صاحب کے علوم سے تباعد کرنا دیوبندیت نہیں ہے۔

ہندوستان کے لیے شاہ صاحب کو ایک نئی چیز الہام ہوئی۔ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

عرّفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ہی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جُمعت ونُقّحت فی زمان البخاری واصحابہ وذلک ان یوخذ من اقوال الثلاثۃ قول اقربہم بہا فی المسئلۃ۔ ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین

---

[1] قال فی موضع من فیوض الحرمین ونقّح فی نفحۃ اخری فتبیّن ان مراد الحق فیک ان یجمع شملاً من الامۃ المرحومۃ بک فایاک وما قیل ان الصدیق لایکون صدیقاً حتی یقول لہ الف صدیق انہ زندیق۔ وایاک ان تخالف القوم فی الفروع فانہ مناقضۃ لمراد الحق۔ ھ ص ۶۲ ۱۲

[2] استفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ امور خلاف ماکان عندی وما کانت طبیعتی تمیل الیہ اشد میل۔ احدھا الوصاۃ بالتقید بہذہ المذاہب الاربعۃ لا اخرج منہا والتوفیق ما استطعت وجبلتی تابی التقلید وتانف منہ راسًا لکن شئ طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی ھ (فیوض الحرمین ص ۶۴) وآتا اوصی طالب الحق بامور منہا ان لا یصحب جہال الصوفیۃ ولا جہال المتعبدین ولا المتقشفۃ من الفقہاء ولا الظاہریۃ من المحدثین الخ (ص ۱۲۰ قول جمیل) براجع التفہیمات ص ۲۰۲ وعقد الجید باب تاکید الاخذ بہذہ المذاہب الاربعۃ والتشدید فی ترکہا والخروج عنہا ۱۲

الذین کانوا من علماء الحدیث. فرب شیٔ سکت عنه الثلاثة فی الاصول وما تعرضوا لنفیه ودلت الاحادیث علیه فلیس بد من اثباته۔ والکل مذهب حنفی ہ ص

دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں۔ ثم کشف لی ان نموذجا ظهر لی منه کیفیة تطبیق السنة بفقه الحنفیة، من الاخذ بقول احد الثلاثة وتخصیص عموماتهم والوقوف علی مقاصدهم والاقتصار علی ما یفهم من لفظ السنة ولیس فیه تاویل بعید ولا ضرب بعض الاحادیث بعضاً ولا رفض الحدیث صحیح بقول احد من الامة۔ وهذه الطریقة ان اتمها الله واکملها فهی الکبریت الاحمر والاکسیر الاعظم فیوض الحرمین ص

اس طریقہ سے شاہ صاحب نے حنفی فقہ میں تجدید کر دی۔ اب انکی رائے یہ ہے کہ جس قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ اُن کے موافق فقہائے حنفیہ میں سے کسی نہ کسی کا فتویٰ ضرور ملتا ہے اس لئے فقہ شافعی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایک حنفی جبکہ وہ حدیث میں تحقیق کے درجے پر پہونچ جائے اور اپنی تصحیح شدہ حدیثوں کے موافق فقہ حنفی میں سے روایات منتخب کرے۔ تو وہ فقہ واجب الاتباع ہوگی۔ شاہ عبدالعزیز[۵] اس فقہ کے امام ہیں۔

---

۵ قال الحافظ عبد القادر القرشی فی الجواهر المضیئة ص والحافظ زین العابدین قاسم بن قطلوبغا فی تاج التراجم ص قال ابن العدیم سمعت قاضی العسکر یقول قدم دمشق الکاسانی فحضر الیه الفقهاء وطلبوا منه الکلام معهم فی مسئلة فعینوا مسائل کثیرة۔ فجعل کلما ذکر مسائل یقول ذهب الیها من اصحابنا فلان وفلان۔ فلم یزل کذلک حتی کانهم لم یجدوا مسئلة لا وقد ذهب الیها واحد من اصحاب ابی حنیفة رح فاتفق المجلس علی ذلک لم یتکلموا معه ۱۲

۶ قال الامام عبد العزیز الدهلوی ان المجتهدین الباحثین عن دلائل احکام الشرعیة وجدوا لها مراجع احادیث رسول الله صلی الله علیه وسلم متعارضة، وآثار الصحابة والتابعین مختلفة۔ وهی اهم المآخذ واکثرها فی الاحکام فتحیروا واختلف آراءهم فی التفصی عن هذا التعارض والاختلاف۔

(الف) فاما الذی اختار مالک تحکیم عمل اهل المدینة۔ لان المدینة بیت الرسول وموطن خلفائه ومسکن اولاد الصحابة واهل البیت ومهبط الوحی۔ واهلها اعرف بمعانی الوحی فکل حدیث او اثر خالف عملهم لابد ان یکون منسوخاً او مأولاً او مخصصاً او محذوف القصة فلا یعتنی بها۔

(ب) والذی اختاره الشافعی تحکیم اهل الحجاز، واشتغل بالمآثر ایتهم مع ذلک حمل بعض الروایات علی حالة و بعضها علی حالة اخری۔ وسلک مسلک التطبیق مهما امکن۔ ثم ارتحل الی مصر والعراق فسمع روایات کثیرة عن ثقات تلک البلاد وترجح عنده بعض الروایات علی عمل اهل الحجاز فحدث فی مذهبه قولان قدیم وجدید۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو مذہبوں میں مجتہد منتسب مانتے ہیں۔ جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام (حجاز) میں تصوّر کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور شافعی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا جائز سمجھتے ہیں۔ اور جب وہ خود کو ہندوستان میں فرض کرتے ہیں تو اپنے والد[1] کے طریقہ پر فقط فقہ حنفی کے مجتہد منتسب امام ہوتے ہیں اس کے متعلق فیوض الحرمین میں ایک تصریح موجود ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ فرماتے ہیں "نفخ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفخۃ فبین ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من الامۃ المرحومۃ بک فایاک وما قیل ان الصدیق لا یکون صدیقا حتی یقول لہ الف صدیق انہ زندیق و ایاک ان تخالف القوم فی الفروع فانہ مناقضۃ لمراد الحق۔ ثم کشف لی انموذجا الی قولہ

(ج) والذی اختارہ احمد بن حنبل اجراء کل حدیث علی ظاہرہ۔ لکنہ خصص بمراردھا مع اتحاد العلۃ فجاء مذہبہ علی خلاف القیاس واختلاف الحکم مع عدم الفارق۔ ولذلک نسب مذہبہ الی الظاہریۃ۔

(د) واما الذی اختارہ ابو حنیفۃ وما بعدہ امر بین جداً او بیان ذلک انا تتبعنا فوجدنا فی الشریعۃ صنفین من الاحکام۔

(صنف) ہی القواعد الکلیۃ المطردۃ المنعکسۃ کقولنا لا تزر وازرۃ وزر اخری، وقولنا الغنم بالغرم وقولنا الخراج بالضمان، وقولنا العتاق لا یحتمل الفسخ۔ وقولنا البیع یتم بالایجاب والقبول و قولنا البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ونحو ذلک مما لا یحصی۔

(وصنف) وردت فی حوادث جزئیۃ اسباب مختصۃ کانہا بمنزلۃ الاستثناء من تلک الکلیات فالواجب علی المجتہد ان یحافظ علی تلک الکلیات (التی) لا ندری اسبابہا ومخصصاتہا علی الیقین فلا یلتفت الیہا مثال ذلک ان البیع یبطل بالشروط الفاسدۃ، قاعدۃ کلیۃ۔ وما ورد فی قصۃ جابرؓ انہ اشترط الحملان الی المدینۃ فی بیع الجمل۔ قصۃ شخصیۃ جزئیۃ فلا تکون معارضۃ لتلک الکلیۃ و کذا حدیث المصراۃ تعارض القاعدۃ الکلیۃ التی ثبتت فی الشرع قطعاً۔ وہی قولنا الغنم بالغرم و نحو ذلک من المسائل۔

ولزم من ہذا ترک العمل باحادیث کثیرۃ، وردت علی ہذا النسق الجزئی لکنہم لا یبالون بہا۔ بل یعدون الاجتہاد المحافظۃ علی الکلیات۔ ودرج الجزئیات فی تلک الکلیات مہما امکن۔ وہذا الکلام الاجمالی لہ تفصیل طویل لا یسع الوقت لہ۔ واللہ الہادی ھ بحوالہ کتاب التمہید موقف ثالث۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" طبع مجتبائی میرٹھ ص۱۱۵-۱۱۶ ۱۲

[1] شاہ عبدالرحیم کا حنفی طریقہ معلوم کرنے کیلئے ملاحظہ ہو انفاس ص ۱۲

"الاکسیر الاعظم"

امام عبد العزیز دہلوی امام عبدالعزیز شاہ ولی اللہ کی وفات پر نو عمر تھے۔ شاہ صاحب کے شاگردوں سے انھوں نے اپنی تکمیل کی۔ شاہ عبدالعزیز کے خسر شیخ مولوی نوراللہ بڈھانوی شاہ ولی اللہ کے خواص اصحاب سے تھے وہ فقہ حنفی کی تحقیق کا طریقہ شاہ صاحب سے سیکھ چکے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے ان سے اپنی تکمیل کرلی۔ اور پھر اس طریقے پر ہندوستان میں شاہ صاحب کے علوم کو کامیاب بنانے والی جماعت تیار کرنے میں مصروف ہوگئے۔

شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں سیاسی تنزل انتہا تک پہونچ چکا تھا۔ سلاطین دہلی کے بالمقابل قوت (انگریز) بہت متیقظ اور چابک تھی۔ ان کی کڑی نگاہوں کے زیر اثر شاہ عبدالعزیز کو کام کرنا پڑا۔ اس لیئے ان کا تمرکز نمایاں نہیں ہے، اور ان کو تھوڑا سا کام کرنے میں لمبا وقت خرچ کرنا پڑا۔ پھر بھی اول درجے کے کامیاب علما میں شمار کیئے جائیں گے۔ انھوں نے شاہ صاحب کے نظریۂ انقلاب کو کامیاب بنانیوالی مرکزی جماعت پیدا کردی [قلت ھم الارکان الاربعۃ للنھضۃ الھندیۃ (۱) الامیر الشہید السید احمد البریلویؒ (۲) الصدر السعید مولانا عبدالحی الدھلویؒ (۳) والصدر الشھید مولانا محمد اسمٰعیل الدھلویؒ (۴) والصدر الحمید مولانا محمد اسحاق الدھلویؒ نورالحق] اسے ہم شاہ ولی اللہ کی فقہ کی تجدید مانتے ہیں۔

مشائخ دیوبند ہمارے اساتذہ دیوبند شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ہم نے ان کا طریق نہایت تحقیق سے حاصل کیا۔ ہم افغانستان اور ترکی میں رہے ہیں فقہاء حنفیہ میں اپنے مشائخ سے بہتر عالم کہیں نظر نہیں آئے۔ اس کے بعد ہم حجاز میں رہے۔ جہاں حنفی شافعی، مالکی، حنبلی موجود ہیں۔ اور حنابلہ کی حکومت ہے۔ اتفاقاً وہاں حنیفہ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا۔ مگر ہم نے جب اپنا تعارف شاہ ولی اللہ کے طریقے پر کرایا تو علماء حرمین کو ہمارے مسلک سے کوئی خصومت نہ رہی۔ ہمارے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم اپنے مسلک کی عمومی تعلیم کا انتظام کرسکتے۔ مگر خواص علمانے شاہ صاحب کا طریقہ (تحقیق حدیث اور تحقیق فقہ) ہم سے خصوصی طور پر اخذ کیا۔ اسے ہم شاہ صاحب کے طریقے کی بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ شاہ صاحب کے طریقے کو عام طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے مگر اس کا سبب ایک سیاسی مقابلہ ہے جس پر ہم یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے۔

وباللہ الثقۃ

باب پنجم (۵) تصوف و فلسفہ

(الف) عام طور پر متصوفین مبادی اخلاق سے اپنا مسئلہ شروع کرتے ہیں۔ انسان کے بدن میں تین عضو ہیں جنھیں علماء طب اعضائے رئیسہ کہتے ہیں۔ دماغ، قلب، کبد۔ ان اعضاء رئیسہ کی مرکزی قوتوں کو لطیفہ عقل، قلب، نفس کہتے ہیں۔ پھر ان کی ترکیب و تحلیل سے مختلف حالات اور مقامات پیدا ہوتے ہیں جن سے متصوفین اپنی کتب میں پورے بسط سے بحث کرتے ہیں۔

(الف ۲) شاہ ولی اللہ ان لطائف ثلثہ سے پہلے ایک لطیفۂ جوارح بھی تجویز کرتے ہیں۔ ان کی عبارت "الطاف القدس" میں سے بعینہا نقل کی جاتی ہے

درظاہر شرع کہ مسمی باسلام است مبحوث عنہ لطیفۂ جوارح است۔ و تحقیق ایں لطیفہ آں ست کہ قلب و عقل و نفس بہ اعتبار تقوم جوارح، و آلہ بودن برائے تکمیل افعال جوارح و فساد جوارح مسمے بہ لطیفۂ جوارح می گردد۔ و برائے تفہیم ایں لطیفہ بریں فقیر شرے ظاہر ساختند۔ کہ شرف بر موت بود۔ غیر از رمقے از حیات باوے باقی نمانده و جمیع لطائف ثلثہ بارزه او ضعیف گشتہ۔ اما او را در قطارے بستہ بودند۔ و او غیر از رفتن قوتے نداشت پس تا آخر انزال روح راه مے رفت۔ بعد ازاں بمرد۔ از رفتن باز ماندش ہماں و مردنش ہماں۔ دریں حال آگاہانیدند۔ ایں شتر فانی است در لطیفۂ جوارح و مواخذۂ اعمال شرائع بر ہمیں لطیفہ است ص ۳۰،۲۹

(ب) متصوفین کو کہنا پڑتا ہے کہ تعلیم شریعت ایک خاص نصاب رکھتی ہے۔ اور تصوّف و طریقت اس کے ماورا دوسری چیز ہے۔ اور پھر یہ بھی ساتھ ہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصوف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہ تھا۔ اس کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ حضور کی صحبت میں اتنا نور اور برکت تھی کہ اس علم کی طرف احتیاج ثابت نہیں ہوسکی۔

(۱) ہمیں اس قسم کی فکر میں ایک بیّن نقص نظر آتا ہے۔ گویا تعلیم فقہ علیحدہ چیز ہے۔ اور تصوف اس سے ایک جداگانہ غیر ضروری امر ہے۔ یعنی جس کا جی چاہے۔ اُسے (تصوف کو) اخذ کرے اور جس کی مرضی نہ ہو اس سے سروکار نہ رکھے۔

(۲) پھر آگے چل کر ہم نے دیکھا کہ ایمان بالدار الآخرۃ ان متصوفین کی صحبت ہی میں مکمل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ قرآن عظیم ایمان باللہ کو جس کے ساتھ ایمان بالیوم الآخرۃ ہو قابل اعتماد نہیں مانتا۔ اس سے ہماری طبیعت میں تشویش پیدا ہوئی کہ جو چیز ایمان بالیوم الآخر پر یقین دلاتی ہے اُس کو کمزور کیوں کر دیا گیا۔

(ب ۲) شاہ صاحب کی اس حکمت کو پڑھ لینے کے بعد ہمارا اطمینان ہوا۔ ہم انسانی زندگی کو وحدت غیر منقسمہ مانتے ہیں۔ دنیاوی زندگی اور اُخروی زندگی دو متباین چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سیر کے مختلف منازل ہیں۔

شاہ صاحب کے لطیفہ جوارح کا مطلب یہ ہے کہ لطائف ثلثہ بارزہ دو رخ رکھتے ہیں، ایک جوارح کی طرف

اس کی تکمیل کا نام شریعت ہے۔ دوسرا رُخ اپنے منبع کی طرف اس کی تکمیل تصوف، طریقت، فلسفہ کہلاتی ہے۔ ہر انسان ایک ہی جبلت لے کر نہیں آتا۔ بعض چیزیں ایک شخص کو شروع زندگی ہی میں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ مگر دوسرے کو کافی زمانہ گزرنے پر اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ ایک انسان اپنی انانیت کا مصداق بدن کو سمجھے اور اس کا نام لطیفہ جوارح سے آگے نہ بڑھ سکے۔ جیسے عامۃ الناس کی حالت ہے۔ اور دوسرا انسان جو ذکی ہے وہ اپنے افعال جوارح کو عقل، اخلاق، اور طبیعت کے اقتضا میں تقسیم کر لیتا ہے۔ وہ انسانیت کے لئے ایک مرکزیت پیدا کر سکتا ہے۔

اس طرح یہ شریعت اور طریقت دو چیزیں نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایک چیز کے دو رنگ یا ایک درخت کے دو ثمر ہیں۔ ایک پہلا ایک دوسرا۔ اس طریق پہ حیات کی وحدت بھی قائم رہے گی۔ اور انسانیت میں اختلاف مدارج بھی معقول رہے گا۔

"الطاف القدس" میں پہلا باب لطیفہ جوارح پر بحث کرنے کے لئے معین ہے۔ دوسرے باب میں لطائف ثلثہ کے دوسرے پہلو پر بحث ہے۔ تیسرے باب میں عقل اور قلب کے بطن پر بحث ہے۔ چوتھے میں عقل و قلب کے بطن البطن پر بحث ہے۔ آخری درجہ پہ پہنچ کر انسان کو اس تجلی سے ربط پیدا ہوتا ہے۔ جو کائنات کی مرکزی قوت کے آئینہ میں ظاہر ہوئی۔

یہ مباحث مستقل توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس وقت ان پر تفصیل سے بحث کرنا مقصود نہیں۔
تجلی الٰہی کی تشریح سمجھنے کے لئے کتاب سطعات کا پڑھنا لازم ہے۔ اور ادراک انسانی کے تنوّع کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے "الطاف القدس" کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اور اسلام میں تصوف کا فلسفۂ تاریخ سمجھنے کیلئے ہمعات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور متصوفین کے طرق کی تفصیل "انتباہ[1] فی سلاسل اولیاء اللہ" میں دیکھنی چاہیئے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے جس طرح "طریقہ" حاصل کیا۔ اس کی تفصیل "قول جمیل" میں ملے گی۔ شاہ صاحب کے والد اور چچا کے سوانح حیات جن کو شاہ صاحب کے فلسفہ اور تصوف کی روح کہنا چاہیئے۔ "انفاس العارفین" میں مذکور ہیں۔ اس کتاب کے بعد اگر "اخبار الاخیار" از شیخ عبدالحق دہلوی اور "نفحات الانس" از مولانا جامی کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام میں تصوف کی پوری تاریخ سامنے آجائے گی۔

فصل (۲)

جیسے ہم نے امام ابو حنیفہ کی فقہ کو ایرانی تہذیب کے مفتوح ہونے کے بعد اسلام کا ایک ضروری جزو

[1] کتاب الانتباہ کے دو حصے ہیں۔ یہاں مراد حصہ اول ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ حدیث اور فقہ سے متعلق ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ہم نے اس کا ایک صحیح نسخہ دیکھا جو بے شمار لطائف پر مشتمل ہے کاتب حقیر کو توقع ہے کہ اس کی نقل بھی مل سکے گی۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ محمد نور الحق

قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایرانی مسلم کی طبیعت نے جب اپنا پُرانا فلسفہ اسلامی رنگ میں لیا تو اس کا نام تصوف ہوا۔

آرین قوموں میں تہذیب کے دو عنصر ہیں (۱) ایک کسی مجتہد کا قانون فقہ۔ جیسے منوجی کا دھرم شاستر۔ (۲) اور دوسرا اشراقی فلسفہ۔ یہ چیز ہند میں بھی تھی۔ اس کے علاوہ ایران اور یونان میں موجود تھی۔ آرین تہذیب کے یہ تینوں مرکز ایک ہی طرح کا فکر رکھتے ہیں۔ ایران جب مسلمان ہوا تو ان کے مشائی فلاسفروں نے علم کلام پیدا کیا۔ اور ان کے اشراقی حکما نے تصوف مدوّن کیا یہ چیزیں (مشائیت اور اشراقیت) ان اقوام کی ذہنیت کی لوازم میں سے ہیں۔

جب ان میں شہنشاہی پیدا ہوئی۔ تب کہیں انھیں قانون ضابطہ کی ضرورت کا احساس ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ قانون (لاء۔ فقہ) ہے جو یونان، ایران، ہند سب میں مکتوب اور غیر مکتوب شکل میں پایا جاتا ہے جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اسلام کی تعلیم کا وہ حصہ جو جوارح کی تہذیب سے متعلق تھا۔ انھوں نے قانونی شکل میں مرتب کر لیا۔ اسی کا نام امام الائمہ ابوحنیفہ کی فقہ ہے (۲) اس کے بعد تہذیب کا جو حصہ لطیفۂ عقل کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اس کا نام فلسفہ مشائیت یا علم کلام ہے (۳) اور جو حصہ عقل کے بطن سے متعلق ہے اس کا نام حکمت یا فلسفۂ اشراقیت ہے۔

اسلام نے بغداد کے مرکز میں جب ایرانیت پر پورا قبضہ کیا۔ اور اس کو اُبھار کر اسلام کی خدمت کے لیے تیار کیا۔ تو اسی مرکز سے تصوف پیدا ہوا۔ اور اسی طرح فقہ حنفی بھی عراق ہی سے نکلی۔

ہند میں اسلام ایران کے راستے سے آیا لہٰذا یہاں فقہ حنفی آئی اور تصوف بھی آیا۔ بنا بریں ہند میں اسلام کی عظمت قایم کرنے والا کوئی محقق نہ فقہ حنفی سے قطع نظر کر سکتا ہے اور نہ تصوف سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ترکی تحریک ایرانیت سے علٰحدہ چیز نہیں ہے۔ ترک ایرانی تہذیب کے حامل ہو کر حاکم ہوتے رہے۔ اس لیے دہلی اور استنبول میں وہی تصوف رائج ہوا۔ جو بغداد میں پیدا ہوا تھا۔ ہمیشہ مختلف استعدادات کے اثر سے اس تصوف کی ظاہری شکل بدلتی رہے گی۔ مگر معنوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

آرین قوموں کو حقیقی طریقے پر نبوت کا قائل بنانا اس پر موقوف ہے کہ اُن کے تصوف کی آخر تک اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ وہ نبوت کے سمجھنے کا آلہ بن سکے۔

فصل (۳)

(ج) فلاسفر الٰہیات میں واجب الوجود کو بالاتفاق مانتے ہیں۔ مگر انسانی حواس کا اُس سے تعلق پیدا ہونا ناممکن سمجھتے ہیں۔ بخیال اُن کے وہ جسمانیت سے اتنا مجرد ہے کہ انسانی حواس اُس کو کسی طرح ادراک نہیں کر سکتے۔

اب دوسری طرف انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کو لیجئے وہ واجب الوجود کا جونسا نام سکھائیں جیسے اللہ، لاہوت، لاہ یا ان کے ہم معنی کوئی اور لفظ اُس ذات سے دیکھنے اور سننے کا تعلق ضرور پیدا کرتے ہیں۔ نبوت کا مطلب ہی یہی ہے کہ اُس کے حامل نے خدا کی کوئی بات سُنی اور وہ اپنے اتباع کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر ان کے طریقے پر کوئی شخص تکمیل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔ جس وقت تک اس مسئلہ کا حل وراس اختلاف کی تطبیق آرین قوموں کو نہ سمجھائی جائے وہ اپنی طبیعت سے اُسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے۔

(ج) شاہ صاحب کے تصوف میں یہی کمال ہے وہ تجلی الٰہی کا مسئلہ اس طرح سمجھاتے ہیں۔ جس کی ایک طرف تو واجب الوجود سے من وجہ عینیت کی نسبت رکھتی ہے۔ یعنی اس تجلی سے تعلق رکھنے پر کہا جاسکتا ہے کہ ہم اللہ تک پہونچ گئے۔

اور دوسری طرف تجلی اپنے مظہر کے رنگ میں اس طرح رنگین ہو جاتی ہے کہ انسانی عقل اور حواس باطنہ کا تعلق اُس سے تعلق پیدا کر سکتا ہے اور اُس کے بعد یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کو دیکھا یا اس کی بات سُنی!

اس طرح کی تطبیق کے بعد آرین فلاسفی (حکمت) اور سامی نبوت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔

ہم نے جب سے عقلمندوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا مقصد حیات بنایا۔ وہ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم تو ہمیں اس تحقیق کی ازحد ضرورت ہوئی۔ ہم نے نوجوان تعلیم یافتہ کو اس ضرورت پر متنبہ کرنے کے بعد شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں پڑھائیں۔ تو وہ اس علم کی ویسے ہی ضرورت محسوس کرنے لگے۔ جیسے ایک عامی مسلمان جب نماز کی پابندی کا ارادہ کرے تو کسی فقہ کے سیکھنے کو ضروری سمجھتا ہے۔

فصل (۴)

یہاں ہم شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت نقل کرکے اُن کے مسلک کو واضح کر دیتے ہیں کہ وہ اس تصوف کی کتنی اہمیت مانتے ہیں تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں۔

"لیس منا من لم یتدبر کتاب اللہ ولم یتفقہ حدیث نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ لیس منا من ترک ملازمۃ العلماء اعنی الصوفیۃ الذین لھم حظ من الکتاب والسنۃ او الراسخین فی العلم

---

[۱] حضرت مولانا الشیخ عم فیضہم کی تحقیق یہ ہے کہ تبت کا مرکزی مذہبی شہر لاسہ دراصل لاہ سہ ہے۔ یعنی بیت اللہ۔ یہ شہر آرین اقوام کی مذہبی تہذیب کا قدیمی مرکز ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم نے جب یہ خیال مولانا حمید الدین سے ظاہر کیا تو فرمانے لگے کہ خدا تعالیٰ کے نام کا یہ مادہ دنیائے مذہب کا قدیم ترین لفظ معلوم ہوتا ہے۔ جو تمام مذاہب میں معمولی اختلاف سے مستعمل ہوتا رہا۔ ۱۲

محمد نور الحق غفرلہ

الذین لهم حظ من الصوفية . والمحدثين الذين لهم حظ من الفقه . والفقهاء الذين لهم
حظ من الحديث . اما الجهال من الصوفية والجاهدون للتصوف فاولئك قطاع الطريق
ولصوص الدين فاياك واياهم . جعلنا الله سبحانه ممن يطيعه و يتبع رضوانه ولا يشرك
به شيئا فانما نحن به ولله والسلام ص۲

دوسرے ملکوں کے علماء جو پچھلی صدی میں تجدید کا فکر رکھتے تھے۔ ان میں سے جن کو شاہ صاحب کے علوم قرآنیہ اور حدیثیہ اور فقہیہ پہونچے۔ وہ ان کی پوری قدر کرتے رہے۔ مگر شاہ صاحب کے تصوف کو ماننا ان کے لیے بہت گراں تھا۔ اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایرانیت اور ہندیت کے قریب کھنچے جا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ سامیوں اور آرین قوموں میں ایک تضاد ثابت کرنا اپنے ترفع کے لیے ضروری مانتے ہیں۔ حجاز میں رہتے ہوئے اس طرح کے لوگوں سے ہمیں کافی واسطہ پڑا۔ مگر جب ہم نے انھیں ان مقاصد عالیہ پر متوجہ کیا جو آرین قوموں کو سامی نبوت سمجھانے سے پیدا ہوتے ہیں اور اُن سے انسانیت جس قدر بلندی پر پہونچتی ہے اس کے لیے شاہ صاحب کے تصوف نے راستہ صاف کر دیا ہے۔ تو وہ اس کی قدر کرنے لگے۔ مگر اس پر احاطہ کرنے کے لیے وقت صرف کریں۔ یہ وسعت قلب ہم نے اُن میں نہیں دیکھی۔ ان لوگوں کی طرف سے جو ہندوستانی مسلمانوں میں پروپیگنڈا ہوا اس میں تصوف قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا۔ اس طرح وہ ہندوستانی جو پروپیگنڈا کا شکار ہوئے۔ اپنے ائمہ کے کلام سے زیادہ مستفید نہیں ہو سکے۔

فصل (۵)

ہم نے محسوس کیا کہ ایک عرب جیسا اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اسی طرح اپنی عربیت پر فخر کرتا ہے۔ یہی حال ایرانی اور ترک کا ہے۔ مگر ایک ہندوستانی کو دوسرے ممالک میں جا کر اپنی ہندوستانیت سے ایک قسم کی نفرت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اسلام اور اس کی تعلیم کے ائمہ ہندوستان سے باہر ہی مانتا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ فکر مسلمانوں کے لیے نہایت مضر ہے۔ مسلمانوں کی اتنی آبادی کسی ملک میں نہیں جتنی ہندوستان میں ہے۔ اُن کی ترقی کا سامان جس قدر ہندوستان میں میسر ہے کسی مسلمان کو اپنے ملک میں حاصل نہیں۔ اس طرح اتنی بڑی قوم ترقی کے راستے سے بھٹک رہی ہے۔

اس کا علاج ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم میں بھی پہلے ہندوستانی ائمہ پر اعتماد کرنا سیکھیں۔ اس کے بعد ان ائمہ کے شرف کے ساتھ ہندوستانیت محترم ہو جائے گی اور ہندوستانی کو اپنے ملک میں ترقی کرنے کا خیال پہلے درجہ پر ہوگا اور دوسری قوموں سے مل کر ترقی کرنے کا فکر دوسرے درجہ پر آئیگا ہماری سمجھ میں یہی انکے لیے راہ نجات ہے۔[۵]

[۵] الفرقان: اس فصل میں مولانا کا بیان تھا یہ اختصار و ایجاز کی وجہ سے نہایت غیر واضح ہے اور یہ نہیں چلتا کہ اس سے مولانا کا منشا کیا ہے حالانکہ یہ مسئلہ خود مولانا

اسی لیے ہم شاہ ولی اللہ کے علوم کا ہندوستانیوں میں تعارف کرانا ضروری جانتے ہیں ہماری ہندوستانیت

کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسلام شاہ ولی اللہ سے سیکھا جو ہندوستانی تھے دہلوی تھے یہیں پیدا ہوئے۔ یہیں دفن ہوئے۔

فصل (۶)

شاہ صاحب کے مکمل فلسفے کو سامنے رکھ لینے کے بعد حجۃ اللہ البالغۃ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائیگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جیسے انسان کو رویت الہیٰ کے لیے تیار کر دیا۔ ویسے ہی تہذیب حواس کا فرض بھی ادا کیا۔ انسان کی پوری زندگی کی تہذیب اور اصلاح نبوت کا اولین مقصد ہے۔

اس تبیین کے بعد ابن خلدون کا یہ نظریہ خود بخود باطل ہو جائے گا کہ "انسان کو ضرورت نبوت فقط امور آخرت معلوم کرنے کے لیے ہی ہے۔ دنیاوی معیشت کا نظام محتاج نبوت نہیں"۔ وہ اس پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ غیر مسلم قوموں میں دنیاوی ترقی موجود ہے۔ یعنی اور اُن میں نبوت کی روشنی نہیں۔ اس طرح ابن خلدون نے عربی ذہنیت پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔ عرب اُس سے بڑھکر کوئی حکیم اپنے ہاں نہیں دیکھتے۔ اور وہ انھیں دنیاوی ترقی میں انبیاء کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے جس سے وہ بآسانی حکماء یورپ کے پروپیگنڈے کا شکار ہو جاتے ہیں شاہ صاحب

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) کے نزدیک نہایت اہم ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس کو تفصیل اور وضاحت سے پیش کیا جاتا ہم ذاتی حد تک غور بھی کیا لیکن پوری طرح سمجھ میں نہ آسکا کہ مولانا ان سطور کے ذریعہ کونسا فکر مسلمانوں میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر مقصد صرف یہ ہو کہ ہندوستانی مسلمان اپنے اُن ہندوستانی ائمہ دین مثلاً حضرت مجدد الف ثانی و حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہما من المتقدمین والمتاخرین قدس اسرارہم) کے بلند مقام کو پہنچانیں اور انکی دینی و ملی کارناموں کو جانیں (جنکی نظیریں "دوسرے اسلامی ممالک" نے بھی اس دور میں کم پیدا کیں یا نہیں پیدا کیں) اور اس طرح ہندوستانیت کی حقارت کا وہ غلط فکر زائل ہو جو "ہندوستان اور اسلام" کے گہرے تاریخی تعلقات اور ہندوستانی ائمہ دین کی ان خدمات کا علم نہ ہونے ہی کی وجہ سے خود ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے اور جس کا خمیازہ قومی اور سیاسی مصائب و نقصانات کی شکل میں بھی ہم کو بھگتنا پڑ رہا ہے اور پڑ رہا ہے تو ہم کو مولانا کی اس کوشش سے پورا اتفاق ہے۔ فی الحقیقت ایک ہندوستانی مسلمان کے لئے اس حیثیت سے احساس کمتری کا کوئی موقع نہیں ہے وہ اپنے پاس ہندوستانی ائمہ دین اور کے علمی و دینی کارناموں کی ایک روشن اور قابل فخر تاریخ رکھتا ہے اور اس طرح مسلمان کی حیثیت کے ساتھ وہ ہندوستانی ہونے پر بھی فخر کر سکتا ہے ۔۔۔۔۔ لیکن اگر ان سطور سے مولانا کا منشا ہندوستانی مسلمانوں کو اُس نیشنلزم کی اختیار کرنے کا مشورہ دینا ہو جو یورپ کی پیداوار ہے اور ترکی و ایران جسکو اختیار کر چکے ہیں تو پھر ہم کو اس لئے سے شدید اختلاف ہوگا۔ یہ "نیشنلزم" ہمارے نزدیک مقاصد اسلام کے خلاف ہی ہی لیکن اب تو عالم انسانیت کے لیئے بھی اس کا لعنت ہونا آشکارا ہو چکا ہے اسی "بدعت" نے اس وقت یورپ کو آگ اور خون کے جہنم میں جھونک رکھا ہے ۔۔۔۔ بہرحال خصوصاً حضرت امام ولی اللہ قدس سرہ کا جو رجحان بلکہ معین نظریہ اس باب میں ہے وہ آپ کی اس وصیت سے سمجھا جا سکتا ہے۔

"ما مردم غریبیم کہ در دیار ہندوستان آباء ما بغربت افتادہ اند و عربیت نسب و عربیت لسان ہر دو فخر ماست کہ از سبب اولین و آخرین وافضل انبیاء و مرسلین فخر موجودات علیہ علی الہ الصلوات و التسلیمات نزدیک می گرداند شکر این نعمت عظمیٰ آنست کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اول کہ منشاء آنحضرت است صلی اللہ علیہ وسلم از دست ندہیم و رسوم عجم و عادات ہنود را در میان خود نہ گزاریم"

(المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ ص ۲ قلمی نقل نسخہ مطبوعہ مطبع احمدی شاہجہان آباد …) ۔ م ۔ ا

سلہ اس مقالہ کی کتابت مکمل ہو جانے کے بعد بسلسلہ طباعت جب دہلی جانا ہوا اور حضرت مولانا سندھی سے متفرق صحبتوں میں استفادہ کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ آپ کا منشا اس "لعنتی نیشنلزم" کی دعوت نہیں ہے

کی حکمت پڑھنے والا اس مصیبت سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

فصل (۷)

شاہ صاحب نے لطیفہ جوارح کو اساس قرار دے کر ہمیں ایک دوسری مشکل سے بھی نجات دلائی ہے۔ عام طور پر تصوف اور فلسفہ اخلاق سے شروع کیا جاتا ہے۔ اقتصادی ضروریات حیوانی زندگی کے لیے بیشک ضروری مانی جاتی ہیں لیکن ان کو انسانیت سے سیدھا تعلق نہیں تسلیم کیا جاتا اس نے ہماری سیاست کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ہمارے بڑے عقلمند اور زیادہ با اخلاق سب اجتماعی سیاست سے دور رہنا اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

مگر شاہ صاحب اس اصول کو حجۃ اللہ میں متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے سمجھاتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں انسانیت کے اجتماعی اخلاق اُس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبرسے اُنکو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اُس وقت وہ گدھے اور بیل کی طرح صرف روٹی کے لیے کام کرینگے جب انسانیت پر ایسی مصیبت آئیگی تو خدا انسانیت کو اُس سے نجات دلانے کا کوئی راستہ ضرور الہام کریگا۔ فرعون کی ہلاکت، قیصر اور کسریٰ کی تباہی اسی اصول پر لازم نبوت میں شمار ہوتی ہے۔ اس طرح پورا فلسفہ نہایت اعلےٰ طریق پر مرتب ہو جائے گا۔ انسانی اجتماعی زندگی کے لیے اقتصادی نظام ایسا ہونا ضروری ہے جو انکی ضروریات کو پورا کر دے۔ اور اُس کے بعد اُن کے پاس کچھ وقت بچ جائے تاکہ وہ اپنے لطائف کی تکمیل پر غور کر سکیں۔

مذکورہ بالا الہام کبھی تو انبیا کے ذریعہ سے صورت پذیر ہوتا ہے اور کبھی صدیق اور حکیم کے واسطہ سے۔ اقتصادی نظام کی درستی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی اجتماعیت کے اخلاق مکمل ہوں گے۔ اور ان اخلاق کی تکمیل ہی قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجات دلائے گی۔ پھر ان اخلاق کی تکمیل دوسرے درجہ پر جنت کی نعمتوں سے مستفید کرے گی۔ اور تیسرے درجے پر جا کر اُس کو رویت رب العلمین کے لیے تیار کر دے گی۔

اس فلسفے میں کہیں طفرہ نہیں آتا۔ اگر اسے نبوت کا مقصد قرار دیا جائے۔ اور جہاں نبوت نہ ہو۔ وہاں انبیا کے اتباع صدیق اور حکیم ان کا کام کریں تو نبوت انسانیت کے لیے ایک فطری چیز بن جائے گی اور یہی شاہ ولی اللہ کی فلاسفی کی روح ہے جس کا ہم نے یہاں تعارف کرانا چاہا ہے۔

شاہ صاحب نے ایک موقع پر "تحدیث نعمۃ" کے طور پر شاہ محمد عاشق کو (جن کا نام علی ہی) خطاب کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے ؎

علی! من مے شناسم ایں گہر وزداں حکمت را
فلاطوں آہ گر مے دید یونانے کہ من دارم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

مجددِ وقت!

(از حضرت ماہر القادری حیدرآباد دکن)

تو مُبلّغ تھا حدیث فخرِ موجودات کا
تیرے آتے ہی جنازہ اُٹھ گیا بدعات کا
تو مفسّر بھی، محدّث بھی، فقیہ و شیخ بھی
کون اندازہ لگائے تیرے محسوسات کا
تیری فطرت بے نیازِ درگہِ شاہ و وزیر
تجھ کو دنیا میں بھروسہ تھا خدا کی ذات کا
میں سمجھتا ہوں، مشیت کا وہی مفہوم تھا
تو نے جو مطلب لیا قرآن کی آیات کا
عقل و مذہب کو سمویا تو نے اس انداز سے
صبح میں جیسے نمایاں ہو دھندلکا رات کا
تیرے ارشادات میں سامانِ تسکینِ ضمیر
روحِ ایماں نقطہ نقطہ تیرے ملفوظات کا
سادگی اسلام کی پھر سے نمایاں ہوگئی
نور جب پھیلا جہاں میں تیری "تفہیمات" کا

تیرے وارث ہیں ترے نورِ ہدایت کی شبیہ
اب بھی چرچا ہے جہاں میں تیری تعلیمات کا

ہندوستان میں اسلامی حکومت کے زوال کا سبب

شاہ صاحب کی نظر میں

(از حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہر پہلو پر جس تفصیل سے لکھنے کو جی چاہتا ہے اس کی فرصت نہیں، اور اس فرصت میں جو لکھا جا سکتا ہے وہ پسند نہیں، اس لیے میں نے اس نمبر میں لکھنے سے معذرت چاہی تھی، مگر ارشاد ہے کہ شاہ صاحب کے متعلق جتنا بھی اور جس قدر مختصر سے مختصر بھی لکھا جا سکے وہ فائدہ کے لحاظ سے مختصر نہیں، اسی حوصلہ افزائی کے سبب یہ چند سطریں لکھنے کی ہمت کر رہا ہوں،

ایسے کم مصنف گزرے ہیں جن کی تصانیف میں ان کے زمانہ کی روح نہ ہو، یا ان میں زمان و مکان کی جھلک نہ ہو، اور کم از کم یہ کہ اپنے زمانہ کی علمی ناقدرشناسی اور اضطراب احوال کا ذکر نہ ہو، مگر شاہ صاحب کی تصانیف کا یہ حال ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالکل پاک اور گلہ و شکایت اور حرف حکایت سے سراپا بے نیاز ہیں، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں جب امن و اطمینان اس ملک سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا، سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی، سیاسی بدامنی اور ہر طرح کے شور و شر میں مبتلا تھا، دلی کی سیاسی مرکزیت مٹ چکی تھی، ہر شمشیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا، سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری طرف، جاٹ تیسری طرف، اور روہیلے چوتھی طرف ملک میں ہر طرف اودھم مچا رہے تھے، اور نادر شاہ اور احمد شاہ جیسے پرجوش سپہ سالار خیبر کے دروازے کے پاس کھڑے جب چاہتے تھے آندھی کی طرح آ جاتے اور سیلاب کی طرح نکل جاتے تھے، اور اس درمیان میں دلی خدا جانے کتنی دفعہ لٹی اور کتنی دفعہ بنی، مگر اللہ رے دلی کے تاجدار علم کا امن و اطمینان کہ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا، مگر نہ دل کو اضطراب، نہ خیال میں انتشار نہ قلم میں اضطرار، نہ زبان پر زمانہ کا گلہ، نہ قلم سے بے اطمینانی کا اظہار، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے آسمان یا صبر و رضا کے جس لامکان میں تھے وہاں تک زمین کی آندھیاں نہیں پہنچتیں اور زمان و مکان کی گردشیں وہاں اپنا کام نہیں کرتیں، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سچے اہل علم کی شان کتنی بلند، اور اصحاب تسلیم و رضا کا منصب

کتنا اونچا ہے،

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ ہاں! اللہ کی یاد سے دل اطمینان پاتے ہیں

صحیح علم کی صحیح خدمت بھی ذکر اللہ کی دوسری شکل ہے، اس لئے اگر وہ بھی قلب میں اطمینان اور روح میں سکون پیدا کرے تو عجیب نہیں،

شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جایئے آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارھویں صدی ہجری کے پُرآشوب زمانہ کی پیداوار ہے، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا کہ علم وفضل کا ایک دریا ہے جو کسی شور وغل کے بغیر سکون وآرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان ومکان کے خس وخاشاک کی گندگی سے پاک وصاف ہے۔

لیکن پھر بھی وہ اسی زمانہ میں تھے، جب ہندوستان کی اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا، ہر طرف بے ترتیبی اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف بے قیدی اور بے حکمی آشکارا تھی، امراء رنگ رلیوں میں تھے، صوفیہ خانقاہ کی جاگیروں اور سرنگمیوں اور نالیوں میں تھے، اور علماء جاہ طلبیوں اور سلاطین کی درباداریوں میں تھے، بادشاہ دین ودنیا کے ہر خیال سے آزاد ہو کر بزرگوں کی دولت، رقص وسرود کے تماشوں اور حسن وجمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے، رعایا بدحال اور ستمگروں کے مظالم سے پامال ہو رہی تھی، اس سے خزانے خالی ہو رہے تھے، اور فتنے گرم بازاری دکھا رہے تھے، یہ وہ منظر تھا جس پر ہزار ضبط وسکون کے بعد بھی شاہ صاحب کی آنکھوں سے بالآخر آنسو کے چند قطرے گر ہی گئے، حجۃ اللہ البالغہ کے ایک باب کے آخر میں لکھتے ہیں:-

وغالب سبب خراب البلدان فی ھذا الزمان شیآن۔ احدھما تضییقھم علی بیت المال ان یعتادوا التکسب بالاخذ منہ علی انھم من الغزاۃ او من العلماء الذین لھم حق فیہ۔ او من الذین جرت عادۃ الملوک بصلتھم کالزھاد والشعراء او بوجہ من وجوہ التکدی ویکون العمدۃ عندھم ھو التکسب دون القیام بالمصلحۃ فیدخل قوم علی قوم فینغصون علیھم ویصیرون کلاً علی المدینۃ

اس زمانہ میں ملک کی خرابی وویرانی کے زیادہ تر دو سبب ہیں، ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانہ پر تنگی وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں یا عالم ہیں جن کا حق اس خزانہ کی آمدنی میں ہے یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام واکرام دیا کرتے ہیں، جیسے زہد پیشہ صوفی، اور شاعر اور دوسرے گروہوں میں سے جو ملک وسلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقے سے روزی حاصل کرتے ہیں جو محنت کے بغیر ان کو ملتی ہے، یہ لوگ ان کے اور دوسروں کے ذریعہ آمدنی

کو کم کر دیتے ہیں اور ملک پر بوجھ ہیں۔

والثانی ضرب الضرائب الثقیلۃ علی الزراع والتجار والمحترفۃ والتشدید علیہم حتی یفضی الی اجحاف المطاوعین واستئصالہم والی تمنع اولی باس شدید وبغیہم وانما تصلح المدینۃ بالجبایۃ الیسیرۃ واقامۃ الحفظۃ بقدر الضرورۃ فلیتنبہ اہل الزمان لہذہ النکتۃ
(باب سیاسۃ المدینۃ)

دوسرا سبب کاشتکاروں، بیوپاریوں اور پیشہ وروں پر بھاری محصول لگانا اور ان پاس بارہ میں سختی کرنا ہے، یہاں تک کہ جو بیچارے حکومت کے مطیع اور اُس کے حکم کو مانتے ہیں وہ تباہ ہو رہے ہیں، اور جو سرکش اور نادہند ہیں وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصول نہیں ادا کرتے، حالانکہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدہ داروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہی، چاہیئے کہ اس زمانہ کے لوگ ہشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں،

شاہ صاحب نے ان چند سطروں میں جو کچھ فرمایا ہے وہ آج صفحوں اور دفتروں میں پھیلا کر لکھا جا سکتا ہے اُن کی دوربین نگاہ سیاسیات و اقتصادیات کے جن باریک گوشوں تک پہونچ گئی تھی، ابنائے عصر اُن کے سمجھنے سے بھی قاصر تھے،

جاگیرداری سسٹم نے سارے ملک کو امراء پر بانٹ دیا تھا، مرکزی کمزوری نے اُن سب کی باگیں ڈھیلی کر دی تھیں، پشتینی امراء اس دعوے پر کہ اُن کے بزرگوں نے بھی اس سلطنت کا کوئی کارنامہ کبھی انجام دیا تھا بے دردسر، اور بغیر کسی محنت کے سلطنت کی دولت اور زمین پر قابض تھے، اور اب گو وہ اس قابل بھی نہیں رہے تھے کہ سلطنت کا کوئی کام انجام دے سکیں، پھر بھی اُسی ظاہری طمطراق، تزک و احتشام عیش و آرام، اور نمائش کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور سلطنت کے مالیات کا نظام اُن کی اس فضول عیاشی اور اسراف سے تہ و بالا ہو رہا تھا۔

زمیندار اپنے اپنے حلقے بنا کر سلطنت کی زمینوں پر قابض تھے، اور اگر اُن کو کچھ طاقت حاصل تھی تو ہر قسم کے سرکاری مطالبات کو ٹھکرا کر داد عیش دے رہے اور لوٹ رہے اور لٹا رہے تھے، اور ان سرکش زمینداروں سے ہر سال مالیانہ کی وصولیابی کسی فوجی مہم کے بغیر ناممکن تھی۔ چکلہ داروں اور عاملوں کا یہی کام ہوتا تھا کہ ہر سال لڑ بھڑ کر زمینداروں کی گڑھیاں فتح کریں اور مالیانہ وصول کریں۔

اسی طرح اگر کسی خاندان میں ظاہری یا باطنی کمالات کی حامل کوئی ہستی ہوا ور اُس کے اطمینان کے لیئے بادشاہ وقت کو کوئی روزینہ مقرر کرنا ہے تو اُس کو نسلاً بعد نسلٍ لاخراج زمینیں دی جا رہی تھیں

گروہ "دعائے ازدیاد جاہ و جلال و عمر و اقبال" میں مصروف رہیں، اُن کے اخلاف اِن ظاہری و باطنی کمالات سے محروم ہونے کے باوجود سلطنت کے مالیہ پر بے وجہ بوجھ تھے، اور بے محنت کی روزی پاکر ملک و ملت کیلئے ان کا وجود ننگ و عار بن رہا تھا۔

یہی حال سلاطین اور امراء کی اُن زرپاشیوں کا تھا جو وہ مدح گو شاعروں قصہ خوانوں، گویوں نقالوں، اور فنون لطیفہ کے بہترین اداکاروں پر صرف کر رہے تھے، اور سلطنت کی بنیادیں جن محکموں پر قائم تھیں وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ہوکر زیروزبر ہو رہے تھے،

اس غیر عادلانہ نظام کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہوں کو چونکہ بہرحال اپنے کاروبار کو چلانا تھا اس لئے سرکشوں اور زبردستوں کو جن سے وہ کچھ لے نہیں سکتے تھے چھوڑ کر غریب کسانوں پر اور اُن پر جو اُن کی فرمائشوں کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرسکتے تھے کل سلطنت کے مصارف کا بار تھا، اور سارے محصول اکیلے انھیں سے وصول کیئے جا رہے تھے ؛ جس سے ملک کی بے چینی اور بدحالی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، ان غیر متوازی اقتصادی حالات کا انجام تباہی کے سوا کیا تھا؟

اس ایک اقتباس سے اندازہ لگائیے کہ شاہ صاحب کی اقتصادی و سیاسی نگاہ کتنی دور تک پہنچی تھی۔

رسالہ ترجمان القرآن لاہور

اپنی نوعیت کا یہ ایک ہی ماہوار رسالہ ہے جو آٹھ سال سے متکلم اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے زیر ادارت اپنی امتیازی شان کے ساتھ نکل رہا ہے۔

دنیا میں جو افکار و تخیلات اور اصول تہذیب و تمدن پھیل رہے ہیں اُن پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کرنا اور فلسفہ و سائنس سیاست معیشت تمدن و معاشرت ہر چیز میں قرآن و سنت کے پیش کردہ اصولوں کی تشریح کرنا اور زمانہ جدید کے حالات پر ان اصولوں کو منطبق کرنا اس رسالہ کا خاص موضوع ہے قیمت سالانہ پانچ روپیہ۔ نمونہ کا پرچہ ۸ر

مینیجر رسالہ ترجمان القرآن

پونچھ روڈ ——— لاہور

صدق لکھنؤ

ملک کا مشہور ہفتہ وار اصلاحی پرچہ

زیر ادارت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

مغربیت کے فتنوں سے اگر آپ خود محفوظ رہنا اور اپنے اہل و عیال کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس اخبار کا مطالعہ آپکے لئے ناگزیر ہے اسکے مطالعہ سے آپکی حمیت مذہبی میں ترقی ہوگی اور اعداء اسلام کے ہر حملہ کے جواب کیلئے آپ اپنے کو تیار پائینگے۔

چندہ سالانہ چار روپے للعہ

پتہ مینیجر "صدق"

مرشد آباد ہاؤس گولہ گنج لکھنؤ

شاہ ولی اللہؒ (قدس سرہ العزیز)

(از حضرت روشؔ صدیقی جوالاپوری)

[میں چونکہ خود شاعر نہیں ہوں اور ذوقِ شعری سے بھی نطرۃً محروم ہوں اس لیئے جانتا تو نہیں مگر جاننے والوں سے سنتا ہوں کہ روشؔ صاحب اس زمانہ کے چوٹی کے شاعروں میں ہیں۔ لیکن اگر وہ صرف شاعر ہی ہوتے تو شاید مجھے اُن سے نیاز حاصل کرنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ مگر وہ شاعر ہونے کے ساتھ عقائد میں کٹر مسلمان اور بحمد اللہ عملاً پکے نمازی بھی ہیں — میری اُن کی جان پہچان کی ابتدا بھی مسجد ہی سے ہوئی ہے وہ جب بریلی آتے ہیں دفتر "الفرقان" کے قریب ہی اپنے (اور میرے بھی) دوست پروفیسر خلیق احمد صاحب کے یہاں قیام پذیر ہوتے ہیں اور پانچوں وقت کی نماز پوری پابندی کے ساتھ مسجد ہی میں پڑھتے ہیں — مسجد کی اس مشترک حاضری نے پہلے ہمارے جسموں کو اور پھر دلوں کو قریب کیا، اور اب وہ میرے بہت ہی مخلص دوستوں میں ہیں اور اُن کے اسی اخلاص کا نتیجہ اُن کی یہ نظم ہے جو میری ہی درخواست یا "فرمائش" پر ولی اللہ نمبر ہی کیلئے لکھی گئی ہے۔ "مدیر"]

رُخِ حجاز کی تنویر تھا جمال ترا | جبینِ ہند کی تقدیر تھا جلال ترا
بنا یا نازشِ بغداد تو نے دہلی کو | ہوا بلند وہ آوازۂ کمال ترا
مقامِ قلبِ مسلماں عیاں ہوا تجھسے | ترے جواب کا تھا منتظر سوال ترا
فروغِ دید کا عنوان ہر نظر تیری | جمالِ یار کا آئینہ ہر خیال ترا

تجھے حبیب تھا فرمودۂ خدا و نبیؐ شہید جذب محبت تھا حال قال ترا
جہان فکر و نظر تیرا غاشیہ بردار طلسم ظلمت اوہام پائمال ترا
گداز علم، جہاد عمل، سرور یقین نفس نفس تھا محبت میں لازوال ترا
تھی ارض ہند پہ طاری فنا کی تاریکی حیات بن کے اٹھا کوکب جلال ترا

وہ اے محدث اعظم عجب زمانہ تھا
کہ عام جب ترا درس مجاہدانہ تھا

دلوں کو باخبر رسم و راہ تو نے کیا بلند شعلۂ عشق الٰہ تو نے کیا
فقیہ وقت کو دے کر جہاد کی شمشیر کچھ اور مرتبۂ خانقاہ تو نے کیا
ہر اک نفس کو بنا کر منادیٔ توحید جہاں میں تذکرۂ لا الٰہ تو نے کیا
یہ ہے کمال محبت کہ ہر محبت کو نثار عشق رسالت پناہ تو نے کیا
ترے ضمیر کو تنویر راشدین ملی اسی چراغ کو پھر خضر راہ تو نے کیا
ترے عمل سے کھلا عقدۂ سیاست دیں لباس فقر کو گردوں پناہ تو نے کیا
سنا کے سلطنت کبریا کا مژدۂ نو گدا کو ہم نفس بادشاہ تو نے کیا
بتا کے دولت گیتی کو دولت جمہور نظام جبر و تظلم تباہ تو نے کیا

جہاں کو پھر ترے پیغام کی ضرورت ہے
نوید رحمت اسلام کی ضرورت ہے

ندوۃ المصنفین دہلی کی قابل مطالعہ کتابیں

اسلام میں غلامی کی حقیقت

غلامی انسانوں کی خرید فروخت کے مسئلہ پر پہلی محققانہ کتاب جس میں غلامی کی حقیقت، اس کے اقتصادی اور نفسیاتی پہلوؤں پر بحث کی ہے غلامی کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس میں اسلام کی اصلاحات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اس کے ساتھ یورپ کی تباہ کن اجتماعی غلامی پر بھی زبردست تبصرہ کیا گیا ہے قیمت مجلد سنہری ہے، غیر مجلد عما

غلامان اسلام

ان بزرگان اسلام کے سوانح حیات جنہوں نے غلام یا آزاد کردہ غلام ہوتے ہوئے علم و ادب مذہب و ملت اور تاریخ و سیاست کی عظیم الشان خدمات انجام دیں اور جو اپنے شاندار و بے نظیر کارناموں کے باعث نہ صرف اسلامی سوسائٹی میں بلکہ تمام تاریخ عالم میں عظمت و اقتدار کا فلک الافلاک تسلیم کیے جاتے ہیں اس کتاب میں ایسے ہی بڑے بڑے محدثین، فقہا، اولیا، صوفیا، شعراء اور امراء کے مستند حالات، دلچسپ و نصیحت آموز پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں قیمت للعہ

اخلاق و فلسفۂ اخلاق

تالیف مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب۔ علم اخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جس میں تمام قدیم و جدید نظریوں کی روشنی میں اصول اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور انواع اخلاق پر تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اس کے لیے ایک مخصوص اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے اس کے ساتھ اسلام کے تمام اخلاق کی تفصیلات کو ایسے دلپذیر انداز سے بیان کیا گیا ہے جس سے اسلامی اخلاق کی برتری دنیا کے تمام اخلاقی نظاموں کے مقابلہ میں روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

ہماری زبان میں اب تک کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جس میں ایک طرف علمی اعتبار سے اخلاق کے تمام گوشوں پر مکمل بحث ہو اور دوسری طرف اسلام کے ابواب اخلاق کی تشریح علمی نقطۂ نظر سے اس طرح کی گئی ہو کہ اسلام کے ضابطۂ اخلاق کی فضیلت تمام ملتوں کے ضابطہائے اخلاق پر ثابت ہو جائے۔ اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور اس موضوع پر اعلیٰ پایہ کتاب سامنے آگئی ہے ضخامت ۵۵۲ صفحات قیمت للعہ

اسلام کا اقتصادی نظام

اس زمانہ میں اقتصادی مسئلہ تمام دنیا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، اب تک بہت سے نظام اقتصاد بھی مرتب کیے جا چکے ہیں مگر وہ سب ناکام و نامکمل ہی ہیں، اس کتاب میں اسلامی نظام اقتصاد کو پیش کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ صرف یہی نظام تمام موجودہ اقتصادی مشکلات کا واحد حل ہے اور اسلام نے محنت و سرمایہ کے صحیح توازن کے ساتھ جو راہ اعتدال پیدا کی ہے اسی کے ذریعہ دنیا کی اقتصادی فلاح ممکن ہے قیمت عہ

سوشلزم کی بنیادی حقیقت

اشتراکیت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر جرمن پروفیسر کارل ڈیل کی آٹھ عالمانہ تقریروں کا ترجمہ۔ مع مقدمہ از مترجم جو سوشلزم کے موجودہ اثرات حالات اور رفتار ترقی پر مشتمل ہے صفحات ۲۰۲ قیمت عا

تعلیمات اسلام اور مسیحی قوم

اس کتاب میں مغربی تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک دمک کے مقابلہ میں اسلام کا اخلاقی اور روحانی نظام پیش کرتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ مغربی قوموں نے جو کچھ ترقی کی وہ اسلامی تعلیمات کی ہی مرہون منت ہے۔ قیمت مجلد عہ غیر مجلد ع

فہم قرآن

اس کتاب میں قرآن مجید کے آسان ہونے کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وحی الٰہی کا منشاء معلوم کرنے کے لیے شارع کے اقوال و افعال کا علم کیوں ضروری ہے اس سلسلہ میں ان تمام اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہے جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں کی طرف سے احادیث اور ان کے متعلقات پر کیے جاتے ہیں۔ اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے قیمت عہ

نبی عربی صلعم

کم استعداد لوگوں اور بالخصوص آٹھویں نویں جماعت کے طلباء کے لیے سرور کائنات صلعم کی سیرت پر بہترین کتاب ہے جس میں آسان اور شگفتہ زبان میں تمام مستند اور اہم واقعات کو وضاحت اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ر

ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ!

اس بلند پایہ مقالہ میں قانون شریعت کے نفاذ کی مکمل عملی تشکیل پر روشنی ڈالی گئی ہے قیمت ۴ر

مفتاح العربیہ یا کلام عربی

اگر آپ بہت تھوڑی مدت میں عربی سیکھنا بلکہ عربی زبان میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب سے کام لیجیے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ بلا استاد کی مدد کے آپ اس سے کافی عربی سیکھ سکتے ہیں۔ یہ کتاب جدید تعلیمی تجربات کی روشنی میں بالکل نئے انداز پر تالیف کی گئی ہے اس میں روزانہ ضروریات زندگی کے متعلق جملے مکالمے قرآن و حدیث کے اقتباسات جدید طرز کے خطوط و رقعات عربی اخبارات و رسائل کے انتخابات اسباق کی صورت میں بہترین ترتیب کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں اس کتاب کے دو حصے ہیں قیمت ہر حصہ ۱ر رعایتی ۸ر

انقلابی یا مجدّد؟

(از جناب مولٰنا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایم۔ اے مدیر برہان دہلی)

آج کل تجدد نواز علما اور ارباب قلم کا یہ فیشن ہو گیا ہے کہ وہ اسلام کو عالمگیر مذہب ثابت کرنے کے لیئے ہر اس نظریہ اور اصطلاح کو اسلام پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کو ایک زبردست پروپیگنڈہ نے قبول عام کی بازار میں شہرت و وقعت دیدی ہو۔ آپ کو یاد ہوگا اب سے چند سال پہلے "جمہوریت" کا غوغا ہوا۔ اس کی مدح وثنا میں ارباب فکر و انشا نے داد سخن گستری دینی شروع کی تو ہمارے ان علمائے کرام نے دلائل و براہین سے ثابت کیا کہ اسلام کا نظام حکومت بھی تو جمہوری ہی ہے۔ پھر اب موجودہ ڈیماکریسی ناکام ہوتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کے بالمقابل ڈکٹیٹرشپ کی طرف لوگ زیادہ مائل معلوم ہوتے ہیں تو انھیں حضرات نے اب جمہوریت کی مذمت بیان کرنی شروع کر دی ہے، اور کچھ تکلم زیرلب کے انداز پر، اور بعض کھلم کھلا کہہ رہے ہیں کہ دراصل اسلام بھی تو ڈکٹیٹرشپ ہی کا قائل ہے۔ حالانکہ اگر واقعی طور پر غور کیا جائے تو اسلام کے نظام حکومت کو موجودہ اصطلاح کے ماتحت نہ جمہوریت سے کوئی واسطہ ہے اور نہ ڈکٹیٹرشپ سے بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان کی ایک معتدل راہ ہے جس میں خلیفہ نہ ڈکٹیٹر کی طرح بالکل مطلق العنان ہوتا ہے، اور نہ کسی صدر جمہوریہ کی طرح مجلس نمائندگان کا بالکل پابند

اسی طرح سوویٹ روس کی طرف سے سوشیلزم کا پروپیگنڈہ ہوا تو ہم میں کتنے ہی تھے جو اس کی آن بان سے مرعوب ہو کر برملا اسلام کے اقتصادی نظام کو بھی سوشیلزم پر منطبق کرنے لگے۔ اور انھوں نے دعوے کیا کہ اسلام میں اور سوشیلزم میں بنیادی طور پر (یہ بھی محض بر سبیل احتیاط) کوئی فرق نہیں ہے، میں اِن دوستوں کی نیت پر کوئی حملہ نہیں کرتا، ممکن ہے کہ یہ سب باتیں نیک نیتی کے ساتھ ہوں۔ اور اس غرض سے ہوں کہ وہ اسلام کو ایک عالمگیر، اور دُنیا کے ترقی یافتہ نظریوں کا ساتھ دینے والا مذہب ثابت کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اُن کا یہ طرز عمل اسلام کے لیئے حد درجہ نقصان رساں ہے، اس کے تو معنٰی یہ ہوئے کہ اسلام بجائے خود کوئی حقیقت ثابتہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسی ربڑ ہے جس کو کھینچ تان کر وہ ہر قد و قامت پر راست کر سکتے ہیں۔ اور وہ ایک ایسا مبہم و مجہول دستور ہے جس کی تشریح ہر زمانہ میں اُس کے جدید رجحانات کے مطابق ہو سکتی ہے۔

اسی نوع کی ذہنی مرعوبیت کی ایک بدترین مثال یہ ہے کہ آج ہم اپنے بزرگوں کی تعریف کرتے ہیں تو ان کے لئے وہی عنوانات تجویز کرتے ہیں جو موجودہ دورِ سیاست میں کسی بڑے سے بڑے لیڈر کے لئے سرمایہ نازش و افتخار سمجھے جاتے ہیں۔ اس قسم کے لفظوں میں غالباً سب سے بڑا شاندار اور پُرعظمت لفظ "انقلابی" ہے۔ گزشتہ چند مہینوں میں اسلامی سیاست پر جن حضرات نے مقالے لکھے ہیں اُن کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے ارباب قلم کس بُری طرح جدید عنوان ستائش سے مرعوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب انھیں اپنے ہر بزرگ کی ذات "انقلابی" اور اس کا ہر کارنامہ انقلاب آفریں نظر آتا ہے۔ ان بزرگوں میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات غالباً سب سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو ہندوستان کے دورِ آخر کا سب سے بڑا داعیِ انقلاب رہنما اور انقلابی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر انقلابی کے صحیح معنی کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب کو انقلابی کہنا اُن کی تعریف و توصیف نہیں بلکہ ایک گونہ تنقیص ہے۔ مندرجہ ذیل سطروں میں اس حقیقت پر کچھ روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔

انقلابی کے خصائص سب سے پہلے انقلابی اور مصلح کا فرق سمجھ لیجئے۔ "جو حضرات کسی قوم میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مصلح، اور دوسرا انقلابی۔ ان دونوں میں مابہ الامتیاز یہ ہے کہ مصلح کا راستہ نہایت معتدل اور افراط و تفریط سے بچا ہوا ہوتا ہے، وہ روحانی اور اخلاقی کیرکٹر کے لحاظ سے بہت بلند پایہ انسان ہوتا ہے۔ اس کی تمام کوششیں خیرخواہی اور خیراندیشی کے جذبہ پر قائم ہوتی ہیں۔ اس میں منتقمانہ جوش بالکل نہیں ہوتا۔ اس کو ذاتی ترفع اور وجاہت پسندی سے بُعد ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اور کہتا ہے، سچائی اور ایمانداری سے کرتا اور کہتا ہے، لیکن اس کے برخلاف ایک انقلابی لیڈر یا رہنما کا یہ حال نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے ایک نظام ہوتا ہے اُس کے خیال میں نہایت ہی مکروہ اور مذموم، وہ ہر ممکن طریقہ سے اُس کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے لئے عفو و درگزر بے معنی چیزیں ہیں۔ یہ نظام چونکہ اُس کی نگاہ میں انتہا درجہ قبیح اور لائق مذمت ہوتا ہے۔ اور اس کے احساسات اُس کی نفرت و حقارت سے پُر ہوتے ہیں۔ اس لئے ردعمل کے اصول کے مطابق وہ اُس کا انتہائی توڑ تلاش کرتا ہے اور اُس پر جم جاتا ہے۔ اس راہ میں اُس کو اعتدال اور میانہ روی کا مطلقاً دھیان نہیں رہتا۔ مثلاً ایک انقلابی نظام سرمایہ داری کو دیکھتا ہے تو وہ اُس کے مقابلہ میں سوشلزم سے کم کسی چیز پر راضی ہی نہیں ہوسکتا۔ وہ انفرادی ملکیت کا ہی سرے سے منکر ہوتا ہے۔ اُس کے لئے یہ دشوار ہے کہ وہ ملکیت کی تحدید، یا اُس پر کچھ پابندیاں عائد کرنے پر رضامند ہوسکے"

پھر جب وہ اپنی ایک شاہراہِ مقصود متعین کر لیتا ہے تو وہ اُس پر آنکھ بند کر کے بڑی تیزی سے چلتا ہے اب اُس کو گرد و پیش کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور نہ اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ "زیر قدمش ہزار جانست" والا معاملہ

ایسا نہ ہو کہ سینکڑوں بے گناہ انسان اُس کی تیز گامی کی نذر ہو جائیں، اس لحاظ سے انقلابی کے لیئے ضروری نہیں کہ وہ فضائل اخلاق کا پابند ہو۔ اور روحانی مرتبہ کے لحاظ سے وہ کسی غیر معمولی حیثیت کا انسان ہو۔ غرض یہ کہ اگر ایک انقلابی کے ذاتی خصائص و شمائل کا تجزیہ کیا جائے تو اُس میں تین چیزیں نمایاں نظر آئیں گی

(۱) تشدد اور جبر

(۲) افراط و بے اعتدالی۔

(۳) خود غرضی اور جذبہ انتقام

انقلاب فرانس کے نام سے آج کون پڑھا لکھا واقف ہے جنھوں نے اس کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ فکری اور ذہنی تبدیلی پیدا کرنے میں فرانس کے چار مصنفوں کو بہت دخل ہے مانٹیسکیو، والٹیر، ویدرو، اور روسو، یہ چار وہ لوگ ہیں جن کی تصنیفات کو اساسِ انقلاب کہا جاتا ہے، ان میں غالبًا سب سے زیادہ اعتدال پسند روسو ہے۔ لیکن اُس کا حال بھی یہ ہے کہ وہ امن، علم، تہذیب اور مذہب و اخلاق ان سب چیزوں کا برملا مذاق اُڑاتا ہے، اور اُن پر پھبتیاں کستا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے:۔

تہذیب کیا ہے ؟ تعیش پسندی !

امن کیا ہے ؟ ظلم و جور !

علم کیا ہے ؟ انسانی غلطیاں

چونکہ اس طرح کی انتہا پسندانہ باتیں شعوری یا غیر شعوری طور پر کسی اندرونی جذبۂ انتقام پر مبنی ہوتی ہیں۔ اسی لیئے خود روسو کے بعض عقیدتمندوں کو اُس کی طرف سے کبھی کبھی شبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور وہ در پردہ یہ سوال کرتے تھے کیا روسو سوسائٹی کا اس لیئے دُشمن ہے کہ اُس میں وہ اپنے لیئے کوئی جگہ پیدا نہیں کر سکا؟ کیا وہ دولت سے اس لیئے متنفر ہے کہ وہ اسے حاصل نہ کر سکا،،[1]

پھر کتابِ انقلاب کے مسلمہ ابواب و فصول میں غدر اور انقلاب میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ انقلابیوں کا ایک عام مقولہ ہے کہ "کامیاب بغاوت کا نام انقلاب ہے، اور ناکام انقلاب کا نام بغاوت" افسوس ہے کہ یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے، ورنہ یہ بات بہت آسانی سے ثابت کی جا سکتی ہے کہ آج کل کے مسلمہ انقلاب میں جن لوگوں نے شاندار انقلابی کارنامے کیئے ہیں۔ اُن میں اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگ تھے جو ذاتی طور پر سوسائٹی کے مروجہ نظام کا شکار ہوئے اور اُس کی وجہ سے انھوں نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ مثال کے طور پر میں کارل مارکس کی ابتدائی پر مصائب زندگی کو پیش کر سکتا ہوں، اس بنا پر اُس کے افعال و اعمال کی نسبت یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ

---

[1] انقلاب فرانس از جناب باری ص ۲۴

وہ کسی ذاتی غرض یا کسی جذبہ انتقام سے بالکل مبرا و منزہ تھے۔

میں اس موقع پر یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی انقلابی لیڈر کی عظمت و بزرگی کا منکر نہیں ہوں لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ میرے نزدیک ایک مصلح، مجدد اور مجاہدِ ملت کا مرتبہ انقلابی سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ اور میں ایک لمحہ کے لئے یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ اپنے کسی مجددِ ملت یا مجاہدِ امت کو انقلابی کے لفظ سے یاد کریں۔

حضرت شاہ صاحب کے خصائص انقلابی کی ان خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر اب حضرت شاہ صاحبؒ کی اوصاف و کمالات کا جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب اسلام کے بہترین مفکر، حکیم، اور زبردست عالم ربانی اور اسلامی فلاسفر تھے۔ اُن کی تصنیفات نے اُس زمانہ کی بیمار ذہنیتوں کی اصلاح کر کے انہیں پاک و صاف بنایا غیر اسلامی اوہام و تخیلات کی جگہ مسلمانوں میں خالص اسلامی تخیل پیدا کیا۔ حضرت شاہ صاحب شریعت اور طریقت فلسفہ اور تصوف، عقلیات اور نقلیات کے ایسے مجموعہ دلکش و دل آویز تھے کہ اُن کی ذات جس طرح ایک مسلمان کے لئے رشد و ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ نامسلمین مگر انصاف پسندوں کے لئے بھی وہ بہترین معلم ثابت ہو سکتی ہے حضرت شاہ صاحب کی پُر زور تحریر کا اثر مسلمانوں کی طرح غیر مسلموں کے دل و دماغ کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اسلام کے بہترین رازدار حکم و مصالح ہیں۔ اور پھر اپنے ہمہ گیر دلائل و براہین کی روشنی میں اُسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سننے والے کو مجالِ انکار باقی نہیں رہتا۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ پس جس کسی کو اس دین کے محرمِ اسرار ہونے کا شرف حاصل ہوگا، ضروری ہے کہ تمام نوامیسِ فطرت۔ اسرار و رموزِ عالم سے بھی پوری طرح باخبر ہو اس مقامِ بلند پر ہو نچکر مجاز اور قیاس و تخمین کے تمام حجابات یک قلم اُٹھ جاتے ہیں اور دیکھنے والا جلوۂ جمالِ حقیقت سے بلا واسطہ شاد کام و فائز المرام ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچکر اربابِ سلوک و معرفت کی اصطلاح میں انسان اپنے تئیں مجد دسمجھنے لگتا ہے۔ اب اگر کسی مرشدِ کامل یا علمِ شریعت میں مہارت کے ذریعہ حضرت حق جل و علا کی توفیق اُس کے شاملِ حال نہیں ہوتی تو وہ گمراہ ہو کر طرح طرح کے دعاوی باطلہ کرتا ہے؛ ورنہ وہ سنبھل جاتا ہے۔ اور اس مقام سے گزر کر اُس کی طبیعت میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے تفہیمات، الخیر الکثیر۔ اور حجۃ اللہ البالغہ کے شروع میں جو کچھ اپنی نسبت لکھا ہے ایک طرف آپ اُس کو دیکھئے اور دوسری جانب آپ نے اپنی تصنیفات میں شریعت و طریقت کی تطبیق کی جو کوشش کی ہے اُس کو ملاحظہ فرمایئے تو صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ بے شبہ اس مقامِ رفیع پر سرفراز تھے جو مجددیت کا مرتبہ کہلاتا ہے۔ لیکن چونکہ علومِ ظاہریہ و رمزیہ میں بھی آپ کو بڑا کمال تھا، اس لئے مجددیت کی شان کے ساتھ آپکے قبائے عظمت میں فلسفیت کے ایک تکمۂ زریں کا اور اضافہ ہو گیا ہے اور ان دونوں کی آمیزش نے حکماءِ اسلام کی صف میں آپ کو ایک نمایاں تر مقام پر لا بٹھایا ہے۔

مقام مجددیت حضرت شاہ صاحبؒ خود اپنے اس مقام کا اظہار تفہیمات میں اس طرح کرتے ہیں:۔

"مجھ کو میرے رب نے یہ سمجھایا ہے کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنا دیا اور حقیقت قرب تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے، اور وہ تمہاری محبت اور اطاعت کا راستہ ہے، جو شخص تمہارا دشمن ہے، اس کے لیے آسمان آسمان نہیں، اور زمین زمین نہیں پس تمام اہل مشرق و مغرب تمہاری رعیت ہیں اور تم اُن کے بادشاہ، اس سے غرض نہیں کہ یہ لوگ جانتے ہیں یا نہیں۔ اگر جانتے ہیں تو کامیاب ہوں گے ورنہ نقصان اُٹھائیں گے"

ایک مقام پر فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو بتایا گیا ہے کہ میں اس حقیقت کا اعلان کر دوں کہ آج وقت میرا ہی وقت ہے۔ اور زمانہ میرا ہی زمانہ ہے، اس شخص پر حیف جو میرے جھنڈے کے نیچے نہیں ہے"

ایک دو نہیں تفہیمات کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا جائے تو اس میں اس بات سے متعلق اشارات و تصریحات بکثرت ملیں گی۔

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ جو کچھ فرمایا، مدعیان باطل کے دعاوی کی طرح محض زبانی تعلی اور خودستائی نہ تھا بلکہ اُن کی تصنیفات، اُن کے شاندار علمی اور عملی کارنامے اس دعوی کا ناقابل تردید ثبوت ہیں، اس حقیقت ثابتہ سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جن مضبوط بنیادوں پر اپنے دست تجدید سے اسلام کی تعمیر قائم کر گئے ہیں، اس کی استواری کا یہ عالم ہے کہ حوادث و نوازل کے لاکھ سیلاب آئیں اس کو متزلزل نہیں کر سکتے۔ آج اسلامی فلسفہ اور حقائق و معارف اسلام کی جو کچھ روشنی نظر آتی ہے غور کیجئے تو وہ سب اسی آفتاب علم کا پرتو ہے۔

فیضی احسنت ازیں عشق کہ در اں مروز
گرم دارد ز تو ہنگامہ رسوائی را

علم اسرار یہ ظاہر ہے شان مجددیت اُس وقت تک کامل نہیں ہوسکتی جب تک کہ شریعت کے غوامض و حکم سے پوری طرح واقفیت نہ ہو اس کے بغیر ایمان محض "ایمان بالغیب" اور عمل صرف "تعمیل حکم" کے درجہ تک محدود رہتا ہے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو مجددیت کے مقام بلند پر سرفراز ہونا تھا اس لئے انہیں اسرار و رموز شریعت کا محرم بنایا گیا اور جو حقیقتیں دوسروں کو محض سان گمان سے معلوم تھیں۔ آپ نے اُن کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

میرے نزدیک تمام حدیثی فنون میں سب سے زیادہ دقیق مرتبہ کے لحاظ سے سب سے زیادہ بلند اور علوم شرعیہ میں سب سے زیادہ روشن اور مبرہن دین کے اسرار کا علم ہے جس میں احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں سے

اورخاص خاص احوال کے بھیدوں اوراُن کے نکات سے بحث ہوتی ہے. پس خدا کی قسم ایسی علم سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق اس میں اپنے نفیس ترین اوقات صرف کرے اور فرض طاعتوں کے بعد اس کو اپنے لیئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ کیونکہ اسی علم کے ذریعہ انسان کو شرعی احکام و مسائل کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اخبار شرع کے ساتھ اُس کی نسبت ایسی ہی ہوجاتی ہے جیسی عروض جاننے والے کی اشعار کے دواوین کے ساتھ یا ایک عالم منطق کی براہین حکما کے ساتھ .... اور وہ اندھیرے میں ٹھوکریں کھانے سے محفوظ ہوجاتا ہے"

علوم رسمیہ وظاہریہ میں مہارت

پھر ہر مجدد کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے ماحول کا بالکل صحیح اندازہ رکھتا ہو اپنے زمانہ کے عواطف و امیال سے پوری طرح باخبر ہو۔ اور جدید طریقۂ استدلال پر اُس کو کامل عبور ہو۔ اگر یہ چیز نہیں ہے تو اسے مجددیت میں خاطرخواہ کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ ابناء زمانہ کو اُن کے مروجہ علوم کی روشنی میں حقائق اسلامی کو سمجھا نہیں سکیگا اور لوگ خود اُسی کے طرز استدلال سے نامانوس ہوکر اُس کے دلائل زیادہ توجہ کے ساتھ سن نہیں سکینگے۔

زور تحریر و تقریر

ان کمالات کے ساتھ زور تحریر و تقریر کی نعمت سے بھی بہرہ اندوز ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر مخاطب پر متکلم کے دلائل و براہین کا اثر کم ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات گرامی ان تمام اوصاف و شمائل کی بھی جامع تھی آپ کے عہد میں علوم عقلیہ یعنی منطق اور فلسفہ کا زور تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ دینی و نقلی علوم میں مرتبۂ امامت رکھنے کے ساتھ ان علوم میں بھی مہارت تام رکھتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ لکھ کر انھوں نے شرعیات مسائل کے باب میں ابوالحسن اشعری وغیرہ کے علم کلام سے الگ ایک بالکل نئے علم کلام کی بنیاد رکھدی ہے جو بحث و استدلال کے لحاظ سے پہلے علم کلام سے کہیں زیادہ معقول اور نتائج کے افادہ کے اعتبار سے اُس سے کہیں زیادہ قطعی الثبوت ہے رہا زور تحریر! تو اس کے لیئے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں جس شخص نے آپ کی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اُس کو معلوم ہوگا کہ آپ کے کلام میں حافظ ابن تیمیہ کی سی صولت کلام اور بات کا پھیلاؤ اگرچہ بالکل نہیں ہے لیکن وہ جو کچھ فرماتے ہیں ایسے بچے تلے، اور موزوں و متناسب الفاظ میں فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے پر اُس کا اثر ہوتا ہے اور جتنا جتنا وہ آگے بڑھتا ہے عقیدت و ارادت کا نقش اُسی قدر زیادہ جلی اور پختہ ہوتا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کا عمل تجدید

ان کمالات و خصائص سے آراستہ ہوکر آپ نے جب تجدید کے میدان میں قدم رکھا تو کوئی شبہ نہیں آپ نے وہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جو صحیح معنی میں ایک نائب رسول ہی کرسکتا ہے، آپ نے جس فضا میں آنکھ کھولی وہ اخلاقی اور روحانی پستی کے لحاظ سے نہایت شرمناک دور تھا مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹمانا شروع ہوگیا تھا۔ دربار پر شیعوں کا قبضہ تھا۔ تمام ملک میں علوا اور بعض ملوکی کا

دور دورہ تھا۔ مسلمانوں کی تعلیمی حالت یہ تھی کہ درسگاہوں میں صدرا، شمس بازغہ اور شرح مطالع کے شروح و حواشی اس کثرت سے رائج تھے کہ گویا اُس زمانہ میں مسلمانوں کا نصاب تعلیم ان کتابوں کے سوا کچھ اور تھا ہی نہیں دینیات میں تھوڑا بہت اگر چرچا تھا بھی تو فقہ کی چند کتابوں کا تفسیر و حدیث کا رواج بہت کم تھا۔ بس

این قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

کا مصداق تھا۔ اخلاق اور اعمال کا یہ عالم تھا کہ بدعات۔ مشرکانہ اعمال و رسوم جو زیادہ تر ہندوؤں کے ساتھ اختلاط کا نتیجہ تھے۔ گھر گھر رواج پذیر تھے۔ امرا اور ارباب ثروت عیش و عشرت میں مصروف ہو کر دینِ حق سے غافل ہو چکے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تمام احوال گرد و پیش کا جائزہ لے کر اپنا عمل تجدید جاری کیا تو اس طرح کہ ایک طرف آپ نے شیعیت کی تردید میں ازالۃ الخفا تصنیف فرمائی۔ "مدرسہ رحیمیہ دہلی" (جو حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد کے نام پر تھا) میں قرآن و حدیث کا درس دیا۔ جس میں دور دور کے طلبا شریک ہو کر کسب سعادت کرتے تھے۔ آپ نے بارہ سال کے قریب مدت تک اس مدرسہ میں درس جاری رکھا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا تاکہ اُس کا افادہ عام ہو سکے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ اقدام بھی آپ کا غیر معمولی عمل تجدید تھا جس نے عام علماء میں اُن کی خود غرضی کی بنا پر بےچینی پیدا کر دی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپنے حجۃ اللہ البالغہ اور تقلید و اجتہاد پر زریں تصنیفات کر کے اس بات کی سعی بلیغ کی کہ اُن میں جو ذہنی تسفلی اور دماغی جمود و خمود پیدا ہو گیا ہے۔ اور جو فی الحقیقت اُن کے اجتماعی سیاسی اور مذہبی انحطاط کا باعث ہے۔ یہ دور ہو اور اس کے بجائے اجتہاد فکر کی روشنی۔ آزاد غور و خوض کی عادت۔ اور صحیح اسلامی طریقہ پر سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا عمل تجدید بیکار و بے اثر رہا۔ خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحبؒ کو جانشین بھی ایسے میسر آئے جنھوں نے آپ کے علوم و فنون کی حفاظت اور دیانت داری کے ساتھ اُن کی نشر و اشاعت میں حضرت شاہ صاحبؒ کی جانشینی کا پورا حق ادا کیا۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اس خاندان کی نسبت کیا خوب لکھا ہے:۔

"ہر یکے از ایشاں بے نظیر وقت و فرید دہر و وحید عصر در علم و عمل و عقل و فہم و قوت تقریر و فصاحت تحریر و تقویٰ و دیانت و امانت۔ و مراتب ولایت بود، و ہم چنیں اولاد اولاد ایں سلسلہ از طلائے ناب ہست"

(اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین)

لیکن خاندان ولی اللہی نے جس شاہراہ کو اختیار کیا اُس کی بنیاد حضرت شاہ صاحب نے ہی ڈالی تھی۔ اس بنا پر مجددیت کا شرف اس تمام سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ہی مخصوص ہے۔ آج ہندوستان میں

علم دین کا چرچا، مذہبی بیداری، اور شرک و بدعت سے اجتناب، اور علماء کا وقار جو کچھ نظر آتا ہے، یہ سب حضرت شاہ صاحب کے ہی مجددانہ کارناموں کا ثمرہ ہے، ورنہ مصر، ایران اور شام و فلسطین اور ترکی و افغانستان میں مسلمانوں کی جو حالت ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اگر اس خاندان والا شان کی خدمات بابرکات نہ ہوتیں تو ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی حالت ان ممالک سے بھی بدتر نہ ہوتی!

پس اس علمی و عملی جلالت شان کے باعث آپ خود سوچیے کہ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی ایک بلند پایہ مجدد تھے، یا انقلابی؟ کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمانہ کے اعتبار سے متاخر تھے لیکن اپنے علمی و عملی اور ظاہری باطنی کمالات و خصوصیات کے لحاظ سے زمانہ سلف کے اکابر علماء و مجتہدین سے کسی طرح کم نہیں تھے، بلکہ ایک بڑی حد تک ابوالعلاء المعری کے اس شعر کے مصداق تھے ؂

وَاِنّی وَاِنْ کُنْتُ الْاَخِیْرَ زَمَانُہٗ
لَآتٍ بِمَا لَمْ تَسْتَطِعْہُ الْاَوَائِلُ

لیکن آپ کو "انقلابی" کہنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کسی نئے فلسفہ کے علمبردار تھے، آپ کی تعریف نہیں، بلکہ تنقیص ہے۔ اور اسلام کے صحیح طریق فکر اور اس کے درست طریق اصلاح و ارشاد سے بے خبری کی دلیل ہے!

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

اسلام میں غلامی کی حقیقت

انسانوں کی خرید و فروخت) کے مسئلہ پر پہلی محققانہ کتاب جس میں غلامی کی حقیقت، اس کے اقتصادی اور نفسیاتی پہلوؤں پر بحث کر کے غلامی کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں اسلام کی اصلاحات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اس کے ساتھ یورپ کی تباہ کن اجتماعی غلامی پر زبردست تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد سنہری عہ۔ غیر مجلد عگر

فہم قرآن

اس کتاب میں قرآن المجید کے آسان ہونے کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وحی الٰہی کا منشا معلوم کرنے کیلئے شارع کے اقوال و افعال کا علم کیوں ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں تمام اعتراضات کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہے جو بعض تعلیم یافتہ لوگوں کی طرف سے احادیث اور ان کے متعلقات پر کئے جاتے ہیں۔ اپنے موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے قیمت عہ

غلامان اسلام

ان بزرگان اسلام کے سوانح حیات جنھوں نے غلام یا آزاد کردہ غلام ہوتے ہوئے علم و ادب، مذہب و ملت اور تاریخ و سیاست کی عظیم الشان خدمات انجام دیں اور جو اپنے شاندار و بے نظیر کارناموں کے باعث نہ صرف اسلامی سوسائٹی میں بلکہ تمام تاریخ عالم میں عظمت و اقتدار کا کلمہ افلاک تک تسلیم کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ایسے ہی بڑے بڑے محدثین، فقہا، اولیاء، صوفیا، شعراء اور ادباء کے مستند حالات دلچسپ اور نصیحت آموز پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت للعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت مصنف

(از جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی استاذ تفسیر ندوۃ العلماء لکھنؤ)

یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اسلام کے ان جلیل القدر عالموں میں ہیں جن کی شہرت وعظمت زمان ومکان کے حدود سے آگے بڑھ چکی ہے، اور جن کا بیش قیمت علمی ترکہ ایک قوم اور اقلیم کی میراث نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ اور پورے عالم اسلام کا سرمایۂ فخر ہے، لیکن اس علمی حقیقت تک ان لوگوں کی رسائی جن کو شاہ صاحب کے خارق عادت علمی وذہنی کمالات کا مشاہدہ (بعد زمانی یا بعد مکانی کی وجہ سے) نصیب نہیں ہوسکا آپ کی تصانیف ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہے، اس لئے آپ کی تصنیفی خصوصیات کی وضاحت اور مصنف کی حیثیت سے اسلام کی علمی ودینی تاریخ میں آپ کے مقام کی تشریح (آپ کی صحیح معرفت کے لئے ضروری اور نہایت اہم علمی موضوع ہے جس کے بغیر نہ صرف آپ کا تذکرہ، نہ صرف ہندوستان کی علمی تاریخ، بلکہ اسلام کی علمی تاریخ بھی ناکمل رہیگی۔

شاہ صاحبؒ کا مرتبہ مصنف کی حیثیت سے

شاہ صاحبؒ اسلام کے ان چند مصنفین میں سے ہیں جن کی تعداد مصنفین اسلام کی بے نظیر کثرت کے باوجود بہت کم ہے، حاشا وکلا یہ اسلام کے مشہور تاریخی فخر اور امتیاز کا انکار اور مصنفین اسلام کی تنقیص نہیں ہے، دنیا کے کسی مذہب کی علمی تاریخ اتنے اہل قلم، اتنے صاحب تصنیف اور تاریخ کی اتنی مختصر مدت میں اتنا وسیع، معمور اور قیمتی کتب خانہ نہیں پیش کرسکتی جتنا اسلام نے پیش کیا، لیکن اس موقع پر ہمارے سامنے عظمت کا معیار تصانیف کی کثرت، موضوع کا تنوع، کتابوں کی ضخامت، تصانیف کی مقبولیت اور رواج، مضامین کا اشکال اور پیچیدگی، خیالات میں تعمق اور فہم یا تشریح مطالب میں موشگافی، متن کا اختصار اور مطالب کی تلخیص یا شارحانہ اور محشیانہ گرہ کشائی اور نکتہ رسی ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب کمالات اپنی جگہ پر مسلم اور یہ تمام علمی خدمات اپنے اپنے زمانہ میں لائق احترام وتشکر، لیکن تجدید وامامت کا مقام اس سے بلند ہے ہر مصنف امام وقت اور مجدد فن نہیں ہوتا، اس مقام کے لئے شرط ہے کہ مصنف نے کسی موضوع پر کوئی ایسی چیز پیش کی ہو جس سے اس وقت تک کا کتب خانہ خالی ہو، نئے علمی نظریات اور (علم ودین کے حدود کے اندر رہ کر) تازہ خیالات اور جدید تحقیقات پیش کی ہوں، اس کے یہاں جدت فکر ہو، ذہن کا اجتہاد ہو اور مضامین

مطالب میں اصلیت اور اولیت[۱] ہو؛ اگر تنہا یہی شرط ہے تو علامہ ابن خلدون ایسے مصنف کی بہترین مثال ہے لیکن اگر فکر ارجمند کے ساتھ "دل دردمند" اور عقل کے ساتھ عشق جمع ہو جائے اور مصنف کا قلم نغمہ زن کی انگلی کی طرح رباب دل کے تاروں کے ساتھ کھیلنے لگے، تو وہ صرف مصنف نہیں رہتا، بلکہ ایک اخلاقی اور دینی مصلح بھی بنجاتا ہے۔ امام غزالی کی بعض تصنیفات میں یہ رنگ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر علم و استدلال کے ساتھ کوئی صحیح دینی تحریک و دعوت کوئی اصلاحی جوش اور کسی صالح انقلاب کی خواہش شامل ہو جائے، اور اس کی تحریروں اور تصنیفات سے کسی نئے دور کا آغاز اور کسی نئی جماعت کی پیدائش کا سامان ہو تو وہ مجدد کہلانے کا مستحق ہوتا ہے، امام ابن تیمیہ اور حضرت مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اسکی مثال ہیں

ہمارے نزدیک شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان میں سے اکثر کمالات کے جامع ہیں اسلام کے باکمال مصنفین کی خواہ کتنی ہی مختصر فہرست بنائی جائے، آپ کے نام کے بغیر وہ نامکمل رہے گی اور ترتیب و مراتب کے لحاظ سے آپ کا نام اتنا پیچھے نہیں رہیگا جتنا کہ تاریخ کے لحاظ سے آپ کا زمانہ پیچھے ہے،

وانی وان کنت الاخیر زمانہ لآت بما لم تستطعہ الاوائل

لیکن اس کے قبل کہ ہم شاہ صاحب کی تصنیفی خصوصیات کی طرف اشارہ کریں ہم اسلام کی ہزار سالہ تصنیفی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا چاہتے ہیں، تاکہ شاہ صاحب سے پہلے جتنا علمی کام ہو چکا تھا نیز تصنیف کا ارتقاء و انحطاط ہمارے سامنے رہے۔

اسلام کی تصنیفی تاریخ پر ایک نظر

مسلمانوں کی تصنیفی تاریخ حدیث اور متعلقات قرآن سے شروع ہوتی ہے اس لئے طبعی طور پر ان کی تصنیفی کاوشوں کا موضوع اور ان کی دماغی جولانیوں کا میدان نقل و روایات جمع و ترتیب کا میدان تھا، اور اس میں انھوں نے اس تحقیق و تفتیش اس دیانت و احتیاط کا ثبوت دیا جس کی زیادہ سے زیادہ کسی انسان سے توقع کی جا سکتی ہے، چوتھی صدی ہجری تک کی بہترین اسلامی تصنیفات اسی موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

دینی و مدنی ضرورتوں سے فقہ کا علم پیدا ہوا اور علماء نے دوسری ہی صدی سے اس میں مجتہدانہ تصنیفات کیں جن میں سے قدیم کتابوں میں سے امام شافعی کی بے نظیر کتاب کتاب الام اور اس کے بعد ابن قدامہ حنبلی کی جلیل القدر تصنیف المغنی اور پچھلی صدیوں میں احناف کی مایہ ناز کتاب ہدایہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مسائل کے استنباط اور قیاس و اجتہاد کے سلسلہ میں ضروری طور پر اصول فقہ کی طرف توجہ ہوئی اور بہت جلد

---

[۱] اصلیت اور اولیت سے مراد یہ ہے کہ یہ خیالات اسی کے ہوں کسی کی تقلید سے نہ پیدا ہوئے ہوں اور اس سے پہلے اس طرح کسی نے ان خیالات کا اظہار نہ کیا ہو۔

مسلمانوں نے اس کو اتنی ترقی دی کہ غالباً کسی مذہب و قوم کے اصول تشریع و قانون سازی نے اتنی ترقی حاصل کی ہوگی، اس فن میں مسلمانوں کی بہترین دماغی جودت صرف ہوئی، اور وہ ان کی ذہانت کا بہترین نمونہ ہیں امام غزالی کی مستصفی اور علماء احناف اور شافعیہ کی طویل و متوسط کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔

علوم منقولہ میں سے فن تفسیر کی طرف بھی پوری توجہ ہوئی، مگر عرصہ تک مصنفین کا نقطہ نظر (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) یہ رہا کہ آیات سے متعلق زیادہ سے زیادہ ممکن مواد جمع کر دیں، اور یہ کام بعد کے آنے والوں کے لئے جن کے سامنے وہ ماخذ نہیں ہیں بہت مفید اور ضروری ہے، لیکن ان میں ذاتی تفکر، زندگی اور ماحول پر انکی تطبیق، اور بیشتر کتابوں میں تنقیح کی کمی، اور بعض میں اپنے زمانہ کے فانی اور وقتی خیالات و نظریات سے تاثر کی زیادتی اور اپنے زمانہ کا عکس ہے اُس دور میں اصول تفسیر کی عدم تدوین اور اس پر کسی معتد بہ کتاب کا نہ ہونا بھی ایک محسوس کمی ہے،

دوسری صدی کی ابتدا ہی میں، ابتداءً مختلف قوموں کے اختلاط اور مختلف مذاہب کے اجتماع سے اور بعد میں یونانی فلسفہ اور خیالات کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک نہایت خام قسم کی عقلیت پیدا ہوئی جسمیں کسی قسم کی گہرائی اور پختگی نہیں تھی اور جو فرد یا قوم کی نو عمری یا ذہنی مرعوبیت کی حالت میں کبھی کبھی پیدا ہو جایا کرتی ہے اس لئے اس موضوع پر ہمیں معتزلہ سے لے کر فلاسفہ تک (بشمول ابن سینا اور ابن رشد) کسی کی تصنیف میں کوئی جدت فکر، اجتہاد، اور ارسطو کے فلسفہ میں کوئی اضافہ یا ترمیم یا کسی انقلابی کوشش کا نشان نہیں ملتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں یونانی فلسفہ اور اسلام کے تقابل میں وہ حریت فکر بھی نہیں جس کے یہ سب سے بڑے مدعی ہیں۔

اس فلسفہ کے مقابلہ میں علم کلام پیدا ہوا، اور اصول فقہ کے بعد یہ دوسرا فن ہے جس میں مسلمانوں کی ذکاوت صرف ہوئی امام ابوالحسن اشعری (المتوفی ۳۲۴ھ) اور امام ابومنصور ماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) کی تصنیفات اور امام غزالی (۵۰۵ھ) کی جارحانہ اور امام رازی (۶۰۶ھ) کی مدافعانہ کوششیں اس سلسلہ میں ناقابل فراموش ہیں،

فلسفہ اور علم کلام کے تقابل سے جو خاص قسم کی ذہنی پیچیدگیاں، غلط مذہبی نظریات و تصورات، اور دوسری طرف اسلام کے ضعف اور بُعد زمانہ سے بدعات اور مشرکانہ خیالات پیدا ہو گئے تھے ان کا اقتضا تھا کہ ایسے اشخاص پیدا ہوں جو سنت کا احیاء کریں، عقل و نقل کے اس معرکہ میں اسلامی عقائد و مسائل کی حکیمانہ تشریح کریں اور خالص اور قدیم اسلام کی طرف دعوت دیں یہ خدمت آٹھویں صدی میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے اپنی عالمانہ تصنیفات کے ذریعہ انجام دی رحمہما اللہ۔

اس کے بعد سے خلاف و عدلیات ، ورندہبی مباحث اور علمی مناظروں کا دور شروع ہوا ، اور بہترین توتیں ان میں صرف ہونے لگیں ، اسی دور میں حدیث کے متعلقات پر بعض نہایت بیش قیمت اور جلیل القدر تصنیفات ہوئیں جن میں سے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے ؛

اس کے بعد سے تمام عالم اسلامی میں ایک عام علمی انحطاط اور تصنیفی زوال شروع ہوا ، جو بارھویں صدی تک قایم رہا ، اجتہاد و تفکر کی قوت جاتی رہی علم میں تقلید شعار بن گیا ، متون کی شرح و تلخیص کمال سمجھا گیا اور علما پر "مدرسیت" طاری ہوگئی ، مدرسانہ تصنیفات ، اور متعلق درسی کتابیں سرمایہ فخر ہوگئیں ، ہمتیں پست ہوئیں ، شرح و تلخیص اور اس کے بعد صرف تحشیہ پر قناعت کی جانے لگی ، بحث و نظر کا میدان تنگ سے تنگ اور تفکر کا دائرہ محدود سے محدود ہوتا گیا۔ علوم معقول بھی منقول بن گئے ، نقلیات میں تفکر عقلیات میں اجتہاد ، قدیم علمی ذخیرہ میں نئے اضافے اور طریق بحث و استدلال میں تغیر کی رسم موقوف ہوگئی گیارھویں اور بارھویں صدی کے عرب اور ہندوستانی علما و مصنفین کے تذکرے ملاحظہ ہوں ، کوئی مجتہدانہ تصنیف اور کوئی نایاب علمی تحقیق نہیں ملے گی۔

علم و تصنیف کے اس دورِ انحطاط میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ، لیکن وہ اپنے زمانہ کی پیداوار نہیں ہیں۔ ان کی ذہنی سطح ، ان کے مدارک ، ان کے علوم و معارف اپنے زمانہ کے عام علما کی سطح سے بہت بلند تھے اور وہ ان اشخاص میں تھے جو کئی کئی سو برس کے بعد اپنے زمانہ کے بالکل برخلاف ، اہل زمانہ سے بالکل مختلف پیدا ہوتے ہیں اور ان کو عبقریین اور نوابغ کہا جاتا ہے ، شاہ صاحب خود اپنے الفاظ میں اسی تخریج بہ تخریج اور تفریع بر تفریع کے دور میں پیدا ہوئے (ازالۃ الخفا صفحہ ۱۵) لیکن آپ کی تصنیفات اپنے زمانہ کی عام روش سے بالکل علیٰحدہ ، آپ کا طرز فکر و بحث جدا ، اور آپ کے مضامین ان لوگوں کے لئے جن کے معلومات عام درسی کتابوں تک محدود ہیں بالکل نئے ہیں ، چنانچہ خود آپ کو اس کا احساس تھا اور جابجا آپ نے اس کا اظہار فرمایا ہے ازالۃ الخفا میں ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

"چون ایں مقدمہ بایں آب و تاب در کتب کلامیہ نخواندہ بخیل کہ وحشتے بخاطر تو راہ یابد"

دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"لابد چوں ایں بحث گفتہ شد باید دانست کہ مفہوم خلافت خاصہ بر نہجی کہ بیان کردیم علمی ست تفریعی کہ نور توفیق آنرا در خاطر بندۂ ضعیف ریختہ یستحظہ من یعرفہ و ینکرہ من لا یعرفہ و ذٰلک من فضل اللہ علینا و علی الناس و لکن اکثر الناس لا یشکرون"

اس موقع پر جہاں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت عمر کی حیثیت مجتہدین امت کے مقابلہ میں ایسی ہی جیسی

مجتہد مستقل کی منصب مجتہدین کے مقابلہ میں ہوتی ہے لکھتے ہیں:۔

لیکن فہم ایں معنی بغایت دقیق است جمعے کہ سرمایۂ علم ایشاں شرح وقایہ وہدایہ باشد

کجا ادراک ایں سر دقیق تو انند کرد" (ازالۃ الخفا صفحہ ۸۴)

اب ہم اپنی حیثیت کے مطابق شاہ صاحبؒ کی خصوصیات تصنیف بیان کرتے ہیں:۔

خصوصیات تصنیف (۱) سبقت و اولیت:۔ اسلامی مسائل کی حکیمانہ توجیہ و تشریح، اور تطبیق عقل و نقل اگرچہ بارھویں صدی کے عالم کے لئے بالکل نیا موضوع نہیں تھا، خود شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ کے مقدمہ میں امام غزالی خطابی، اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا نام لیا ہے جنھوں نے احکام شرعی کے حکم و مصالح بیان کئے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا اس کی حیثیت اشارات و نکات سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلام کے پورے نظام شرعی کی حکیمانہ تشریح ہمیں شاہ صاحب سے پہلے نہیں ملتی، اس اہتمام، وسعت اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر ہمارے علم میں حجۃ اللہ البالغہ پہلی تصنیف ہے۔ اور پھر اس کے اکثر ابواب و مضامین بالکل نئے ہیں، اور فلسفہ، علم کلام، قرآن و حدیث، تصوف اور ذاتی غور و مشاہدہ اور قوت استدلال کی آمیزش شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی، صرف چند اصول و قواعد تفاسیر کے مقدمہ میں یا اپنا طرز تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھدیتے ہیں، شاہ صاحب کی کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات و کلیات ہے۔ درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جن کو فہم قرآن کے مشکلات کا عملی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے، اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو، بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق وجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھدیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے۔

اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا یہ فرمانا حرف بحرف صحیح ہے کہ

"میگوید فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم عاملہما اللہ تعالیٰ بلطفہ العظیم چوں بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ کشادند خواست کہ بعضے نکات نافعہ کہ در تدبر کلام اللہ یاراں را بکار آید در رسالہ مختصر مضبوط نماید امیدواری از عنایت حضرت باری آن ست کہ طالب علماں را بہ مجرد فہم ایں قواعد راہے واسع در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر یا گزرانیدن آنہا بر مفسراں علی نعم اقل قلیل فی ہذا الزمان بسر برند آں ضبط و ربط بدست نیایند"

قرآن کے مضامین و مقاصد، اس کے طرز و اسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات خصوصاً متاخرین کی

کتب درسیہ سے اس کے اختلاف اور شان نزول کے متعلق چند لفظوں میں جو کچھ لکھا ہے آج اس میں ممکن ہے کوئی جدت نہ معلوم ہو لیکن بارھویں صدی میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں۔

قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے ان کے اصلی اور صحیح خیالات وعقائد اور کمزوریوں کا بیان، ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تاریخ نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملیگی۔

نسخ میں متقدمین ومتاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور منسوخ وناسخ آیات میں تطبیق، صحابہ وتابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحب کی عمدہ تحقیقات میں سے ہے۔

نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجیہ شاہ صاحب نے کی ہے (ص۲۲ مجتبائی) اس کی قدر وہ لوگ کرسکتے ہیں جو نحو کی تدوین کی تاریخ سے واقف اور بصرہ اور کوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں،

بہرحال اس کتاب کا ہمارے ہاتھوں میں ہونا خدا کی ایک نعمت اور اس کا ہمارے نصاب درس میں عام طور پر داخل نہ ہونا اس نعمت کی ناقدری، اور ناواقفیت یا بدمذاقی ہے۔

خلیفہ کے شرائط اور اس کے احکام پر اگرچہ جستہ جستہ چیزیں فقہ اور علم کلام کی کتابوں میں ملتی ہیں مگر اسلام کے نظام حکومت کی تشریح اور خلافت عامہ اور خلافت خاصہ کی تقسیم اور ان کے جداگانہ اوصاف کا بیان ازالۃ الخفا کے سوا کہیں نہیں، نیز قرآن سے خلافت راشدہ کے اثبات میں شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے تفردات میں سے ہے۔

رسالہ انصاف اور حجۃ اللہ کے محدثانہ ابواب میں شاہ صاحب نے مذاہب کے اختلاف کے اسباب اور اس کی تاریخ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی سلامت فہم، اصابت رائے اور دقت نظر نیز وسعت قلب کی بہترین دلیل ہے، اور اس طرز پر اس سے پہلے کسی عالم کی تحریر دیکھنے میں نہیں آئی۔

اس سبقت واولیت کے علاوہ اگر ہم شاہ صاحبؒ کی دوسری تصنیفی خصوصیات کو مختصر الفاظ میں بیان کریں تو وہ یہ ہونگی (۱) دقت نظر۔ (۲) وسعت نظر (۳) سلامت فہم (۴) سلاست بیان (۵) قوت انشا وتعبیر۔

ان میں سے ہر ایک کی علحدہ علحدہ تشریح کرنے کے بجائے ہم شاہ صاحبؒ کی دو معرکۃ الآرا کتابوں۔ حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا پر تبصرہ کرتے ہیں، شاہ صاحبؒ کے مقام کے سمجھنے کے لیئے ان دو کتابوں کا پڑھنا کافی ہے،

حجۃ اللہ البالغہ شاہ صاحب کی یہ مایۂ ناز تصنیف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے امتیوں کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی، بارھویں صدی کے کچھ بعد ہندوستان اور تمام اسلامی ممالک میں "عقلیت" کا جو دور شروع ہونے والا تھا اور احکام و شرائع کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا، اس کا یہی تقاضا تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارھویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوا دی جائے، چنانچہ شاہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ کے دیباچہ میں ان غیبی اشارات اور بشارتوں کا ذکر کیا ہے جو اس خیال کی محرک ہوئیں، اور جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کام میں کس قدر غیبی تحریک و تائید شامل تھی،

ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اس کی حکیمانہ توجیہ اور کسی مذہبی نظام کی فلسفیانہ تشریح میں کسی زمانہ میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، یا اگر لکھی گئی تو دنیا کے سامنے نہیں۔ اسلام کے معاشی و سیاسی نظام پر بھی جا بجا جو اشارات اور متفرق نکات ہیں ان کو اگر ازالۃ الخفا اور دوسری تصنیفات کے اشارات و نکات کے ساتھ جمع کر لیا جائے، تو وہ بڑے کام کی چیز ہو سکتی ہے اور تشریح و تفصیل کیلئے ایک اچھا متن بن سکتا ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں اس کتاب پر تبصرہ کرنا اور اس کے محاسن کو نمایاں کرنا بہت مشکل ہے پھر ہر شخص کا ذوق، نقطۂ نظر، اس کی مشکلات اور ان کے حل کی راہ جدا ہے اس لئے اپنے ذوق کے مطابق اس کتاب کے بعض ابواب پر ہم ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں،

مبحث اول کے تمام ابواب تقریباً شاہ صاحبؒ کے تفردات میں سے ہیں، تکلیف و مجازات پر اعلیٰ متکلمانہ اور حکیمانہ بحث ہے جس سے بہت سے عقدے کھل جاتے ہیں، انسانوں کی صلاحیت و استعداد کے مدارج اور فطری تفاوت اور ملکیت و بہیمیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے شاہ صاحب کی کمال نکتہ دانی اور نفسیات و طبائع انسانی کا وسیع اور عمیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

مبحث خامس میں دوسری مفید بحثوں کے علاوہ معاصی و آثام" پر سیر حاصل بحث ہے۔

مبحث سادس اول سے لے کر آخر تک بے نظیر ہے اس مبحث کو پڑھ کر شاہ صاحبؒ کی دقیقہ رسی کے ساتھ غایت درجہ کا سلامت فہم بھی معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مذاہب کی تاریخ، اور طبائع و نفسیات ادیان نیز تشریع اور قانون سازی کی باریکیوں پر کتنی گہری نظر رکھتے ہیں، یہ پورا باب مجتہدانہ اور حجۃ اللہ کے محاسن میں سے ہے۔

مبحث سابع میں جو مضامین و نکات آ گئے ہیں، وہ عام طور پر اصول فقہ کی کتابوں میں نہیں ملسکتے

اور اس میں بعض حقائق ایسے آگئے ہیں، جو اصول وکلیات کا حکم رکھتے ہیں اور جن کے نہ جاننے کی وجہ سے بڑی بڑی غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں ہوتی ہیں۔

تتمہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں شاہ صاحبؒ کی وسعت نظر اور وسعت قلب کی بہترین دلیل ہے اور اس سے شاہ صاحبؒ کا ذوق حدیث، کتب حدیث کی محبت اور مسلک اجتہاد معلوم ہوتا ہے جو ان کا اصل ذوق اور مسلک ہے۔

شاہ صاحبؒ کی عربیت اس موقع پر نامناسب نہ ہوگا اگر ہم شاہ صاحب کے ایک اور امتیاز کی طرف بھی اشارہ کر دیں جس میں شاہ صاحبؒ نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ میں منفرد ہیں، وہ شاہ صاحب کی عربیت اور عربی میں قدرت تحریر ہے۔

اہل نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں، کہ ہمارے ملک میں اسلام کے دوسرے مفتوحہ ممالک کی طرح کبھی بھی عربی کا صحیح اور اعلیٰ ذوق نہیں رہا، یہ فطری ذوق اگر کبھی رہا بھی ہو، تو اس میں شبہ نہیں کہ تحریری عربیت اور قدرت یہاں بہت نایاب رہی، اگر تاریخی جستجو کی جائے تو میر غلام علی آزاد بلگرامی اور بعض ایسے ہندوستانی مصنفین کو چھوڑ کر جن کی زندگی کا بڑا حصہ عربی ممالک اور عرب فضلا کی صحبت میں گزرا ایسے مصنفین کا ملنا مشکل ہے۔ جن کی عربی تحریر ادبی اسقام سے پاک، عربی ذوق کے مطابق اور سلیس و رواں ہو، نصاب درس کی مخصوص ساخت اور ہندوستان میں عربی نظم (متنبی و سبع معلقہ و حماسہ) کے نمونوں کی زیادتی اور خوبی کی وجہ سے ہندوستانی علماء کی نظم ان کی عربی نثر سے کہیں بہتر ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ پہلے ہندوستانی مصنف ہیں، جن کی عربی تصانیف (بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ) میں اہل زبان کی سی روانی و قدرت اور ادبار عرب کی سی عربیت ہے اور وہ ان بے اعتدالیوں سے پاک ہیں جو عجمی علماء کی عربی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔

ہم ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور یہ کہنے کی جرات کرتے ہیں کہ علمی اور سنجیدہ مضامین پر مقدمہ ابن خلدون کے بعد حجۃ اللہ البالغہ عربی نثر و تحریر کا پہلا کامیاب نمونہ ہے، بلکہ بعض اہل ذوق کا خیال ہے کہ مقدمہ ابن خلدون میں ادبیت اور حجۃ اللہ میں سلاست زیادہ ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بارھویں صدی تک (بلکہ بعض مقامات پر اس وقت بھی) حریری کی مقامات عربی نثر کا واحد نمونہ تھا، مضامین وخیالات کے مقابلہ میں الفاظ اور محاسن لفظی کی ترجیح، قافیہ کی شدید پابندی، دائرہ خیال کی تنگی، مشکل و نامانوس اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال اس طرز تحریر کی خصوصیات ہیں، اس طرز تحریر کی پیروی کے ساتھ سنجیدہ وسیع علمی مضامین اور حکیمانہ خیالات کا اظہار بیحد مشکل ہے، تمام دنیا میں حریری ہی کا سکہ چلتا رہا، اور "مقامات" دماغوں پر چھائے رہی۔ قاضی فاضل نے اپنی

قابلیت اور منصب وزارت کی وجہ سے اس طرز کو اور مقبول بنا دیا، ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے اس لفظی طلسم کو توڑا اور ان پابندیوں سے آزاد ہو کر علمی و تاریخی اور فلسفیانہ مضامین کو جیتی جاگتی زبان میں ادا کیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ابن خلدون کے مقدمہ کے بعد پھر ہمیں اگر کوئی دوسری تصنیف اس طرز کی ملتی ہے تو اس طویل مدت میں صرف اسی ہندوستانی عالم کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ ہے۔

حدیث و فقہ کے مضامین کو سلیس عربی میں ادا کر دینا ایک عالم کے لیے بے شک کمال نہیں لیکن حجۃ اللہ کا مبحث تالیف جس میں ارتفاقات کے ابواب میں ملاحظہ ہو، اسی طرح وہ دوسرے مضامین جس کے لیے شاہ صاحب کے سامنے کوئی دوسرا قدیم نمونہ نہیں تھا، شاہ صاحب کے "تنوع" اور عبقریت کی دلیل ہیں۔

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء یہ شاہ صاحبؒ کی دوسری معرکۃ الآرا تصنیف ہے اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر غالباً پہلی اور یقیناً اس وقت تک آخری کتاب ہے۔ تمام کتاب وجد آفریں اور ولولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات سے لبریز ہے، جس کا پورا اندازہ پوری کتاب پڑھنے سے ہوتا ہے؛ کوئی شخص بھی جو اس کتاب کے مقصد اور مصنف کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہے اگر انصاف کے ساتھ اس کتاب کے اکثر حصہ کے مطالعہ کی زحمت گوارا کرے تو اس کو خلفاء کی عظمت کا قائل ہو جانا پڑے گا۔

اس کتاب کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

(۱) اسلام میں صحابہ کرام کا مقام، ان کے فضائل ان کے حقوق، اور اس کے متعلق مباحث پر بے نظیر گفتگو اور افادات۔

(۲) خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت قرآن مجید سے اس کتاب کی بہترین بحثوں میں سے ہے جو نکات و حقائق سے لبریز ہے خصوصاً آیت تمکین، آیت استخلاف، آیت اذن قتال، آیت اعراب (قل للمخلفین من الاعراب) آیات (محمد رسول اللہ والذین معہ) آیت (یریدون لیطفئوا نور اللہ) آیت شوریٰ (سورۂ شوریٰ) (ازالۃ ص۲۳) آیت (او من کان میتاً فاحییناہ) (سورہ انعام) (ازالہ ص۱۷۱-۱۷۹) کی جیسی تفسیر کی ہے اور اس کے ضمن میں قلم سے جو نکات و معارف نکل گئے ہیں، وہ کسی بڑی سی بڑی تفسیر میں نہیں مل سکتے، خلفاء کے فضائل اور بشارات میں جو روایات ہیں، البتہ وہ کہیں کہیں تحقیق و تنقیح کے قابل ہیں۔

(۳) نبی، خلیفہ، محدث اور صدیق کی تعریف اُن کے اوصاف اور خلافت خاصہ کی تشریح شاہ صاحب کا خاص موضوع اور اس کتاب کا خاص مضمون ہے

(۴) اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اسلام کی دینی تاریخ اور ذہنی و مذہبی انقلاب و تغیر کا ابھرا ہوا خاکہ ہے، اسلام کی سیاسی و علمی تاریخیں تو بے شمار ہیں لیکن ایسی تاریخ کہیں نہیں ملتی ؛ کتابوں میں منتشر مواد ملتا ہے، اس کتاب میں بھی اس موضوع کے متعلق بہت سا مواد جمع کر دیا ہے، مثلاً اگر آپ جاننا چاہیں کہ دینی انحطاط تدریج کے ساتھ کس طرح ہوا اور اس کے مظاہر کیا تھے، کن کن چیزوں میں اصل معیار سے انحراف ہوا تو آپ خیر القرون سے متصل اور اس کے بعد کے فتنے (از ۱۲) خیر القرون اور شر القرون کے احکام کا اختلاف" (از ۱۳) اور "تغیرات کلیہ" کی بحثوں میں دیکھ سکتے ہیں اور اس سے ایک تاریخ مرتب کر سکتے ہیں،

(۵) عام حقائق و معارف جو ساری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں، خصوصاً کتاب کی فصل ہفتم میں، جو پہلے حصہ کے صفحہ ۵۵ ۲ سے پہلے حصہ کے خاتمہ تک ہے۔

(۶) خلفاء راشدین، خصوصاً شیخین اور بالخص حضرت فاروق اعظم کے ولولہ انگیز اور ایمان افروز تاریخی حالات اور سیرت جس میں بڑے استقصا سے کام لیا گیا ہے اور بڑی اچھی ترتیب اور موثر انداز میں اُن کو پیش کیا گیا ہے۔

اُمید ہے کہ اس مختصر سے تعارف اور تبصرہ سے شاہ صاحب کا وہ مقام و مرتبہ واضح ہو جائے گا جو آپ کو اسلام کی علمی اور تصنیفی تاریخ میں حاصل ہے۔

رحمتِ عالم

ہندی طالب علموں کم پڑھے لکھے لوگوں بچوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلعم کی ایک ایسی مختصر سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی اُلجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقت نہ ہو، پھر بھی بیان مستند اور واقعات صحیح ہوں اسی ضرورت کو سامنے رکھکر سیرت نگار نبوی علامہ سید سلیمان ندوی نے یہ مختصر سیرت لکھی ہے اور اسکا سارا منافع دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ میں چھوٹے بچوں کے دار الاقامہ کیلئے وقف کر دیا ہے، یہ کتاب پانچ ہزار کی تعداد میں چھپی ہے، ضرورت ہے کہ ہر مسلمان بچہ کے ہاتھ میں اس کا ایک نسخہ ہو، اہل خیر کو اس کی خریداری سے انشاء اللہ تعالیٰ دوہرا ثواب حاصل ہوگا، قیمت فی نسخہ ۱۲ھ ہے لیکن ۵۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا۔ مجلد کی قیمت ۲ر فی نسخہ زائد ہوگی۔

مینجر دار المصنفین اعظم گڈھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شاہ صاحب کا ایک علمی مآخذ

از

جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ

حضرت شاہ صاحب نے اپنے متعلق تفہیمات میں ارشاد فرمایا تھا۔

بسرم درد اوند کہ ایں حقیقت برمردم برساں کہ امروز وقت وقت تست وزماں زماں تو! وائے برکسے کہ زیر لوائے تو نہ باشد !	میرے ذہن میں ڈالا گیا ہے کہ میں آدمیوں تک اس حقیقت کو پہونچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ اور یہ وقت تیرا وقت ہے افسوس اس پر جو تیری علم کے نیچے نہ ہو،

یہ حقیقت جس طرح دنیا پر ظاہر ہو کر رہی وہ واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں !

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے بہت ہی سچ کہا تھا کہ

اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود امام الائمہ وتاج المجتہدین شمردہ می شد !	اگر شاہ صاحب صدر اول میں ہوتے تو امام الائمہ اور مجتہدوں کے سردار شمار ہوتے۔

حیرت ہوتی ہو کہ اس عہد میں ایسی جلیل القدر اور یگانہ روزگار ہستی ہندوستان میں پیدا کیسے ہوئی جبکہ حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے الفاظ میں حال یہ تھا کہ

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق وحکمت کے ہنگاموں سے پر شور تھا، فقہ و فتاوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے، (معارف نمبر ۵ جلد ۲۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ صاحب کا خاندان ہمیشہ سے علم و عمل کا مرکز رہا لیکن اصلاح و تجدید امت

اور فقہ دین کی جو دولت شاہ صاحب کے حصہ میں آئی اس کی کوئی نظیر نہیں ؛

شاہ صاحب کے ہندی اساتذہ میں آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولنا محمد فضل صاحب معروف بہ حاجی سیالکوٹی کے اسما گرامی ملتے ہیں لیکن ان بزرگوں کے احوال میں بھی ہم کو کوئی ایسی نمایاں چیز نہیں ملتی ہے جس سے اندازہ ہوسکے کہ شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں میں ان کے اثرات کو کہاں تک دخل ہے ؟

اصل یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تحریک اصلاح و تجدید بڑی حد تک مرہون منت ہے اُن علوم و معارف کی جو خدا کے فضل و کرم سے اُن پر منکشف ہوئے جن کا بار بار وہ اپنی مصنفات میں ذکر فرماتے ہیں شریعت کے اسرار و حقائق کے اس انکشاف نے شاہ صاحبؒ کی دُنیا بدل دی اور معاصرین تو درکنار وہ اپنے سلف و خلف دونوں سے بدرجہا بلند ہوگئے ؛

دوسری چیز جس نے شاہ صاحب میں بلند نظری اور عالی ہمتی پیدا کی. ہمارے نزدیک وہ اکابر علمائے اسلام کے خیالات اور ان کی زندگیوں کا غیر متعصبانہ مطالعہ ہے !

یوں تو شاہ صاحب کے پیش نظر متعدد علماء کی تصانیف معلوم ہوتی ہیں مثلاً علامہ عزالدین ابن عبدالسلام امام غزالی اور شیخ ابو طالب مکی وغیرہ ! لیکن ان علماء میں ایک ایسی عالی مقام ہستی کی زندگی اور اس کے خیالات بھی شاہ صاحب کے سامنے رہے جو تاریخ اسلام میں اپنی خصوصیات کے باعث بہت ہی ممتاز اور اہم درجہ رکھتی ہے، جس کی ذات خود ایک عظیم الشان دعوت اصلاح و تجدید کا سبب بن چکی تھی اس سے ہماری مراد شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی ذات بابرکات ہو !

۱۱۴۳ھ میں شاہ صاحبؒ ہندوستان سے حجاز تشریف لے جاتے ہیں اور مشائخ حرمین سے استفادہ کرتے ہیں شاہ صاحب کے مشائخ حرمین میں شیخ ابراہیم کردی ایک بزرگ کا ذکر آتا ہے یہ وہی بزرگ ہیں جو شاہ صاحب کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ ولی اللہ الفاظ کی سند مجھ سے لیتے ہیں اور معنی کی سندیں اُن سے لیتا ہوں۔

شیخ ابراہیم کردی ایک بلند نظر اور وسیع المشرب عالم تھے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قدر دان بلکہ زبردست حامی تھے !

ابن آلوسی بغدادی جلا العینین ص۲۶ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وکان سلفی العقیدۃ ذابًا عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ	سلفی العقیدہ اور ابن تیمیہ کی طرف سے دفاع کرنے والے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کے فیض صحبت نے شاہ صاحب کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رح

رحمہا اللہ کی کتابوں کی طرف متوجہ کیا! اور اس طرح انقلاب وتجدید کے ایک امام کا دوسرے امام سے روحانی ربط پیدا ہوا۔

شاہ صاحب نے ان دونوں حضرات سے پورا نفع اٹھایا، بلکہ ان کی طرف سے پوری طرح دفاع بھی فرمایا۔

صاحب جلاء العینین تفہیمات کے حوالے سے شاہ صاحب سے نقل کرتے ہیں :-

وعلى هذا الاصل اعتقدنا فی شیخ الاسلام ابن تیمیه رحمه الله فانا قد تحققنا من حاله انه عالم بکتاب الله ومعانیه اللغویه والشرعیه وحافظ لسنة رسول الله صلى الله علیه وسلم وآثار السلف عارف لمعانیها اللغویة والشرعیه استاذ فی النحو واللغة محرر لمذهب الحنابلة فروعه واصوله فائق فی الذکاء ولسان وبلاغة فی الذب عن عقیدة اهل السنة لم یؤثر عنه فسق ولا بدعة اللهم الا هذه الامور التی ضیق علیه لاجلها ولیس شئ منها الا ومعه دلیله من الکتاب والسنة وآثار السلف فمثل هذا الشیخ عزیز الوجود فی العالم ومن یطیق ان یلحق شأوه فی تحریره وتقریره والذین ضیقوا علیه ما بلغوا معشار ما آتاه الله تعالى وان کان تضییقه ذالک ناشیأ من اجتهاد ومشاجرة العلماء فی ذالک ما هی الا کمشاجرة الصحابة رضی الله عنهم فیما بینهم والواجب فی ذالک کف اللسان الا بخیر!

اسی اصل پر ہم نے ابن تیمیہ کے بارہ میں اعتقاد کیا، ہم نے اُن کے حال کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وسنت کے عالم اس کے معانی سے واقف اور سنت رسول اللہ کے حافظ ہیں، نحو اور لغت کے امام ہیں حنابلہ کے اصول وفروع کے مبلغ ہیں اہل سنت کی طرف سے دفاع کرتے ہیں، اُن سے کسی قسم کا فسق یا بدعت ہم نے سرزد ہوتے نہیں دیکھا البتہ وہ امور جن کے متعلق اُن پر اعتراض کیا گیا ہے تو اُن میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اُن کے پاس کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہ ہو، ایسا عالم زمانہ میں مشکل سے پیدا ہوتا ہے، کون ہے جو اُن کی تحریر وتقریر کا مقابلہ کرسکے؟ جن لوگوں نے اُن پر اعتراض کیا ہے اُن کو ان کے علم کا دسواں حصّہ بھی نہیں ملا ہے! ہاں اِن کے بارہ میں علماء کا مشاجرہ ایسا ہی ہے جیسے صحابہ کرام کا آپس میں ضروری ہے کہ ان کے متعلق خیر کے سوا اپنی زبان بند رکھی جائے!

اِن الفاظ پر غور کرو شاہ صاحب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی جلالت علم، فقہ دین اور حمایت اسلام کے جوش و ولولہ سے کیسے متاثر نظر آتے ہیں!

شاہ صاحب کی مصنفات میں جا بجا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خیالات ملتے ہیں بعض جگہ تو پوری کی پوری عبارت نقل فرما دی ہے لیکن نام نہیں لیا ہے، اس کی وجہ غالباً اہل زمانہ کا تعصب ہے!

مثال کے طور پر حجۃ اللہ البالغہ مطبع صدیقی بریلی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو (جلد ۱ صفحہ ۱۶۳)

وقد کان فی الصحابۃ ومن بعدھم من یقرء البسملۃ. ومنھم من لا یقرؤھا ومنھم من یجھر بھا ومنھم من لا یجھر بھا وکان منھم من یقنت فی الفجر ومنھم من لا یقنت فی الفجر ومنھم من یتوضأ من الحجامۃ والرعاف والقیء ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ من مس الذکر ومس النساء بشھوۃ ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ مما مستہ النار ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومنھم من یتوضأ من اکل لحم الابل ومنھم من لا یتوضأ من ذالک ومع ھذا کان بعضھم یصلی خلف بعض مثل ما کان ابوحنیفۃ واصحابہ والشافعی وغیرھم رضی اللہ عنھم یصلون خلف ائمۃ المدینۃ من المالکیۃ وغیرھم وان کانوا لا یقرؤن البسملۃ لا سرًا ولا جھرًا وصلی الرشید اماماً وقد احتجم فصلی الامام ابو یوسف خلفہ ولم یعد وکان افتاہ الامام مالک بانہ لا وضوء علیہ وکان الامام احمد بن حنبل یری الوضوء من الرعاف والحجامۃ فقیل لہ فان کان الامام قد خرج منہ الدم ولم یتوضأ ھل تصلی خلفہ فقال کیف لا اصلی خلف الامام مالک وسعید بن المسیب

صحابہ اور اُن کے بعد ایسے لوگ تھے کہ بعض بسم اللہ پڑھتے تھے بعض اس کو جہر سے پڑھتے تھے بعض نہیں، اُن میں سے بعض فجر میں قنوت پڑھتے تھے بعض نہیں، بعض قی، اور رعاف سے وضو کرتے تھے بعض نہیں، بعض مس ذکر اور عورتوں کو شہوت کے ساتھ چھونے سے وضوء کرتے تھے، بعض نہیں ماسۃ النار اور اونٹ کے گوشت سے وضو کرتے تھے بعض نہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان میں سے ہر شخص ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتا تھا مثلاً ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب اور امام شافعی وغیرہ ائمہ مدینہ مالکیہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اگرچہ وہ لوگ سرًا یا جہرًا بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، رشید نے نماز پڑھائی اور اسی اثناء میں پچھنا لگا یا تھا امام ابو یوسف نے اس کے پیچھے نماز پڑھی، لوٹائی نہیں، امام مالک نے فتوی دیا تھا کہ اُن پر وضو نہیں ہے اور امام احمد پچھنے اور رعاف کے باعث وضوء کو کہتے تھے اُن سے کہا گیا کہ اگر امام کے خون نکلے اور وہ وضو نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے فرمایا میں امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے نماز کیسے نہ پڑھونگا؟

بعینہ یہی عبارت شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاوی جلد دوم صفحہ ۳۸۰ میں پائی جاتی ہے! ملاحظہ ہو:-

وقد كانت الصحابة والتابعون ومن بعدهم منهم من يقرأ البسملة ومنهم من لا يقرؤها ومنهم من يجهر بها ومنهم من لا يجهر بها وكان منهم من يقنت في الفجر ومنهم من لا يقنت ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ومنهم من لا يتوضأ من ذالك ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة ومنهم لا يتوضأ من ذالك ومنهم من يتوضأ من القهقهة في صلوته ومنهم من لا يتوضأ من ذالك، ومنهم من يتوضأ من اكل لحم الابل ومنهم من لا يتوضأ من ذالك ومع هذا فكان بعضهم يصلي خلف بعض مثل ما كان ابوحنيفة واصحابه والشافعي وغيرهم يصلون خلف ائمة اهل المدينة من المالكية وان كانوا لا يقرؤن البسملة لا سرا ولا جهرا وصلى ابو يوسف خلف الرشيد وقد احتجم وافتاه مالك بانه لا يتوضأ فصلى خلف ابو يوسف ولم يعد، وكان احمد بن حنبل يرى الوضوء من الحجامة والرعاف فقيل له فان كان الامام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ تصلي خلفه فقال كيف لا اصلي خلف سعيد بن المسيب ومالك۔

اسی طرح دیکھو شاہ صاحب فوز الکبیر میں سبب نزول کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

آنچہ از استقراء کلام صحابہ و تابعین معلوم می شود آن است کہ نزلت فی کذا محض برائے قصہ کہ در زمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودہ و سبب نزول آیت گشتہ استعمال کنند بلکہ گاہے یکے از ما "صدق علیہ" آیہ را کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود کائن یا بعد ازاں حضرت ذکر کنند و گویند نزلت فی کذا۔

صحابہ اور تابعین کے کلام کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ نزلت فی کذا محض اس واقعہ کیلئے نہیں ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا اور نزول آیت کا سبب بن گیا بلکہ اس پر بھی بولتے ہیں جس پر یہ آیت صادق آرہی ہو خواہ وہ واقعہ عہد نبوی میں ہو یا بعد کو۔

بالکل اسی مفہوم کو حافظ جلال الدین سیوطی اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں،

قال ابن تيمية قولهم نزلت هذه الآية في كذا يراد به تارة سبب النزول ويراد به تارة ان ذالك داخل في هذه الآية، وان لم يكن السبب كما تقول عنى بهذه الآية كذا (النوع التاسع)

ابن تیمیہ نے کہا کہ ان لوگوں کا قول نزلت ہذہ الآیۃ فی کذا۔ کبھی اس سے سبب نزول مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتا ہے کہ یہ بھی اس آیت کے مصداق میں داخل ہے اگرچہ وہ سبب نہ ہو۔

ان تصریحات کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ شاہ صاحب کے علمی انقلاب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خیالات کو کسی حد تک ضرور دخل ہے تو شاید بیجا نہ ہو!

لہ فی نسخۃ وقد کان فی الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من یقرء البسملۃ

خطاب بروح پرفتوح حقائق و معارف آگاہ امامنا و مولٰنا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ

(از جناب میر مومن صاحب کاظمی امروہوی)

ای اعلمِ عالمانِ نامی — وی افضلِ فاضلانِ سامی
ای شاہ ولی، ولیِ اللہ — وی شیخ و محدثِ گرامی
ای عارفِ عارفانِ ہندی — وی اشرفِ کاملانِ شامی
تو بحرِ حقائق و معارف — تو شہرِ تصوّف و کلامی
در ناموران دہر نامت — در تاجوران سرِ انامی
در چشمِ اکارم و اعاظم — چون مردمِ دیدۂ گرامی
در حلقۂ اہلِ علم و عرفان — مہتاب ستی بذاتِ سامی
در جلوہ گہِ رہِ حقیقت — چون کبک زِ روی بخوش خرامی
در حکمت و وحدت و تصوّف — خوش تقریری و خوش کلامی
در رسمِ شریعت و طریقت — گہ خامۂ تو نہ کرد خامی
در میدانِ الٰہیاتی — از فکرِ بلیغ تیغ و حسامی
در تفسیرِ کلامِ باری — با نطقِ کلیم در کلامی
در اسرارِ سیاست و دین — تو ماہر و واقفِ تمامی
در منزلِ جمع و نظمِ اُمت — تو قائدِ اعظم و امامی
در سلسلات چہ انتظام است — با حبلِ متین خوش انتظامی
بر تست عیان نہان ز اسرار — با ہاتفِ غیب ہمکلامی
کشّاف رموزِ علم و عرفاں — لاریب بہ فطنت تمامی
تفہیماتِ الٰہیہ را — در دہر مُفہّمِ گرامی
ہاں سینۂ تست مشرقِ نور — شد پیکِ ازل بتو پیامی
ہاں وارثِ علم احمد ستی — از فیض رسول شادکامی
صورت کشِ معنیِ حقیقی — از موی قلم بہ ارتسامی

تو ماحیِ بدعت و ضلالت — تو شرع و طریق راست حامی
بہرِ گم گشتگانِ حیرت — مہدیؑ و مجدّد و امامی
بر دوشِ تو پرچمِ ہدایت — بر فرقِ تو تاجِ نیکنامی
تصنیفاتِ تو بحرِ تحقیق — ہستی چہ محققِ گرامی
زیں نظمِ تو جامِ علم دادی — ہمچو شدہ جامی و نظامی
پُر نور ز تو "جہان آباد" — در دورِ جہاں مہِ تمامی
ہستی شہِ دیں بملکِ دنیا — شاہی بہ تو نسبتِ غلامی
نامِ نیکِ تو در انام است — وابستۂ شہرتِ دوامی
تو لائقِ صد ہزار تکریم — تو مستحقِ کمالِ احترامی
کردی چو بعشق زندہ دل را — در عالم زندۂ دوامی
کے فلسفی رتبہات شناسد — یعنی کہ بلند تر مقامی
دانند کہ عارفانِ خاصند — بینند بہ کمالِ تو چہ عامی
پرسد چو کسے ز من بگویم — ای خواجہ تو کیستی کدامی
لاریب مثالِ برزخ استی — بے شبہ در آنچناں مقامی
کاں سو بخدائے خویش ہمراز — ویں سوئے بخلق ہمکلامی
در حالِ تو قالِ من نگنجد — تو کامل و ناقصم تمامی
نشناسد جز ولی، ولی را — تو زیرِ قبائے ربِّ سامی
ای آنکہ تو نائبِ رسولی — ای آنکہ تو ہادی و امامی
از فیضِ تو بہرہ ور جہانے — از فضلِ تو ملکِ ماگرامی
از مجلسِ ما برفت ساقی — مردیم بسوزِ تشنہ کامی
روحِ پاکت بما در آید — ہر چند کہ تو بلند بامی
شد چہرۂ ہند تیرہ و تار — از ظلمتِ بدعت و غلامی
کن محو زِ مہرِ حجتِ خویش — ایں سایۂ داغِ ناتمامی

گاہے بہ اُفقِ تو جہے کن!
یا روحِ ولی بتو سلامی!

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور اُن کی بعض علمی خصوصیات

(از جناب مولانا سید ابو النظر صاحب رضوی امروہوی)

قدرت کے بہترین شاہکار اور مجدد علم و حکمت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی علمی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ نہ صرف مذہبی حقائق ہی کی مکمل تفسیر کی جائیگی بلکہ حیات و مرگ کا ہر عقدہ، علم و سیاست کا ہر گوشہ اور تمدن و معاشرت کی ہر پیچیدگی بھی حل کی جائے گی۔ لیکن آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس تشنگی کو دور کرنے کے لیئے ایک مختصر سا مضمون کافی نہیں ہوسکتا اور بسیط تحقیقی مضمونؔ عام دلچسپیوں کو جذب نہ کرسکے گا اس لیئے مجبور ہو کر صرف چند سیاسی نکات کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اُمید کہ اسے دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے گا۔

آج کل آپ پاکستان کا ذکر بہت کچھ سُن رہے ہوں گے کیونکہ سیاسی مطلع پر آج یہی آفتاب چمک رہا ہے اور یہی سیاہ بادل فضاء پر اُمنڈتا ہوا چلا آرہا ہے ـــــ ہندوستان کے سیاسی ماحول کے اعتبار سے یہ چیز کہاں تک بہتر ہے اور کہاں تک نہیں میرے موضوع کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔ اس لیئے میں صرف شاہ صاحبؒ کا نقطۂ نظر ہی آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور تھوڑی بہت تفصیلات پیش کرتے ہوئے تاکہ آپ صحیح پوزیشن تک بآسانی پہونچ سکیں۔

شاہ صاحبؒ اپنی تصنیف تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص۲۸ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

واعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعت فیہ خصلتان احدٰھما النبوۃ والثانیۃ	جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں دو قسم کے اخلاق تھے ایک نبوت دوسرے قبیلہ قریش کی عظمت و

ؔ میں نے اس ہی نقطۂ نظر سے ایک مضمون لکھا تھا اور شایع کرنے کیلئے روانہ بھی کرچکا تھا مگر یہ سمجھتے ہوئے واپس منگا لیا کہ غالباً اس میں جو دقیق علمی تحقیقات اور نازک ترین مجتہدات ہیں عام دلچسپی کو وابستہ نہ کیا جاسکے گا اگرچہ میرا طبعی انداز تحقیقی اس ہی میں جھلکتا تھا مگر اس میں بھی شک نہیں کہ میری وہ محنت عام لوگوں کے لیئے دلچسپی کا باعث نہ ہوسکتی تھی اس لیئے اس سادگی پر اترنا پڑا جو پرکاری در آغوش نہ تھی وہ بھی میرا ہی گناہ تھا اور یہ بھی میرا ہی گناہ ہے اس لیئے معذرت طلبی شاید نتیجہ خیز نہ ہوسکے گی ـــــ ابو النظر رضوی

سعادة قريش بسببه فالنبوة عمت كل الأحمر والأسود وستويان فيما يرجع الى الفيض الذي هو من باب النبوة ولذلك عما اقتضت المصلحة الكلية عموم سلطنة الترك الهمهم التدين بدين الاسلام واما سعادة قريش فسببها كانت خلافتهم الى زمان طويل

برتری۔ نبوت ہر رنگ ونسل کے لیے یکساں تھی۔ اپنے عمومی فائدہ کے لحاظ سے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حکمت الٰہی نے بعض مصالح کے پیش نظر ترک قوم کو شہنشاہیت سپرد کرنا چاہی تو اُن کے دل میں مذہب اسلام اختیار کرنے کی تڑپ پیدا کردی۔ لیکن قریش کی بزرگی کا سبب اُن کے درمیان بہت دنوں تک حکومت کا رہنا ہے۔

والذي اعتقده انه ان اتفق غلبة الهنود مثلاً على اقليم هندوستان غلبة مستقرة عامة وجب في حكمة الله ان يلهم رؤسائهم التدين بدين الاسلام كما الهم الترك وذلك مستعب على علوم نبوته والخلاف كونه صاحب ملته۔

وہ چیز جس پر میرا وجدان گواہی دیتا ہے یہ ہے کہ اگر کسی سیاسی انقلاب کا تقاضا یہ ہوا کہ ہندو ہندوستان یا اس کے ملحقات پر بھی حکومت کریں اور حکومت بھی مستقل اور ہمہ گیر قسم کی ہو تو یقیناً خدا کے قانون کا فیصلہ یہی ہوگا کہ ہندو لیڈر اسلام قبول کریں گے جیسے کہ ترکوں نے قبول کرلیا تھا کیونکہ عموم نبوت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب ملت ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ایسا نتیجہ پیدا ہو

اس کے معنی جیسا کہ آپ سمجھ رہے ہوں گے اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتے کہ اگر سیاسی انقلاب کوئی ایسی کروٹ لیتا ہے جس میں ہندوستانی ہی ہندوستان پر حکومت کرسکتے ہوں تو مسلمانوں کو اکثریت واقلیت کی ذہنی کشمکش قبول کرنے سے انکار کردینا چاہیے۔ ہندوستان یا تو کسی نہ کسی شہنشاہیت کا غلام رہے گا ورنہ جمہوری حکومت قائم ہونے کی صورت میں ہندوستان کی فضاؤں میں اسلامی پرچم ہی لہرا سکتا ہے بالشویزم، نازی ازم یا ہندوازم کا پرچم نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ایک اشتراکی اپنے نصب العین کی صداقت پر اعتماد رکھتا اور اس ہی نظریہ کو معاشی زندگی کا آخری حل یقین کرتا ہے لیکن بدنصیب مسلمان ہی کو اس چیز پر ذرہ برابر ایمان نہیں کہ اسلام نے جو بہترین نظریہ حیات کائنات انسانی کے لیے اختراع کیا تھا اور جس کے سوا کوئی دوسرا نظریہ فطرت انسانی کی تشنگی نہیں بجھا سکتا وہ ہی ملی زندگی کی ہر گتھی کو سلجھا سکتا ہے سیاست و معاشرت کا کوئی پہلو اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک اسلام کے ناخن تدبیر سے عقدہ کشائی کا مطالبہ نہ کیا جائے گا اگر ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ اسلام کے قانون حیات کو پوری روشنی میں لے آیا جائے آج ہر نظریہ اپنے قانونی دفعات کی تشریح کر رہا ہے مگر ایک اسلامی قانون ہی ایسا ہے جس کا معاشی، سیاسی و مدنی قانون موجودہ شعوری رجحانات کے سایہ میں دنیا کے سامنے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ نہ اس کے کوئی معنے نہ نکلے کہ یہ نامکمل

قانون اپنی تکمیل کا دعویٰ کر رہا ہو لیکن قدرت کا مکمل قانون ہی اپنی تشنگی کیلئے ہر سراب نظر کا محتاج ہو۔

آج آپ اکثریت کے زعم باطل سے کانپ رہے ہیں لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان کو آزادی نصیب ہوتے ہی حسب ذیل حقائق سے اسلامی ہند کا دو چار ہونا قوانین فطرت کے نا قابل تبدیل فیصلوں میں سے ایک ہے۔

(۱) مسلمان کی وہ دولت اور وہ برتری جس کا نام تجارتی ذہنیت تھا دوبارہ دامن میں آجائے گی اور آپ تاریخ کو مطالعے سے معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ ہی وہ ساز تھا جس نے ایک طرف مسلمان کو دنیا کے ہر گوشہ تک پہونچنے پر آمادہ کیا تھا اور دوسری طرف عالم انسانی کی فطرت سے واقف کرتے ہوئے اخلاقی نکات کے عملی فوائد سے بھی آشنا ــــ اور اس ہی بنا پر ہر مسلمان اپنی جگہ پر وسعت نظر کے ساتھ ایک بہترین مبلغ کے فرائض انجام دے سکتا تھا آج یہ دولت ہم سے غصب کر لی گئی ہے مگر جب ہماری وراثت ہمیں واپس مل جائے گی تو ہم اس ہی اسٹیج سے دنیا کو پیغام زندگی دے رہے ہوں گے جہاں سے ہم ہمیشہ جرأت، رواداری، سچائی اور نیک عملیوں کا پیغام دیتے رہے تھے۔ آپ اس نکتہ کو معمولی نہ سمجھیئے تنہا یہ ہی چیز مسلمانوں کو زمین سے آسمان تک اٹھانے کے قابل ہے۔ مسلمان اور اخلاقی شعور دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں، مگر اقتصادی مجبوریوں نے اس کے ذہن و وجدان کو ماؤف کر دیا اور وہ اس قابل نہ رہا کہ خود اپنی ہستی ہی کو سنبھال سکے کجا یہ کہ دوسری قوموں کو دعوت عمل دے۔ لیکن جب یہ کانٹا جو اس کی زندگی کے ہر پہلو میں کھٹک رہا ہے نکل جائے گا تو دنیا میں کونسی قوم ہے جو اس کی پاکیزہ اور بلند ترین ذہنیت کا مقابلہ کر سکے گی۔ کاش اسلامی فطرت کے نازک ترین محاسن اور مسلمانوں کی ماحولی کمزوریوں کا احساس ہمارے نوجوانوں کو ہوتا تو وہ کبھی کسی دوسرے نظریہ کے قدموں پر سجدہ کرنا گوارہ نہ کر سکتے تھے۔ مگر مجھے اس کا بھی کچھ خوف نہیں کیونکہ وقت کی وہ آواز جو ابھی دور سے آرہی ہے عنقریب خواب کے نشہ میں چور نوجوانوں کو تھپکیاں لے لے کر جگا دے گی اور پھر انہیں کوئی طاقت خواب گراں کی آغوش سے دوبارہ تر دامن نہ کر سکے گی اور وہ ہی ہماری عید کا پہلا دن اور ہماری تاریک شام کی تابناک صبح ہوگی۔

(۲) ہم غلامی کی بنیاد پر آج کوئی بین الاسلامی محاذ قائم نہیں کر سکتے مگر جب ہم اس قابل ہو جائیں گے تو ہماری طاقت نا قابل شکست اور ہمارا اقتدار نا قابل انکار حد تک پہونچ جائے گا۔ آپ شاید اس چیز سے پوری طرح واقف نہ ہوں گے کہ ہمارے برادران وطن انفعالی ذہنیت رکھتے ہیں، ہر درخت، ہر دریا اور ہر مار و کژدم کے سامنے سجدہ کرنے والی قوم کیا آپ کے نزدیک مسلمانوں کی اخلاقی طاقت سے اثر پذیر ہوئے بغیر رہ سکتی ہے؟ پھر بین الاسلامی اتحاد سے ہمارے برادران وطن کو بین الاقوامیت کا صحیح مفہوم بھی سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی، اور ہندوؤں میں بین الاقوامی ذہنیت کا پیدا ہو جانا ہی ہندوستان میں اسلام کی پہلی اور آخری فتح ہوگی۔ چھوت چھات، مذاہب پر محققانہ نگاہ سے گریز، صدہا خدا بنا لینے کی بنا پر لامرکزی ذہنیت کا عذاب اور اس کی تاریک ترین پستی اُن کو محسوس ہونے لگے گی اور وہ ہر لمحہ غور کرنے پر اسلامی تعلیم، اسلام کی انقلابی تحریک اور اسلام کے ہر ذہنی ارتقا سے وابستہ ہوتے ہوئے آخراس دعوتِ حق

پیغام الٰہی اور پائندہ درسِ حیات سے سبق لینے لگیں گے جسے ہماری اصطلاح میں اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) آج غلامی نے مسلمانوں کو علمی تحقیقات، اجتہادی نظریات اور انقلابی تحریکات سے جہاں تک بے بہرہ بنادیا ہے اس کا اندازہ آپ کو اسلامی قلعوں (مذہبی مدارس) اسلامی سوسائٹی بلکہ اسلامی ہند کے ہر گوشہ کی افیون خوردگی سے ہوسکتا ہے۔ نہ جدید علوم حاصل کرنے کا ذوق ہے، نہ جدید ذہنیت کے سانچہ میں قدیم نظریات کو ڈھال سکنے کی تمنا، نہ مقلدانہ ذہنیت اجتہادی نظریات کو گوارا کرتی ہے۔ نہ اسلام کے وسیع ترین نظام حیات کے ہر پہلو پر تسیح کرنے کا کوئی تعتو زندگی کی لہر دوڑاتا ہے لیکن اگر ہندوستان آزاد ہو جائے تو یقین رکھیئے کہ یہ ساری فضا یکسر تبدیل ہو جائے گی ترقی کی اُمنگ تبلیغ کا ولولہ اور "خیر امت" ہونے کا یقین۔ اُن تمام کمزوریوں کو دور کر دے گا جن کے لیئے آج کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی اور مسلمانوں کا یہ ہی شعوری ارتقاء نہ صرف مسلمانوں کو زندہ تر بنانے میں کامیاب ہوگا بلکہ ہماری ہمسایہ قوم کو بھی مطالعہ اور تنقید کی دعوت دے گا۔ جس کی بنیاد پر وہ ایسی زندگی کی تعمیر کرسکیں گے جسے انقلاب وتغیر کا کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکیگا

اس ہی نوع کے چند در چند اسباب وعلل ہیں جو ہندوستان پر اسلامی حکومت کے پرچم کو لہرانے کے ذمہ دار کہلائے جاسکتے ہیں لیکن اس ہی کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ یہ سب کچھ مکمل آزادی اور استقلال حکومت کے نتائج ہیں جن کو غلامی کے زمانے میں دہرانے سے کوئی خاص فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا دوسرے آپ کو تاریخ کے مطالعہ نے شاید یہ بھی بتادیا ہوگا کہ ترک پہلے دفعہ ہی میں ایمان نہیں لے آئے تھے انھوں نے بھی مسلمانوں سے زبردست جنگ کی تھی، تاریخی تباہی سے آشنا کیا تھا، علم، دولت اور حکومت غصب کر سکنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اگر مسلمان ان کا ہر سیاسی اور علمی محاذ پر مقابلہ کرسکنے کے ناقابل ہوتے اور اپنی مستقل زندگی کو قایم نہ رکھ سکتے تو ہرگز ترک قوم ردِّ عمل کے قانون کا کوئی اثر قبول نہ کرسکتی ـــ ہمارا یہ فرض ناقابل فراموش ہے کہ ہم تنازع للبقاء کی جنگ میں کامیاب ہو سکنے کی طاقت اور زندہ رہ سکنے کی صلاحیت کا ثبوت دیتے رہیں ورنہ یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ترکستان میں ہوا وہ ہی ہندوستان میں بھی ہو۔ قدرت کا ہر کرشمہ، گوناگوں استعدادات سے وابستہ ہے جب تک ہم زندہ رہ سکنے کی صلاحیت سیاسی طاقت کی تقسیم باہمی تقسیم سے نہ پیدا کرتے رہیں گے نتائج ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔ پاکستان کا جہاں تک آئینی نظریات سے تعلق ہے اس کو ایک بہترین لائحہ عمل کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا رہا پاکستانی اسکیم کا عملی نظریہ ہونا نہ ہونا یہ ہر شعوری نظریہ کی طرح ایثار وقربانی کے جذبات اور قوم کے احساس خودداری پر موقوف رہے گا اگر مسلمان مرکزی حکومت میں ناقابل انکار سیاسی اقتدار نہ قایم کرسکیں تو یہ قدرت کا ظلم یا اسکیم کا نقص نہیں بلکہ تغیر النفس کی دعوت قرآنی قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہوگا۔

شاید یہ ایک سوال پیدا ہو کہ اگر ہر قوم کا مستقل حکومت تک پہونچ کر مسلمان ہوجانا ضروری ہے تو مغربی اقوام مسیحیت سے اسلام کی طرف کیوں آج تک رجوع نہ ہوسکیں۔ اس لئے میں اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ قرآن نے ہمیں بتادیا ہے کہ چونکہ یہودیوں نے حضرت عیسٰے اور اُن کے متبعین پر مظالم کیئے تھے اس لئے خدا نے اس کا ردّعمل عیسائیوں ہی کے ہاتھوں سے ضروری قرار دیتے ہوئے یہ وعدہ کیا کہ عیسائیوں کی حکومت ہمیشہ رہے گی تاکہ اس ظالم قوم کو سکون واطمینان کی زندگی سے آشنا نہ ہونے دیا جاسکے اور چونکہ بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جیسا کہ اُنھوں نے تفہیماتِ الٰہیہ میں تصریح کی ہے کہ موجودہ عیسائیوں کے پاس حکومت صرف اس لیئے ہے کہ خدا نے عیسائیوں سے حکومت کا وعدہ کیا تھا اور آج باوجود ہزار کمزوریوں کے اگر کسی گروہ کو عیسائی کہا جاسکتا ہے تو وہ یہی ہیں بنابریں اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیئے اس ہی قوم کا انتخاب کرنا پڑا دوسرے مسلمان چونکہ عدل پرست فطرت پہ پیدا کیئے گئے تھے اس لیئے وہ اس غرض کو پورا کرنے کے واسطے کسی طرح موزوں بھی نہ ہوسکتے تھے۔

شاہ صاحبؒ کا دوسرا سیاسی نظریہ آمریت اور ڈکٹیٹرشپ کے بارے میں ہے۔ اگرچہ آج تک قرآن کی آیات کو مغربی جمہوریت پر ہی چسپاں کیا جاتا رہا مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلامی آمریت مغربی آمریت سے ترقی یافتہ تھی یا یوں کہنا چاہیئے کہ آمریت اور جمہوریت دونوں کے درمیان ایک بہترین سیاسی محاکمہ تھا۔ شاہ صاحبؒ اپنی تصنیف البدور البازغہ میں ڈکٹیٹر کو "امام حق" سے تعبیر کرتے اور اجتماعی زندگی کا تنہا اس کو ہی ضامن قرار دیتے ہیں۔

تیسرے شاہ صاحبؒ تمام اسلامی طبقات کی اصلاح وتنظیم اور اُن کی صنعتی ترقیات کو بھی نہایت اہم چیزوں میں سے شمار کرتے ہیں بلکہ ان کے مکاشفات کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس انقلابی دور کے لیئے صنعت و مزدوپیشگی ہی کو "ملاء اعلیٰ" کی مرضیات بتاتے ہیں یعنی ہمارے زمانے میں خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے محنت پیشہ طبقات کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس زمانہ کیلئے خدا اور اس کے مرکزی قانون کا منشاء یہ ہی ہے۔ افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی کی بنا پر مذکورہ علمی نکات پر بھی سیر حاصل بحث نہیں کرسکتا کجا یہ کہ شاہ صاحب کی علمی خصوصیات پر کوئی مقالہ علم وتحقیق کے سایہ میں ترتیب دیئیے کی کوشش کی جائے۔

باسمہ سبحانہ

عقیدت کے پھول

بدرگاہ شاہ ولی اللہ دہلوی

(از مولانا قاری عبد العزیز صاحب شوقی اسعدی انبالوی فاضل دیوبند)

اے شہ عالمانِ دین شیخ جہانِ علم و فن
فخر گروہ اولیاء راس ائمۂ زمن

شاہ و گدا سبھی کو تھا تیرا وجود رہنما
دہر میں ہر حرف ترا بحر کرم تھا موجزن

تیری زبان فیض سے غلغلہ ہائے معرفت
تا بہ جبل پہنچ گئے گونج اٹھا ہر ایک بن

ہند میں کس نے یا دیا تھا شغل حدیث مصطفیٰ
[illegible]

آپ نے عام کر دیا فلسفہ دین پاک کا
آپ ہیں صدر بزم علم آپ ہیں میر انجمن

سارے علوم آپ کے گوشۂ چشم کے مطیع
زورِ عمل بھی آپ میں ساحرہ قوت سخن

قرنِ کبیر آپ کے تبحر کثیر کی دلیل
مہر میں آپ کا وجود حجت رب ذو المنن

آپ کے گھر سے زندہ پھر ہو گئی سنت جہاد
نصرت حق میں آپ کا وقف تھا مال و جان و تن

پیر علم کو کربلا حکم خدا سنا دیا
دار کا خوف کچھ کیا غم بند و رسن

جذبہ حریت کو بھی آپ نے زندہ کر دیا
اور سکھا دئے ہمیں عزت نفس کے چلن

بات وہ دلنشیں کہی غیر بھی جس پہ جھک گئے
تیرے کمال کے معترف ہیں سبھی شیخ و برہمن

جس کے جواب کے لئے دنگ ہے امت فرنگ
تو نے دیا ہے وہ ہمیں درس سیاست مدن

آپ جہاں سے کیا اٹھے رنگ جہاں بدل گیا
یعنی کہ بزم خاص کی بجھ گئی شمع ضو فگن

جو تیرے در پہ آ گیا تشنہ لبی سے چھٹ گیا
چشمۂ فیض بن گیا آپ کا ہر ایک تن

پیدا ہوا نہ آج تک ہند میں ثانی آپ کا
ہیں ہی گزر گئے تمام ہر کی زندہ [illegible]

تیری صفت میں ہر زباں خامۂ شوق ہے رواں
تیری ثنا میں تر زباں جلوہ [illegible]

در گہ شہ میں خستہ پھول لایا ہے شوقی ملول
پائیں جو رتبہ قبول دل اسی وقت ہو مگن

امام شاہ ولی اللہ اور حنفیت

(از جناب مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری استاذ جامعہ اسلامیہ و رفیق مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بہت سے قرون اور ممالک اسلامیہ میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی۔

حضرت موصوف، بقول حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند ان افراد امت میں سے ہیں کہ سرزمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لیے یہ فخر کافی تھا۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی اور علمی و عملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے مثلاً حضرت ممدوح کی جامعیت اور تبحر، دقت نظر، ظاہری و باطنی علوم کا حیرت انگیز اجتماع، مکاشفات و کرامات، تصنیف و تالیف، ترجمہ قرآن کی بنیاد، نصاب حدیث کی تاسیس، درس کی اصلاح۔ اسرار شریعت کی دل نشین اور موثر تشریح، کلام تصوف فلسفہ اخلاق اور نظام حکومت میں ان کے خاص خاص قابل قدر نظریات اصول تفسیر و اصول حدیث میں خاص خاص تحقیقات جہاد کا جوش، حکومت اسلامیہ کی خلافت راشدہ کے اصولوں پر تشکیل و تاسیس وغیرہ وغیرہ اتنے کمالات و خصائص ہیں جو اہل نظر و فکر کے لیے اور اہل دل و اہل ذوق ارباب قلم کیلئے کافی جولانگاہ تحقیق و تدقیق ہیں۔ — حضرت موصوف کیا تھے؟ خدائے تعالٰی کی ایک حجت قاطعہ تھی جو بارھویں صدی میں ہندوستان میں ظاہر ہوئی، میری بساط ہی کیا ہے کہ میں ارباب نظر کیلئے شاہ صاحب کے کمالات کے کسی شعبہ پر ایسا لکھ سکوں کہ حق ادا ہوسکے تاہم حصول سعادت کیلئے ایک موضوع پر کچھ اظہار رائے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ عصر حاضر کے ذوق کے پیش نظر مجھے کوئی دلچسپ موضوع اختیار کرنا چاہیئے تھا مگر مندرجہ ذیل امور نے مجھے عنوان مندرجہ بالا پر کچھ اظہار کرنے کیلئے مجبور کیا۔

(۱) حنفیت حقیقت میں ایک شرعی نظام قانون ہے جس کو اصحاب درایت اور ائمۂ مذہب نے نظام عالم کیلئے صالح ترین قانون سمجھا اور آخرت کیلئے ایک نافع ترین ذریعہ نجات و وسیلہ سعادت خیال کیا۔

(۲) ہند اور بیرون ہند کے مخالف تقلید حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کو بھی امام ابن حزم ظاہری علامہ ابن القیم اور خاص شوکانی کی طرح عدم تقلید کیلئے ایک رکن رکین سمجھا بلکہ تقلید اور بالخصوص حنفیت کا دشمن ظاہر کیا اور

(۳) حضرت موصوف کی بعض تالیفات میں بعض ایسی عبارات بھی موجود ہیں جس نے ایک سطحی النظر شخص دیانت داری کے ساتھ حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق یہ رائے قایم کرسکتا ہے۔

اس موقع پر مناسب ہوتا کہ کچھ تفصیلی نظر اجتہاد و تقلید پر ڈال سکتا تاکہ کسی قدر واضح ہوجاتا کہ حضرت شاہ صاحب مجتہد تھے یا مقلد لیکن مضمون بہت طویل ہوجائے گا اس لیے اس کے متعلق چند اشارات ہی پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ اشارات بھی نہایت مجمل ہوں گے، لیکن انشاء اللہ اہل علم کے لیے وہ کافی بھی ہوں گے:۔

۱۔ اگر قدما میں سے قاضی بکار اور امام طحاوی اور ابوبکر خصاف اور ابوبکر جصاص، قاضی ابوزید دبوسی شمس الائمہ سرخسی وغیرہ وغیرہ اور متاخرین میں سے امیر کاتب اتقانی، علاء الدین ماردینی، ابن الہمام ابن امیر الحاج، قاسم بن قطلوبغا وغیرہ مقلد ابوحنیفہ ہوسکتے ہیں حالانکہ یہ حضرات بھی اپنے خصوصی مختارات رکھتے ہیں تو پھر حضرت شاہ صاحب کا انہی کی طرح حنفی ہونا کیوں مستبعد ہے۔

نیز جبکہ قاضی اسماعیل، حافظ ابن عبدالبر، قاضی ابوبکر بن عربی، حافظ اصیلی، ابن رشد کبیر مالکی ہوسکتے ہیں۔ اور دارقطنی، بیہقی، خطابی۔ ابوالمعالی امام الحرمین، غزالی، ابن عبدالسلام، ابن دقیق العید وغیرہ شافعی ہوسکتے ہیں، اور علیٰ ہذا جبکہ ابن جوزی ابن قدامۃ، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ حنبلی ہوسکتے ہیں، تو پھر اسی درجہ میں حضرت شاہ صاحب کو مقلد مذہب حنفی ماننے میں کیا اشکال ہوسکتا ہے۔

۲۔ جولا کسی امام صاحب مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قایم کرے تو علماء امت میں اس کو اتباع و تقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا قریبًا سب مذاہب کے علماء میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں) بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں۔

۳۔ پس اگر آپ نے تقلید کے وسیع حدود کو ان اشارات اور امثلہ سے کچھ سمجھ لیا ہے تو پھر حضرت شاہ صاحب کی عبارات و ملفوظات سے یہ سمجھنا آپ کے لیے آسان ہوجائے گا کہ حضرت ممدوح حنفی تھے یا غیر حنفی،

۴۔ اجتہاد و تقلید کے سمجھنے کے لیے ایک حد تک حضرت شاہ صاحب کی تالیف "عقد الجید فی الاجتہاد و التقلید" عربی میں، اور اردو میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی کتاب "الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد" اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ کی کتاب ایضاح الادلہ کی دفعہ پنجم کافی و شافی ہیں۔

۵۔ ہر محدث کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ فقیہ بھی ہو جیسا کہ ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری نہیں نیز تفقہ کا علم تحدیث سے کہیں زیادہ مشکل ہے اس کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل دو واقعے پیش کرتا ہوں۔

۱۔ حافظ حدیث ابوعمر ابن عبدالبر مالکی اندلسی (المتوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں فرماتے ہیں کہ امام حدیث اعمش (سلیمان بن مہران) کی مجلس میں ایک شخص آیا اور اعمش سے کوئی مسئلہ دریافت کیا

آپ کہاں جب ندوے سکے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ تشریف رکھتے ہیں فرمایا کہ کہئیے نعمان! کیا ہے جواب؟ امام ابو حنیفہ نے فوراً جواب دیا۔ امام اعمش نے پوچھا کہ ابو حنیفہ! تم نے کہاں سے یہ جواب دیا ابو حنیفہ نے فرمایا کہ آپ ہی نے تو مجھے فلاں حدیث اپنی سند سے بیان کی تھی اُسی سے یہ مسئلہ اس طرح نکلتا ہے الخ امام اعمش یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمانے لگے :۔

نحن الصیادلۃ و أنتم الأطباء (۱)	ہم تو عطار ہیں طبیب تو آپ لوگ ہیں

نیز امام ابن عبد البر اسی کتاب میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اعمش نے امام ابو یوسف سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا ابو یوسف نے جواب دیا آپ نے فرمایا یعقوب! (امام ابو یوسف کا نام ہے) تم نے یہ کہاں سے کہا؟ فرمایا اُس فلاں حدیث سے جو آپ نے ہی مجھ سے بیان فرمائی ہے۔ اعمش فرمانے لگے :۔

یا یعقوب انی لاحفظ ھذا الحدیث من قبل ان یجتمع ابواک ما عرفت تاویلہ الی الآن (۲)	یعقوب! یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ آپ کی والدین جمع بھی نہ ہوئے ہوں گے لیکن آج تک اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

اور یہ اعمش وہ جلیل القدر امام ہیں جن کے متعلق امام بخاری کے اُستاذ علی بن المدینی فرماتے ہیں :۔

حفظ العلم علی ائمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ستۃ عمرو بن دینار بمکۃ والزھری بالمدینۃ وابو اسحاق السبیعی والاعمش بالکوفۃ وقتادۃ ویحیی بن ابی کثیر بالبصرۃ (۳)	امت محمدیہ کیلئے چھ محدثوں نے علم محفوظ کیا عمرو بن دینار نے مکہ میں زہری نے مدینہ میں اور ابو اسحاق و اعمش نے کوفہ میں اور قتادہ و یحییٰ بن ابی کثیر نے بصرہ میں

۴۔ امام حدیث ابو محمد الرامہرمزی اپنی کتاب "المحدث الفاصل" میں فرماتے ہیں :۔

عن انس بن سیرین اتیت الکوفۃ فرأیت فیھا اربعۃ آلاف یطلبون الحدیث واربعمائۃ قد فقھوا اھ (۴)	انس بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں کوفہ آیا تو مشتغلین بالحدیث چار ہزار پائے اور فقہ صرف چار سو کو آیا تھا

اب تو شاید ہر منصف کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ فقہ کتنی مشکل چیز ہے اور صرف محدث بننے سے فقیہ نہیں بن سکتا اس قسم کے سیکڑوں نہیں ہزاروں واقعات سے اسلام کا علمی ذخیرہ بھرا پڑا ہے اس تمہید کے بعد میں اصلی مقصد کی طرف آرہا ہوں۔

(۱) مختصر جامع بیان العلم ص ۱۸۲

(۲) مختصر جامع بیان العلم ص ۱۸۵

(۳) تہذیب التہذیب لابن حجر ص ۲۲۳ ج ۴

(۴) مقدمہ نصب الرایہ ص [illegible]

حضرت شاہ کا مسلک انکی تالیفات کی روشنی میں

(۱) تفہیمات الٰہیہ ص۱۲۵ و ص۱۲۹ ج ۱ میں فرماتے ہیں:

انّ تشعب الدین طرقاً و مذاهب وکون الامة فیها احزاباً متحزبة ... انهم علیٰ هالی خاصتهم وعامتهم. فمن اهل الله من کشف له عن ارتباط کل قول نطق به فقیه من فقهاء الاسلام بالشریعة المجابیة علی صاحبها الصلوات والتسلیمات ولم یکشف له عن الجادة القدیمة التی اقامها الله تعالیٰ للسادة ورضی لهم .... فسکت عن ترجیح بعض الاقوال علی بعض وحمل اختلافها علی العزیمة والرخصة

ومن اهل الله من تراءی له الجادة القویمة التی تؤدی الی ظاهر الشریعة والتی توارثها جماهیر المسلمین عن جهابذة التابعین عن کبار الصحابة والتابعین عن النبی صلی الله علیه وسلم کالتناول بالید او لم یتوارثوا توارثاً مثل ذلک ولکنه اشبه شیٔ بما توارثوه ... فرأی المتکلم فی ترجیح الراجح نصراً للدین وذباً عنه کاکثر الفقهاء والمحدثین ثم تشدد بالعوافیه. ومن اهل الله من کشف له عن الامرین فسلمهما کلیهما علی معنی انهما من دائرة الشرع وان المتعبد بهما فی فسحة من دینه متدین لله تعالیٰ معذور عند غیره وان الفضل للجادة القویمة وهی المرضیة عند الله تعالیٰ کل الرضا۔

ومن اعظم نعم الله تعالیٰ علیّ ان جعلنی من الحزب الثالث وکشف لی عن اصل الشریعة و عن تبیانها الحاصل علی لسان النبی صلی الله علیه وسلم ثم عن تبیان تبیانها الحاصل علی السنة الصحابة والتابعین ثم عن ایضاحها وتدوین اصولها وفروعها الحاصل علی ایدی المجتهدین المتقدمین ثم عن شرح مذاهبهم واقاویلهم والتخریج علی قواعدهم الحاصل علی ایدی المتاخرین من الفقهاء فی کل مذهب، فکشف لی عن کل ذلک بترتیبه الواقع فی نفس الامر ... فرأیت کل قول قیل فی الدین مرتبطاً باصل الشریعة بواسطة او بغیر واسطة۔

چونکہ مضمون خالص علمی ہے اور صرف اہل علم ہی اس سے استفادہ کرسکتے ہیں اور وہی اس کے مخاطب بھی ہیں اس لیۓ شاہ صاحب کے تراجم درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور جتنا حصہ اس کا عام فہم ہوسکتا ہے وہ مولانا خیر محمد صاحب کے اوس مضمون کے بعد متصلاً درج ہے ۱۲ نعمانی غفرلہ

پھر ص۱۵۱ (ج اوّل) میں فرماتے ہیں

(۲) فکان من اعظم نعم اللّٰہ تعالیٰ ان کشف لی عن حقیقۃ حال المذاہب وحال المتقید ببعضہا وحال من اراد الانتقال الی مذہب بعد ما کان متقیداً بمذہب آخر، وحال من اخذ فی بعض المسائل بمذہب وفی البعض الآخر بمذہب آخر، وھل خیّر الشارع اولزم کل واحد اَن یلتزم مذہباً واحداً؟

پھر ص۱۵۳ ج ا میں فرماتے ہیں:۔

(۳) وکشف لی اَن الاختلاف علی اربعۃ منازل: اختلاف مردود ولیس لقائلہ ولمقلدہ من بعدہ عذر وھذا قلیل الوجود فی المذاہب الاربعۃ المدونۃ، واختلاف لقائلہ عذر ما لم یبلغہ حدیث صحیح دال علی خلافہ فاذا بلغہ فلا عذر لہ، واختلاف مقبول قد خیّر الشارع المکلفین فی طرفیہ تخییراً ظاہراً مطلقاً کالاحرف السبعۃ من القرآن واختلاف ادرکنا کون طرفیہ مقبولین اجتہاداً واستنباطاً من بعض کلام الشارع صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ والانسان مکلف بہ لا مطلقاً بل یشترط الاجتہاد وتاکد الظن وتقلید من حصل لہ ذلک

اور فیوض الحرمین ص۶۲ میں فرماتے ہیں:۔

(۴) سألتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سوالاً روحانیاً فنفخ الی نفخۃ ...... ونفخ نفخۃ اخری فتبین ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من شمل الامۃ المرحومۃ بک، فایاک ان تخالف القوم فی الفروع فانہ مناقضۃ لمراد الحق ثم کشف انموذجا ظہر لی منہ کیفیۃ تطبیق السنۃ بفقہ الحنفیۃ من الاخذ بقول احد الثلاثۃ وتخصیص عموماتھم والوقوف علی مقاصدہم والاقتصار علی ما یفہم من لفظ السنۃ ولیس فیہ تاویل بعید ولا ضرب بعض الاحادیث ببعض ولا رفض الحدیث صحیح بقول احد من الامۃ وھذہ الطریقۃ ان تمّہا اللّٰہ وکملہا فھی الکبریت الاحمر والاکسیر الاعظم۔

پھر ص۴۸ میں فرماتے ہیں:۔

(۵) عرفنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ وذلک ان یؤخذ من اقوال الثلاثۃ قول اقربہم بہا فی المسألۃ ثم بعد ذلک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث (۱) فرب شیء سکت عنہ الثلاثۃ

(۱) فیوض الحرمین کے ایک قلمی نسخہ میں جو کہ مکہ معظمہ میں عبدالستار صاحب کے کتب خانہ میں ہے یہاں پر اتنی زیادتی موجود ہے: کالحافظ ابی جعفر الطحاوی ۱۲ منہ عفی عنہ

فی الاصول وما تعرضوا النفیہ ودلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ والکل مذہب حنفی اھ

پھر صفحہ ۶۳ میں فرماتے ہیں :-

(۶) واستفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ امور خلاف ما کان عندی........ وثانیہا الوصاۃ بالتقید بہذہ المذاہب الاربعۃ لا اخرج منہا، والتوفیق ما استطعت وجبلتی تأبی التقلید وتأنف منہ رأسا لکن شیئ طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی اھ

پھر اسی کے صفحہ ۱۰۳ میں فرماتے ہیں :-

(۷) اعلم ان الملل والمذاہب توصف بالحقیقۃ بالمعنیین احدہما جلی والآخر دقیق یری من بعد .... وکذلک معنی حقیۃ المذہب ان یکون احکامہ مطابقۃ لما قالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفس الامر ولما کان القرون المشہود لہا بالخیر، وان کانت المسألۃ لا نص فیہا ولا روایۃ فحقیقتہا ان تکون محفوفۃ بقرائن تورث غالب الظن بان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تکلم فی المسألۃ لما نطق بغیر ہذا....... وکذلک المذہب ربما یکون العنایۃ المتوجہۃ الی حفظ ملۃ حقۃ متوجہۃ الی حفظ مذہب خاص بأن یکون حفظۃ المذہب یومئذ ہم القائمون بالذب عن الملۃ وہذا المعنی الدقیق لا یوقف علیہ الا بالنور النبوی.... فنقول تراءی لی أنّ فی المذہب الحنفی سرا غامضا ثم لم ازل اتحدق فی ہذا السر الغامض حتی شاہدت أنّ لہذا المذہب یومنا ہذا رجحانا علی سائر المذاہب بحسب ہذا المعنی الدقیق اھ

اور حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۳ ج ۱ میں فرماتے ہیں :-

(۸) ومما یناسب ہذا المقام التنبیہ علی مسائل ضلت فی بوادیہا الافہام وزلت الاقدام وطغت الاقلام، منہا ان ہذہ المذاہب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الأمۃ او من یعتد بہ منہا علی جواز تقلیدہا الی یومنا ہذا وفی ذلک کلہ من المصالح ما لا یخفی لا سیما فی ہذہ الایام التی قصرت فیہا الہمم جدا واشربت النفوس الہوی واعجب کل ذی رأی برأیہ فما ذہب الیہ ابن حزم حیث قال التقلید حرام ولا یحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا برہان......... انما یتم فیمن لہ ضرب من الاجتہاد ولو فی مسألۃ واحدۃ وفیمن ظہر علیہ ظہورا بیّنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بکذا ونہی عن کذا وانہ لیس بمنسوخ الخ

عقد الجید میں ص۳۱ سے لے کر وہیں تک اسی مضمون کو نہایت وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے

اور حجۃ اللہ ص۱۵۶ ج ۱ میں فرماتے ہیں

(۹) ومنها ان التخریج علی کلام الفقهاء وتتبع لفظ الحدیث لکل منهما اصل اصیل فی الدین ولم یزل المحققون من العلماء فی کل عصر یأخذون بهما فمنهم من یقل من ذا ویکثر من ذاک ۔ ۔ ۔ فلا ینبغی ان یهمل امر واحد منهما ۔ ۔ ۔ وانما الحق البحت ان یطابق احدهما بالآخر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اھ

اور تفہیمات الٰہیہ ص۲۰۸ ج ثانی میں فرماتے ہیں :-

(۱۰) ونحن نأخذ من الفروع ما اتفق علیه العلماء لاسیما هاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیة والشافعیة وخصوصاً فی الطهارة والصلوٰة فان لم یتیسر الاتفاق واختلفوا فنأخذ بما یشهد له ظاهر الحدیث ومعروفه ونحن لا نزدری احداً من العلماء فالکل طالبو الحق ولا نعتقد العصمة فی احد غیر النبی صلی اللہ علیه وسلم الخ

اور تفہیمات الٰہیہ ص۲۰۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں :-

(۱۱) لیس منا من لم یتدبر کتاب اللہ ولم یتفهم حدیث نبیه صلی اللہ علیه وسلم، لیس منا من ترک ملازمة العلماء اعنی الصوفیة الذین لهم حظ من الکتاب والسنة او الراسخین فی العلم الذین لهم حظ من التصوف، او المحدثین الذین لهم حظ من الحدیث او الفقهاء الذین لهم حظ من الفقه اھ

نیز تفہیمات ص۲۴۴ ج ۲ میں ایک وصیت کے ذیل میں فرماتے ہیں :-

(۱۲) و در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث و دائما تفریعات فقہیہ بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن الخ

نیز اسی تفہیمات ص۱۱۵ ج ۲ میں فرماتے ہیں :-

(۱۳) فاذا رفع الیه قضیة فله ان یجتهد فیها برأیه ویتحرّی الصواب فان کان قد سبق فیها حکم لجماعة فعلیه ان لا یجاوزه وهی القیاس والاجماع الخ

(**فائدہ**) اس عبارت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک جو اہل اجتہاد بھی ہو اگر اس کے سامنے بھی کوئی ایسا نیا قضیہ پیش کیا جائے کہ علماء سابقین کا اس کے متعلق کوئی حکم موجود ہو اس سے تجاوز نہ کرے۔

نیز اسی صفحہ میں فرماتے ہیں ـــــــ واذا انتحل رجل امرًا ووافق ظناتٌ فلا تجاوز عنه وهو الاجماع ولیلا ظنیا

ولا قیاس ولا اجماع فی ما سوی ذلک۔"

اور اسی تفہیمات کے ص۲۱۳ ج ۱ میں فرماتے ہیں:۔

(۱۵) "ان تصرت افہامکم فلتستعینوا برأی من مضی من العلماء ما ترونہ احق واصرح واوفق بالسنۃ"

اور حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۲ ج ۱ میں حضرت شاہ صاحب اپنے مسلک کی وضاحت مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

(۱۶) وھا انا بریٔ من کل مقالۃ صدرت مخالفۃ لآیۃ من کتاب اللہ او سنۃ قائمۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او اجماع القرون المشہود لھا بالخیر او ما اختارہ جمہور المجتہدین و معظم سواد المسلمین فان وقع شیٔ فانہ خطاء رحم اللہ من ایقظنا من سنتنا او نبھنا من غفلتنا اما ھؤلاء الباحثون بالتخریج والاستنباط من کلام الاوائل المنتحلون مذھب المناظرۃ والمجادلۃ فلا یجب علینا ان نوافقھم فی کل ما یتفوھون بہ ونحن رجال وھم رجال والامر بیننا وبینھم سجال اھ

ان تمام مذکورہ اقتباسات سے بآسانی ہم عمومی طور پر حسب ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:۔

۱۔ مذاہب اربعہ کی تقلید کرنا چاہیے بالخصوص شر و فساد کے اس دور و اتباع ہوی کے اس زمانہ میں اس شخص کے لیے جو براہ راست کتاب و سنت سے استنباط نہ کر سکتا ہو ان مذاہب کی تقلید میں بہت سے مصالح ہیں۔

۲۔ کسی فقہی قیاسی مسئلہ میں اگر سلف کا کوئی قول موجود ہو اور اس کے علم میں کسی صحیح حدیث سے مخالف نہ ہو تو اسے ماننا ضروری ہوگا۔

۳۔ اگر ائمہ کے اقوال یا کسی ایک امام کے اقوال میں اختلاف ہو تو جو مسلک کتاب و سنت سے زیادہ قریب ہو اس کو اختیار کرنا چاہیے۔

۴۔ مذاہب اربعہ میں بہت کم ایسا کوئی مسئلہ ملے گا جس کی کوئی دلیل موجود نہ ہو یا اس کے قائل یا اس کے مقلد کو معذور نہ سمجھ سکیں۔

۵۔ غور سے یہی معلوم ہوا کہ حنفی مذہب آج کل باقی مذاہب سے زیادہ بہتر ہے۔

۶۔ حنفی مذہب کی تقلید میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ ابو یوسف محمد بن الحسن تینوں ائمہ کے اقوال میں سے اُس کو لیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو اور یہ مذہب حنفی کی تقلید کے مخالف نہیں۔

۷۔ صرف حدیث ہی پر قناعت کر کے فقہ سے بے بہرہ رہنا یا صرف فقہ پر کفایت کر کے حدیث سے محروم رہنا یہ غلو ہے افراط و تفریط ہے جو درست نہیں دونوں کو ملانا اور ان میں تطبیق دینا ضروری ہے اور یہی بہترین طریقہ ہے۔

۸۔ کسی دلیل قوی کی وجہ سے اگر کوئی مقلد اپنے امام کا مسلک چند مسائل میں ترک کر دے تو یہ تقلید کے

منافی نہیں۔

۹۔ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی کتب ظاہر الروایۃ میں موجود نہ ہو اور حدیث میں مذکور ہو تو اس کو ضرور لینا ہوگا اور یہ مذہب حنفی کی تقلید کے خلاف نہ ہوگا۔

ایک مثال سے اسکی وضاحت | چنانچہ شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ ص۱۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں :۔

"ومن قال مذهب ابی حنیفة رحمہ اللہ ترک الاشارۃ بالمسبحۃ فقد اخطأ ولا یعضدہ روایة ولا درایة قالہ ابن الھمام نعم لم یذکرہ محمد فی الاصل وذکرہ فی الموطأ ووجدت بعضھم لا یمیز بین قولنا: لیست الاشارۃ فی ظاھر المذهب، وقولنا ظاھر المذهب انھا لیست"

یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ نہ کرنا چاہیئے اس نے غلطی کی کیونکہ یہ عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے جیسا کہ ابن الہمام نے فرمایا: ہاں امام محمد نے اس مسئلہ کو مبسوط میں ذکر نہیں کیا (جو ظاہر الروایۃ کی کتابوں میں سے ہے) لیکن موطا میں اس کو ذکر فرمایا، اور دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ فقہا کی ان دو تعبیروں میں فرق نہیں کرسکتے۔

(۱) اشارہ ظاہر مذہب میں نہیں (۲) ظاہر مذہب یہ ہے کہ اشارہ نہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا مسلک | یہ تو شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارات کے عمومی نتائج یا آپ کے اصولی نظریات تھے ان کے علاوہ انہی اقتباسات سے ہم حضرت شاہ صاحب کے مسلک کے بارے میں خصوصی طور پر مندرجہ ذیل نتائج پر بھی پہونچتے ہیں:۔

۱۔ ائمہ اربعہ کے اختلافات کے بارہ میں آپ کی پوری تشفی ہوگئی ہے اور ان کا صحیح منشا بھی سمجھ گئے ہیں۔

۲۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی ہے کہ مذاہب اربعہ کے دائرے سے باہر نہ نکلیں اور جہاں تک ممکن ہو ان میں تطبیق دیں۔

۳۔ آپ کو اپنے طبعی رجحان یا میلان کے خلاف ان مذاہب کی تقلید پر مامور کیا گیا

۴۔ آپ کو حکم دیا گیا کہ فروعی مسائل میں بھی حنفیہ کے خلاف نہ کریں جب تک صراحۃً کسی حدیث کی مخالفت نہ ہو

۵۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اتنے علم وفہم سے نوازا جس کے ذریعہ ہندوستان میں رائج حنفیت کی اصلاح کرسکیں عام حنفی علماء کے غلو سے جو اس کے حقیقی خدوخال چھپ گئے ہیں اس کو واضح کرسکیں۔

۶۔ حنفیہ اور شافعیہ جس پر متفق ہوں اس پر آپ ضرور عمل کرتے ہیں اگر ان میں اختلاف ہو تو اس جانب کو اختیار کرتے ہیں جس کی تائید حدیث سے ہوتی ہو۔

۷۔ آپ مجتہدین امت کی اتباع ضرور کرتے ہیں متاخرین کی تخریجات جو وہ قدماء کے کلام سے کرتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ

اسے بھی آپ قبول کریں۔

ان نتائج میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ایک فقیہ النفس حنفی محدث ہیں اور ان فقہاء محدثین کے زمرے میں ہیں جو قوی و ضعیف صحیح و غلط اور راجح و مرجوح میں پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرسکتے ہیں یہ ظاہر کہ ہندوستان میں اس درجہ کا کوئی حنفی محدث اور فقیہ النفس محقق دوسرا پیدا نہیں ہوا۔

حتی الوسع آپ حنفی مذہب ہی میں اس قول کو اختیار کرتے جو حدیث اور دوسرے مذاہب سے متفق ہو۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ میں شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر اور آپ کے دو محقق شاگرد حافظ حدیث قاسم بن قطلوبغا اور محقق ابن امیر الحاج جو تفقہ نفس کے ساتھ تبحر حدیث اطلاع رجال فی جرح و تعدیل اور اصول فقہ وغیرہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی اپنی خاص رائے رکھتے ہیں اسی طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کا بھی شمار ہونا چاہیئے بعض مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے خلاف کرنا جیسے مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اور اس کے باوجود ان کو فقہاء حنفیہ ہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مسائل و احکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے خلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کا عام مذہب حنفی تھا اور فتوحات اسلامیہ سے لیکر سلطان محمد شاہ کے آخری وقت تک یہی قانونی مذہب رہا سلطان عالمگیر اورنگ زیب رحمہ اللہ نے فتاوی عالمگیریہ تدوین کرایا ان مدونین میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بھی شامل تھے اور آخری اسلامی دور کا یہی ہندوستان میں قانون رہا۔ ہندوستان کے حنفی محدثین میں شیخ محمد عابد سندھی صاحب "المواهب اللطيفة على مسند ابی حنيفة" و "طوالع الانوار شرح الدر المختار" وغیرہ و شیخ محمد ہاشم سندھی، شیخ عبدالغفور سندھی، شیخ محمد قائم سندھی، شیخ ابوالحسن سندھی اور حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ نیز آپ کے جانشین شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور السید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی جو تبحر حدیث وغیرہ میں کچھ کم نہیں سب حنفی المذہب ہی ہیں حضرت شاہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز حنفی محدث آپ کے جانشین رہے اور شاہ عبدالعزیز کی جانشینی شاہ محمد اسحاق آپ کے نواسے نے کی اور شاہ اسحاق کے مسند نشین شیخ عبدالغنی مجددی ہوئے یہ سب بھی حنفی المسلک محدث تھے۔

شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے سمجھنے کیلئے آپ کی علمی تاریخ کا پیش نظر ہونا بھی ضروری ہے جس کا مختصر خلاصہ ہے کہ حضرت ممدوح نے شروع میں حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم وغیرہ علماء سے علوم حاصل کیئے اور فقہ حنفی پڑھا اور جب تک ہندوستان میں تھے اور حرمین شریفین کی زیارت کو نہیں گئے تھے آپ پر فقہ حنفی کا اثر تھا، ۱۱۴۳ھ میں جب مدینہ منورہ پہونچے اور شیخ ابوطاہر کردی شافعی سے تلمذ ہوا تو اس کے بعد فقہ شافعی کا اثر بھی ساتھ ہوگیا اور کتاب الام جو امام شافعی کی کتاب ہے اس کے مطالعہ سے فقہ شافعی کا اثر اور بڑھتا گیا۔ آخر میں امام مالک

کی کتاب موطا کی طرف بہت توجہ ہوئی اور اس کی عربی و فارسی میں دو شرحیں مختصر لکھیں اور اس کی وجہ سے مذہب مالکی کا اثر بھی آپ پر پڑا ـــــ لیکن آپ اکثر امام مالک کا مذہب موطا کی روایتوں ہی کو ٹھہراتے ہیں حالانکہ فقہ میں بہت سے موطا کے اقوال مہجور ہیں اور مذہب میں داخل نہیں۔

امام احمد کا مذہب حقیقت میں امام شافعی کے مذہب کی فرع ہے بلکہ ظاہر تبعیت و اجتہاد میں ایک شاخ ہے مشکل سے امام احمد کا کوئی ایسا قول ملے گا جو مذہب شافعی میں کوئی روایت اس کے مطابق نہ ہو غرض اس طرح سے آپ کی طبیعت پر مذاہب اربعہ کی فقہ اثر انداز ہوتی گئی اور اس کی خواہش ہوئی کہ ایک ایسا جامع مسلک اختیار کیا جائے جس کے ذریعہ مذاہب میں تطبیق و توفیق ہو جائے، سارے احکام کے ذخیرہ میں بیس مسائلے ایسے نہیں ملیں گے جس میں امام ابوحنیفہ متفرد ہوں، یا ابوحنیفہ کا کوئی قول یا ابو یوسف و محمد کا کوئی قول امام شافعی کے موافق موجود نہ ہو اس لیے آپ نے جامعیت مذاہب کا یہ مسلک اختیار کیا لیکن اس طرح پر کہ اس جامعیت کو اختیار کر کے بھی آپ حنفی رہ سکیں کیونکہ "وایاك ان تخالف القوم فی الفروع" (خبردار اپنی قوم یعنی اہل ملک کی فروعی مسائل میں مخالفت نہ کرنا) آپ کو سرکار مدینہ کا حکم مل چکا تھا جیسا کہ فیوض الحرمین کے مذکورہ بالا اقتباسات میں گزر چکا۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شاہ صاحب کا ایک مکتوب "کلمات طیبات" کے ص۱۶۱ پر دیکھا جو کچھ میں لکھ چکا ہوں اس مکتوب سے اور اس [illegible] بہ نکلتی ہے ممکن ہے کسی کو کچھ غلط فہمی ہو جائے اس لیے نقل کر کے چند جملے عرض کروں گا

سوال آنکہ عمل تو در مسائل فقہیہ بر کدام مذہب ست؟

"گفتم بقدر امکان جمع می کنم در مذاہب مشہورہ مثلاً صوم و صلوٰۃ و وضو و غسل و حج بوضعے واقع می شود کہ ہمہ اہل مذاہب صحیح دانند و عند تعذر الجمع باقوی مذاہب از روے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل می نمایم۔ و خدائے تعالیٰ ایں قدر علم دادہ است کہ فرق میان ضعیف و قوی کردہ شود و در فتوی بحال مستفتی کار میکنم مقلد ہر مذہبی کہ باشد او را از ہماں مذہب جواب می گویم خدائے تعالیٰ بہر مذہبے از مذاہب مشہورہ معرفتے دادہ است الحمد للہ تعالیٰ" اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ مجتہد مطلق نہ تھے بلکہ ان محدثین و فقہاء امت میں سے تھے جو مذاہب کے احکام و ادلہ سامنے رکھ کر قوی و ضعیف کا فیصلہ بخوبی کر سکتے ہیں ورنہ جو شخص درجہ اجتہاد مطلق کو پہنچ جائے اس پر تقلید دوسرے کی حرام ہو جاتی ہے وہاں تو اس کی گنجائش نہیں نکلتی کہ بنا بر احتیاط مذاہب میں تطبیق و توفیق دیتے ہیں۔ پس یہ جامعیت کا مسلک ہی خود ہمیں بتلا رہا ہے کہ آپ مجتہد نہ تھے ورنہ جواب میں صاف فرما دیتے کہ میں اپنے عصر کا خود مجتہد ہوں کسی خاص مذہب کا پابند نہیں بلکہ غور سے کچھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بجائے کسی ایک مذہب کے اتباع کے مذاہب اربعہ اور بالخصوص حنفیہ و شافعیہ سب کا اتباع ایک حد تک ضروری سمجھتے ہیں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ عوام

امت کیلئے اپنے اپنے مذاہب کی تقلید ہی ضروری جانتے ہیں اس لیے استفتا میں مستفتی کا خیال کرتے ہیں اور اس کو اسی کے مذہب کے مطابق فتوے دیتے ہیں اگر آپ مجتہد ہوتے تو اپنی رائے کے مطابق جس کو صحیح خیال فرماتے وہی جواب دیتے بہرحال مدارک اجتہاد کا سمجھنا بھی ہم جیسوں کا کام نہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کے لیئے یہ فخر کافی ہے کہ مختلف فضائل و کمالات کے ساتھ مدارک اجتہاد ائمہ کی منشاء اختلاف کو وہ سمجھتے ہیں اور ترجیح و تمیز بہ بصیرت کے ساتھ قادر ہیں خلاصہ یہ ہے کہ آپ مفتی فقیہ، اور فقیہ محدث کے درجہ میں ایک جلیل القدر دقیق النظر فقیہ واسع الاطلاع محدث ہیں، اس موضوع کے اطراف و جوانب ابھی بہت کچھ تشنہ تحقیق ہیں، نیز حضرت شاہ صاحب کے مسلک کے متعلق آپ کی تصنیفات میں بہت کچھ ذخیرہ اس کے علاوہ بھی موجود ہے۔ لیکن اس وقت اس فرصت میں اسی مختصر مضمون پر کفایت کرتا ہوں توقع ہے کہ اہل علم و طلبہ کیلئے بصیرت سے خالی نہ ہوگا وَاللہ وَلی التوفیق والھدایۃ۔

احناف و اہل حدیث کی نزاعی مسائل کی کتابیں

ایضاح الادلہ مصنفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز جو مندرجہ مسائل کیلئے حقائق و معارف کا بحر ذخار ہے (۱) رفع یدین (۲) آمین بالجہر (۳) زیر ناف ہاتھ باندھنا (۴) قرأت فاتحہ خلف الامام (۵) وجوب جمعہ کی شرائط (۶) تقلید شخصی کی اہمیت (۷) حقیقت ایمان (۸) امام صاحبؒ کے متعلق ارجاء کے الزام کی تردید (۹) ائمہ مجتہدین اور اولیاء امت کے اقوال ثابت مناقب و فضائل امام اعظمؒ (۱۰) قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نفاذ کی شرعی و عقلی بحث (۱۱) حکومت اسلامیہ کی حقیقت (۱۲) اسلامی حکومت اور حکومت الہی (۱۳) اسباب ملک و حقیقت ملک (۱۴) بیع فاسد اور باطل کا فرق اور نتیجہ (۱۵) نکاح محارم (۱۶) مسئلہ قلتین و ماء کثیر کی متعلق ائمہ ثلاثہ کے مذاہب کی بے نظیر تفسیر و غیرہ وغیرہ سیدنا حضرت شیخ الہند کا اسم گرامی ان کے مضامین کی رفعت دلائل کی قوت اور انکی تمام معجز نما خوبیوں کے لیئے زبردست ضمانت ہے۔ عرصہ سے نایاب تھی اب صحت اور حسن طباعت کے کافی اہتمام کے ساتھ طبع کرائی گئی ہے۔ سائز $\frac{20 \times 26}{8}$ صفحات ۴۲۰۔ قیمت صرف دو روپیہ رعایتی ۱۲؍

ادلۂ کاملہ اہل حدیث کے دس اعتراضات کا نہایت عالمانہ جواب اور پھر انہی کی طرف سے گیارہ سوالات از حضرت شیخ الہندؒ ۲؍

انصاف مع ترجمہ اردو کشاف مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تقلید کے متعلق شاہ صاحب نے بطور محاکمہ او رانصاف کے لکھا ہے اور اس میں دو صدی کے بعد تقلید کا وجوب ثابت کیا ہے قیمت ۸؍

عقد الجید تقلید کے متعلق از حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ (عربی) مع ترجمہ اردو۔ قیمت ۸؍

الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد تقلید کے بارہ میں نہایت ہی منصفانہ تحقیق از حضرت تھانوی مدظلہ۔ قیمت ۴؍

سبیل الرشاد دربارہ آمین بالجہر۔ رفع یدین وغیرہ اور تقلید شخصی کا اثبات از حضرت مولانا گنگوہیؒ قیمت ۳؍

الدلیل المحکم ۱؍ **ہدایۃ المعتدی** ۳؍ **اوثق العریٰ** ۱؍

الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح ۲۰ تراویح کا مسنون ہونا ثابت کیا ہے از حضرت مولانا گنگوہیؒ قیمت ۱؍

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور تقلید

(از جناب مولٰنا خیر محمد صاحب مدرسہ خیر المدارس جالندھر)

[یہ مضمون مولٰنا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری کے مندرجہ مقالہ کو دیکھنے کے بعد اسکی تذییل کے طور پر لکھا گیا ہے]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واقعی سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ العزیز کے علو مرتبت اور دقتِ مسلک پر نظر کرتے ہوئے بجز اسکے کچھ نہیں کہا جاسکتا ۔

راہ ہے دشوار منزل دور تر پاشکستہ کیا کرے کیونکر چلے ؟

مگر اللہ تعالٰے جزائے خیر دے حضرت الحاج مولٰنا محمد یوسف صاحب بنوری ادام اللہ فیوضہم کو جنہوں نے تقلید و حنفیت کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کے مسلک کو انہی کی عبارات سے ایک حد تک واضح کرنے میں پوری کوشش فرمائی ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ مولٰنا موصوف کے مضمون کی تشریح میں بطور تذییل بلا تکرار حوالجات چند سطور لکھ کر ہدیہ ناظرین کروں۔

میرے خیال میں کسی بزرگ کے مسلک کو واضح کرنے کے لیئے خود ان کے اقوال اور ان کے عمل کے متعلق معتبر شہادات سے بڑھکر قوی دلیل نہیں ہوسکتی۔ میں نے بھی اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اصل مدعا کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کی حقیقت کے متعلق مختصراً کچھ عرض کر دیا جائے تاکہ ناظرین کرام بصیرت کے ساتھ میرے معروضات پر غور کرسکیں واللہ الموفق ،

تقلید کی تعریف قاضی محمد علی تھانویؒ بعض شروح حسامی سے نقل فرماتے ہیں

التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل الخ (کشاف اصطلاحات الفنون ص۱۱۷۸)

یعنی تقلید (اصطلاح میں کہتے ہیں) کسی آدمی کا دوسرے کے قول یا فعل کی محض حسن عقیدت سے اتباع کرنا (ایسی اتباع) جو ابتداءً دلیل میں غور کرنے پر مبنی نہیں،

تقلید کا اچھا یا برا ہونا معتقد فیہ کے احوال پر موقوف ہے، اگر معتقد فیہ غیر مطیع (فاسق و فاجر یا مشرک و کافر) ہو تو تقلید حرام و قبیح ہے۔ قرآن و حدیث میں اسی کی ممانعت جا بجا وارد ہے۔ اور اگر معتقد فیہ مطیع اور لائق اتباع

(امام و مجتہد ہو تو تقلید حسن اور بعض حالات میں واجب ہے۔ قرآن و حدیث اسی کی تاکید سے مملو ہیں۔ اور یہی امت مرحومہ میں رائج و مشہور ہے۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی تقلید کے معتقد و مادح بلکہ قائل و عامل ہیں چنانچہ آئندہ عبارات سے یہ چیز روز روشن کی طرح واضح ہو جائیگی۔

تشریح مفہوم تقلید از قول شاہ صاحبؒ

ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا فى ذلك على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا فى كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم الخ (عقد الجيد ص۳۱)

یعنی معرفت شریعت میں تمام امت نے بالاتفاق سلف پر اعتماد (و اعتبار) کیا ہے۔ چنانچہ تابعینؒ نے صحابہ پر اعتماد کیا۔ اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا۔ اسی طرح ہر ہر طبقہ میں پچھلے علماء پہلے علماء پر اعتماد و اعتبار کرتے چلے آئے ہیں۔

تقلید شخصی و غیر شخصی

مطلق تقلید دو قسم پر ہے شخصی و غیر شخصی۔ جو مذہب کسی خاص مجتہد کی طرف منسوب ہو۔ اس کے جملہ مسائل مفتیٰ بہا اور راجحہ کو قبول کرکے اپنے عمل کے لیئے کافی سمجھنا تقلید شخصی ہے۔ اور ایک سے زائد مذاہب کے مسائل کو معمول بہا ٹھیرا لینا تقلید غیر شخصی ہے۔

تقلید غیر شخصی کا رواج

ائمہ اربعہؒ کے مذاہب کی تدوین و تشہیر سے قبل دوسری صدی کے آخر تک تقلید غیر شخصی کا رواج قایم رہا حتیٰ کہ صحابہ رض و تابعینؒ میں بھی اس کا دستور تھا۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے عہد میں تقلید غیر شخصی

(۱) لان الناس لم يزالوا من زمن الصحابة الى ان ظهرت المذاهب الاربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير من احد يعتبر انكاره ولو كان ذلك باطلاً لانكروه (عقد الجيد ص۳۲)

کیونکہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے لیکر چار مذہبوں کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور (رواج) رہا ہے کہ جو عالم (مجتہد) مل جاتا اسی کی تقلید کر لیتے اور کسی معتبر آدمی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ اور اگر یہ تقلید باطل ہوتی تو وہ لوگ ضرور اس پر اعتراض کرتے۔

(۲) ورد بان اعتقاد افضلية الامام على سائر الائمة مطلقاً غير لازم فى صحة التقليد اجماعاً لان الصحابة والتابعين كانوا يعتقدون ان خير هذه الامة ابو بكر ثم عمر وكانوا يقلدون

یعنی اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں کہ (میرا) امام باقی تمام ائمہ پر مطلقاً فضیلت رکھتا ہے اس لیئے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل حضرت ابو بکرؓ ہیں اور پھر حضرت عمرؓ

فی کثیر من المسائل بخلاف قولهما ولم ینکر علی ذلک احد فکان اجماعاً علی ما قلناه

(عقد الجید ص۲۷)

باوجود اس کے بہت سے مسائل (اختلافیہ) میں ان دونوں کی رائے کے خلاف دوسرے صاحبوں کی تقلید کر لیا کرتے تھے۔ اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا

(۳) فعند ذلک صار لکل عالم من علماء التابعین مذهب علی حیاله فانتصب فی کل بلد امام

(انصاف ص۳۱)

پس اس وقت تابعین علماء میں سے ہر عالم (مجتہد) کے لیے مستقل مذہب ہوا۔ اور اس طرح گویا ہر شہر میں ایک امام پیدا ہو گیا۔

تقلید شخصی کا رواج | پھر جب ائمہ مجتہدین کی فقہ بطون اوراق میں مدوّن ہونا شروع ہو گئی تو جن غیر مجتہد لوگوں کو مذاہب مدوّنہ میسر آگئے انھوں نے تقلید شخصی کو اپنے عمل کے لیے کافی سمجھا لہٰذا دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی کا رواج شروع ہو گیا۔ اور جہاں مذاہب مدوّنہ میسر نہ آئے وہاں پہلو بہ پہلو تقلید غیر شخصی بھی چلتی رہی۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

(۱) وبعد المائتین ظهر فیهم التمذهب للمجتهدین باعیانهم۔ وقل من کان لا یعتمد علی مذهب مجتهد بعینه وکان هذا هو الواجب فی ذالک الزمان۔

(انصاف ص۵۹)

اور دو صدیوں کے بعد لوگوں میں خاص خاص مجتہدین کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا اور ایسے آدمی بہت کم تھے جو مجتہدین کے مذہب (کی تقلید شخصی) پر اعتماد نہ رکھتے ہوں۔ اور اس وقت یہی واجب ہو گیا تھا۔

(۲) اعلم ان الناس کانوا قبل المائة الرابعة غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد بعینه

(حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۲ ج۱)

یعنی چوتھی صدی سے پہلے سب لوگ صرف تقلید شخصی ہی پر جمع نہ ہوئے تھے بلکہ بعض لوگوں میں اس وقت تقلید غیر شخصی کا بھی وجود تھا جیسا کہ "انصاف" کی مذکورہ صدر عبارت سے معلوم ہو چکا ہے۔)

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار | ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ) کے مذاہب کی فقہ جب مدوّن ہو کر مشہور ہو گئی تو چوتھی صدی کے اندر انہی چار مذاہب میں تقلید شخصی منحصر ہو گئی اور کسی کو اس میں خلاف نہ رہا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة کان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنها خروجاً عن السواد الاعظم (عقد الجید ص۳۸)

یعنی جب بجز مذاہب اربعہ دوسرے مذاہب حقہ معدوم ہو گئے تو انھیں چاروں کا اتباع "سواد اعظم" کا اتباع ٹھیرا۔ اور ان سے نکلنا "سواد اعظم" سے نکلنا ہوا۔

مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کا انحصار بالہام الٰہی | آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید شخصی بلحاظ حفاظت دین

اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور الہامی راز ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرٌّ الهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون او لا يشعرون۔ (انصاف ص۶۰)

خلاصہ یہ کہ مجتہدین کے مذہب کی پابندی (یعنی تقلید شخصی) ایک راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علماء (کے قلوب میں) الہام فرمایا اور ان کو اس پر جمع فرمادیا خواہ (اس تقلید شخصی کی خوبیاں) وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی کے جواز پر امت کا اجماع

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد بها منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۳ ج۱)

تمام اُمت نے یا امت کے قابل اعتبار افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع کیا ہے۔

غیر مجتہد کیلئے تقلید مجتہد کا وجوب

حضرت شاہ صاحبؒ امام بغوی محدث رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:۔

ويجب على من لم يجمع هذه الشرائط تقليده فيما يعن له من الحوادث (عقد الجید ص۸)

یعنی جو شخص شرائط اجتہاد کا جامع نہیں۔ اس پر واجب ہے کہ پیش آنیوالے حوادث میں مجتہد کی تقلید کرے۔

تقلید شخصی میں دینی فوائد

حضرت شاہ صاحبؒ کثرت فوائد دینیہ کی طرف ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وفي ذلك (التقليد) من المصالح ما لا يخفى لا سيما في هذه الايام التي قصرت الهمم جدا واشربت النفوس الهوى واعجب كل ذي رأي برأيه (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۳ ج۱)

یعنی اس تقلید شخصی میں بہت سے فوائد ہیں جو مخفی نہیں، بالخصوص اس موجودہ دور میں جس میں کم ہمتی بے اندازہ ہے اور نفوس خواہش پرستی میں مستغرق ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی رائے پر مغرور ہو رہا ہے۔

تفقہ سے بے بہرہ "اہل حدیثوں" کی مذمت

ناما هذه الطبقة الذين هم اهل حديث والا ثر فلان الاكثرين منهم انما كدهم الروايات وجمع الطرق وطلب الغريب والشاذ من الحديث الذي اكثره موضوع او مقلوب لا يراعون المتون ولا يتفهمون المعاني ولا يستنبطون سرها ولا يستخرجون ركازها وفقهها وربما عابوا الفقهاء وتناولوهم بالطعن

لیکن یہ طبقہ جہّال الحدیث و الاثر (بعرف حال "اہلحدیث" یا غیر مقلد) کہا جاتا ہے تو ان میں سے اکثر کی پوری کوشش و اور انتہائی جدو جہد ہوتی ہے بس روایات کا بیان کرنا اور سندوں کا جمع کرنا اور غریب و شاذ حدیث کا تلاش کرنا جو اکثر موضوع یا مقلوب ہوتی ہے یہ لوگ نہ تو الفاظ حدیث کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ معانی سمجھتے ہیں اور نہ اُن کے راز کو استنباط کر سکتے ہیں اور نہ ان کے اسرار و فقہ کو نکال سکتے ہیں

وادعوا عليهم مخالفة السنن ولا يعلمون انهم عن مبلغ ما اوتوه من العلم قاصرون وبسوء القول فيهم آثمون ۔ (انصاف ص۵۹)

اور بعض اوقات فقہائے کرام پر عیب لگاتے ہیں ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اور ان پر مخالفت سنت (و حدیث) کا دعویٰ کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ فقہا کو جس قدر علم دیا گیا ہے وہ خود اس سے قاصر ہیں اور فقہاء کی بدگوئی سے سخت گنہگار ہوتے ہیں۔

وصیت نبویہ متعلق تقلید مذاہب اربعہ شاہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:۔

واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلاثة امور خلاف ما كان عندى... وثانيهما الوصاة بالتقيد بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها الخ (فیوض الحرمین ص۴۸)

مجھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تین ایسی باتیں معلوم ہوئیں کہ میرا خیال پہلے اُن کے خلاف تھا...... (انہیں سے) دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ ان مذاہب اربعہ ہی کی تقلید کروں اور ان سے باہر نہ جاؤں۔

بارگاہ نبوت سے مذہب حنفی کو ترجیح اسی فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:۔

عرفنى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان فى المذهب الحنفى طريقة انيقة هى اوفق الطرق بالسنة المعروفة التى جمعت ونقحت فى زمان البخارى واصحابه الخ (فیوض الحرمین ص۴۸)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی

ہندوستان میں عوام کیلئے مذہب حنفی کی تقلید کا ترک کرنا حرام ہے فرماتے ہیں:۔

فاذا كان انسان جاهل فى بلاد الهند وبلاد ماوراء النهر وليس هناك عالم شافعى ولا مالكى ولا حنبلى ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع من عنقه ربقة الشريعة ويبقى سدىً مهملاً۔ (انصاف ص۷۱)

جب ایک عامی انسان علاقہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں رہنے والا ہو۔ جہاں کوئی عالم شافعی اور مالکی اور حنبلی اور ان کی کتب مذہبیہ میسر نہ آسکتی ہوں تو اس پر واجب ہے کہ صرف امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کی تقلید کرے اور ان کے مذہب سے علٰحدہ ہونا اس کے لیے حرام ہے کیونکہ اس وقت شریعت کی رسّی ہی اپنی گردن سے اُتار کر مہمل بیکار رہ جائے گا۔[۱]

---

[۱] شاہ صاحب کے اس ارشاد کی تصدیق ایک منصف مزاج اور خدا ترس اہل حدیث بزرگ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی اس تحریر سے ہوتی ہے فرماتے ہیں:۔ "پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بیدین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے" (رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۲ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء)

یہاں تک مختلف عنوانات کے ماتحت حضرت شاہ صاحبؒ کی کتب سے جو ۱۵ عبارات ذکر کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک نتائج ذیل مسلم ہیں۔

(۱) معرفت شریعت کا سلف کے اتباع (تقلید) اور ان کے اعتماد پر موقوف ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

(۲) صحابہؓ و تابعینؒ کے عہد میں نفس تقلید کا رواج بلا نکیر تھا۔

(۳) افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی تقلید بالاجماع ثابت ہے جبکہ وہ اس کا مستحق ہو۔

(۴) دوسری صدی کے بعد تقلید شخصی کا جاری ہونا اور اس کا اس وقت واجب ہونا۔

(۵) چوتھی صدی کے قبل تک تقلید شخصی کے ساتھ ساتھ تقلید غیر شخصی کا بھی کچھ کچھ پائے جاتے رہنا۔

(۶) مذاہب اربعہ حنفی شافعی مالکی حنبلی کی اتباع سواد اعظم کی اتباع ہے۔

(۷) مذاہب اربعہ کی تقلید شخصی من عند اللہ ایک الہامی راز ہے۔

(۸) مذاہب اربعہ کی جواز تقلید پر اجماع امت ہے۔

(۹) غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے۔

(۱۰) تقلید شخصی میں دینی فوائد بکثرت ہیں۔

(۱۱) ترک تقلید اور فقہاء پر طعن و اعتراض کرنا معصیت اور قصور علم کا نشان ہے۔

(۱۲) مذاہب اربعہ کی تقلید پر پابند رہنے کی وصیت خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی

(۱۳) مذاہب اربعہ کی تقلید کا ترک کرنا منشائے نبوی کے خلاف ہے۔

(۱۴) مذہب حنفی کے "طریقہ انیقہ" موافق سنت ہونے کی شہادت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

(۱۵) ہندوستان کی عوام کے لیے مذہب حنفی ہی کی تقلید واجب ہے اور اس کا ترک حرام، بلکہ نتیجۃً ترک اسلام کو مرادف ہے (والعیاذ باللہ)

سابقہ نقول اور اُن کے ان بدیہی نتائج سے حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلک بخوبی واضح ہوگیا۔ کہ آپ مذاہب اربعہ کو حق اور ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے تھے اور خود حنفی المذہب مقلد تھے..... مگر مزید اطمینان کے لیے حضرت شاہ صاحبؒ کے حنفی المذہب ہونے کے ثبوت میں ذیل کی "دو اہم شہادتوں کو نقل کرکے مضمون ہذا کو ختم کیا جاتا ہے۔

پہلی شہادت | نواب صدیق حسن خانصاحب مشہور اہل حدیث مصنف لکھتے ہیں:۔

ان الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی قد انشا طریقتہ علی عرض المجتہدات علی السنۃ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ اجتہادی مسائل کو قرآن و حدیث پر پیش کرتے ہیں

والکتاب وتطبیق الفقھیات بھما فی کل باب (الی قولہ) وطریقتہ ھذا اکلہ مذھب حنفی الخ (المحلہ ص)

اور مسائل فقہیہ کے ہر ہر باب کو قرآن وحدیث پر تطبیق دیتے ہیں۔۔۔۔ اور ان کا یہ تمام طریقہ مذہب حنفی ہی ہے۔

دوسری شہادت | مولانا محسن تیمی حضرات دہلویہ کی سند کے متعلق لکھتے ہیں :۔

قلت ومن لطائف ھذا الاسناد انہ اجتمع فی اولہ اربعۃ اخرھم ابو عبد العزیز مذکورا فی اربع خصال وذلک انھم دھلویون مسکنا وعمریون صلبیۃ وانھم صوفیۃ اصحاب الزھد والورع وانھم حنفیون علی مذھب النعمان ابی حنیفۃ وصاحبیہ رضی اللہ عنھم الخ

(رسالہ الیانع الجنی ص)

میں کہتا ہوں منجملہ اس سند کی خوبیوں کے یہ امر ہے کہ اس کے شروع میں چار بزرگ جن کے آخر ابو عبد العزیز (شاہ ولی اللہ صاحبؒ) ہیں ایسے ہیں جو چار امور میں شریک ہیں :۔

(۱) وہ چاروں سکونت کے اعتبار سے دہلوی ہیں

(۲) نسبی خاندان کے اعتبار سے عمری (فاروقی) ہیں

(۳) چاروں زاہد پرہیزگار صوفی ہیں

(۴) چاروں امام ابو حنیفہ نعمانؒ (بن ثابت) اور ان کے صاحبینؒ کے مذہب کے موافق "حنفی المذہب" ہیں۔

اُمید ہے کہ ہمارے زمانہ کے جو حضرات کسی غلط فہمی کی وجہ سے یا شاہ صاحب کی کتابوں پر پوری نظر نہ ہونے کے سبب سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو عدم تقلید کا حامی اور خصوصاً "مذہب حنفی" کا مخالف سمجھے ہوئے ہیں بلکہ ہندوستان میں انہی کو اس مسلک "عدم تقلید" کا بانی اور موسس سمجھتے ہیں وہ خود شاہ صاحب کی ان تصریحات اور نواب صدیق حسن خاں اور مولانا محسن تیمی جیسے "شاہدین عادلین" کی شہادت کے بعد اپنے خیال کی اصلاح فرماسکیں گے۔

چونکہ مجھے یہاں مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری کے مقالہ پر صرف تذئیل لکھنی تھی اور ادارہ الفرقان کی طرف سے جگہ بھی محدود دی گئی تھی اس لیے انہی چند سطروں پر اکتفا کرنا ناگزیر رہا، جو صاحب اس موضوع (مسئلہ تقلید) پر مفصل بحث دیکھنا چاہیں وہ راقم الحروف کا رسالہ "خیر التنقید" ملاحظہ فرمائیں جس میں اس مسئلہ کے ہر گوشہ پر کتاب وسنت اور ارشادات سلف کی روشنی میں مفصل اور منقح بحث کرکے اصل حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے۔[۱]

۱؎ "خیر التنقید" ملنے کا پتہ :۔ ناظم مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر شہر (پنجاب) قیمت ۳ر محصول ڈاک ۱ر ۱۲

در مناقب مجدد عصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(از حضرت اثر زبیری لکھنوی)

عارفِ حق نما ولی اللہؒ — صوفیِ باصفا ولی اللہؒ
صاف گو صاف قلب صاف نگر — سر بسر آئینہ ولی اللہؒ
کاشفِ رمز و رازِ اُمّ کتاب — خاتم اولیا رحؒ ولی اللہؒ
نقشبندِ نشانِ عشقِ نبیؐ — ارجمندِ وفا ولی اللہؒ
مصطفےٰؐ ظلِ ذاتِ باری ہیں — ظلِ ظلِ خدا ولی اللہؒ
کشورِ غوثیت میں ہی لاریب — اک شہِ لافتا ولی اللہؒ
یوسفِ مصر یوسف ہمدانیؒ — ہمہ داں باخدا ولی اللہؒ
جس سے باقی کی یاد باقی ہے — وہ نشانِ بقا ولی اللہؒ
ہند تھا ناشناس علم حدیث — تو نے احساں کیا ولی اللہؒ
ذکرِ معنی ذکر فرمودی — سیدی انت یا ولی اللہؒ
ہر خفا کا ازالہ فرمایا — کیا کہوں کیا کیا ولی اللہؒ
حیُ اکلمی تجھ سے دہلی مرحوم — تجھ پہ رحمت سدا ولی اللہؒ
کیوں نہ باطل ہو لرزہ براندام — حق کی شمشیر تھا ولی اللہؒ
ظلمتِ شرک ہو گئی کافور! — مہر چمکا تھا یا ولی اللہؒ
سوزِ عشقِ نبیؐ سے جل بھن کر — کیمیا بن گیا ولی اللہؒ
مرحبا نازِ حق نیازِ عباد — شانِ زین العباؒ ولی اللہؒ
تیرے قبضہ میں درۂ فاروقؓ — اے دلیلِ خدا ولی اللہؒ
دیکھ اے شاہِ مسلکِ رومیؒ — رمِ اہلِ دغا ولی اللہؒ
انقلابات کا خطر کیسا! — تو ہے کوہِ صفا ولی اللہؒ
عشق کیا ہے مجھے نہیں معلوم — میں ہوں تجھ پہ فدا ولی اللہؒ
خدمتِ علم تیری خدمت ہے — پیکرِ علم تھا، ولی اللہؒ
ایک شاعر کا خاتمہ ہو بخیر — کیجیے یہ دعا ولی اللہؒ
اے اثرؔ موجِ شاعری میں نہ بہہ — عبدِ معبود تھا ولی اللہؒ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ

اور ان کے کام کا مختصر تعارف!

[اس نمبر کیلئے ہم نے جو مقالہ قریباً ڈیڑھ سو صفحہ کا شاہ صاحب کی سوانح حیات اور آپ کے مساعی تجدید و اصلاح کی تفصیلات پر تیار کیا تھا، اس کا تذکرہ اور شایع نہ ہوسکنے کی وجہ بھی ابتدائی صفحات میں عرض کی جاچکی ہے اور آئندہ اس کی اشاعت کے متعلق اب جو خیال ہے وہ بھی وہیں ظاہر کیا جاچکا ہے — اس وقت تو صرف انگلی کٹا کے شہیدوں" کی فہرست میں نام لکھوانے کی نیت سے ۲۴ صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کے مضمون لکھنے کے لیئے قلم ہاتھ میں لیا ہے — اتنی سی جگہ میں بھی حضرت شاہ صاحب کے کام کے کسی ایک مخصوص اور محدود شعبہ پر کچھ لکھا جا سکتا تھا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کسی اور مقالہ میں بھی آپ کے "سوانح حیات" مرتب اور مستقل طور پر نہیں لکھے گئے، لہذا اس کمی کے پورا کرنے کے لیئے ضروری معلوم ہوا کہ ان صفحات میں حسب گنجایش اختصار و اجمال کے ساتھ ہی سہی مگر آپ کے "سوانح" ہی لکھے جائیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کی جو "سوانح حیات" ۲۴ صفحے میں لکھی جائے گی وہ "سوانح" نہیں ہوگی بلکہ اس کو "سوانح" کے خلاصہ کا خلاصہ بھی مشکل ہی سے کہا جاسکے گا، لیکن اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ البتہ بعض دوسرے مقالات میں (بالخصوص مولٰنا گیلانی اور مولٰنا سندھی کے مقالوں میں) متفرق طور پر خود شاہ صاحب کے اور آپ کے والد ماجد نیز اساتذہ و مشائخ اور اولاد و احفاد و تلامذہ و مستفیضین کے جو تذکرے اور ان حضرات کے کاموں کی جو تفصیل گزر چکی ہے اُس سب کے ساتھ مل کر یہ خلاصہ بھی انشاء اللہ زیادہ ناقص نہ رہے گا۔

اس مختصر تعارف میں جو چیزیں شاہ صاحب کے حالات سے متعلق ہیں وہ آپ ہی کی تصنیف سے ماخوذ ہیں، اور یہ التزام بھی عدم گنجایش ہی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ "مدیر"]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شاہ صاحب کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی جانب سے امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے — آپ نے اماد فی

ماآثر الاجداد" میں اپنا سلسلہ نسب خود اس طرح بیان فرمایا ہے:-

"فقیر ولی اللہ ابن الشیخ عبدالرحیم ابن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن محمد بن قوام الدین عرف قاضی قازن، بن قاضی قاسم، بن قاضی کبیر الدین عرف قاضی بدہ بن عبدالملک، بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی، بن شیر ملک بن محمد عطار ملک بن ابوالفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار، بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں، بن قریش، بن سلیمان بن عفان، بن عبداللہ، بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔[1]"

ٹھیک طور سے تو معلوم نہیں ہو سکا کہ شاہ صاحب کے اجداد نے سرزمین عرب کب اور کیوں چھوڑی لیکن اوپر کے نسب نامے میں ہمایوں، جرجیس، محمد شہریار جیسے ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم سے پانچ چھ پشتوں کے بعد ہی یہ خاندان غالباً عجم کو اپنا وطن بنا چکا تھا، واللہ اعلم

اگرچہ شاہ صاحب کے ان اجداد میں متعدد ہستیاں خاص شہرت کی مالک اور اپنی مستقل تاریخ رکھنے والی ہیں مگر یہاں ہم عدم گنجائش کی وجہ سے صرف آپ کے دادا شاہ وجیہ الدین شہید سے سلسلہ کلام شروع کرتے ہیں۔

شاہ وجیہ الدین شہید سلطان غازی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی فوج میں ایک نامور مجاہد تھے اور اپنے مجاہدانہ و شجاعانہ کارناموں ہی کی وجہ سے خاص شرف و امتیاز رکھتے تھے "جنگ برادران" میں سلطان غازی کی طرف سے وہ بڑی بہادری سے لڑے تھے۔ اور مرہٹوں سے جہاد ہی کے لیے وہ دکن جا رہے تھے (یا بقول بعض وہاں سے واپس آ رہے تھے) کہ راستہ ہی میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے مقابلہ ہو گیا اور اسی میں شہید ہو گئے — "حیات ولی" کے مصنف مولوی رحیم بخش صاحب نے آپ کا مفصل تذکرہ لکھا ہے یہاں ہم عدم گنجائش کی وجہ سے اُن کے تعارف میں صرف شاہ صاحب ہی کے ایک مختصر مگر بلیغ فقرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ ماآثر اجداد میں ارقام فرماتے ہیں۔

"شاہ وجیہ الدین بکمال تقوی و شجاعت موصوف بودند"

شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کے کسی قدر بلکہ ایک حد تک کافی حالات مولانا گیلانی اور مولانا سندھی کے مقالات میں گزر چکے ہیں، اب یہاں اس پر کسی خاص اضافہ کی ضرورت نہیں، لہٰذا خود شاہ صاحب ہی کا تذکرہ سُنیے:-

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مختصر حالات خود ان کی زبانی

خود شاہ صاحب نے اپنے حالات و سوانح میں ایک مختصر رسالہ بنام "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف"

---

[1] اس نسب نامہ کے بعض ناموں میں کچھ اختلاف بھی ہے لیکن یہاں عدم گنجائش کی وجہ سے اس سے بالقصد کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ ۱۲ م

فارسی زبان میں لکھا ہے ذیل میں پہلے اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے ـــــ فرماتے ہیں :-

بتاریخ ۱۴ر شوال ۱۱۱۴ھ چہارشنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت یہ فقیر پیدا ہوا تاریخی نام عظیم الدین[1] رکھا گیا ولادت سے پہلے خود والدین ماجدین اور چند اولیا و صلحا نے میرے بارہ میں بہت سے بشارتی خواب دیکھے جن کو بعض دوستوں نے مستقل رسالہ "القول الجلی" میں بھی جمع کر دیا ہے ـــــ عمر کے پانچویں سال مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ ساتویں سال والد ماجد نے نماز روزہ شروع کرایا اور اس سال "رسم سنت" عمل میں آئی۔ اور جیسا کہ یاد رہ گیا ہے اسی ساتویں سال میں قرآن پاک ختم ہوا اور فارسی تعلیم شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ دسویں سال شرح ملا جامی پڑھ لی اور مطالعہ کتب کی استعداد پیدا ہو گئی ـــــ چودھویں ہی برس میں شادی کی صورت پیدا ہو گئی اور والد ماجد نے اس معاملہ میں انتہائی عجلت سے کام لیا اور جب سسرال والوں نے والد ماجد کے تقاضوں کے جواب میں سامان شادی تیار نہ ہونے کا عذر کیا تو آپ نے ان کو لکھ بھیجا کہ میری یہ "جلد بازی" بے وجہ نہیں ہے بلکہ اس میں کوئی راز ہے لہذا یہ مبارک کام بلا تاخیر ہی ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ والد بزرگوار کے اصرار سے اسی سال یعنی عمر کے چودھویں ہی برس میں شادی ہو گئی اور وہ راز بعد میں اس طرح ظاہر ہوا کہ نکاح سے تھوڑے ہی دن بعد میری خوش دامن کا انتقال ہو گیا اس سے چند ہی روز بعد میری اہلیہ کے نانا نے وفات پائی، پھر چند ہی دنوں میں عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ فخر عالم نے رحلت فرمائی اور یہ صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ ماجدہ نے (گویا آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم کی پہلی بیوی نے) داغ مفارقت دیا ان صدمات کے ساتھ ہی والد ماجد پر ضعف اور مختلف قسم کے امراض کا غلبہ ہوا اور دیکھتے دیکھتے آپ کی وفات کا سانحہ عظیم بھی پیش آ گیا ـــــ ان حوادث کے پیہم گزر جانے پر معلوم ہوا کہ شادی کے متعلق والد ماجد کی عجلت فرمائی میں کیا راز تھا۔ درحقیقت اگر اس وقت یہ کام اس طرح عجلت سے انجام نہ پاتا تو ان حوادث کی وجہ سے پھر مدتوں بھی اس کا موقع نہ آ سکتا تھا"

شادی سے ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں والد ماجد کے ہاتھ پر میں نے بیعت کی اور مشائخ صوفیہ بالخصوص حضرات نقشبندیہ کے اشغال میں لگ گیا۔ اور توجہ و تلقین اور آداب طریقت

---

[1] نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک منامی بشارت کی بنا پر آپکا نام "قطب الدین" بھی رکھا گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ کو اپنے دوسرے نام سے ہی مشہور کرے چنانچہ آج آپکے ان ناموں (عظیم الدین اور قطب الدین) کا پتہ صرف کتابوں سے چلتا ہے ورنہ عام اسلامی دنیا آپ کو "شاہ ولی اللہ" ہی کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز رہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں چونکہ ایک خاص مصلحت سے اپنا بھی غیر معروف نام "غلام عبدالحلیم" لکھا ہے اس لیئے وہیں بھی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کا غیر معروف ہی نام "قطب الدین" ذکر کیا ہے ۱۲

کی تعلیم و خرقہ پوشی کی جہت سے میں نے اپنی نسبت کو درست کیا۔ اسی سال بیضاوی کا ایک حصہ پڑھ کر گویا ان دیار کے مروجہ نصاب تعلیم سے فراغت حاصل کی والد ماجد نے اس تقریب میں بڑے پیمانہ پر خواص و عوام کی دعوت کی اور مجھے درس کی اجازت دی۔ جن علوم و فنون کا درس اس ملک میں مروج ہے ان میں ذیل کی کتابیں میں نے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ حدیث میں پوری مشکوٰۃ شریف، سوائے کتاب البیوع سے کتاب الاداب تک کے تھوڑے سے حصے کے، اور صحیح بخاری، کتاب الطہارۃ تک، اور شمائل ترمذی کامل ۔۔۔ اور تفسیر میں، تفسیر بیضاوی اور تفسیر مدارک کا ایک حصہ، اور حق تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مجھ پر یہ ہوئی کہ کامل غور و فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعہ کے ساتھ والد ماجد کے درس قرآن میں مجھے حاضری کی توفیق ملی اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا اور یہی میرے حق میں "فتح عظیم" کا باعث ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک،

اور علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ پوری پڑھیں، اور اصول فقہ میں، حسامی اور توضیح تلویح کا کافی حصہ اور منطق میں شرح شمسیہ پوری اور شرح مطالعہ کا کچھ حصہ اور کلام میں شرح عقائد مع حاشیہ خیالی اور شرح مواقف کا بھی ایک حصہ، ۔۔۔ اور سلوک و تصوف میں عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ اور علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور مقدمہ نقد النصوص، اور فن خواص اسماء و آیات میں والد ماجد کا خاص مجموعہ اور طب میں موجز، اور فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ اور نحو میں کافیہ اور اس کی شرح از ملا جامی اور علم معانی میں مطول اور مختصر المعانی اس قدر جتنے پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، اور ہیئت و حساب میں بھی بعض مختصر رسالے پڑھے ۔۔۔ اور الحمد للہ کہ اسی تحصیل کے زمانہ میں ہر فن سے خاص مناسبت پیدا ہو گئی اور اس کے خاص مسائل اور اہم مباحث میرے ذہن کی گرفت میں آ گئے،

میری عمر کے سترھویں سال والد ماجد مریض ہوئے اور اسی مرض میں داصل برحمت حق ہو گئے اور اس مرض وفات ہی میں مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس اجازت میں کلمہ مبارکہ "یدہ کیدی" (اس کا ہاتھ گویا میرا ہی ہاتھ ہے) مکرر ارشاد فرمایا۔

خدا تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضرت والد ماجد جب تک رہے اس فقیر سے بیحد راضی رہے اور اسی رضامندی کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت والد کو جیسی توجہ میری حال پر رہی ایسی ہر باپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں ہوتی، میں نے کوئی باپ، کوئی استاذ اور کوئی مرشد ایسا نہیں دیکھا جو اپنی اولاد یا اپنے کسی شاگرد یا مرید کی طرف اس قدر توجہ اور شفقت رکھتا ہو

جو حضرت والد ماجد کو میرے ساتھ تھی ——— اللّٰھم اغفرلی ولوالدیّ وارحمھما کما ربّیانی صغیرًا و جازھا بکل شفقۃ و رحمۃٍ و نعمۃ منھما علیّ مائۃ الف اضعافھا انک قریب مجیب ۔

پھر حضرت کی وفات کے بعد بارہ سال تک کتب دینیہ اور معقولات کے درس میں اشتغال رہا اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا۔

اور مذاہب اربعہ کی فقہ اور انکی اصول فقہ کی کتابوں اور اُن احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استناد فرماتے ہیں نورِ غیبی کی مدد سے "فقہاء محدثین" کا طریقہ دلنشین ہوا۔ غرض والد ماجد کی وفات سے ۱۲ برس اس طرح گزرنے کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور آخر ۱۱۴۳ھ میں یہ فقیر حج سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی مجاورت اور شیخ ابوطاہر قدس سرہ و دیگر مشائخ حرمین شریفین سے اخذ روایت حدیث کی سعادت حاصل ہوئی ——— مدینہ منورہ کے دوران قیام میں روضہ مقدسہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم میری توجہ کا خاص مرکز رہا اور الحمد للہ کہ مجھ فقیر پر اس قدسی دربار سے فیوض و برکات کی بے پایاں بارش ہوئی ——— نیز اس سفر مبارک میں حرمین شریفین اور عالمِ اسلامی کے بہت سے علمائے کرام کے ساتھ خوب رنگین صحبتوں کا موقع ملا۔ حضرت شیخ ابوطاہر مدنی قدس سرہ کی طرف سے تمام طرقِ صوفیہ کا جامع خرقہ بھی اسی بابرکت سفر میں عنایت ہوا ——— پھر ۱۱۴۴ھ کے آخر میں حج سے مکرر مشرف ہو کر اوائل ۱۱۴۵ھ میں وطن کی طرف واپسی ہوئی اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بفضلہ تعالے صحیح سلامت وطن مالوف دہلی پہنچ گیا ——— بہ تعمیل ارشاد "وَاَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ" بعض خاص الخاص انعاماتِ الٰہیہ کا بھی تذکرہ کرتا ہوں۔

حق تعالےٰ کا عظیم ترین انعام اس ضعیف بندہ پر یہ ہے کہ اس کو "خلعت فاتحیۃ" بخشا گیا ہے اور اس آخری دَور کا افتتاح اُس سے کرایا گیا ہے، اس سلسلہ میں جو کام مجھ سے لیئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ فقہ میں جو "مرضی" ہے اُس کو جمع کیا گیا اور فقہ حدیث کی از سر نو بنیاد رکھ کر اس فن کی پوری عمارت تیار کی گئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام و ترغیبات بلکہ تمامی تعلیمات کے اسرار و مصالح کو اس طرح منضبط کیا گیا کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے یہ کام اس طرح نہیں کیا تھا ——— نیز سلوک کا وہ طریقہ جس میں حق تعالےٰ کی مرضی ہے اور جو اس دورہ میں کامیاب ہو سکتا ہے مجھے اس کا الہام فرمایا گیا اور میں نے اس طریق کو اپنے دو رسالوں "ہمعات" اور "الطاف القدس" میں قلمبند کر دیا ہے۔

ایک کام مجھ سے یہ لیا گیا کہ متقدمین اہل سنت کے عقائد کو میں نے دلائل و براہین سے ثابت کیا اور "معقولیوں" کے شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے ان کو قطعی پاک کر دیا اور اُن کی تقریر بحمد اللہ ایسی کی کہ بعد کسی بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی، علاوہ ازیں کمالاتِ اربعہ ابداع، خلق، تدبیر اور تدلّی کی حقیقت اور نفوس انسانیہ کی استعدادات کا علم مجھے عطا فرمایا گیا اور یہ دونوں ایسے علم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کسی نے ان کے کوچہ میں قدم بھی نہیں رکھا ———

اور حکمت عملی (کہ اس دور کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ بلکہ اسی میں منحصر ہے) مجھے بھرپور دی گئی اور کتاب و سنت و آثار صحابہ سے اس کی تطبیق و تفصیل کی توفیق بھی نصیب ہوئی —— اس سب کے سوا مجھے وہ ملکہ عطا فرمایا گیا جس کے ذریعہ سے میں یہ تمیز کر سکتا ہوں کہ دین کی اصل تعلیم جو فی الحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے وہ کیا ہے اور وہ کون کون باتیں ہیں جو بعد میں اس میں ٹھونسی گئی ہیں، یا جو کسی بدعت پسند فرقہ کی تحریف کا نتیجہ ہیں۔"

اپنے یہ حالات اور حق تعالیٰ کے یہ انعامات بیان فرمانے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اپنی اس تحریر کو ان الفاظ پہ ختم فرماتے ہیں:۔

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ لسانا لما استوفیت واجب حمدہ والحمد للہ رب العالمین ہ	اگر میرے ہر بال کی جگہ زبان ہو جو ہر وقت صرف حمد الٰہی ہے تو بھی حق تعالیٰ کی حمد کا جو حق مجھ پر ہے وہ ادا نہیں ہو سکتا والحمد للہ رب العلمین ہ

شاہ صاحب نے اوپر کی سطور میں اپنے جن خاص کاموں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی تفصیلی حقیقت آپ کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتی ہے۔ اور فی الحقیقت آپ کے کام اور "مقام" کو سمجھنے کے لیے بلکہ "روح اسلام" اور "منشاء الٰہی" اور انفرادی و اجتماعی "اسلامی دستور العمل" معلوم کرنے کے لیے آپ کی مصنفات ہی بہترین ذریعہ ہیں، مگر ہماری بدقسمتی کہ ان میں سے اکثر قطعاً نایاب ہیں بلکہ بہت سی کتابوں کے تو نام تک معلوم نہیں، کافی تعداد میں آپ کی کتابیں ایسی بھی ہیں جو اگرچہ بالکل معدوم نہیں ہوئی ہیں لیکن اب تک اُن کی طبع کی نوبت نہیں آئی اور صرف خاص خاص کتب خانوں میں اُن کے قلمی نسخوں کا پتہ چلتا ہے تاہم جو چھپ چکی ہیں اور متداول ہیں وہ بھی کافی ہیں اور میرا خیال ہے کہ جس کے پاس شاہ صاحب کی صرف یہ مطبوعہ کتابیں ہی ہوں اور وہ اُن سے صحیح طور پر استفادہ کر سکے تو پھر بڑے بڑے "کتب خانوں" سے وہ مستغنی اور بے نیاز ہو سکتا ہے۔

ذیل میں آپ کی صرف اُن تصنیفات کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے جو ہمارے علم میں ہیں، کہ فی الحقیقت ہمارے سامنے ہمارے ہاتھوں میں اور ہمارے لیے آپ کا سب سے بڑا کام یہی ہے۔

(۱) فتح الرحمٰن، یہ فارسی زبان میں قرآن پاک کا وہ ترجمہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان میں ہوا —— نہایت مختصر مگر بہت جامع اور معنی خیز "فوائد" بھی آپ نے اس کے ساتھ میں لکھے ہیں۔ ان "فوائد" کی اہمیت کے متعلق مولنا سندھی اور مولنا ابو الحسن علی ندوی کے مضامین میں کچھ اشارات گزر چکے ہیں۔

(۲) "الفوز الکبیر" فارسی زبان ہی میں اصول تفسیر پر نہایت مفید اور بصیرت افروز رسالہ ہے۔

۳) "فتح الخبیر"، عربی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر کا نہایت مختصر مگر بہت جامع نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
صحابہ کرام سے صحیح طریقہ پر باب تفسیر میں جو کچھ منقول ہوا ہے قریباً وہ سب ہی اس میں لے لیا گیا ہے۔

۴) "مصفّٰی" موطا امام مالک کی فارسی شرح ہے

۵) "مسوّی" بھی موطا ہی کی شرح ہے، لیکن عربی زبان میں۔ شاہ صاحب درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے
یہ دونوں کتابیں گویا اس کا ایک نمونہ ہیں۔ اگر ان کے ساتھ حجۃ اللہ البالغہ جلد ثانی کے بعض ابواب کو بھی ملا لیا جائے
تو شرح حدیث میں شاہ صاحب کا حکیمانہ اور محققانہ طریقہ مکمل طور پر سامنے آسکتا ہے۔

۶) "حجۃ اللہ البالغہ"، اس کتاب کو پورے "اسلام" کی شرح کہا جا سکتا ہے۔ میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے
اتنا مستفید نہیں ہوا جس قدر کہ اس کتاب سے خدا نے مجھے فائدہ پہونچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل اور مرتبط الاجزاء
نظام حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے، دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلیداً
مانتا تھا اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمد للہ میں اُن پر تحقیقاً اور علی وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں۔—
(یہاں اپنی یہ سرگزشت میں نے صرف اس لئے لکھدی ہے کہ شاید اسی کو دیکھ کر کسی اور کو بھی اس کتاب سے استفادہ کا شوق
پیدا ہو جائے)

۷) "البدور البازغہ"، اس کو "حجۃ اللہ البالغہ" کے خاص خاص ابواب کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے بعض مباحث نئے بھی
ہیں۔ اب تک نایاب تھی ہندوستان بھر میں صرف دو تین جگہ اس کے قلمی نسخے معلوم تھے کچھ ہی دنوں پہلے
"مجلس علمی" ڈابھیل نے چھاپ کر شایع کردی ہے۔

۸) "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" اصل موضوع تو خلفاء راشدین کی خلافت کا اثبات ہے لیکن اسلام کے "اصول عمران"
و "نظریہ سیاست" کی پوری تشریح بھی اس میں آگئی ہے، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی جیسے وسیع النظر اور بحر العلوم
کی شہادت ہے کہ "اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں"۔ اصل زبان فارسی ہے ۱۲۸۶ھ
میں پہلی بار مطبع صدیقی بریلی میں چھپی تھی اب عرصہ دراز سے نایاب ہو چکی ہے۔ ابتدائی چہارم حصہ کے قریب حضرت
مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اپنے ترجمہ کے ساتھ شایع فرمائی تھی وہ ملتی ہے۔ پوری کتاب کا صرف ترجمہ لاہور
میں بھی چھپا ہے اور غالباً ملتا ہے لیکن علاوہ کتابت کے ترجمہ میں بھی بڑی فاحش غلطیاں ہیں کاش مولانا لکھنوی ظلہ
اپنے ترجمہ کی تکمیل فرمادیں اور اس طرح مع متن کے شایع ہو جائے معلوم ہوا ہے کہ "مجلس علمی" ڈابھیل اب اس کو عربی
میں بھی منتقل کرا رہی ہے اور مصر میں اس کے چھپوانے کا ارادہ ہے۔ اگر یہ کام ہو گیا تو "مجلس علمی" کی نیکیوں میں بہت
بڑی نیکی کا اضافہ ہوگا۔

۹) "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" تفضیل شیخین کے موضوع پر بہترین علمی کتاب ہے۔

(۱۰) "انصاف اصحابہ و تابعین اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین میں دینی مسائل کے بارہ میں جو اختلاف پیدا ہوا اُس کا راز اور اس کی تاریخ اس رسالہ میں بیان کی گئی ہو اُردو ترجمہ کے ساتھ کئی بار چھپ چکا ہی۔

(۱۱) "عقد الجید"، اجتہاد اور تقلید سے متعلق مباحث پر محققانہ تصنیف ہی، یہ بھی اُردو ترجمے کے ساتھ چھپی ہی

(۱۲) "تحفۃ الموحدین" دعوتِ توحید خالص اور ردِ شرک میں حضرت شاہ صاحبؒ کا فارسی زبان میں مختصر مگر بہت جامع رسالہ ہے۔ مضامین کے لحاظ سے اس کو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی "تقویۃ الایمان" کا متن اور اس کی اساس و بنیاد کہا جاسکتا ہی اب سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پہلے حکیم اجمل خاں مرحوم کے بڑے بھائی حکیم حافظ عبدالمجید خاں مرحوم (بانی طبیہ کالج دہلی) کے پریس "اکمل المطابع دہلی" میں اُردو ترجمہ کے ساتھ چھپکر شائع ہوا تھا اب عرصہ دراز سے بالکل نایاب ہی۔ مجھے اس کا مطبوعہ نسخہ الہ آباد کے ایک دوست سے حاصل ہوا ہے اور میں اس کی دستیابی کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔ عنقریب اس کو چھپوانے کا بھی ارادہ ہی۔

(۱۳) "شرح تراجم ابواب صحیح بخاری"، صحیح بخاری کے تراجم الباب کی تشریح میں یہ عربی رسالہ ہی۔ پہلے ۱۳۲۳ھ میں "دائرۃ المعارف حیدرآباد" سے شایع ہوا تھا، اب اسی سال "اصح المطابع دہلی" نے صحیح بخاری کا جو نسخہ چھاپا ہی تو اس کے شروع میں یہ پورا رسالہ بھی بطور مقدمہ لگا دیا ہی۔

(۱۴-۱۷) "مجموعہ رسائل اربعۃ" یہ بہت چھوٹے چھوٹے چار رسالے ہیں جن کا تعلق فن حدیث سے ہی ہی (۱) "ارشاد الی مہمات الاسناد" (۲) رسالہ اوائل (۳) تراجم البخاری (یہ مذکورۂ بالا رسالہ "شرح تراجم ابواب بخاری" کے علاوہ ہی اور صرف ایک ورق بھر ہی (۴) العجب غفلۃ الناظر،

(۱۸) "تفہیمات الٰہیۃ"۔ یہ گویا ولی اللّٰہی کشکول ہی، سلوک و تصوف اور علوم شریعت سے متعلق اس میں آپ کے متفرق افادات ہیں۔ پہلے اس کی صرف ایک جلد چھپی تھی اور عرصہ سے وہ بھی نایاب تھی۔ اب دونوں جلدیں گویا مکمل کتاب "مجلس علمی ڈابھیل" نے شایع کر دی ہے، بعض باتیں اس کتاب میں "عالم بالا" کی بھی ہیں جن کی حیثیت ہم جیسوں کے حق میں متشابہات کی ہی۔ بعض تفہیمات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں،

(۱۹) "خیر کثیر" تصوف اور "علم اسرار و حقائق" میں آپ کی بلند پایہ کتاب ہے، اس کی اشاعت کا شرف بھی پہلی مرتبہ "مجلس علمی" ہی نے حاصل کیا ہی ورنہ اب تک ہندوستان بھر میں ایک دو ہی جگہ اس کے قلمی نسخے معلوم ہوئے تھے۔

(۲۰) "فیوض الحرمین" بزمانہ قیام حرمین شریفین حق تعالےٰ کی طرف سے جو الہامات یا روح پر فتوح سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو افاضات آپ کو ہوئے اور جو خاص تعلیم و تلقین کی گئی آپ نے اُن سب کو اس رسالہ میں جمع کر دیا ہے قریباً سو اسو صفحے پر اب سے بہت پہلے اُردو ترجمہ کے ساتھ شایع ہو چکا ہی۔

(۲۱) "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین"۔ آپ کو اور آپ کے بعض نسبی یا روحانی بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مبشرات ملے اس میں ان کا بیان ہے۔

(۲۲) "انفاس العارفین"، اس میں شاہ صاحب نے اپنے بزرگوں کے احوال قلمبند فرمائے ہیں۔ آپ کے اکثر سوانح نگاروں کا اس باب میں یہی کتاب ماخذ ہے، چھپ چکی ہے عام طور سے ملتی ہے۔

(۲۳) "انسان العین"، اس میں شاہ صاحب نے اپنے مشائخ حرمین، کا تذکرہ فرمایا ہے۔

(۲۴) القول الجمیل (۲۵) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (۲۶) الطاف القدس (۲۷) سطعات (۲۸) ہمعات (۲۹) "لمعات"، —— یہ سب رسائل تصوف سے متعلق ہیں اور موخر الذکر چاروں رسالے عام افہام سے بالاتر بھی ہیں —— بلکہ اکثر اہل علم بھی ان سے کچھ استفادہ نہیں کر سکتے سب چھپکر شایع ہو چکے ہیں۔

(۳۰) "مکتوبات مع مناقب امام بخاری وابن تیمیہ"، اس چھوٹے سے مجموعہ میں آپ کے نہایت اہم چند مکاتیب جمع کیے گئے ہیں۔ حال ہی میں "نذیریہ لائبریری دہلی" کے مہتمم مولوی سید عبدالرؤف صاحب نے بھی ان مکاتیب کو مع ترجمہ کے شایع کیا ہے۔

(۳۱) "مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلثہ"، یہ آپ کے بعض خاص مکاتیب کا ایک اور چھوٹا سا مجموعہ ہے۔

(۳۲) "سرور المحزون"، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے بیان میں ابن سید الناس کے مختصر رسالہ "نور العیون"، کا فارسی ترجمہ ہے جو بعض خاص احباب کی درخواست پر خود شاہ صاحب نے کیا تھا۔

(۳۳) "الجزء اللطیف"، حضرت شاہ صاحب کی خود نوشت مختصر سوانح عمری جس کا پورا خلاصہ صفحات ماسبق میں درج ہو چکا ہے۔

(۳۴) المقالۃ الوضیئۃ فی الوصیۃ والنصیحۃ، یہ شاہ صاحب کا وصیت نامہ ہے چھپ بھی چکا ہے مگر میرے پاس اس کا قلمی نسخہ ہے۔ یہاں تک جن ۳۴ کتابوں کا ذکر کیا گیا یہ سب چھپکر شایع ہو چکی ہیں "ازالۃ الخفاء" اور تصوف کے چند رسائل کے علاوہ باقی اور سب اب بھی ملتی ہیں اور صرف چار، پانچ چھوٹے رسائل (۱۹،۲۱،۲۳،۲۸،۲۹) کو مستثنیٰ کر کے باقی سب کے جزوی یا کلی مطالعہ کا شرف اس عاجز کو بھی حاصل ہوا ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف میں کتب ذیل کا اور ذکر کیا جاتا ہے لیکن میں ان کے مطالعہ بلکہ زیارت سے بھی ابھی تک محروم ہوں اگرچہ ان میں سے بھی بعض چھپ چکی ہیں۔

شفاء القلوب، زہراوین، تاویل الاحادیث۔ ہوامع شرح حزب البحر، العقیدۃ الحسنۃ، المقدمۃ السنیۃ، چہل حدیث، شرح تراجم ابواب بخاری، تاریخ الاجداد، التعلیقۃ الصمدیہ، فتح الودود فی معرفۃ الجنود، المسلسلات۔

ان کے علاوہ آپ کی اور بھی بہت سی تصانیف تھیں جن کے آج نام بھی ہم کو معلوم نہیں، آپ کے علمی سلسلہ کے

بعض ثقات آپ کی تصانیف سیکڑوں کے حساب سے بتلاتے ہیں، لیکن جو کتابیں آپ کی معلوم اور متداول ہیں صرف انہی کے مطالعہ سے علوم و مسائل میں آپ کی مجتہدانہ، اور خدمت دین و اصلاح و ارشاد میں آپ کی مجددانہ شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر علی وجہ البصیرت آپ کے اس دعوے اور "تحدیث نعمت" کی کہ ـــــ "فلاطون آگر زندہ بودے یونانے کہ من دارم" ـــــ تصدیق کی جا سکتی ہے۔ نیز آپ نے اپنے بارہ میں جو کہیں کہیں اس قسم کی باتیں کہی ہیں کہ

(۱) رأیتنی فی المنام قائم الزمان اعنی بذالک ان اللّٰہ اذا اراد شیئاً من نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ لاتمام مرادہ الخ (فیوض الحرمین)

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں "قائم الزمان" ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لیئے وہ مجھے اوزار یا آلۂ کار کی طرح بنا لیتا ہے۔

(۲) نعمت عظمٰے بریں فقیر آنست کہ او را خلعت فاتحیت دادہ اند وفتح دورہ بازپسیں بر دست وے کردند (تفہیمات)

(۳) بہ سرم دادند کہ ایں حقیقت بر مردم بہ رساں کہ امروز وقت، وقت تست و زمان زمان تو و ائے بر کسے کہ زیر لوائے تو نہ باشد، الخ (تفہیمات)

(۴) ومن نعم اللّٰہ علیّ ولا فخر، ان جعلنی ناطق ھذہ الدورۃ وحکیمھا وقائد ھذہ الطبقۃ وزعیمھا الخ (تفہیمات)

اور مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس دور آخر کا "ناطق" اور "حکیم" اور "قائد" و "زعیم" بنایا (اور یہ میں فخر نہیں کہتا ہوں)

غرض اس قسم کے دعاوی جو شاہ صاحب کی تصانیف بالخصوص "تفہیمات الٰہیۃ" میں بکثرت ملتے ہیں اور جو بڑے بلکہ یقیناً بہت "بڑے دعوے" ہیں، ان کی حقیقت کا ادراک اور حقیت کا یقین بھی آپ کی ان تصنیفات ہی کے مطالعہ سے انشاء اللہ بڑی حد تک حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی جو حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور جن کو شاہ عبدالعزیز کی استاذی کا بھی فخر حاصل ہے؛ اور جن کا ذکر خود شاہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" کے دیباچہ میں نہایت بلند الفاظ میں فرمایا ہے بلکہ اس جلیل القدر کتاب کی تصنیف کا باعث اور محرک انہی کے "بے پناہ اصرار" کو بتلایا ہے ـــــ اور ایک موقع پر خود انہی کو مخاطب کر کے اُن کے ساتھ اپنی خصوصیت کا اظہار ان بلند کلمات میں فرمایا ہے۔

ھذا الامر منکم بدء والیکم یعود، وتلک کلمۃ کنتم احق بھا واھلھا وحق الرب المعبود،

(مقدمہ خیر کثیر صفحہ ۱۶)

(میرے علمی افادات کے) اس سلسلہ کا آغاز بھی تم ہی سے ہوا اور تم ہی پر اس کا انجام بھی ہوگا اور رب معبود کی قسم کہ تم ہی ان "معارف" کے سب سے زیادہ مستحق اور اہل ہو،

اور یہ مولانا شاہ محمد عاشق خود بھی ایک جگہ بڑے جوش کی حالت میں حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف کو ساتھ

اپنی خصوصی نسبت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

حتیٰ لو احلف علی ان کل ما ظہر من علومہ واسرارہ دامت برکاتہم لا سیما من باب التصوف فما ظہر الا لاجلی وفی مخاطبتی انشاء اللہ ما احنث۔

(مقدمہ خیر کثیر ص۱۵)

اگر میں قسم کھا کے یہ دعویٰ کروں کہ حضرت دامت برکاتہم کو جو حقائق ومعارف ظاہر ہوئے خصوصاً باب تصوف میں تو اُن سب کا ظہور میری ہی وجہ سے ہوا اور میں ہی اُن کا مخاطب اوّل تھا تو انشاء اللہ میں اپنی اس قسم میں حانث نہ ہونگا۔

ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے علمی وعرفانی مقام کا پہچاننے والا اور آپ کی تصانیف اور علوم ومعارف پر حاوی ہیں ان کی کنہ اور حقیقت کا جاننے والا ان شاہ محمد عاشق سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے انھوں نے شاہ صاحب کو جس روشنی میں دیکھا۔ اور آپ کے علوم کو جو کچھ سمجھا وہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے شاہ صاحب کی کتاب "خیر کثیر" پر جو مقدمہ انھوں نے فارسی میں لکھا ہے (اور مجلس علمی نے اس کو بھی خیر کثیر کے ساتھ شایع کر دیا ہے) اس میں ارقام فرماتے ہیں :-

"بر سالکان طریقت وطالبان حقیقت پوشیدہ نماند کہ چوں حق سبحانہ وتعالےٰ فردے کامل را برائے مظہریت علوم واسرار کامنہ خویش اصطفا مے فرماید وآں را بمنزلہ جارحہ خود ساختہ بزبان وے تکلم می نماید، پس ظہور آں علوم واسرار از وے نہ برقاعدہ علوم رسمیہ کسبیہ می باشد کہ عقل آں را اولا در تحت قاعدہ ضبط نمودہ بعبارات مربوط ومضبوط برروئے کار آرد، بلکہ آں اسرار کہ در نفس مقدسہ وے ودیعت نہادہ اند ظہور آں ارادہ فرمود علی حسب الواردات والتقریبات بروز میفرمایند۔ . . . .

(الیٰ ان قال) ودریں زماں بایں مقام سنی ذات مجمع آیات، مطلع فیض وانوار منبع علوم واسرار ومخزن کنوز کمالات وراثت محمدیہ، معدن نقود رموز وصایت احمدیہ، مجدد قواعد شریعت، مقنن قوانین طریقت، مبین غوامض معرفت، محقق دقائق حقیقت اعلم المحدثین ولی العصر، لسان اللہ، قطب الدین احمد ابو الفیاض شیخ ولی اللہ دامت مد اللہ ظلال ارشادہ علی العالمین الیٰ یوم الدین کما ہو ثابت عند اہل المعرفۃ والیقین، ومصداق ایں معنی آں ست کہ جناب ختمیۃ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات در بعضے مبشرات ذات کرامت آیات ایشاں را باذات نفحات سمات خویش نسبت وجود ذہنی با وجود خارجی فرمودند ودراں مشہد بخطاب ذکی وحکیم ہذہ الامۃ کرامت بخشیدند۔ یعنی آنچہ از کمالات الٰہیہ در عین ثابتہ آنجناب بفعلیۃ خارجیۃ ظہور نمودہ وآں را در تحقق آثار خارجیہ خود ساختہ، ہماں معانی بتمامہا در عین صافی ایشاں در صورت علوم ومعارف جلوہ گر گشتہ، پس علوم واسرار ایشاں در حقیقت علوم واسرار آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اند ومحافظت آنہا موجب شمول بشارت "نضّر اللہ امرأً سمع

مقالتی فرعاها کما سمعها، است۔۱ (مقدمہ خیر کثیر ص۱۲۲-۱۵)

درحقیقت شاہ صاحب کی تصانیف کی اہمیت کا پورا اندازہ اور آپ کے علمی و عرفانی مقام کا کچھ ادراک شاہ محمد عاشق جیسے ثقہ و ربّانی عالم ہی کے اس بیان کے ذریعہ ہوسکتا ہے جو خود بھی اس سمندر کے شناور رہیں، اور اسی واسطے ہم نے یہاں اُن کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

افسوس ابھی شاہ صاحب کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا جاسکا اور مقررہ صفحات کا بیشتر حصہ پُر ہوچکا اس لیئے اب شاہ صاحب کی جامعیت اور ہر جہتی حیثیت کے متعلق چند اشارات اور کرکے مجبوراً اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے میرے نزدیک شاہ صاحب کا سب سے بڑا امتیازی کمال اُن کی یہی جامعیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے جد اعلیٰ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اُن کو میراث میں ملی ہے۔

ہمارے محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے النبی الخاتم صلے اللہ علیہ وسلم کی جو سیرت اپنے مخصوص والہانہ انداز میں لکھی ہے اور جس کی اشاعت کا شرف گزشتہ سال ہی کار پردازان "الفرقان" کو حاصل ہوا ہے اس میں دربار نبوی کی ہر جہتی حیثیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:۔

عجب دربار!۔

سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، کہ فوج تھی، عَلم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔۔۔ مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا کہ درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، تقفا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔۔۔ صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی، کہ دعا تھی جھاڑ تھا پھونک تھا، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا شغل تھا، تحنث چلہ تھا گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھاری کنوؤں کا پانی میٹھا ہوجائے گا بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے جس کو جو کچھ کہدیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔۔۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا اس لیئے کہ وہ سب کیلئے تھا، آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔" (النبی الخاتم ص۱۶۲)

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جامعیت کا نقشہ خود حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے ازالۃ الخفا میں بایں الفاظ کھینچا ہے:۔

"سینۂ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد و در ہر درے صاحب کمالے نشستہ در یکدر مثلاً سکندر ذوالقرنین باآں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن جنود اعدا

ودر دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین ورعیت پروری ودادگستری اگرچہ ذکرِ نوشیرواں در بحث فضائل حضرت فاروق سوء ادبست ودر دیگر ابوحنیفہ یا امام مالکے باآں ہمہ قیام بعلم فتاویٰ واحکام ودر دیگر مقتدائے مثل سیدی عبدالقادر یا خواجہ بہاء الدین قدس سرہما ودر دیگر محدثے بروزن ابوہریرہؓ وابن عمرؓ ودر دیگر قاریے ہمسنگ نافع یا عاصم ودر دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار۔ (ازالۃ الخفا جلد دوم ص۲۱۶،۲۱۷ مطبوعہ مطبع صدیقی بریلی)

اگر غور کیا جائے تو یہی عبارت خود حضرت شاہ صاحب پر معمولی تغیر کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔

اسلام کے جس فن کے بھی اعاظم رجال کی تاریخ لکھی جائے حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ اس میں خاص امتیاز کے ساتھ کرنا مصنف کا فرض ہوگا جس میں کوتاہی اس کی ناقابلیت یا تصنیفی بددیانتی سمجھی جائے گی۔

مثلاً اگر مفسرین قرآن کی تاریخ لکھی جائے تو اس باب کے شاہ صاحب کے بے نظیر افادات، الفوز الکبیر، مقدمۂ فتح الرحمان، تاویل الاحادیث اور ازالۃ الخفا وحجۃ اللہ البالغہ کے خاص تفسیری مباحث کا تقاضا ہوگا کہ ان کو نامی کو اس میں نمایاں جگہ دی جائے۔

علیٰ ہذا اگر محدثین اور شارحین حدیث نبوی پر کوئی کتاب تیار کی جائے تو اس فن کے ان کے منتشر اور متنوع افادات مصفّٰی مسوّیٰ اور حجۃ اللہ جلد اول کے بعض خاص ابواب اور پوری جلد دوم کا تقاضا ہوگا کہ اس کتاب میں بھی ان کا ذکر نمایاں طور پر کیا جائے۔

اور اگر فقہاء اسلام کی کوئی تاریخ مرتب ہو تو تفقہ میں حضرت شاہ صاحب کو جو یدطولیٰ حاصل ہے جس کا پتہ حجۃ، بدور، انصاف، اور عقد الجید سے چلتا ہے اس کی بنا پر زمانہ کے تاخر کے باوجود اُن فقہاء ومجتہدین کے ساتھ آپ کا ذکر کرنا ہوگا جو اُن سے کم از کم پانچ چھ سو برس پہلے گزر چکے ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر صرف حجۃ کے مبحث سادس وسابع" (از صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۱۵) ہی کو بامعان نظر دیکھ لیا جائے تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ فقہ دین میں شاہ صاحب کا پایہ متقدمین میں بھی کس قدر بلند ہے۔ کاش ہمارے زمانہ کے اہلِ علم ان بیش بہا اور نادر الوجود علمی جواہر پاروں کی قدر وقیمت سمجھتے۔

اور اگر علم کلام کی تاریخ مدون ہو اور اس فن کے ماہرین کے کارناموں کو کسی کتاب میں جمع کیا جائے تو علامہ سعد تفتازانی قاضی عضد اور سید سند جیسے مصنفین فن کے زمرہ میں نہیں بلکہ امام ابوالحسن اشعری اور امام غزالی وامام ابن تیمیہ حرانی جیسے ممتاز ائمہ کے ساتھ اُن کا ذکر کرنا مورخ کا فرض ہوگا — صرف حجۃ اور بدور بازغہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے علم کلام کا ایک مستقل ذیلی مکتب ترتیب دیا ہے اور اس فن میں وہ ایک گونہ استقلالی اور انفرادی شان رکھتے ہیں۔ علامہ شبلی مرحوم نے "علم الکلام" میں شاہ صاحب کی

اس حیثیت پر کچھ روشنی ڈالی ہو۔ لیکن چونکہ اس کی حیثیت صرف ایک ضمنی تذکرہ کی ہے اس لئے وہ جامعیت اور ضرورت دونوں سے بہت کم ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر مستقلاً کچھ لکھا جائے اور پورے بسط و تفصیل سے لکھا جائے، ایسی چیز کے تیار ہونے سے پہلے جو حضرات شاہ صاحب کی اس حیثیت کا اندازہ کرنا چاہیں وہ علامہ شبلی کی "علم الکلام" (ص ۱۰۹-۱۱۹) دیکھنے کے بعد اور کچھ نہیں تو صرف "حجۃ اللہ" کی جلد اول ورنہ کم از کم اس کے یہ چند ابواب "ایمان بصفات اللہ" "ایمان بالقدر" "باب الحاجۃ الیٰ ہداۃ السبل" "باب حقیقۃ النبوۃ وخواصہا" "اسباب التکلیف والمجازاۃ" "باب الحاجۃ الیٰ دین ینسخ الادیان" ہی ملاحظہ فرمالیں، صرف اتنی سی محنت سے بھی شاہ صاحب کے علم کلام کے خاص اصول ذہن میں آسکتے ہیں اور پھر ان سے اس فن کا پورا کام لیا جاسکتا ہے۔

اور اگر صوفیہ صافیہ وائمہ سلوک ومعرفت کی کوئی جامع تاریخ لکھی جائے تو اس باب کی شاہ صاحب کی مستقل تالیفات "خیر کثیر" "القول الجمیل" "الطاف القدس" وغیرہا اور "حجۃ" کے "ابواب احسان" کی بنا پر امام غزالی و سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (قدست اسرارہم) کے ساتھ ان کا بھی ذکر کرنا مورخ کا فرض ہوگا۔

ایسے ہی اگر "اسرار محمدیہ" میں "حقائق" و "اسرار الٰہی" پر کلام کرنے والوں کی کوئی فہرست تیار کی جائے تو حضرت شیخ شبلی اور شیخ محی الدین اکبر ابن عربی کے ساتھ شاہ صاحب کے اس فن کے رسائل سطعات، لمعات وغیرہ اور تفہیمات الٰہیہ کی بعض تفہیموں کی بنا پر آپکا نام نامی بھی اس فہرست میں نمایاں جگہ پر ہوگا۔

اور اگر اساتذہ اخلاق ومعلمین حکمت عملی پر کوئی کتاب لکھی جائے تو حضرت شاہ صاحب کے اس فن کے افادات مندرجہ مکاتیب متفرقہ وانفاس اور بعض ابواب حجۃ اللہ کی بنا پر امام ابو حامد غزالی، شیخ سعدی شیرازی اور محقق جلال دوانی کے ساتھ آپ کا تذکرہ کرنا بھی مولف کتاب کا منصبی فرض ہوگا۔

اور علیٰ ہذا اگر ماہرین اقتصادیات ومعاشیات کی کوئی تاریخ لکھی جائے تو اس میں بھی شاہ صاحب کا تذکرہ نہایت نمایاں طور پر ہوگا۔ صرف "حجۃ اللہ البالغہ" اور "بدور بازغہ" میں ابواب "ارتفاقات" کے ذیل میں انھوں نے اقتصادی اور معاشی مسائل پر جو کلام کیا ہے اور جو اصول اس سلسلہ میں مرتب کیئے ہیں اگر کوئی حکومت نیک دلی اور دیانت داری کے ساتھ ان کو اپنے "دستور اساسی" قرار دے لے تو یقیناً انشاء اللہ اس کی قلمرو میں وہ ہمہ گیر بے چینی اور طبقاتی کشمکش پیدا نہ ہوگی جو اقتصادی اور معاشی الجھنوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور جس نے قریباً ہر ہی ملک کے باشندوں سے چین واطمینان اور زندگی کا سکون چھین لیا ہے، اور بنی آدم کی غالب اکثریت کے حق میں جیتے جی ہی اس دنیا کو دوزخ بنادیا ہے۔ ہمارے محترم دوست مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس باب کے شاہ صاحب کے خاص افادات کا خلاصہ اپنے ایک مستقل مقالہ میں بڑے سلیقہ سے مرتب

کر دیا ہی، یہ مقالہ اب سے قریباً ایک سال پہلے اُن کے رسالہ "ترجمان القرآن" میں شایع بھی ہو چکا ہی۔ میں نے اپنے اصل مقالہ میں: (جو اس نمبر ہی کیلئے مرتب کیا گیا تھا لیکن عدم گنجایش کی وجہ سے اس میں درج نہیں ہو سکا) مولانا مودودی کے اُس پورے مقالہ کو لے لیا تھا اور اس پر شاہ صاحب ہی کی تالیفات سے کچھ اور بھی اضافہ کیا تھا۔ انشاء اللہ ناظرین کرام کبھی "الفرقان" ہی کے صفحات پر اس کو ملاحظہ فرمائینگے اور اُسی سے اس خاص باب میں شاہ صاحب کی باریک بینی اور حقیقت رسی کا اندازہ کر سکیں گے۔

علیٰ ہذا سیاسی عدالت اور حکومت کے تمام شعبوں کی صحیح تشکیل پر ان کی قدرت کا اندازہ بھی حجۃ ونبدورکے انہی "ابواب ارتفاقات" سے کیا جا سکتا ہے ——— شاہ صاحب نے انہی ابواب میں حکومت کے مالیات، نظام عدل، فوج، پولیس، حتی کہ محکمۂ بلدیہ اور "شہر یا بستی" تک کی تنظیم کا صحیح طریقہ اور مکمل نقشہ پیش کر دیا ہے۔ اور ازالۃ الخفا میں تو "حدیث دیگراں" کے اندر ہی اندر "حکومت الٰہیہ" کا پورا خاکہ ہی دیدیا ہی ——— کاش دیکھنے والے ان چیزوں کو اس نظر سے بھی دیکھیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر شاہ صاحب نے ان ہی خطوط پر "حکومت الٰہیہ" قایم کرنے کیلئے کوئی انقلابی جد وجہد کیوں نہیں کی؟ تو اگرچہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ "مجدد دین" اور "ارباب ارشاد" کے کاموں میں کوئی کمی نہیں رہ سکتی، لیکن واقعہ یہ ہی کہ شاہ صاحب کی زندگی میں اس قسم کے کسی اقدام کے نہ ملنے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ "اُن کے کام میں یہ کمی رہ گئی" ——— اپنے "اصل مقالہ" میں اس پہلو پر میں نے مفصل بحث کی ہی اور انشاء اللہ ناظرین کرام اُسی کو دیکھنے کے بعد اس بارہ میں صحیح راہ قایم کر سکیں گے یہاں عدم گنجایش کی وجہ سے اس کی طرف صرف اتنا ہی اشارہ کیا جا سکتا ہے ——— کہ ہر کام کے عمل میں آجانے کیلئے صرف کام کرنے والے کی صلاحیت ہی شرط نہیں ہو بلکہ اس کے علاوہ وقت کی سازگاری اور ماحول کی صلاحیت بھی ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی قدم اُٹھا دینا ناعاقبت اندیشی اور خام کاری پر محمول ہوتا ہی؛ نیز یہ بھی ظاہر ہی کہ اس قسم کے کام اس عالم اسباب میں افراد سے نہیں ہوتے بلکہ جماعتوں سے انجام پاتے ہیں، اور شاہ صاحب کے زمانہ میں "ملت ہندیہ اسلامیہ" کی حالت اس قدر گر چکی تھی کہ اُس میں سے اس "کارعظیم" کو انجام دینے والے افراد چھانٹے بھی نہیں جا سکتے تھے۔ تو شاہ صاحب کے لیئے پہلا کام اُس "جماعت" یا "پارٹی" کا تیار کرنا تھا جو اس مقصد کی قدر وقیمت جان کر وقت آنے پر اس کے لیے اُٹھ سکتی اور اس کام کو صحیح طریقہ پر چلا سکتی۔ ان کی تصانیف سے صاف ظاہر ہی کہ وہ پوری طرح اس کوشش میں ہیں کہ کم از کم قوم کے خواص کے طبقہ میں جو عام قوم کا دل و دماغ ہوتا ہی ایسا ذہنی انقلاب پیدا کر دیں جو ان کو اس نصب العین سے قریب کر دے اور اس مقصد اعلیٰ کی سر انجامی کے لائق بنا دے اور بسا اوقات ایسا ہی ہوتا ہی کہ اس قسم کے کاموں کی بنیاد ڈالنے والے صرف بنیاد ڈال کر ہی چلے جاتے ہیں

ان کے بعد اس عمارت کی تکمیل بعد والوں کا فرض رہ جاتا ہے۔ تو میرے نزدیک شاہ صاحب کو اس باب میں صرف اتنے ہی کام کا وقت ملا کہ اس حزب اللہ کے پیدا کرنے کیلئے صالح لٹریچر تیار کیا اور اس کام کے لئے پورا لائحہ عمل بھی مرتب فرما دیا ۔۔۔ اب کام کو اس سے آگے بڑھانا اور مناسب وقت آنے پر آپ کے معین کردہ خطوط پر کوئی انقلابی تحریک اٹھانا اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا، یہ کام بعد والوں کا تھا، اور بعد والوں نے کیا بھی، چنانچہ آپ ہی کے صلبی پوتے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور دوسرے ایک روحانی پوتے امیر المومنین سید احمد شہیدؒ نے مناسب وقت آ جانے پر جو تحریک اٹھائی میرے نزدیک وہ شاہ صاحب ہی کی ان کوششوں کا نتیجہ تھا مگر بخت کی نامساعدت اور کام میں کچھ خامیوں کی وجہ سے جن کا کچھ ذکر بعض پہلے مقالات میں آ بھی چکا ہے کامیابی پر اس تحریک کا انجام ہوا۔

تنازع للبقاء کی اس دنیا کی تاریخ میں حق پرستوں کی کسی جد و جہد کا اس طرح ناکامیاب ہو جانا کوئی نئی بات نہ تھی، مگر وائے بدبختی بجائے اس کے کہ ہم اس معرکہ میں "اسباب شکست" کا کھوج لگانے اور ان کی تلافی کی کوشش کرتے اس راستہ ہی سے مایوس ہو کر ہم پلٹ پڑے بلکہ اس مقدس نصب العین ہی کو پس پشت ڈال دیا۔۔۔۔۔۔

خیر بات دور چلی گئی اور دور چلی جا رہی ہے، ورنہ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی زندگی میں "حکومت الٰہیہ" کے قیام کے لئے کوئی "انقلابی جد و جہد" نہ دیکھ کر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ ان سے کام میں یہ کمی رہی، اصل یہ ہے کہ وہ وقت اس کام کا تھا ہی نہیں ورنہ اگر زمین اس کے لئے تیار ہوتی اور وقت کا یہی تقاضا ہوتا تو شاہ صاحب کے وہ مقالات جن میں آپ نے نظام حکومت کی تشکیل اور عسکری قوت کی تنظیم و تقسیم سے بحث کی ہے ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ اس قسم کی مہموں کو بھی خوب انجام دے سکتے تھے۔ خود بھی ایک جگہ صاف لفظوں میں لکھ گئے ہیں :۔

فلو فرض ان یکون ھذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب ان یکون اصلاح الناس باقامۃ الحروب ونفث فی قلبہ اصلاحھم لقام ھذا الرجل بامر الحروب اتم قیام وکان اما مافی الحرب لا یقاس بالرستم والاسفندیار بل الرستم والاسفندیار وغیرھما طفیلیون علیہ مستمدون منہ مقتدون بہ ۔ (تفہیمات الٰہیہ ص ۱۰۱ ج ۱)

اگر بالفرض یہ شخص ایسے زمانہ میں ہوتا کہ اسباب کا اقتضا یہی ہوتا کہ لوگوں کو جنگ اور قتال سے درست کیا جائے اور اس کے دل میں ڈالا جاتا کہ "تلوار ہی سے دنیا کے نظام کو درست کرے" تو یہ شخص پھر یہی کرتا اور الحمد للہ بڑی خوبی سے اس کام کو انجام دیتا اور دنیا دیکھ لیتی کہ رستم و اسفندیار بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں بلکہ وہ اس کے طفیلی اور شاگرد بننے کے لائق ہیں۔

رہا یہ کہ شاہ صاحب کے زمانہ میں "اصلاح کیلئے جنگ وقت کا تقاضا" کیوں نہ تھا، افسوس ہے کہ یہاں ہم کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا جا سکتا ناظرین کرام اس کے لیئے میرے "اصل مقالہ" کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اس میں یہ بحث پورے بسط اور تفصیل سے کی گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رح کی ایک اور امتیازی خصوصیت جس کے بیان پر ہم کو یہ سلسلہ ختم کر دینا ہے وہ فلسفہ تشریع" کی تدوین بلکہ اس کی ایجاد ہے۔ اُمت محمدیہ میں آپ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کل نظام شریعت کا فلسفہ مدون فرمایا اور شریعت اسلامیہ کے تمام جزوی وکلی احکام کو باہدگر اس فلسفہ کے ذریعہ اس طرح مرتبط اور منظم کر دیا کہ دیکھنے والا اب آپ کی رہنمائی میں اسلام کی پوری شریعت کو ٹھیک اس طرح دیکھ سکتا ہے کہ گویا وہ ایک مشین ہے اور ہر ہر حکم اس کا ایک پُرزہ ہے اور ان پُرزوں کے ساتھ اس مشین کا تعلق ایسا جچا تلا ہے کہ نہ تو وہ کسی ایک پُرزہ کی علحدگی ہی کو قبول کر سکتا ہے اور نہ کسی اجنبی پرزہ کے اضافہ ہی کی اسمیں گنجایش ہے ———

نئی روشنی کے اس دَور میں جبکہ ہر چیز کی حکمت اور لم پوچھی جاتی ہے، اور "فلاسفی" دریافت کیئے بغیر روٹی کا لقمہ بھی نہیں توڑا جاتا، شاہ صاحب کی کتابوں حجۃ اللہ اور بدور بازغہ کے ذریعہ مذہبی دُنیا کے میدان مسابقت میں صرف مسلمان ہی بازی لے جاسکتے ہیں ـــ شاہ صاحب کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اسلام کے علمی خادموں میں ان کو بلاشرکت غیرے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ حجۃ کے دیباچہ میں خود بھی فرماتے ہیں:۔

وان من اعظم نعم اللہ علی ان اٰتانی منہ حظّاً وجعل لی منہ نصیبًا (مت)	اور اللہ تعالےٰ کی تمام نعمتوں میں عظیم ترین نعمت مجھ پر یہ ہے کہ اُس نے اس علم (اسرار دین یا فلسفہ شریعت) سے مجھے وافر حصّہ عطا فرمایا۔

اور "البدور البازغۃ" میں جس کا پورا خلاصہ ہم پہلے درج کر چکے ہیں اسی فن کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:۔

واسرار حدیث و مصالح احکام و ترغیبات وسائر آنچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم از خدائے تعالےٰ آوردہ اند و تعلیم فرمودہ اند وآں فنے است کہ پیش از فقیر مضبوط تر از تحقیق ایں فقیر کسے آنرا ادا نہ کردہ است باوجود جلالت آں فن (مت)

حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ، اسی فن کی مستقل کتابیں ہیں اور اوّلاً وبالذات اِن دونوں کتابوں میں اسی سے بحث کی گئی ہے "عقائد و ایمانیات" سے لیکر کتاب الطہارۃ، پھر عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست منزلی اور سیاست مدنی وملکی اور اصول جہانبانی وجہانداری، غرض تمام ابواب شریعت اور احکام اسلام کے مصالح اور ان کا فلسفہ حجۃ اللہ میں بالاستیعاب، اور بدور بازغہ میں بھی اس کا کافی حصہ آپ نے درج فرما دیا ہے۔

یہاں تک ہم نے شاہ صاحب کے جن کمالات عشرہ کا ذکر کیا اُن کا تعلق آپ کی افادی اور ارشادی حیثیت سے ہی گویا یہ جو کچھ بھی آپ نے کیا امت کے خواص یا عوام کے لیئے تھا، رہا یہ کہ خود آپ کے "اندر" کا کیا حال تھا؟ سو اس کا صحیح اندازہ "تفہیمات الٰہیہ" کی بعض خاص تفہیموں سے ہوتا ہے جہاں کسی خاص حال سے مغلوب ہو کر شاہ صاحب اس بارہ میں کچھ کہہ گزرے ہیں ــ مگر افسوس ہے کہ یہاں اُن تفہیموں کے مختصر مختصر اقتباسات کے لیئے بھی گنجایش نہیں، نیز یہ بھی خطرہ ہے کہ بلا تشریح سادہ طور پر ان کا نقل کر دینا ممکن ہی بہت سوں کے لیئے موجب فتنہ بن جائے اس لیئے یہاں اُن کے صرف بعض فارسی اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے اُن سے بھی آپ کے اندرونی سوز وگداز کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ شاعری شاہ صاحبؒ کا پیشہ بلکہ کام بھی نہ تھا البتہ کبھی کبھی "آتش دل" کے شعلے "غیر شاعروں" کی زبان پر بھی شعری شکل اختیار کر لیتے ہیں، ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی "شاعری" کی حقیقت بھی بس یہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود تلاش کے مجھے شاہ صاحب کے یہاں صرف اسی قسم کے شعر ملے جن کو کسی باطنی حال اور اندرونی التہاب ہی کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے انہی میں کے چند شعر ان کے صرف ایک مکتوب سے چنکر یہاں درج کیئے جاتے ہیں:۔

"مکتوب المعارف" جس کا تذکرہ "ذیلی تصنیفات" کیا جا چکا ہے اس کے آخر میں بطور ضمیمہ ایک مکتوب حضرت کا لکھا ہوا ہے جس میں آپ نے اپنے کسی خاص متوسل کے لیئے اپنے بعض اشعار اور رباعیات کی خود ہی مختصر شرح کی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ "مافیہا" کی طرف کچھ اشارات کیئے ہیں، صرف اسی مکتوب سے دو چار شعر یہاں پیش کیئے جاتے ہیں:۔

ایک غزل کا مطلع ہے ؎

دلے دارم زخود خالی جابش بیتواں گفتن ۔۔۔ در و کیفیتے جوش شر لبش میتواں گفتن

ایک اور غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را ۔۔۔ خروشے در دل شبہا نے کردم چہ میکردم
کسے با ما ہمے سازد کسے باگل ہمی بازد ۔۔۔ اگر من با د آں لبہا نے کردم چہ میکردم

ایک اور غزل کا ایک شعر ہے ؎

جان من در ہجر یار خود بسوخت ۔۔۔ من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر

ایک اور غزل کے دو شعر ملاحظہ ہوں جن میں "عالم تجرد" اور "رفیق اعلیٰ" کی طرف اپنے والہانہ شوق و اضطراب کا اظہار فرمایا ہے۔

تا کیے محنت دمہجوری دوری کشم ۔۔۔ نازنین وطنم سوئے وطن باز روم

تنم کہ بستۂ زنجیرِ تعلق باشم | آہوئے از ختنم سوئے ختن باز روم

دور باعیاں بھی آپ کی ملاحظہ ہوں

(۱)

در عشق تو از جملہ جہاں بگذشتم | در ہر چہ بجز یاد تو آناں بگذشتم
مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست | اندر طلبت از دل و جاں بگذشتم

(۲)

دائم دل من پیش تو حاضر باشد | چشمم بہ رخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ما شرک جلی است و صریح | گر روئے دگر خطرۂ خاطر باشد

انہی چند اشعار سے آپ کے اندرونی حال کا کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے جن کمالات کی طرف ہم نے یہاں تک کچھ اشارات کیئے ہیں قارئین کرام غالباً انہی سے شاہ صاحب کی جامعیت اور ہمہ جہتی حیثیت کا کم از کم اجمالی اندازہ ضرور کر سکے ہونگے تفصیل کیلئے میرے "اصل مقالہ" کی اشاعت کا انتظار فرمایا جائے۔ اس میں مستقل عنوانات کے ماتحت اِن تمام کمالات پر مفصل کلام کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر باب کے آپ کے افادات کے اقتباسات بھی اس میں پوری تفصیل سے درج کیئے گئے ہیں — اگر کہدیا جائے کہ وہ مقالہ شاہ صاحب کے ہمہ جہتی علوم و معارف کا پورا خلاصہ ہے تو انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا — اور اب نظر ثانی میں اس پر بہت کچھ اضافہ کا بھی ارادہ ہے اس لیے توقع ہے کہ اس کے بعد وہ ڈھائی تین سو صفحہ کی مستقل کتاب ہو جائے گی۔ اور انشاء اللہ الفرقان کے ایک مستقل نمبر ہی کی حیثیت سے شایع ہو کر ناظرین کرام کی خدمت میں پہونچ جائے گی — اس مختصر مقالہ کو جو اس وقت آپ کے زیر نظر ہے اور ۲۴ صفحے کی محدود وسعت کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا ہے اُس اصل مقالہ کا خلاصہ کہنا تو صحیح نہیں ہوگا البتہ یہ اُس کے اکثر مضامین کی ایک فہرست ضرور ہے۔

اُس "مقالہ" کے آخر میں حضرت کا پورا وصیت نامہ بھی درج کیا گیا تھا بلکہ وہی اس کا خاتمہ قرار دیا گیا تھا۔ اب یہاں اس کی تو گنجایش نہیں البتہ تبرکاً وصیت نامہ کی سب سے پہلی اور سب سے آخری وصیت یہاں بھی نقل کر کے اس سلسلہ کا خاتمہ بالخیر کیا جاتا ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد اولاً اپنی اولاد کو اور ثانیاً احباب کو مخاطب کر کے پہلی وصیت یہ فرماتے ہیں۔ —

(ترجمہ بطور خلاصہ)

اوّل وصیت — ایں فقیر چنگ زدن است بکتاب و سنت در اعتقاد و عمل و پیوستہ بتدبر ہر دو مشغول شدن و	اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ اعتقاد اور عمل دونوں میں کتاب و سنت (قرآن و حدیث) کو نہایت مضبوطی سے پکڑا

ہر روز حصہ از ہر دو خواندن واگر طاقت خواندن نماند ترجمہ ورقے از ہر دو شنیدن۔ و در عقائد مذہب قدمائے اہل سنت اختیار کردن واز تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نکردہ اند اعراض نمودن و به تشکیکات خام معقولیان التفات نکردن، و در فروع پیروی علمائے محدثین کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن، و دائماً تفریعات فقہیہ بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا "کالائے بد بریش خاوند" دادن، امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست، و سخن متقشفہ فقہا کہ تقلید عالمے را دستاویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن، و بدیشاں التفات نہ کردن، و قربت خدا جستن بدوری ایشاں۔

اور برابر اُن میں تدبر جاری رکھا جائے اور اگر عربی نہ جاننے کی وجہ سے خود نہ پڑھ سکتا ہو تو کسی دوسرے سے کم از کم ایک ورق دونوں کا ترجمہ ہی سن لیا کرے ——— اور عقائد میں قدماء اہل سنت کا مسلک اختیار کیا جائے اور سلف نے جس چیز کی کھود کرید نہیں کی اس کے پیچھے نہ پڑا جائے اور "معقولیان خام" جو شبہات پیدا کرتے ہیں اُن کی طرف مطلق توجہ نہ کی جائے اور فروع فقہ میں ان علماء محدثین کی پیروی کی جائے جو حدیث و فقہ کے جامع ہوں اور ہمیشہ فقہی تخریجات کو کتاب و سنت پر ضرور پیش کیا جائے پھر جو اس کے موافق ہو اس کو قبول کیا جائے ورنہ کالائے بد بریش خاوند والا معاملہ کیا جائے اور یہ یاد رکھا جائے کہ اُمت کسی وقت "مجتہدات فقہا" کو کتاب و سنت سے جانچنے سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتی، اور ایسے متقشف فقیہ جو کسی عالم کی بات کو دستاویز بنا کر سنت کے تتبع سے بے پروا ہو گئے ہیں ان کی بات تک نہ سنی جائے اور ان کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا جائے بلکہ اُن سے دور رہ کر خدا کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پہلی وصیت ہے اور فی الحقیقت ایک صاحب بصیرت اور خدا ترس عالم ربانی کا یہی دستور العمل ہونا چاہیے۔ اسی وصیت سے شاہ صاحب کا "فقہی مسلک" بھی معلوم ہو جاتا ہے اس نمبر کے کئی مقالوں میں یہ بحث براہ راست اور ضمناً آئی ہے اور مختلف نقطہائے نگاہ رکھنے والے مضامین نگار حضرات نے اس بارہ میں اپنا اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے کہ شاہ صاحب کا فقہی مسلک کیا تھا ——— شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جن کتابوں تک میری رسائی ہو سکی اُن سب کو دیکھنے کے بعد اس باب میں جس نتیجہ پر میں پہونچا ہوں وہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی شخصیت اس سے بالاتر ہے کہ تقلید و عدم تقلید کی اس بحث میں ان کو گھسیٹا جائے۔

ملت کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ شاہ صاحب کی وہ ذات جس کا صحیح اور عادلانہ فیصلہ "حاملان تقلید" اور مخالفان تقلید دونوں گروہوں کو ایک معتدل مسلک پر جمع کر سکتا تھا یا کم از کم دونوں فریقوں میں اعتدال پیدا کر کے اور انکی باہمی منافرت و بیجا عصبیت کو مٹا کے ایک دوسرے سے قریب کر سکتا تھا اُنہی کو بحیثیت فریق اس بحث میں

دھر لیا گیا ــــ ایک طرف سے کوشش شروع ہوئی کہ اُن کو "تقلید" اور "حنفیت" کا پکا دشمن باصطلاح حال "غیث غیر مقلد" ثابت کیا جائے[1] ــــ اور دوسری طرف سے اس کے جواب میں آپ کو عرفی قسم کا "پکا حنفی" اور موجودہ دور کی مروج تقلید کا حامی ثابت کرنے کیلئے زور لگایا گیا نتیجہ ان دونوں کوششوں کا یہ ہوا کہ شاہ صاحب کا جو مقصد تھا وہ کلی طور پر فوت ہوگیا۔ کاش اگر بجائے اس روش اختیار کر لینے کے حضرت شاہ صاحب رحمہ سے نسبت رکھنے والے احناف اُس قسم کے حنفی بننے اور حنفیت کے اُس "طریقہ انیقہ" کو عملاً رائج کرنے کی کوشش کرتے جو شاہ صاحب کا طریقہ تھا اور جس کو آپ نے "فیوض الحرمین" میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تلقین کے حوالہ سے بایں الفاظ بیان فرمایا ہے :-

وذلک ان یوخذ من اقوال الثلثۃ قول اقربہم بھا فی المسئلۃ ثم بعد ذالک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث فرب شیئ سکت عنہ الثلثۃ فی الاصول وما تعرضوا لنفیہ ودلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ والکل مذھب حنفی۔
ص ۴۹

وہ طریقہ انیقہ جو تمام طریقوں میں سنت معروفہ سے قریب تر ہے یہ ہے کہ ائمہ ثلثہ (ابوحنیفہ، ابویوسف محمدؒ) میں سے جس کا قول بھی سنت معروفہ (احادیث نبویؐ) سے قریب تر ہو وہ لیا جائے پھر اُن فقہائے حنفیہ کی ترجیحات کی پیروی کی جائے جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے۔ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ائمہ ثلثہ نے اصول میں اُن کی متعلق کچھ نہیں کہا اور نفی بھی نہیں کی اور احادیث ان کو بتلا رہی ہیں تو لازمی طور پر اس کو تسلیم کیا جائے گا اور یہ سب حنفی مذہب ہی ہے۔

بہرحال اگر "ولی اللہی حنفی" حضرات شاہ صاحب کے اس طریقہ کو عملاً قبول کر لیتے اور اسی کو رواج دینے کی کوشش

---

[1] اس نمبر کی ترتیب کے دوران ہی میں دہلی سے ایک صاحب کا خط میرے نام آیا جس میں انھوں نے اپنا پتہ بلکہ نام تک نہیں لکھا ہے کہ میں ان کو خط ہی سے جواب دے سکتا۔ اس خط میں مجھ سے بہ اصرار شدید یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ "ولی اللہ نمبر" میں "صرف خدا سے ڈرتے ہوئے بے لاگ طور پر" میں اس "حقیقت" کا اعلان کردوں کہ ہندوستان میں موجودہ جماعت "اہلحدیث" کے بانی و مؤسس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں اور آپ کا مسلک وہی تھا جو موجودہ جماعت اہلحدیث کا ہے اور اسکے ثبوت کیلئے جماعت اہلحدیث کے ایک مشہور بزرگ کے ایک مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے جو بہت عرصہ ہوا دہلی ہی کے ایک رسالہ میں بالاقساط شایع ہوا تھا۔ آخر خط میں یہ تہدید بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر تم اس حقیقت کا اعلان نہیں کر سکے تو سمجھا جائے گا کہ اپنی جماعت کے خوف سے ایسا نہیں کر سکے اور یہ بات صرف خدا پرستی کے دعوے کے خلاف ہے" ــــ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تحزب نے لوگوں کے عقل و دماغ کو کس حد تک ماؤف کر دیا ہے ۱۲ منہ

کرتے۔ اور اسی طرح شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے "عاملین بالحدیث" تقلید اور حنفیت کو اس درجہ میں تسلیم کرلیتے جو شاہ صاحب نے صراحۃً ان کو دیا ہے اور شاہ صاحب کی طرح اپنے اختلاف اور اپنی تنقید کا نشانہ صرف "غیر شرعی تقلید" اور "مسخ شدہ حنفیت" ہی کو بناتے۔ اور صحیح قسم کی تقلید اور اصلی حنفیت، یا کم از کم حنفیت میں شاہ صاحب کے پسندیدہ طریقہ ہی کو قبول کرلیتے یا برداشت ہی کرسکتے تو شاہ صاحب کا منشا پورا ہوجاتا

انہی سطور سے شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے متعلق میرا خیال بھی ناظرین کرام کو معلوم ہوگیا ہوگا۔

لیکن جو حضرات یہ معلوم کرنے کے لیے میری رائے کے منتظر ہوں کہ آج کل کی عام عرفی اصطلاح کی رو سے شاہ صاحب "حنفی" تھے یا "غیر مقلد" تو افسوس ہے کہ ان دونوں لفظوں نے اب جو خاص معنی اختیار کرلیے ہیں اُن کے پیش نظر اس سوال کا جواب میرے نزدیک صرف "منفی" ہی ہوسکتا ہے — اگر حنفیت کے دائرہ کو اتنا وسیع مان لیا جائے جتنی وسعت کہ اس کو ہمارے محترم دوست مولانا محمد یوسف صاحب فاضل بنوری نے اپنے مقالہ میں دی ہے اور "فیوض الحرمین" کی مذکورہ صدر عبارت میں شاہ صاحب کے لفظ "واکمل مذہب حنفی" کا مقتضا بھی وہی ہے تو بے شک شاہ صاحب کو "حنفی" کہا جاسکتا ہے اور خود شاہ صاحب بھی اسی معنی کر اپنے کو "حنفی" کہتے ہیں — لیکن آج ہمارے حنفی حلقوں میں "حنفیت" کے جو معنی عموماً سمجھے جاتے ہیں اُن کے اعتبار سے شاہ صاحب کو حنفی کہنا یقیناً زبردستی ہے۔ ہماری حنفی دنیا میں آج اُس شخص کو کہاں حنفی تسلیم کیا جاسکتا ہے جس کا اصول "دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن" ہو — اور جو کتاب وسنت سے فقہ کی "تنقید" کے اس اصول کو قیامت تک کیلئے امت کا فرض قرار دیتا ہو، اور جس کا تحقیقی مسلک وہ ہو جو حجۃ اللہ میں ایک مستقل فصل قایم کرکے "مما ینا سب ھٰذا المقام التنبیہ علی مسائل ضلت فی بوادیہا الافہام الخ" کے زیر عنوان صفحہ ۱۲۳ سے ۲۹ تک شاہ صاحب نے ارقام فرمایا ہے بلکہ اسی حجۃ اللہ میں، اور بدور میں بھی آپ نے دیگر ائمہ کے بعض اقوال کو از روئے ادلہ زیادہ قوی سمجھ کر اختیار بھی فرمایا ہے اور یہ ذکر نادر قسم کے مسائل ہی کا نہیں ہے بلکہ جن مسائل کو آج کل حنفیوں اور غیر حنفیوں میں مابہ الامتیاز سمجھا جاتا ہے بعض ایسے مسائل میں بھی شاہ صاحب نے کسی دوسرے امام کے قول کو قوت دلائل کی وجہ سے اختیار کیا ہے مثلاً "مسئلہ قلتین"، "رفع یدین"، "الترجیع فی الاذان والایتار فی الاقامہ"، "اقامۃ الجمعۃ فی القری التی فیہا اربعون رجلاً حرًّا"، وغیرہ وغیرہ۔

— میرا خیال ہے کہ اگر آج کوئی فاضل دیانت داری سے اس روش پر چلے اور شاہ صاحب ہی کی طرح اس کو "حنفیت" کے مناقض نہ سمجھتا ہو بلکہ اس کو بھی حنفیت ہی کا ایک طریقہ سمجھتا ہو اور اسی بناء پر اپنا رشتہ حنفیت سے بھی رکھنا چاہتا ہو تو ہمارے زمانہ کے ٹکسالی قسم کے حنفی حضرات کبھی بھی اس کو حنفی تسلیم نہیں کرینگے — اور یہ صرف مفروضہ ہی نہیں ہے بلکہ میرے علم میں بعض وہ اہل علم ہیں جنکا طریقہ یہی ہے وہ شاہ صاحب کی ہدایت و وصیت کے مطابق "عرض مجتہدات بر کتاب وسنت" کے قائل ہیں اور اس سلسلہ میں وہ کہیں کہیں فقہ حنفی کی بعض تفریعات کو اپنے نزدیک کتاب وسنت کے مطابق نہ پاکر چھوڑ بھی دیتے ہیں، لیکن کتاب وسنت

کے بعد اُن کا دینی مرجع فقہ حنفی ہی ہو اسی لیئے وہ خود اپنے کو تو پکا حنفی ہی سمجھتے ہیں لیکن ہمارے حنفی بارگاہیں ان کو حنفی تسلیم نہیں کرتیں ـــــ اور پھر بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہو کہ اگر کوئی صاحب علم فقہ حنفی ہی کے اندر اتباع حدیث کے صادق جذبہ کے ماتحت ائمہ ثلثہ اور مشائخ حنفیہ کے انہی اقوال کو اختیار کرے جو اس کے نزدیک "اوفق بالحدیث" ہوں اور اس سلسلہ میں اُسے بعض اُن اقوال کو چھوڑنا پڑے جن کی نسبت فقہ کی کتابوں میں "ظاہر الروایت" کی طرف کی گئی ہے یا جن کو "مفتی بہ" بتلایا گیا ہے تو کھرے اور پکے حنفیوں کے نزدیک اتنے ہی سے اس کی حنفیت مخدوش ہو جاتی ہو۔ اس لیئے اگر میں یہ کہتا ہوں کہ شاہ صاحبؒ آج کل کی عام اصطلاح کے لحاظ سے "حنفی" نہیں تھے تو غلط نہیں کہتا اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ حنفی ہی تھے۔

ایسے ہی میں پوری بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور کہتا ہوں کہ موجودہ جماعت اہل حدیث جس نے زمانہ کے امتداد کے ساتھ اب ایک مستقل پانچویں فقہی مسلک کی حیثیت اختیار کر لی ہو۔ اور جس کے افراد کی اکثریت میں کم از کم میں نے تقلید اور حنفیت سے عناد کا سلبی داعیہ "عمل بظاہر الحدیث" کے ایجابی رجحان سے زیادہ پایا، اس جماعت کو ہرگز حق نہیں ہو کہ وہ شاہ صاحب کو اپنا مقتدا اور ہندوستان میں اس مسلک کا داعی اول مشہور کرے ـــــ میں نے "اہل حدیث" دوستوں اور بزرگوں میں کسی کو ایسا نہیں پایا جو حضرت شاہ صاحب کی ان تحقیقات کا اقرار اور کھلے دل سے ان سے اتفاق ہی کرتے ہوں کہ

(۱) ان هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الامة او من يعتد به منها على جواز تقليدها الى يومنا هذا وفى ذالك من المصالح مالا يخفى لاسيما فى هذه الايام (حجة ص۱۲۳)

اس وقت تک تمام اُمت نے یا کم از کم امت کے اس طبقہ نے جس کا اعتبار کیا جا سکتا ہو ان مذاہب اربعہ (حنفی شافعی مالکی حنبلی) کی تقلید کے جواز پر اجماع و اتفاق کیا ہو اور اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں ہیں خصوصاً آج کل کے اس زمانہ میں۔ الخ

(۲) اور پھر اگلے صفحہ پر ابن حزم ظاہری کا جواب دیتے ہوئے یہ ثابت فرمانے کے بعد کہ "کم علم والوں کا زیادہ علم والوں سے مسائل میں فتویٰ لینا اور اُن کا فتویٰ دینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی سے برابر مسلمانوں کا عام دستور رہا ہو" تقلید شخصی (خالص تقلید شخصی) کی توجیہ اور اُس کا جواز اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

ولا فرق بين ان يستفتى هذا دائما او يستفتى هذا حينا وذالك حينا الخ

ہمارے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ کوئی شخص ہمیشہ ایک ہی عالم (مجتہد) سے فتویٰ لیا کرے (یعنی تقلید شخصی کرے) یا کبھا اتفق کبھی کسی عالم سے اور کبھی کسی عالم سے۔

(۳) انصاف کی یہ عبارت کہ وبالجملۃ فالتمذهب للمجتهدين سر الهمه الله تعالىٰ" جو مع ترجمہ کے اسی نمبر کے

صفحہ (۵۔۳۴) پر ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے

(۴) اور "حنفی مذہب" کے متعلق آپ نے اپنے جو تہذیبات "فیوض الحرمین" میں ظاہر فرمائے مثلاً یہ کہ مجھے دکھایا گیا کہ حنفی مذہب میں بڑا غامض سر ہے ..... یہاں تک کہ میں نے اس کا مشاہدہ کیا کہ فی زمانا "حنفی مذہب" کو تمام دوسرے مذاہب پر فوقیت اور برتری حاصل ہے" (فیوض ص۴۸)

(۵) اور اسی "فیوض الحرمین" میں آپ نے یہ بھی صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ "مذاہب اربعہ" کی تقلید کے بارہ میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص وصیت ہے (ملاحظہ ہو نمبر ہذا کا صفحہ (۳۶۵)

(۶) اور دوسری جگہ فرمایا "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تم فروع (یعنی فقہ) میں اپنی قوم (یعنی ہندی مسلمانوں کی جو عموماً حنفی المذہب ہی تھے) مخالفت نہ کرو"۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ سرکار رسالت ہی سے مجھے "سنت" کے ساتھ فقہ حنفی کی تطبیق کا طریقہ بھی بتلایا گیا الخ (ملاحظہ ہو نمبر ہذا کا صفحہ (۳۶۴)

اور پھر ان تمام "حقائق" کے اظہار کے ساتھ اپنے دستخط کے ساتھ بھی "الحنفی عملاً" لکھتے ہیں (ملاحظہ ہو نمبر ہذا کا صفحہ ۳۳۲)

بہرحال میں نے "اہلحدیث" کہلانے والے دوستوں اور بزرگوں میں جن کو کچھ معتدل اور غیر متعصب بھی پایا ان کو بھی حضرت شاہ صاحب کے اس مسلک سے بہت دور پایا اس لئے میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ حضرات کس بنیاد پر حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنا "پیش رو" کہتے یا کہہ سکتے ہیں ۔۔۔۔ الحاصل ؎

وکلٌ یدّعی وصلاً بلیلیٰ ولیلیٰ لاتقرّ لھم بذاکا

حضرت شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے متعلق یہ بحث تو استطراداً آگئی ورنہ دراصل آپ کے "وصیت نامہ" کی اوّل وآخر دو وصیتوں پر ہم اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے تھے پہلی وصیت تو گزر چکی آخری وصیت آپ کی یہ ہے:

در حدیث آمدہ است "من ادرک منکم عیسی بن مریم فلیقرء منی السلام" ایں فقیر آرزوے تمام دارد اگر ایام حضرت روح اللہ را دریابد اول کسیکہ تبلیغ سلام کند من باشم و اگر من آں زمانہ در نیابم ہر کسیکہ از اولاد و یا اتباع ایں فقیر زمان بعثت نشان آنحضرت دریابد حرص تمام کند در تبلیغ سلام تا کتیبہ آخرہ از کتائب محمدیہ ما باشیم۔ والسلام علی من اتبع الھدی (وصیت نامہ ص۲۲)

حدیث میں وارد ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم میں سے عیسیٰ بن مریم کو پائے تو ان کو میرا سلام پہونچا دے۔ اس فقیر کی بڑی تمنا ہے کہ اگر حضرت روح اللہ مسیح بن مریم کا زمانہ مجھے میسر ہو تو سب سے پہلا وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام ان کو پہنچائے وہ میں ہوں ۔۔۔ اور اگر وہ زمانہ میں نے نہ پایا تو پھر میری اولاد اور میرے پیرووں میں جو بھی حضرت مسیح کی آمد ثانی کو پائے اسکو میری وصیت ہے کہ حضرت کی اس سلامی پیغام کو ان تک سب سے پہلے پہنچانے کی وہ پوری

[redacted]

کوشش کرے تاکہ محمدی سفیروں میں آخری سفیر ہونے کا شرف ہم کو حاصل ہو۔ والسلام

حضرت شاہ صاحب کی اس وصیت کو اُن کے تمام حلقہ گوشوں تک پہونچاتے ہوئے یہ عاجز بھی اپنے عزیزوں اور دوستوں سے خاص طور پر درخواست کرتا ہے کہ وہ اس سعادت کے حاصل کرنے کی پرجوش تمنا اور حریصانہ نیت رکھیں اور یہ عیبوں سراپا تقصیر بھی الحمد للہ انتہائی درجہ میں اس کا آرزومند ہے۔ دیکھئے یہ دولت کس قسمت والے کے ہاتھ آتی ہے واللہ یختص برحمتہ من یشاء

حضرت شاہ صاحب کی اس آخری وصیت ہی پر اس سلسلہ کو بھی ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت کی وفات اور باقیات صالحات کا ذکر مولانا گیلانی کے مقالہ میں آچکا ہے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

محمد منظور النعمانی عفا اللہ عنہ

ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ

مجلس علمی ڈابھیل کی جلیل القدر مطبوعات

تخریج زیلعی اس عظیم القدر کتاب کے تعارف میں یہاں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مصر و شام اور حرمین شریفین کے علماء و فضلاء نے مجلس علمی کی اس شاندار علمی خدمت پر تحسین کی ہے اور حکومت حجاز نے بلا کسی خاص سعی و کوشش کے اس کے تین سو نسخے خریدے ہیں کاغذ اور کتابت وغیرہ نہایت اعلیٰ ہے قیمت ہر چہار جلد کامل صرف چودہ روپیہ للعہ

خیر کثیر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی یہ جلیل القدر اور عدیم النظیر کتاب قطعاً نایاب تھی مجلس علمی نے اس کو نہایت اعلیٰ صورت میں شائع کر کے فی الحقیقت بڑا احسان کیا ہے قیمت ایک روپیہ (عہ ۱)

البدور البازغہ یہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی تصنیف ہے اور خیر کثیر کی طرح یہ بھی کبھی طبع نہ ہوئی تھی اس میں حضرت مصنف نے اہم مباحث الٰہیہ اور مسائل کلامیہ پر اپنے مخصوص حکیمانہ اور مجددانہ انداز میں بحث کی ہے قیمت پونے دو روپیہ (۱۲عہ)

تفہیمات الٰہیہ کامل حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی ایک نایاب و نادر و یادگار کتاب کہ جس کے قلمی نسخے بھی ہندوستان بھر میں دو چار سے زیادہ نہ تھے مجلس علمی نے بڑی شان کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا ہے قیمت ہر دو جلد ساڑھے تین روپے (سے)

زاد الفقیر امام ابن ہمام کی یہ کتاب جو فقہ میں ہے قطعاً نایاب بلکہ اب تک غیر مطبوعہ تھی مجلس نے اسکو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے قیمت ۱۲ر

معارف لدنیہ حقائق و معارف پر حضرت مجدد الف ثانی رح کا قابل دید رسالہ قیمت ۶ر

فیض الباری فی شرح البخاری یہ شیخ الاسلام خاتم المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو حضرت ممدوح درس بخاری میں فرماتے تھے بڑی محنت اور قابلیت سے ان کو عربی میں مرتب کیا گیا ہے اور مجلس علمی نے بڑے اہتمام سے اس کو بھی مصر میں چھپوایا ہے فی الحقیقت صحیح بخاری کی نہایت بلند پایہ شرح اور علوم دینیہ بالخصوص فن حدیث کی بہترین "دائرۃ المعارف" ہے اس کے بھی تین سو نسخے حکومت حجاز نے خرید لئے ہیں کل چار جلدیں ہیں لیکن ہندوستان میں ابھی صرف پہلی دو جلدیں آئی ہیں جن کی قیمت چھ روپیہ ہے

مشکلات القرآن قرآن پاک کی جن آیات میں علمی اشکالات ہیں انکی تفسیر و اشکالات کا حل حضرت مولانا انور شاہ رح کا خاص فن تھا یہ کتاب حضرت ممدوح کی انہی تحقیقات کا مجموعہ ہے۔ قیمت دو روپیہ (عہ)

قادیانیوں کے رد میں حضرت کی خاص تالیفات

اکفار الملحدین عربی کفر و اسلام کی حقیقت اور ان کے حدود کی تعیین ۱۲ر

عقیدۃ الاسلام عربی مسئلہ حیات مسیح پر فاضلانہ اور علمی بحث قیمت ۱۲عہ

تحیۃ الاسلام عربی عقیدۃ الاسلام کا حاشیہ یا تکملہ قیمت ۱۲ر

خاتم النبیین فارسی مسئلہ ختم نبوت پر اپنی شان کی واحد کتاب قیمت ۸ر

نفحۃ العنبر حضرت مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہٗ کی سوانح حیات بزبان عربی از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری قیمت ایک روپیہ (عہ ۱)

احکام القبلۃ والمحاریب: قبلہ اور مساجد کے متعلق احکام و مسائل پر بھی مولانا موصوف ہی کی بے نظیر اور جامع کتاب ہے یہ بھی مجلس نے مصر میں طبع کرائی ہے۔ قیمت سوا روپیہ (۱۴عہ)

امتِ مسلمہ سے روحِ ولی اللّٰہی کا خطاب

(از جناب سید محمد عبد الرب صاحب صوفی اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ)

یہ دیکھ کیوں ہیں تعیش کے میکدے آباد — نہ پوچھ مسجدِ غرناطہ کیوں ہوئی برباد
یہ دیکھ کس نے بھرا روپ آج غیروں کا — نہ پوچھ ذوق میں اسلامیوں کے کیا ہے فساد
یہ دیکھ رسم و رہِ خسروانِ دیں کیا تھی — نہ پوچھ ٹوٹ گئی کیوں خلافتِ بغداد
یہ دیکھ سخت ہے کس درجہ بندِ لادینی — نہ پوچھ ہائے مسلمان ہونگے کب آزاد!
یہ دیکھ کس نے محمدؐ سے بے وفائی کی — نہ پوچھ قومِ مسلماں ہے آج کیوں ناشاد
یہ دیکھ خوار ہے مسلم ہے خوار تر کہ نہیں — نہ پوچھ تیز ہے کیوں لہجۂ لَبِالمِرصَاد
یہ دیکھ کون ہے مصداقِ حرفِ یَلبِسَکُم — نہ پوچھ قہرِ خدا نے کسے کیا برباد
جو مٹ رہے ہیں ہیں اُنکی خوابگاہیں دیکھ — نہ پوچھ حشرِ طلسماتِ جنتِ شداد
نہ دل میں شوقِ اطاعت نہ ذوقِ ایمانی — ترے ہوس کی عمارت ہے سخت بے بنیاد

کدھر چلا ہے کدھر راہ ہے کہاں منزل
یہ تیرا وقت! یہ مشکل! یہ سعی لاحاصل!

تری حقیقتِ ہستی ہے دانۂ اسپند — اگر ہو ضبطِ خلیلی تو شعلہ دے نہ گزند
ہمالیہ سے گزر جائے حدِ رفعت میں — وہ ذرہ جس کے تب و تاب میں ہو عزم بلند
کمال جادۂ لاترکنوا کی منزل ہے — سوال کر نہیں سکتا فقیرِ غیرت مند
زمیں سے اپنی اُبھر کر بلند ہو جانا — بس اتنی بات کو کہتے ہیں رفعتِ الوند
حسینؓ بن کے ہزاروں حسین پیدا کر! — اگر یزید کی بیعت تجھے نہیں ہے پسند
منیٰ میں آج بھی لگتی ہے چوٹ سی دل پر — کہ یاد آتے ہیں ذبح وہ اب و فرزند
یہ بات ہوتی ہے پختہ یقین سے پیدا — کہ ناز دیکھ کے دل ہو نیاز کا پابند

توانگری پہ صوابِ عمل نہیں موقوف
خدا سے روٹھ کے تقدیر کا گلہ تا چند

عجیب چیز ہے افلاس مردِ مومن کا
یہ ہو تو سہل ہے فقرِ رسولؐ سے پیوند

گلہ زمانہ کا ہے جانِ پاک زہر ہی زہر
سمجھ تو فلسفۂ نہی لاتسبّوا الدھر

ہوائے صحن چمن لاکھ ہو نشاط انگیز
نہیں وہ ضبطِ مسلماں جو توڑ دے پرہیز

ہوئی جو بارشِ مے جام الٹ دیا میں نے
مرا پیالہ کبھی ہو نہیں سکا لب ریز

متاعِ لذتِ آہِ سحر گہی مت کھو
بہت کم ارز ہے اقلیمِ خسرو و پرویز

تجھے یہ سیرِ گل و غنچہ سازگار نہیں
اگر ہے ذوق دکھا سوزِ رومی و تبریز

اگر پسند نہیں تجھ کو گردشِ ایام
تو کیوں نہ اٹھ کہ ہویدا ہو کوئی رستاخیز

عجیب عقدہ کیا وا حکیمِ مشرق نے
"زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز"

کسی سے پوچھ طریقِ صلاح کار مگر
عیارِ شرع نہیں کار نادر و چنگیز

نہ شہسوار نہ منزل سے آشنا ہے تو
عبث ہیں تیرے لیے تازیانہ و مہمیز

تمام قوتِ خیبر شکن ہے چنگیزی
نہ ہو ملا کے حرم حبِ مصلحت آمیز

مزاج چاہیئے تیرا کہ خانقاہی ہو!
جو دل مقامِ الٰہی بدن سپاہی ہو!

تجھے قرار نہیں ہے ابھی کسی پہلو
خود اپنے دل پہ ابھی تک تجھے نہیں قابو

تری نگاہ کا دامن ابھی ہے آلودہ
بھٹک رہی ہے ابھی تک تری نظر ہر سو

بھری ہیں سر میں ہوائیں ہوا پرستی کی
شرابِ عشق سے خالی ہے نہ کیوں یہ کدو

نظامِ ملتِ بیضا ابھی درست نہیں
کہ ہے زباں پہ ابھی تک فسانۂ من و تو

عدو نے مل کے گلے خوب جب کاٹے ہیں
زبانِ تیغ سے اب تک ٹپک رہا ہے لہو

اثر کہاں سے ہو پیدا تری خطابت میں
کہ آ رہی ہے تری نطق سے نفاق کی بو

ذرا ٹٹول تو پہلو میں قلبِ مومن کو
کہے تو اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا ھُوْ

عمل بہت ہے مگر کیوں کوئی نتیجہ نہیں
عبث ہے سوزنِ بے رشتہ سے امیدِ رفو

اثر کہاں سے ہو اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی کا
ابھی تو آبِ نجس سے کیا ہے تو نے وضو

بغیر پیروی حق ابھر نہیں سکتا

بدن میں روح یقیں ہو تو مر نہیں سکتا

نظر اُٹھا تو یہی او اسیرِ نعمت و جاہ
فقیرِ مست کے پیروں تلے ہے تاج و کلاہ

"گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی ہیں"
فرازِ چرخ کنم حکم بر ستارہ و ماہ

نہ خانقاہ وہ میری نہ مدرسہ کہ جہاں
"نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ"

یہ وہ دیار ہے جس کی فضا میں بستی ہے
وہ زندہ قوم کہ جس کے لیے ہے موت گناہ

سنو ممات کے بندو کہ معتبر ہے فقط
حیات ان کی جو مرتے ہیں فی سبیل اللہ

تُجَاهِدُونَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
یہی ہے عشق یہی معرفت یہی ہے نگاہ

یہ معرفت ہے نہ اسٹیج پر نہ کالج میں
مری بیاں یہ زمانہ کی چپقلش ہے گواہ

وہ خانقاہ ہے میری کہ جس کی راتوں میں
بلند غلغلہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ

وہ مدرسہ ہے مرا جس کی درسگاہوں میں
معلم و متعلم ہیں سب "ولی اللہ"

مرا مزاج لڑکپن سے خانقاہی ہے
مرا ضمیر سپاہی دماغ شاہی ہے

نہ کج کلاہ ہے صوفی نہ صاحبِ اکلیل
گلیم و خرقہ نہ تن پر نہ وقفِ پر زنبیل

غنی ہوں صورتِ عثمانؓ فقیر مثلِ علیؓ
نہیں متاع کو میری غمِ کثیر و قلیل

مری نظر میں یمِ قلزم و زمیں سوز؟
وہ رنگ دشت و بیاباں یہ رنگ دجلہ و نیل

تمام سادہ و رنگیں ہے زندگی میری
نہ ہے طریقہ عبد العزیزؒ و اسماعیلؒ

کہیں بلند تو ہو سید احمدی پرچم
کہ قافلہ ہے مرا گوش بر صدائے رحیل

ادب سے "یا ابتِ افعل" کہے گلو میرا
کہیں سنائے تو "ما ذا تری" زبانِ خلیل

اُٹھے جو مدرسہ و خانقاہ کا لشکر
بہم ہو قوتِ جبریل و صور اسرافیل

بہت قریب ہے نصرت اگر ہو عزمِ غزا
کہ فتحِ بدر ہے فِئَةٍ قَلِيلَةٍ کی دلیل

ہمیشہ تیغ پہ کچھ منحصر نہیں ہے جہاد
دلوں میں ہو تو یہی پختہ جذبۂ تعمیل

یہی ہے مختصراً حکمتِ ولی اللہ
جمے تو مدرسہ و خانقہ اُٹھے تو سپاہ

Accession Number 12629
Date 20-12

"قواریخ جانفزا"

۱۳۵۹ ہجری

ہدیۂ محقر از محمد حسن بدر سنبھلی فاضل دیوبند"

۱۹۴۰ عیسوی

"تحفۂ الفرقان ولی اللہ نمبر"
۱۳۵۹ ہجری

گنج جواہر بیّنات من الہدیٰ والفرقان
۱۳۵۹ ہجری

"الفرقان بریلی کا گلشن عرفان ولی اللہ نمبر"
۱۹۴۰ عیسوی

"الفرقان کا جلیل المراتب شاہ ولی اللہ نمبر"
۱۹۴۰ عیسوی

"کاشفِ اسرار و بیّنات من الہدیٰ والفرقان"
۱۹۴۰ عیسوی

شاہِ اقلیمِ علومِ دیں ولی اللہ کو — حق نے بخشی تھی عجب فکرِ رسا طبعِ سلیم
آپ وہ مردِ مجاہد فی سبیل اللہ تھے — جس کی ہیبت سے مزاجِ کفر رہتا تھا سقیم
شرک و فسق و بدعت و الحاد نے کھائی شکست — سیفِ مسلولِ ولی اللہ سے ہو کر دونیم
آپ کی شمعِ ہدایت کی بدولت ہند میں — پائی سب گم کردہ راہوں نے صراطِ مستقیم
آپ ہی کے عہد میں اُس دین نے پایا فروغ — آپ سے پہلے ہوا تھا جو یہاں آکر مقیم
بہرہ اندوزِ سعادت ہند ہی تنہا نہ تھا — تھا عرب بھی اور عجم میں آپکا فیضِ عمیم
خیر و برکت کا سبب ہے ذکرِ اقدس آپکا — ہاں مگر مدکار ہے اس ذکر کو قلبِ صمیم
ہم کو "الفرقان" کا ممنون ہونا چاہیے — جس کے ہیں اوراق ذکرِ پاک سے باغِ نعیم
عطر آگیں ہے "ولی اللہ نمبر" کس قدر — روح افزا ہے دماغوں کیلئے اسکی شمیم
اہلِ ایماں میں یہ نمبر اس طرح شایع ہوا — باغِ عرفانِ الٰہی میں چلی گویا نسیم

ہے "ولی اللہ نمبر" بدر "الفرقان" کا
سالِ تاریخِ طباعت کیوں نہ ہو "ذکرِ عظیم"
۱۹۴۰

(اس سے پہلی تمام فہرستیں منسوخ سمجھی جائیں)

مختصر فہرست مکتبہ الفرقان بریلی

اس مکتبہ کی واحد غرض اور اس کا مقصد وحید "الفرقان" کا قیام و بقا ہے

ہمارے احباب میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ مسلمانوں میں ذوق صحیح کی کمی اور عام دینی کساد بازاری کی وجہ سے رسالہ "الفرقان" کے خریداروں کی تعداد کسی وقت بھی اتنی نہیں ہوسکی کہ وہ اپنے تمام مصارف خود برداشت کر سکتا۔ دو تین سال کے تلخ تجربہ کے بعد بعض تجربہ کار بزرگوں کے مشورہ سے الفرقان کے خسارہ کو پورا کرنے ہی کے لیے ۱۳۵۵ھ میں "الفرقان" کا تجارتی کتب خانہ قائم کیا گیا تھا، اور یہ واقعہ ہے کہ "الفرقان" کو اس سے کافی سہارا ملا اور اگر یہ "مکتبہ" نہ ہوتا تو ہم کسی طرح بھی "الفرقان" کو زندہ نہیں رکھ سکتے تھے — خاص کر اس وقت تو جبکہ جنگ یورپ کی وجہ سے کاغذ وغیرہ بے حد گراں ہے "الفرقان" کی حیات و بقا کا بڑا سہارا مکتبہ ہی کا کاروبار ہے۔

لہٰذا جو حضرات اپنی کتابی ضرورتوں کے وقت "مکتبہ الفرقان" کو یاد فرماتے اور اس سے کتابیں طلب فرماتے ہیں وہ سب درحقیقت ادارۂ "الفرقان" کے معاون ہیں اور ہمارے شکریہ کے مستحق۔

ہم اپنے تمام ناظرین سے امیدوار ہیں کہ جب کبھی اُن کو کسی مذہبی، علمی، ادبی، درسی یا غیر درسی کتاب کی ضرورت ہو گی تو ضرور وہ اپنے اس مکتبہ کو یاد فرمائیں گے۔ اس مختصر فہرست میں جو کتابیں ہیں وہ عموماً مکتبہ میں موجود ہی رہتی ہیں ان کے علاوہ بھی عام ضرورت کی مفید دینی و علمی کتابوں کا اب بحمداللہ کافی اسٹاک آپ کے مکتبہ میں ہے۔

اور جو کتابیں موجود نہیں رہتیں وہ بھی فرمایش آنے پر مہیا کر کے بھیجی جاتی ہیں کاغذ و طباعت وغیرہ کی عمدگی اور قیمتوں کی ارزانی کا تا بحد امکان لحاظ رکھنا ہمارا فرض ہے۔

ضروری قواعد مکتبہ "الفرقان" بریلی

(۱) پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ کی فرمایش کے ساتھ کم از کم ایک روپیہ پیشگی آنا چاہیے۔

(۲) جن مجلد کتابوں کا اس فہرست میں اشتہار ہے ان کی جلدیں دہلی وغیرہ کی تیار شدہ ہیں ان کے علاوہ اگر کوئی اور کتاب مجلد منگوائی جائے گی تو بریلی میں ہی تیار کرا کے بھیجی جائے گی لیکن یہاں کی جلدیں دہلی یا کلکتہ جیسی خوشنما نہیں ہوتیں البتہ مضبوط اور پائدار ان سے زیادہ ہوتی ہیں۔

(۳) اگر فرمایش کی کوئی کتاب بروقت موجود نہ ہو گی تو حتی الوسع باہر سے منگوا کر آپ کی فرمایش پوری روانہ کی جائیگی بصورت مجبوری ہم معذور ہوں گے۔

(۴) اگر پارسل میں کوئی کتاب ناقص پہنچ جائے یا مطلوبہ کتاب کے بجائے غلطی سے کوئی دوسری کتاب چلی جائے تو پندرہ دن کے اندر اطلاع آنے پر اس کی تلافی کر دی جائیگی۔

(۵) محصول ڈاک اور صرف پیکنگ ہر حال میں بذمہ خریدار ہوگا الا بصورت استثنا۔

(۶) فرمایش کے ساتھ اپنا پورا پتہ صاف اور خوشخط لکھیے اور اگر کتابیں ریلوے سے منگواتی ہوں تو جس ریلوے اسٹیشن کا نام بھی صاف خوشخط لکھیے جس سے پارسل وصول کرنے میں آپ کو سہولت ہو۔

(۷) جس قدر زیادہ کتابیں آپ منگوائیں گے اسی قدر محصول وغیرہ کی آپ کو کفایت ہو گی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

ناظم مکتبہ "الفرقان" بریلی یوپی

کیا آپ کو قرآن پاک کی ضرورت ہے؟

اگر آپ حمائل یا مترجم قرآن مجید منگوانا چاہیں تو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ ہم کو اس کے اوصاف لکھ بھیجیے اور انتخاب ہم پر چھوڑ دیجیے ہم کوشش کرینگے کہ آپ کی فرمائش کے مطابق بہتر سے بہتر اور ارزاں سے ارزاں ہدیہ کا قرآن پاک بھیجیں اس معاملہ میں ہمارے انتخاب اور ہماری تجربہ پر اعتماد کیجیے۔ جو قرآن پاک جنکو ہم اپنی دانست میں ہر حیثیت سے اچھا سمجھتے ہیں صرف اجمالاً یہاں ان کا ذکر کیا جاتا ہے نہیں تو آپ جس کو پسند کریں تحریر فرمائیں وہی بھیج دیا جائیگا۔

پچپن (۵۵) خوبیوں والا معجز نما قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ (مع تفسیر اردو)

اس میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کا ہے اور دوسرا حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کا حاشیہ پر کامل تفسیر ہے جس کو تمام تفاسیر درمنثور، ابن کثیر، خازن، معالم، تفسیر کبیر، ابو السعود وغیرہ سے لیا گیا ہے شروع میں ایک بسیط مقدمہ ہے جس میں تمام مشہور پیغمبروں کی سوانح حیات ہے خاص خاص مجرب عملیات بھی اسمیں درج کیے گئے ہیں روشن قلم اور صحت بے مثال ہے قیمت مجلد سنہری آٹھ روپیہ (ﷲ) رعایتی صرف چھ روپیہ (ﷲ)

معجز نما متوسط قرآن شریف مع ترجمہ حقانی

تراجم اور تفسیری مضامین اس قرآن مجید کو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے صرف فرق یہ ہے کہ اوپر والے قرآن مجید کا قلم بہت جلی ہے اور اس کا متوسط درجہ کا ہدیہ کاغذ سفید چکنا مجلد سنہری چھ روپیہ (ﷲ) رعایتی صرف ساڑھے چار روپیہ (للعہ) کاغذ رف مجلد پشتہ چرمی ساڑھے تین روپیہ (ﷲ) رعایتی دو روپیہ دس آنے (ﷲ)

غریبوں کا ہدایت نما قرآن مجید بدو ترجمہ

جدید الطبع

تراجم اور تفسیری مضامین کے لحاظ سے یہ بھی معجز نما کے مثل ہے شروع میں ویسا ہی مقدمہ ہے صرف تقطیع کا فرق ہے یہ خاص طور پر غرباء کا لحاظ کرکے تیار کیا گیا ہے ہدیہ کاغذ سفید چکنا یا فیروزی خانشدہ مجلد چرمی گلکتہ چار روپیہ (للعہ) رعایتی صرف سوا تین روپے (ﷲ) ہدیہ کاغذ رف مجلد پشتہ چرمی ڈھائی روپیہ (ﷲ) رعایتی دو روپیہ دو آنے (ﷲ) و مجلد رف پارچہ دو روپے (ﷲ) رعایتی ایک روپیہ دس آنے (ﷲ)

اعمال قرآنی ہر حصہ

حضرت تھانوی مدظلہ کی تصنیف معروف کیف ہے جس میں حضرت نے اپنے اور اپنے مشائخ کی مجرب عملیات جمع فرمادیے ہیں قیمت ۵ر رعایتی چار آنے (ﷲ)

معجز نما حمائل شریف مترجم حقانی

زرین ترجمہ حضرت حکیم الامت مدظلہ اور حاشیہ پر اردو کی تفسیر شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل سوانح حیات کاغذ سفید چکنا ہدیہ غیر مجلد تین روپیہ رعایتی صرف دو روپیہ چار آنہ مجلد چرمی مثل کلکتہ پونے چار روپیہ (ﷲ) رعایتی صرف (ﷲ) ہدیہ کاغذ رف غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ (ﷲ) رعایتی صرف (ﷲ) رف مجلد پشتہ چرمی دو روپیہ (ﷲ) رعایتی صرف (ﷲ) ڈیڑھ روپیہ۔

نورانی قرآن مجید مصری

کم داموں کا اس سے خوشخط اور اچھا قرآن مجید مصری اس وقت کوئی نہیں ہے کاغذ سفید چکنا۔ جو اب کمیاب ہو چکا ہے ہدیہ غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ رعایتی صرف ایک روپیہ دو آنہ۔ (ﷲ)

قرآن مجید ہفت مہری مصری

یہ بچوں کے پڑھنے کے لئے بہترین قرآن مجید ہے ہر کلمہ الگ الگ اعراب واضح، طباعت صاف، صحت قابل اطمینان رعایتی ہدیہ مجلد چرمی کاغذ چکنا سوا دو روپیہ (ﷲ) و مجلد پارچہ پونے دو روپیہ (ﷲ) کاغذ رف مجلد پارچہ صرف سوا روپیہ (ﷲ)

مناجات مقبول حقانی مکمل

حضرت مولانا تھانوی کی یہ متبرک تالیف ہے جس میں حضرت نے حدیث و قرآن میں وارد شدہ تمام دعاؤں کو جمع فرمادیا ہے پھر نثر و نظم میں ان دعاؤں کا ترجمہ بھی ہے مع حزب البحر و اسماء بدرین وغیرہ ہدیہ کارڈ سائز مجلد دس آنے (۱۰ر) ہدیہ ڈبل سائز غیر مجلد بارہ آنے (۱۲ر) رعایتی قیمت صرف ۱۰ر

اگر کوئی کتاب راستہ میں خراب ہو یا آرڈر کی غلطی سے جاتی رہے تو دس دن تک اطلاع نہ آنے پر کسی تلافی کی جاتی بعد میں ذمہ داری نہیں۔ آرڈر کے ساتھ اپنا مکمل پتہ اور قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام بھی صاف اور خوشخط لکھیے۔ ناظم مکتبہ الفرقان بریلی

تجوید اور قرأت کی درسی کتابیں اور عام رسائل مکتبہ الفرقان میں ہمیشہ رہتے ہیں اور رعایتی قیمتوں سے بھیجے جاتے ہیں

تفسیر بیان القرآن مکمل جدید بارہ جلد

(از حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ)

حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد یہ تفسیر دوبارہ شائع ہوئی ہے، اپنی شہرت اور بے نظیر مقبولیت کی وجہ سے کسی تعارف کی محتاج نہیں پھر حضرت حکیم الامت کا نام نامی بجائے خود کافی ضمانت ہے۔ اس ایڈیشن میں حضرت مدظلہ کی بیش قیمت و جلیل القدر کتاب مسائل السلوک من کلام ملک الملوک جو علحدہ چھپے کو ملتی ہے مکمل اس تفسیر کے حاشیہ پر چڑھا دی گئی ہے نیز حضرت کی دوسری کتاب جو ملحقات بھی چڑھائی گئی ہے پہلے جبکہ یہ اتنی مکمل بھی نہ تھی اور نہ کوئی اور کتاب اس کے حاشیہ پر تھی اسکی قیمت بیس روپیہ تھی اس مکمل ایڈیشن کی قیمت ہے اور ہمارے یہاں سے اس وقت آپ ساڑھے چودہ (للعہ) روپیہ میں منگوا سکتے ہیں۔

تفسیر حقانی اردو جدید ایڈیشن

یہ تفسیر پچاس سال سے مقبولیت حاصل کرچکی ہے، اب بھی دفعہ چھپ کر تیار ہوئی ہے اس کی کل آٹھ جلدیں ہیں اس جدید ایڈیشن میں ہر جلد کے ساتھ مضامین تفسیر کی نہایت مفصل فہرست مرتب کرکے بھی لگا دی گئی ہے جس کی وجہ سے مطالب و مضامین قرآن کے نکالنے میں اب بڑی سہولت ہوگئی۔ پہلے یہ تفسیر تیس روپیہ سے کم میں کسی حالت میں نہیں ملتی تھی لیکن غرباء کے لحاظ سے اس جدید ایڈیشن کی قیمت صرف بارہ روپیہ رکھی گئی ہے۔ عہ

البیان فی علوم القرآن

مولف تفسیر حقانی کی معرکۃ الآراء کتاب جس میں اسلام اور قرآن سے متعلق تمام اہم مباحث پر محققانہ بحث کی گئی ہے کاغذ کتابت، طباعت نہایت اعلیٰ ساڑھے چھ سو صفحات قیمت للعہ رعایتی للعہ (اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہوچکا ہے جس کی قیمت دس روپیہ ہے)

پانچ ترجموں والا قرآن مجید

مع تفسیر احسن التفاسیر کامل

یہ قرآن مجید تعارف سے بے نیاز ہے زیر متن پانچ ترجمے ہیں پہلا شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا۔ دوسرا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا۔ تیسرا شاہ رفیع الدین صاحب کا۔ چوتھا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا۔ پانچواں حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہ کا۔ حاشیہ پر احسن التفاسیر لکھی ہوئی ہے جو اردو زبان میں بہترین تفسیر ہے اور جو کبھی تنہا بیس روپیہ میں ملتی تھی۔ یہ قرآن مجید جو معنوی جامعیت کے لحاظ سے اس وقت سب سے بہتر قرآن پاک ہے، اب قریب الختم ہے۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر آپ کو یہ خریدنا ہو تو اس وقت لے لیجئے مجلد صرف گیارہ روپیہ میں جلد نہایت اعلیٰ قسم کی کلکتہ والی سنہری ہے۔

قرآن شریف

با ترجمہ

حضرت شیخ الہندؒ

یہ قرآن شریف جس کو مدینہ پریس، بجنور نے شائع کیا ہے جس کا ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہوا ہے، اور جس کے تفسیری فوائد عمدۃ المفسرین علامہ دوراں حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے لکھے ہیں اتنی مقبولیت اور شہرت حاصل کرچکا ہے کہ اب کسی اور تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کے تین ایڈیشن اس وقت ہیں۔

(۱) قرآن پاک قسم اعلیٰ قیمت مجلد سنہری دس روپیہ رعایتی نو روپے صرف (لعہ)

(۲) قسم دوم ارزاں ایڈیشن مجلد چرمی قیمت چھ روپیہ رعایتی ساڑھے پانچ روپیہ (صہ)

(۳) حمائل شریف مجلد قسم اعلیٰ قیمت ساڑھے پانچ روپیہ رعایتی پانچ روپیہ (صہ)

تصوف اور قرآن

تصوف کے متعلق عرصہ دراز سے افراط و تفریط جاری ہے متصوفین کا ایک گمراہ گروہ سمجھتا ہے کہ تصوف شریعت سے بالکل الگ کوئی چیز ہے اور ایک دوسری جماعت خالص ارباب ظاہر کی ہے جو نفس تصوف ہی کی مخالف ہے اور اس کے نزدیک تصوف ایک بدعت ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ حضرت حکیم الامت مدظلہ نے اس کتاب مسائل السلوک میں تصوف کی تمام اصول و فروع کو کتاب اللہ سے اخذ کرکے ثابت کیا ہے کہ طریقت عین شریعت اور شریعت عین طریقت ہے اور دونوں میں تفریق کرنا بیدینی یا جہالت ہے قیمت ۴؍ رعایتی ۳؍

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ الفرقان بریلی۔ یو۔پی

ہر مسئلہ کا جواب

(یعنی کتب فقہ وفتاوی بزبان اردو)

فتاوی دار العلوم دیوبند

از ہر مسئلہ دار العلوم اور اس کے علماء کو حق تعالیٰ نے جو مقبولیت عامہ اور اعتماد تام عطا فرمایا ہے وہ آپ پر مخفی نہ ہوگا ہندوستان و بیرون ہندوستان میں عوام و خواص میں پہنچا یہاں تک عدالتوں میں دار العلوم دیوبند ہی کا فتویٰ فیصلہ کن مانا جاتا ہے خود علما اور ارباب فتویٰ جب کسی مسئلہ میں الجھتے ہیں تو دار العلوم ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، تاہم نہ اتنے عظیم الشان اور معرکۃ الآرا فتاوی کی تدوین و اشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا لیکن اب ان کی اشاعت کا ایک تدریجی سلسلہ شروع ہو گیا ہے اس وقت تک اس کی چھ جلدیں شایع ہو چکی ہیں قیمت فی جلد ایک روپیہ ۱۲/ رعایتی صرف ۱۳/

فتاوی محمدی معہ شرح دیوبندی

آپ نے اس سے پہلے بہت سے فتاوے دیکھے ہوں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتاوی نظر سے نہ گزرا ہوگا۔ اس کتاب میں وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جن کا جواب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا اور حصہ دوم میں ان کے علاوہ ساڑھے نو سو مسائل ضروریہ کے وہ بیس استفتاء درج ہیں جن کا جواب صحابہ و تابعین نے عطا فرمایا قیمت ہر دو حصہ ۱۰/ رعایتی ۸/

سب سے اعلیٰ مکمل و مدلل جدید ترین بہشتی زیور

ہمارے اس مکمل و مدلل جدید ترین بہشتی زیور کو منگوا کر آپ یقیناً بہت زیادہ خوش ہوں گے اس اڈیشن میں اس کتاب کی خدمت کا آخری حق ادا کر دیا گیا ہے

اصل کتاب کے تعارف کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس خاص اڈیشن کے متعلق اتنا ضرور عرض کرنا ہے کہ اب تک کے تیار شدہ بہشتی زیوروں میں یہ اڈیشن ہر حیثیت سے اعلیٰ اور سب پر فائق ہے مستند اور ذمہ دار علما کی ایک جماعت سے عربی اور اردو میں جدید حواشی کا اضافہ، مسائل پر نظر ثانی و صحت، شبہات مخالفین کے جوابات اور مضامین ترجیح الراجح وغیرہ کا اضافہ نہایت اہتمام سے اور بیدریغ روپیہ صرف کر کے کرایا گیا ہے، بعض مسائل میں خود حضرت حکیم الامت مدظلہ نے ترمیم بھی فرمائی ہے۔ بہت سے مسائل جن کا الجھاؤ صدیوں سے ختم نہیں ہوا تھا ان کی پوری تحقیق اور تنقیح کر دی گئی ہے، جہاں جہاں فقہ کی روایات میں خلاف تھا وہاں مفتی بہ غیر مفتی بہ، راجح مرجوح کی پوری تفصیل کر دی گئی ہے اور چونکہ مسائل کے دلائل بھی قرآن و حدیث اور کتب فقہ کے حوالہ سے حاشیہ میں لکھ دیئے گئے ہیں اس لیے اب کوئی مخالف معاند اس کے کسی مسئلہ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا۔ بہر حال اب یہ ایک مستقل و مستند فتاوے کی کتاب ہے جو اہل علم اور ارباب فتوی کو بھی اپنے پاس رکھنا ضروری ہے۔ ان معنوی خوبیوں کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی نہایت دیدہ زیب ہے کاغذ نہایت عمدہ اور کتابت طباعت اعلیٰ قسم کی ہے۔ غرض اس مرتبہ ہر حیثیت سے اس کتاب کو بہترین و اکمل تر بنانے میں روپیہ بیدریغ پانی کی طرح بہایا گیا ہے باایں ہمہ قیمت وہی صرف چھ روپے (۶ روپے) اور اس وقت ہمارے یہاں رعایتی صرف ساڑھے چار روپیہ (للعہ)

سلسلہ تعلیم الاسلام

از مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہ العالی۔ بچوں کے لیے بہترین مذہبی وفقہی نصاب تعلیم ہے۔ قاعدہ تعلیم الاسلام ۱/ رعایتی ا/
تعلیم الاسلام نمبر اول ۱/ رعایتی ۱/
تعلیم الاسلام نمبر ۲ ۲/ رعایتی ۱/
تعلیم الاسلام نمبر ۳ ۳/
تعلیم الاسلام نمبر ۴ ۵/ ۴/
مکمل سٹ کی رعایتی قیمت صرف ۱/

مجموعہ فتاوی مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی

اس کتاب کی تین جلدیں ہیں جن میں ہزاروں مسائل کی عجیب و غریب تحقیقات ہیں کوئی مسئلہ غالباً بے دلیل نہیں لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ سے اہل علم کو فتوی نویسی میں ایک خاص بصیرت ہو سکتی ہے زیادہ تعریف فضول ہوگی کاغذ و کتابت طباعت بہترین قیمت اصلی ہر سہ حصہ پانچ روپیہ رعایتی چار روپیہ چار آنہ (للعہ)

فتاوی عزیزی فارسی

در جلد از حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ قیمت دو روپیہ چار آنہ (۲/۴)

فتاوی رشیدیہ ہر سہ حصہ کامل

یہ خاتم الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتووں کا مجموعہ ہے جو آخری مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہ کے زیر نگرانی خاص اہتمام سے چھپا ہے قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۱۲/ رعایتی ہر سہ حصہ ۲/

فتاوی عزیزی اردو دو جلد

یہ اصل فارسی فتاوی کا ترجمہ ہے قیمت تین روپیہ (۳/) رعایتی دو روپیہ دس آنے (۲/۱۰)

نور الایضاح ترجمہ اردو نور الایضاح

نور الایضاح فقہ حنفی کی مستند اور معتبر کتاب ہے جس میں ارکان اربعہ نماز روزہ حج زکوٰۃ کے تمام مسائل درج ہیں یہ اسی کا سلیس ترجمہ ہے قیمت ۱۲/ رعایتی ۱۰/

فتاوی اشرفیہ

از حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ قیمت ۱۲/ رعایتی آٹھ آنے (۸/)

تاریخ و سیرت کی چند قابل دید کتابیں

رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے بیان اور اسلام و قرآن کے خصائص کی توضیح و تشریح میں قاضی محمد سلیمان پٹیالوی مرحوم کی بے مثل جامع اور ایمان افروز تصنیف جو تین ضخیم جلدوں میں ہے قیمت جلد اول دو روپیہ (عہ) جلد دوم کباب (للعہ) جلد سوم تین روپیہ۔ کامل کی رعایتی قیمت ساڑھے آٹھ روپیہ (ہے)

نشر الطیب حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی مشہور تالیف ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود نوری سے وفات شریف بلکہ دخول جنت تک کے احوال مستند روایات سے لکھے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (ہے) رعایتی ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

سیرت خاتم الانبیاء از مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی اختصار کے باوجود جامع، معتبر اور مستند سیرت ہے علما نے اس کو بہت پسند کیا ہے بہت مدارس میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت ۱۰/ رعایتی ۸/

رسول کریم سیرت نبوی کے موضوع پر یہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی جدید اور فاضلانہ تصنیف ہے جو دور حاضر کی ضروریات اور جدید علمی مذاق کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے بہت سے تعلیمی اداروں میں داخل نصاب ہو چکی ہے قیمت عہ رعایتی ۱۴/

صاحب قرآن قرآن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت جو صرف قرآن کی روشنی میں لکھی گئی ہے اصلی نام سیرۃ الحبیب الشفیع ہے تالیف مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی قیمت چار آنہ رعایتی ۰۳/

پہلی تقریر سیرت از مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند سیرت نبوی کی روشنی میں مسائل حاضرہ پر تبصرہ جس سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی حیات انسانی کے تمام شعبوں میں آج بھی رہبری کا کام دے رہی ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی ۱۴/

دوسری تقریر سیرت یہ مولانا ممدوح کی دوسری تقریر ہے جو پہلی سے بھی زیادہ جامع اور دلچسپ ہے قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ) رعایتی ایک روپیہ ایک آنہ (عہ)

پاک زندگی یہ بھی مولانا ممدوح ہی کی تصنیف ہے جس میں حضرت ابراہیم اور پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگیوں کو خاص انداز میں پیش کیا گیا ہے قیمت چار آنہ (۴/) رعایتی (۰۳/)

سلمان فارسی کا اسلام مختصر قابل قدر رسالہ ہے قیمت (۲/) رعایتی ڈیڑھ آنہ (۰۱/)

حیات خضر: حضرت خضر علیہ السلام کی مختصر سوانح عمری قیمت ۵/ رعایتی ۴/

مثنوی معنوی: مولانا روم کی سوانح حیات قیمت ۵/ رعایتی ۴/

سوانح مجدد الف ثانی: از علامہ احسان اللہ عباسی مرحوم قیمت دو روپے (عہ) رعایتی پونے دو روپیہ (عہ)

النبی الخاتم سیرت نبوی کے موضوع پر حضرت مولانا گیلانی کی وجد آور تصنیف مفصل اشتہار ٹائٹل پر ملاحظہ فرمایئے قیمت مجلد خوشنما ایک روپیہ (عہ) رعایتی ۰۱۳/

تاریخ الاسلام اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی عزیز اولاد دیانت صداقت اور قوت عمل وغیرہ وغیرہ جملہ اخلاق حسنہ میں تعلیمات اسلام کے سچے پیرو ہوں تو آپ ضرور بالضرور تاریخ اسلام کے یہ حصے ان کو پڑھایئے پہلے حصہ میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی بیان کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں مدنی زندگی اور تتمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اخلاق فاضلہ، روزانہ کے پروگرام، معاشرتی اور اقتصادی مجالس مقدسہ کے آداب وغیرہ وغیرہ نہایت سلیس زبان میں بڑی احتیاط کے ساتھ مستند طور پر سوال و جواب کی شکل میں ترتیب دیئے گئے ہیں قیمت حصہ اول ۸/ رعایتی ۶/ حصہ دوم بارہ آنہ (۱۲/) رعایتی ۱۰/ حصہ سوم ۸/ رعایتی ۶/

پیغمبر اسلام تاریخ اسلام سے پہلے بچوں کو یہ رسالہ پڑھانا چاہیئے خاص اسی واسطے لکھا گیا ہے قیمت تین آنے رعایتی ڈھائی آنہ (۰۲/)

رسول مقبول بچوں کے ذوق اور ان کی دلچسپی و حد برداشت کا پورا لحاظ رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اس قابل ہے کہ ہر مدرسہ میں داخل نصاب کی جائے جابجا مولانا حالی اور حفیظ جالندھری جیسے بلند پایہ شعرا کا منظوم کلام بھی اس میں درج کر کے ذکر نبوی کی مٹھاس اور دلچسپی کو بڑھا دیا گیا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں اس کتاب کو شوق سے پڑھتے ہیں۔ قیمت آٹھ آنے رعایتی چھ آنے (۶/)

سیرت خلفاء راشدین حضرات خلفاء اربعہ کے مناقب و فضائل ان کے سوانح حیات اور ان کی خلافت کی حقانیت کے ثبوت میں مولانا عبد الشکور صاحب کی بے مثل تالیف قیمت ۱۰/ رعایتی ۸/

بیان الاسرار علامہ سیوطی کی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء کا اردو ترجمہ قیمت دو روپیہ (عہ) رعایتی عہ

فردوس آسیہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے فضائل خلفاء اربعہ ازواج مطہرات، حضرت فاطمہ زہرا۔ حضرت حسنین کے سوانح حیات و مناقب پر واعظانہ رنگ میں اچھی کتاب ہے۔ جابجا اشعار کی چاشنی بھی ہے قیمت عہ رعایتی ایک روپیہ دو آنہ (عہ)

نیک بیبیاں اس میں حضرت حلیمہ سعدیہ، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ صدیقہ، اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے مختصر اور سبق آموز حالات لکھے گئے ہیں کوئی مسلمان بھی اس کے مطالعہ سے خالی نہ رہنی چاہیئے قیمت پانچ آنے (۵/) رعایتی چار آنے ۴/

امت محمدیہ کا پہلا مجذوب یعنی حضرت ابوذر غفاری کی قابل دید سیرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتاب کیا ہے اللہ و رسول کے اس سرگشتہ عاشق کی جیتی جاگتی تصویر ہے، ناپسندیدگی کی صورت میں بعد مطالعہ واپسی کی شرط ہے قیمت ایک روپیہ رعایتی بارہ آنے (۱۲/)

اشرف السوانح کامل تین جلدوں میں حضرت تھانوی کی تاریخ حیات قیمت سات روپیہ (عہ) رعایتی ساڑھے پانچ روپیہ (عہ)

تاریخ جہاد اسلامی!

اگر آپ چاہتے ہیں کہ عہد نبوی اور دور خلافت راشدہ کے غزوات و فتوحات کا مطالعہ کریں اور ایثار و قربانی کا سچا ایمانی جوہر آپ میں پیدا ہو تو کتب ذیل ملاحظہ فرمائیے، یہ دراصل تاریخ واقدی کے جدید تراجم ہیں جو زمانہ حال کی اردو زبان میں تیار کرائے گئے ہیں۔

فتوح العرب

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے تمام غزوات بدر، احد، خیبر، حنین، فتح مکہ، غزوہ تبوک وغیرہ، غرض عہد نبوی کی تمام چھوٹی بڑی جنگوں کے مفصل حالات ہیں ۳۰۵ صفحات قیمت ۱۲ رعایتی عہ

فتوح الشام

ملک شام، دمشق، بصرہ، فلسطین، اجنادین، حمص، بیت المقدس، یرموک وغیرہ کی جنگوں کا مفصل حال اور رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی محیر العقول فتوحات کا تماشہ اگر دیکھنا ہو تو اس میں دیکھیے ۱۲ سو صفحات قیمت للعہ رعایتی صرف دو روپیہ آٹھ آنہ

فتوح المصر

مصر اور سکندریہ اور بابلیون وغیرہ کے علاقوں میں قرن اول کی اسلامی فتوحات اور حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر اور ان کے رفقاء مجاہدین اسلام کے عظیم الشان کارناموں کی تفصیل قیمت (عہ) رعایتی تیرہ آنے ۱۳ ر

فتوح العجم

ایران کی فتح اور قادسیہ، مدائن، بابل وغیرہ کی جنگوں کا مفصل حال اور مجاہدین اسلام کے محیر العقول کارنامے اس کے صفحات میں ملاحظہ فرما کر اسلام کی عظمت رفتہ کی یاد تازہ کیجیے قیمت ایک روپیہ چار آنہ عہ رعایتی عہ

سیرۃ سید احمد شہید

(قریب الختم ہے)

تالیف مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی استاد تفسیر دار العلوم لکھنؤ

یہ امیر المومنین امام المجاہدین سیدنا حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل تذکرہ اور آپ کی تحریک جہاد فی سبیل اللہ اور سعی تجدید و اصلاح کی عبرت انگیز اور سبق آموز تاریخ ہے یہ صرف تذکرہ اور سوانح حیات ہی نہیں ہے بلکہ آج کل کے مردہ دل اور مایوس مسلمانوں کیلئے اس میں سامان زندگی دو دارو ہے حیات اور منزل کے نشانات اور فتوحات کے مارول کیلئے پیغام بیداری اور راہ عمل بھی ہے ضرورت ہے کہ عہد حاضر کا کوئی تعلیم یافتہ مسلمان اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہے ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحات طباعت کتابت کاغذ نہایت عمدہ جلد خوشنما قیمت عا

الجہاد فی الاسلام

(تالیف مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی)

اسلام کے جن مسائل کے خلاف یورپ نے بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا ہے ان میں مسئلہ جہاد سب سے اہم ہے اور اہل علم و ارباب تحقیق کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسئلہ جہاد کی تحقیق میں "الجہاد فی الاسلام" جیسی مکمل اور محققانہ کتاب کسی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی صرف مطالعہ ہی سے آپ اس کتاب کی قدر و منزلت پہچان سکیں گے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں آپ کو مرعوبانہ ذہنیت کی کہیں جھلک بھی نظر نہیں آئے گی اور نہ اسلامی مسئلہ کی یورپ پسند تاویلیں بلکہ ہر بحث محققانہ و عادلانہ اور ساتھ ہی تسلی بخش ملے گی، کاغذ کتابت طباعت نہایت اعلیٰ ہے قیمت چار روپیہ رعایتی (سے) مجلد نہایت خوشنما قیمت پانچ روپیہ (ﷲ) رعایتی چار روپیہ آٹھ آنہ (للعہ)

اشاعت اسلام مکمل و مدلل

تالیف حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم دیوبند

یکتا تصنیف ہے بے نیاز ہے اس میں بتلایا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا اس نے فاران کی چوٹی سے طلوع ہو کر دنیائے عالم پر کس طرح اپنا پرچم لہرایا، غرض عہد نبوی اور دور صحابہ میں دین الہی کی تبلیغ و اشاعت کی مفصل اور مستند تاریخ ہے اس کے مطالعہ کے بعد کسی معاند کیلئے بھی یہ کہنا مشکل ہوگا کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا، یہ اس جلیل القدر کتاب کا تیسرا ایڈیشن ہے اس کے حاشیہ پر وہ آیات و احادیث اور کتب تاریخ و سیر کی وہ اصل عبارات بھی درج کر دی گئی ہیں جن کا اصل کتاب میں پہلے صرف حوالہ تھا، قیمت کاغذ سفید (لکھا ہے) رعایتی ع ایضاً کاغذ سفید ف ع رعایتی صرف عا

سیف اللہ الجبار

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کی مکمل سوانح عمری قیمت ۴ ر رعایتی ۳ ر

جہاد فی سبیل اللہ

چہل احادیث متعلقہ جہاد کا اردو ترجمہ قیمت ۱۲ ر رعایتی ۱۰ ر

حکایات صحابہ

(تالیف حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث)

اس میں دیباچہ اور خاتمہ کے علاوہ بارہ باب ہیں جن کے عنوانات یہ ہیں:-

(۱) صحابہ کرام اور دین کی خاطر بے پناہ سختیوں کی برداشت (۲) صحابہ کرام اور خوف خدا (۳) صحابہ کی فقیرانہ زندگی (۴) تقویٰ اور پرہیزگاری (۵) صحابہ کا عشق نماز (۶) باہمی ہمدردی و غمخواری (۷) شجاعت اور شوق شہادت (۸) علمی مشاغل اور علمی انہماک (۹) اطاعت نبوی (۱۰) صحابیات کے جذبات (۱۱) صحابی بچوں کا دینی ولولہ (۱۲) محبت نبوی کا نشہ۔ ان عنوانات کے ماتحت نہایت سبق آموز واقعات حدیث و سیر کی معتبر کتابوں سے منتخب کر کے درج کیے گئے ہیں، آج کل کے مسلمانوں، مردوں، عورتوں اور بچوں سب کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ قیمت بارہ آنے رعایتی نو آنے (۹)

متکلم اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تالیفات

یورپ کی سرزمین سے اٹھنے والے الحاد و دہریت کے سیلاب کا مقابلہ کرنے اور ملحدین دہریوں کو اسلام کے آغوش میں لے آنے کا جیسا سلیقہ حق تعالیٰ نے مولانا مودودی کو دیا ہے وہ قدرت کی تقسیم میں صرف انہی کا حصہ ہے۔ آپ کی مندرجہ ذیل تالیفات درحقیقت اس جدید علم کلام کی کتابیں ہیں جس کی قریباً نصف صدی سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے — علماء دین اور جدید تعلیم یافتہ حضرات دونوں ہی کیلئے ان کتابوں کا مطالعہ نہ صرف مفید بلکہ حد درجہ ضروری ہے اور ان سے استفادہ نہ کرنا یقیناً بڑی محرومی ہے۔

خطبات

یہ مولانا مودودی کے "خطبات" یا "مواعظ" کا مجموعہ ہے جو حال ہی میں شائع ہوا ہے ان کی زبان بہت سہل اور طرز بیان بڑا دلکش ہے۔ عام مسلمان ان کو پڑھ کر "دین اسلام" کی حقیقت اور فی زماننا اس کے تقاضوں کو سمجھ سکتے ہیں اور اہل علم ان کے مطالعہ سے دین کو پیش کرنے اور سمجھانے کا موثر اور کامیاب طریقہ معلوم کر سکتے ہیں۔ ان خطبات کے عنوانات یہ ہیں:

مسلم اور کافر کا اصلی فرق، مسلمان ہونے کیلئے علم دین کی ضرورت، سوچنے کی باتیں۔ کلمۂ طیبہ کے معنی، کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ، کلمۂ طیبہ پر ایمان لانے کا مقصد، مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کی کسوٹی۔ خدا کی اطاعت کس لیے؟ دین اور شریعت، عبادت، نماز، نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ نماز باجماعت، نمازیں بے اثر کیوں ہوگئیں؟ روزہ، روزے کا اصل مقصد، زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کی حقیقت۔ اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام، انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام۔ زکوٰۃ کے احکام۔ حج۔ حج کی تاریخ۔ حج کے فائدے، حج کا عالمگیر اجتماع۔ جہاد۔ جہاد کی اہمیت۔

کتابت طباعت کاغذ نہایت اعلیٰ یہی کتابی سائز ڈھائی سو صفحات قیمت عہ

پردہ

آج کل ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے اور علم کے بعض جاہل مدعیوں کے جاہلانہ دعووں نے بہت سوں کو اس شک میں ڈال دیا ہے کہ اسلام میں پردہ کا حکم ہے بھی یا نہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا مودودی کو آپ نے اس مسئلہ پر مبسوط محققانہ کتاب لکھ کر وقت کی ایک بڑی دینی ضرورت کو پورا کر دیا۔ اس کا نام تو "پردہ" ہے لیکن درحقیقت اس میں نسائیات سے متعلق پیدا شدہ تمام مسائل اور اسلامی نظام معاشرت کی پوری تشریح کی گئی ہے اور ساتھ ہی مغربی نظام معاشرت پر قوانین فطرت کے لحاظ سے مبسوط تنقید بھی کی گئی ہے اور بے شک حکیمانہ بحث و تحقیق کا حق ادا کر دیا گیا ہے جو لوگ پردہ اور صنف نازک سے متعلق دوسری اس قسم کے مسائل کو واقعی سمجھنا چاہیں اور اسلامی مسائل کو کتاب و سنت اور عقل و فطرت کی روشنی میں دیکھنا چاہیں وہ اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں، کتابت، طباعت، کاغذ نہایت اعلیٰ ڈھائی سو صفحات اور قیمت صرف عہ

اسلام کا نظریہ سیاسی مفصل تعارف فہرست ہذا کے صفحہ ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیے قیمت ۳ر رعایتی ۲/

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟ قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

اسلام میں قربانی۔ قیمت رعایتی

دینیات

اس چھوٹی سی کتاب کے متعلق بس اتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ دین مقدس کی حقیقت سمجھنے اور اس کی سچائی معلوم کرنے کے لیے اس کا مطالعہ کافی ہے اور ذمہ داری کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جو مغرب زدہ نوجوان دین اسلام کی صحیح معرفت نہ ہونے ہی کے باعث مغربی الحاد کا شکار ہو جاتے ہیں، اس کتاب کا مطالعہ انشاء اللہ ان کے ایمان کی بھی حفاظت کریگا۔ یہ کتاب حکومت آصفیہ کے سررشتۂ تعلیم مذہبی نے ابیف۔ اے کے طلبہ کیلئے لکھائی ہے قیمت ۱۰ر مجلد ۱۲ر

تنقیحات

اسلام اور مغربی تہذیب کے تصادم سے جو نئے مسائل اور شکوک و شبہات پیدا ہو رہے ہیں ان کے متعلق محترم مولانا مودودی کے بیش نہایت بلند پایہ علمی تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان سے ہماری پرزور سفارش ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرلے اس میں مغربیت کے زہر کا بہترین تریاق مہیا کیا گیا ہے یہی کتابی سائز ہے ۳۲۰ صفحات کاغذ طباعت وغیرہ عمدہ باایں ہمہ قیمت عہ (جو کتاب کے مقابلہ میں فی الحقیقت کچھ بھی نہیں)

(غیر مجلد موجود نہیں ہے)

تفہیمات

معرکۃ الآرا اسلامی مسائل کی تشریح و توضیح مولانا کے مضامین کا ایک مجموعہ "تنقیحات" کے نام سے پہلے شائع ہو چکا ہے۔ یہ دوسرا مجموعہ ہے جو اس سے زیادہ اہم ہے اس میں اسلام کے ان اہم مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جن کے متعلق آجکل عموماً غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اس کے چند عنوانات یہ ہیں:—

"عقل کا فیصلہ" "ہدایت و ضلالت کا راز"، "اسلام میں عبادت کا تصور"، "اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم" "رواداری" "نزول عذاب الٰہی کا قانون"، "کیا نجات کیلئے صرف کلمۂ توحید کافی ہے"، "کیا رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے؟" "حدیث اور قرآن"، "رسالت اور اس کے احکام"، "حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب"، وغیرہ وغیرہ۔ کتابت طباعت کاغذ نہایت اعلیٰ ۳۲۵ صفحات قیمت غیر مجلد عہ جو کتاب کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش مع "مسئلہ قومیت"

موجودہ حالات میں مسلمانوں کیلئے صحیح راہ عمل کیا ہے اور اس ملک میں کس طرح ہم اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھ سکتے ہیں ہر صاحب فہم مسلمان کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے مجلد نہایت خوشنما قیمت ساڑھے (عہ) قریباً چار سو صفحات

چند قابل دید علمی اور اصلاحی کتابیں

دین و دانش

مصنفہ پروفیسر محمود علی صاحب اسلامی اصول و احکام کے موافق فطرت اور مطابق عقل سلیم ہونے کے ثبوت میں یہ کتاب بالکل بے نظیر ہے جو حضرات اسلام کی حقانیت کو عقل اور فلسفہ جدید کی روشنی میں دیکھنا چاہیں یا جو اصحاب قلم یا زبان سے حمایت اسلام کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں اُن کیلئے اس کتاب کے مطالعہ کا ہم خاص طور پر مشورہ دیں گے۔ قیمت مجلد سنہری رعایتی سے

دین و آئین

ایضاً مصنفہ پروفیسر محمود علی صاحب اس کتاب کو "دین و دانش" ہی کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیے اس میں فاضل مصنف نے اسلامی قوانین اور اسلامی شریعت کی برتری اور صحت دنیا کے تمام دوسرے قوانین اور نظام ہائے زندگی کے مقابلہ میں نہایت روشن دلائل و براہین سے ثابت کی ہے قیمت مجلد سنہری چار روپیہ (للعہ/) رعایتی ساڑھے تین روپے (سے)

اخلاق محمدی

تمدن و معاشرت، آداب، اخلاق، غرض زندگی کے جس شعبہ کے متعلق بھی آپ کو قرآن و حدیث کی ہدایات دیکھنی ہوں اور جس مضمون کی آیات و احادیث کی آپکو تلاش ہو ان کو انشاء اللہ اس کتاب (اخلاق محمدی) میں آپ ضرور پا سکیں گے ہر معاملہ میں خدا و رسول کا حکم ڈھونڈھنے والوں نیز واعظوں اور مضمون نگاروں کیلئے خاص تحفہ ہے۔ کل تین حصے ہیں قیمت ہر حصہ ۱۰/ ہر حصہ رعایتی ایک روپیہ چار آنے (عہ/)

جدید اربعین

یہ اربعین حضرت مولانا سید محمد فخر الدین صاحب مراد آبادی کی تالیف کردہ ہے مولانا موصوف نے عہد حاضر کے رجحانات اور احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے اسلامی عقائد، اسلامی معاشرت وغیرہ جملہ ضروریات کے متعلق چالیس حدیثیں اور چالیس آیتیں جمع کی ہیں قابل دید تحفہ اور قابل عمل مجموعہ ہے قیمت ۶/ رعایتی ۵/

تقدیر اور عمل

لوگوں کی حماقت نے مسئلہ تقدیر کو بہت پیچیدہ بنا رکھا ہے اور بہت سے لوگ تو تقدیر کی غلط حقیقت سمجھ کر عمل اور تدبیر ہی سے بے پرواہ ہو رہے ہیں، کچھ وہ ہیں جو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اس کے منکر ہو رہے ہیں "اکسیر فی اثبات التقدیر" میں اس مسئلہ کے متعلق عالمانہ اور صوفیانہ انداز میں بحث کی گئی ہے قیمت ۱۲/ رعایتی ۹/

ثمرات الاوراق

یہ رسالہ تاریخی، اخلاقی، اصلاحی، فقہی عجیب و غریب اور بہت مفید معلومات کا خزانہ ہے اور اسلاف اسلام کے قابل یادداشت اور عبرت آموز حالات و مقالات کا مرقع ہے اس کے چار حصے ہیں قیمت ہر حصہ چار آنے (۴/) رعایتی قیمت ۳/

حیات المسلمین مکمل و مدلل

حضرت حکیم الامت مدظلہ کی جلیل القدر تصنیف ہے ان تمام اسلامی تعلیمات کو جن پر عمل کر کے مسلمان دینی و دنیوی حیات حاصل کر سکتے ہیں، چند ابواب کے ماتحت نہایت دلکش انداز میں جمع فرمایا گیا ہے گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے قیمت ۱۲/ رعایتی ۹/

تبلیغ دین مکمل

یہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب "اربعین" کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے جس میں اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی تحصیل و تکمیل کا کامیاب طریقہ اور تمام امراض نفسانیہ کا مفصل علاج درج ہے کتاب کیا ہے شریعت و طریقت کا جوہر اور حقیقت و معرفت کا عطر ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان فی الحقیقت مکمل انسان بن سکتا ہے قیمت ۱۴/ رعایتی ۱۱/

جنت کی کنجی

از مولانا احمد سعید صاحب دہلوی اس کتاب میں (۱۳۵) ایسی حدیثوں کے مضامین درج ہیں جن میں خاص خاص اعمال صالحہ پر جنت کی بشارت دی گئی ہے گویا ترغیبی احادیث کا مکمل مجموعہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ/) رعایتی قیمت ایک روپیہ چار آنے (عہ/)

دوزخ کا کھٹکا

یہ بھی مولانا ممدوح کی نہایت مفید اور کارآمد تصنیف ہے اس میں تمام وہ حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں جن میں بُرے اعمال کرنیوالوں کو جہنم کا خوف دلایا گیا ہے جابجا عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں تاکہ استفادہ میں آسانی ہو اس میں ۸۰۳ حدیثوں کا ترجمہ درج ہے۔ قیمت بارہ آنے ۱۲/ رعایتی ۱۰/

مشائخ چشتیہ اور اتباع شریعت

مشائخ چشتیہ کے متعلق بالکل غلط طور پر یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ان حضرات میں اتباع شریعت کا زیادہ اہتمام نہ تھا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی اس کتاب میں جس کا اصلی نام "کشف الحقیقۃ العلیہ" ہے واقعات کی روشنی میں اس بے بنیاد شہرت کی تردید کی ہے اس کتاب میں تین باب ہیں باب اول میں سلسلہ چشتیہ کے مشہور اکابر کے وہ اقوال ہیں جن میں اتباع شریعت کی بے انتہا تاکید کی گئی ہے۔ باب دوم میں لکھے وہ احوال و واقعات ہیں جن سے اُن کا پابند شریعت اور متبع سنت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ باب سوم میں بعض ایسے اقوال و احوال کی توجیہات کی گئی ہیں جن سے بظاہر ان کے خلاف شریعت ہونے کا شبہ ہوتا ہے

امثال الاقوال

ائمہ شریعت و طریقت کے سبق آموز اور نہایت موثر حالات و ارشادات جن کو حضرت حکیم الامت مدظلہ نے سیکڑوں کتابوں سے منتخب فرمایا اور مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی نے اردو کا جامہ پہنایا۔ قیمت چار آنے (۴/) رعایتی تین آنے (۳/)

اسلام کی صداقت ثابت کرنے والی قابل دید تبلیغی کتابیں

تقریر دلپذیر از حضرت مولنا محمد قاسم صاحب ؒ بانی دارالعلوم دیوبند اس کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ تمام اصول اسلام کو خالص عقلی اور منطقی طور پر ثابت کیا گیا ہے، اور کوئی ادنیٰ سی بات بھی بے دلیل نہیں کہی گئی ہے حضرت مصنف مرحوم کی لاثانی قابلیت کا شاہکار ہے۔ پچھلے دنوں یہ کتاب نایاب ہو گئی تھی ابھی حال میں خاص اہتمام سے چھپائی گئی ہے قیمت ڈیڑھ روپیہ رعایتی ایک روپیہ چار آنہ

حجۃ الاسلام یہ بھی مولنا ممدوح ہی کی تصنیف ہے اس میں اسلام کے بنیادی اصولوں توحید رسالت، قیامت، الہام وغیرہ کا ناقابل تردید عقلی ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ گویا یہ تقریر دلپذیر کا آسان خلاصہ ہے قیمت آٹھ آنے (۸/) رعایتی چھ آنے (۶/)

انتصار الاسلام از حضرت مولنا محمد قاسم صاحب ؒ سوامی دیانند بانی آریہ سماج نے اسلام پر دس اعتراض کیے تھے ان میں سے نو کا نہایت محققانہ جواب اس رسالہ میں دیا گیا ہے قیمت ۶/ رعایتی ۵/

قبلہ نما یہ انتصار الاسلام کا دوسرا حصہ ہے جس میں سوامی جی کے دسویں اعتراض کا جواب نہایت تکمیل کے ساتھ دیا گیا ہے، اعتراض یہ تھا کہ مسلمان قبلہ کی طرف کو نماز پڑھتے ہیں یہ قبر پرستی ہے قیمت ۸/ رعایتی ۶/

مباحثہ شاہجہانپور شاہجہانپور میں ایک مناظرہ گورنمنٹ کے انتظام سے ہوا تھا جس میں دور دور کے بڑے بڑے پادری اور پنڈت جمع ہوئے تھے حضرت مولنا محمد قاسم صاحب ؒ بھی مسلمانوں کی طرف سے تشریف لے گئے تھے اور آپ کی تقریر نے مذہبی دنیا میں ہلچل ڈال دی تھی اور ثابت کر دیا تھا کہ ماننے کے قابل صرف مذہب اسلام ہے اس کا پہلا حصہ مباحثہ شاہجہانپور کے نام سے شائع ہوا ہے قیمت سات آنے (۷/) رعایتی صرف چھ آنے (۶/)

میلہ خدا شناسی مباحثہ شاہجہانپور کا دوسرا حصہ ہے بالکل نایاب ہو گیا تھا۔ دفتر الفرقان نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت نہایت روشن دلائل سے اس میں ثابت کی گئی ہے قیمت ۳/ رعایتی ۲/

الاسلام از حضرت علامہ مولنا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہ اس کے مطالعہ سے ہر شخص کو یقین آ جاتا ہے کہ دنیا میں صحیح اور نجات دلانے والا مذہب صرف اسلام ہے قیمت ۵/ رعایتی صرف ساڑھے چار آنے ۴/۲

مباحثہ سماج بریلی یہ تناسخ اور الہام دید کے موضوع پر جناب مولنا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان اور آریہ سماج کے مشہور مایہ ناز مناظر پنڈت رامچندر جی دہلوی سے ایک معرکۃ الآرا مناظرہ کی روئداد ہے مولنا ممدوح کی طرف سے وید کے غیر الہامی ہونے کی لاجواب اور خالص عقلی دلیلیں اور تناسخ کے ابطال میں دلکش نہایت روشن براہین اس میں آپکو ملیں گے قیمت ۳/ رعایتی ۲/

حدوث روح و مادہ اس موضوع پر جناب مدیر الفرقان اور ایک آریہ سماجی پنڈت جی کا دلچسپ مناظرہ قیمت ۱/ رعایتی ۱/

نئی روشنی کے شبہات کی حقیقت یعنی حل الاشتباہات مغربی تعلیم کے خام فلسفہ سے اسلام کے متعلق جو شبہات یورپ زدہ نوجوانوں کو پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ اُن کے تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں اور ذیل پر خاص طور پر بحث کی گئی ہے، حدوث مادہ، عموم قدرت باری تعالےٰ، معجزات، نبوت، ملائکہ، جنات، ابلیس، حیات بعد الممات، عذاب قبر، صراط، کائنات طبیعیہ مثلاً رعد، برق وغیرہ کی حقیقت، مسئلہ تقدیر قابل دید کتاب ہے اور نیچریت کا بھوت اُتارنے کے لئے بے مثل چیز ہے قیمت جلد اول ۶/ رعایتی ۵/ جلد دوم ۳/ رعایتی ۲/

الانتباہات المفیدہ یہ گویا حل الاشتباہات کا متن یا خلاصہ ہے مگر پھر بھی کافی ہے قیمت ۸/ رعایتی ۷/ قیمت قسم دوم ۲/ رعایتی ۱/

ازالۃ الشکوک جلد دوم حجۃ الاسلام حضرت مولنا رحمۃ اللہ مہاجر کی وہ تصنیف جس نے قرآن کے متعلق دشمنان اسلام کے تمام شبہات کو ہمیشہ کیلئے غرق جہنم کر دیا ہے کاغذ اور چھپائی معمولی ہے صفحات پانچسو سے زیادہ قیمت تین روپیہ رعایتی صرف دو روپیہ (۲) (حصہ اول نایاب ہے)

نوید جاوید امام المناظرین مولنا ناصر الدین ابو المنصور ؒ ۱۲۹۵ھ میں یہ کتاب اسلام کی حمایت اور عیسائیت کے رد میں تصنیف کی تھی یہ عیسائیوں پر قیامت تک کیلئے خدا کی حجت قاہرہ ہے، اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے صفحات ۴۰۸ اور قیمت اصلی ہے رعایتی صرف پونے دو روپیہ (۱۲/)

علم الکلام نمبر ا از مولنا محمد ادریس صاحب استاذ دار العلوم دیوبند اس میں وجود خالق اور توحید الٰہی پر سلیس اردو زبان میں عقلی بحث کی گئی ہے قیمت ۲/ رعایتی ۱/

علم الکلام نمبر ۲ اس میں صفات باری تعالےٰ، و مسئلہ تقدیر کے متعلق اسلام کے نظریہ کو عقلی دلائل سے حق ثابت کیا گیا ہے قیمت ۴/ رعایتی صرف تین آنہ ۳/

فلسفہ بعثت انبیا بعثت انبیا پر فلسفیانہ بحث قیمت چار آنے رعایتی تین آنہ (۳/)

عدم انجیل اس رسالہ میں نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جو انجیل خدا کی طرف سے حضرت مسیح پر نازل ہوئی تھی وہ دُنیا میں کہیں موجود نہیں۔ لاجواب قابل دید کتاب ہے قیمت تین آنے رعایتی صرف دو آنہ (۲/)

العقل والنقل اس کے دیکھنے سے آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی تعلیمات عقل سلیم اور فطرت کے بالکل موافق ہیں قیمت ۱۰/ رعایتی ۸/

اعجاز القرآن اس میں اعجاز قرآن پر مدلل بحث کر کے قرآن پاک کا منزل من اللہ ہونا نہایت واضح طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۴/ رعایتی صرف ۳/

ملنے کا پتہ: مکتبہ الفرقان بریلی

حضرات اکابر علماء دیوبند کی تصنیفات

اِن کتابوں کا تعارف ناظرین سے بارہا کرایا جا چکا ہے

تصانیف حضرت مولٰنا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند

نام کتاب	قیمت	
تقریر دلپذیر طبع جدید	[illegible]	[illegible]
حجۃ الاسلام	۳	۶
انتصار الاسلام	۶	۵
آب حیات	[illegible]	۱۴
قبلہ نما	۸	۶
مباحثہ شاہجہانپور	۷	۹
گفتگوئے مذہبی	۳	[illegible]
[illegible]	۲	۴
توثیق الکلام	۴	[illegible]
الحق الصریح	۱	[illegible]
تحذیر الناس	۳	[illegible]
تحفہ لحمیہ	۱	[illegible]
تصفیۃ العقائد	۳	۰۲
جمال قاسمی	۱	[illegible]
فیوض قاسمی	۳	۳
لطائف قاسمی	۲	[illegible]
قصائد قاسمی	۳	۰۲
سوانح قاسمی	۳	۲
اسرار الطہارۃ	۳	۲

تصانیف حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ

نام کتاب	قیمت	
ضیاء القلوب فارسی	۵	[illegible]
" ترجمہ اردو	۶	[illegible]
غذائے روح	۵	[illegible]
مثنوی تحفۃ العشاق	۲	[illegible]
جہاد اکبر	۶	۱
گلزار معرفت	۲	[illegible]
ارشاد مرشد، فیصلہ ہفت مسئلہ	۲	۱
کلیات امدادیہ	۱۲	[illegible]

تصانیف حضرت مولٰنا [illegible] حسین صاحب مدظلہ

نام کتاب	قیمت	
ہدیۃ المسلمین [illegible]	۰۱	[illegible]
دستِ غیب [illegible]	۲	۰۱
چہل حدیث [illegible]	[illegible]	۱
الجواب المتین باحادیث سید المرسلین	۵	۴
حیات خضر [illegible] مولوی معنوی	۵	[illegible]
الصالحات (رنگ کی ہمایاں)	۵	[illegible]
میراث المسلمین	۳	۰۲
مفید الوارثین	[illegible]	۶

تصانیف شیخ الحدیث حضرت مولٰنا زکریا صاحب مدظلہ

الاعتدال فی مراتب الرجال یعنی اسلامی سیاسیات حاضرہ میں خود اکابر علماء دیوبند میں اختلاف ہو گیا ہے اس کی وجہ سے جو بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں ان کے انسداد کیلئے یہ کتاب لکھی گئی ہے بڑی فاضلانہ کتاب ہے ہر شخص کے دیکھنے کے لائق ہے قیمت [illegible]

نام کتاب	قیمت	
حکایات صحابہ	۱۲	۹
رسالہ تبلیغ	۰۲	۲
چہل حدیث یعنی فضائل قرآن	۵	[illegible]
فضائل نماز	۶	۵
فضائل رمضان	۵	۴
فضائل ذکر	[illegible]	۱۲

تصانیف حکیم الامۃ حضرت تھانوی مدظلہ

نام کتاب	قیمت	
تفسیر بیان القرآن کمل مجلد	[illegible]	[illegible]
مسائل السلوک کامل	[illegible]	[illegible]
حیات المسلمین مکمل مدلل	۱۲	۹
اکسیر فی اثبات التقدیر	۱۲	۹
تکمیل تعلیم الدین	۹	۶
شوق وطن	۴	۳
آداب معاشرت	۰۲	۲
صفائی معاملات	۰۲	۲
حق السماع	۰۲	[illegible]
جزاء الاعمال	۰۲	۲
زاد السعید	۰۲	[illegible]
الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد	۴	۳
القول البدیع	۰۲	[illegible]
القول الصواب	۲	۰۱

نام کتاب	قیمت	
سبق الغایات	۰۹	[illegible]
خطبات الاحکام	[illegible]	۱۳
احکام التجلی	۳	[illegible]
اصلاح الرسوم	۶	۵
قصد السبیل	۲	[illegible]
فروع الایمان	۴	۳
حقوق الاسلام	۱	[illegible]
آئینہ ترتیب	۶	۵
جمال القرآن محشی	۴	[illegible]
آداب التبلیغ	۴	[illegible]
تبلیغ دین طبع جدید عمدہ	۱۴	۱۱
الانتباہات المفیدہ	۹	۶
حقوق العلم، اشرف الجواب	[illegible]	[illegible]

تصانیف مولٰنا محمد شفیع صاحب

نام کتاب	قیمت	
سیرت خاتم الانبیاء	۱۰	۸
آداب المساجد	۳	[illegible]
آداب النبی	۳	۳
آداب الاخبار	۱	[illegible]
آداب السفر	۰۱	۱
آداب الشیخ والمرید	۲	۱
مساوات اسلامی کی حقیقت	۴	۳
[illegible] لمسئلۃ التفضیل	۳	[illegible]
التصویر لاحکام التصویر	۱۲	۱۰

مختلف بزرگوں کی متفرق تصانیف

نام کتاب	قیمت	
اشاعت اسلام قسم اول	[illegible]	[illegible]
ایضاح الادلہ کامل	[illegible]	[illegible]
اسیر مالٹا	۱۰	۸
براہین قاطعہ	[illegible]	[illegible]
افادات حسینیہ	۳	[illegible]
سلاسل طیبہ	۳	[illegible]
التشبہ فی الاسلام حصہ دوم	۱۲	۹

تصانیف حضرت مولٰنا رشید احمد صاحب گنگوہی رح

نام کتاب	قیمت	
فتاوی رشیدیہ کامل	[illegible]	[illegible]
کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟	۳	[illegible]
سبیل الرشاد	۳	[illegible]
[illegible] اوقاف القرآن	۱	[illegible]
اوثق العریٰ	۴	[illegible]
قطوف دانیہ	۰۱	[illegible]
فتوی [illegible]	[illegible]	[illegible]
الرای النجیح فی رکعات التراویح	۱	[illegible]
ہدایۃ المعتدی	۳	۴

اشرف السوانح ہر سہ جلد کامل

یعنی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی سوانح عمری، حضرت کی ولادت [illegible] سے [illegible] تک کامل [illegible] سال کے حالات اور فیوض و برکات و تکمیل ارشاد کا مرقع جس کا مطالعہ ہی ایک مرشد کامل کا کام دینے والا ہے ہر سچے مسلمان کیلئے قابل دید ہے۔ قیمت جلد اول [illegible] رعایتی [illegible] جلد دوم [illegible] رعایتی [illegible] جلد سوم [illegible] رعایتی [illegible] تینوں جلدوں کی رعایتی قیمت صرف سوا پانچ روپیہ ([illegible])

حضرت تھانوی مدظلہ کے مواعظ اور دیگر حضرات اکابر کی بھی وہ کتابیں جو عدم گنجائش کی وجہ سے یہاں درج نہیں کی جا سکیں طلب فرما سکتے ہیں اُن کے مہیا کرنے کا ہمارے یہاں پورا اہتمام ہے۔

المعلن
ناظم مکتبہ الفرقان بریلی۔ یوپی

ندوۃ المصنفین دہلی کی قابل مطالعہ کتابیں

قیمت

- اسلام میں غلامی کی حقیقت مجلد سنہری
- اسلام میں غلامی کی حقیقت غیر مجلد
- غلامان اسلام
- اسلام کا اقتصادی نظام
- سوشلزم کی بنیادی حقیقت
- تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام مجلد سنہری
- تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام غیر مجلد
- فہم قرآن
- نبی عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)
- قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ
- اخلاق و فلسفۂ اخلاق مجلد سنہری
- اخلاق و فلسفۂ اخلاق غیر مجلد

مطبوعات مجلس علمی ڈابھیل

"تخریج زیلعی" (نصب الرایہ) جس میں ہدایہ کی تمام احادیث کی تخریج اور تنقیح کی گئی ہے مجلس علمی نے تصحیح اور تحشیہ کی پوری خدمت کے ساتھ مصر میں چھپوائی ہے کاغذ نہایت اعلیٰ دبیز ولائتی چار جلد بہترین طبع

"فیض الباری" (شرح بخاری) از حضرت مولانا انور شاہ قدس سرہ صرف جلدیں الحمد مطبوعہ مصر سے

- "بدور بازغہ" (از شاہ ولی اللہ رح)
- خیر کثیر (" " ")
- تفہیمات الٰہیہ (" " ")
- "زاد الفقیر" (از امام ابن ہمام)
- "معارف لدنیہ" (از امام ربانی)
- "مشکلات القرآن" از حضرت انور شاہ رح
- "خزائن الاسرار" (" ")
- "اکفار الملحدین" (" ")
- "عقیدۃ الاسلام" (" ")
- "تحیۃ الاسلام" (" ")
- "خاتم النبیین" (" ")
- "فصل الفرقین فی مسئلۃ رفع الیدین"
- "نیل الیدین" (حاشیہ نیل الفرقدین)
- "الحمد فی صلوۃ الجمعۃ" (از مولانا اسماعیل العربی)
- "کشف الستر عن صلوۃ الوتر"
- "الروح فی القرآن" (اردو)
- "خوارق عادات" (اردو)

احناف و اہلحدیث کے نزاعی مسائل کی کتابیں

قیمت — اصلی — رعایتی

- ایضاح الادلہ از حضرت شیخ الہند رح
- الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد
- سبیل الرشاد
- القول البدیع
- اوثق العری
- ہدایت المعتدی ... مولانا ... حکیم
- توثیق الکلام ... اسوری ... احسن الحدیث

حضرت شاہ ولی اللہ رح اور حضرت شاہ عبد العزیز رح کی کتابیں

قیمت

- "حجۃ اللہ البالغہ" مصری
- حجۃ اللہ البالغہ (مع ترجمہ اردو)
- "بدور بازغہ" مطبوعہ مجلس علمی
- خیر کثیر "
- تفہیمات الٰہیہ
- مسوّیٰ مصفّیٰ کامل (اردو شرح مؤطا) قیمت اصلی
- "انصاف" (مع ترجمہ اردو کشاف)
- "عقد الجید" (مع ترجمہ)
- فیوض الحرمین (مع ترجمہ)
- انفاس العارفین (فارسی)
- شفاء العلیل ترجمہ اردو القول الجمیل
- الفوز الکبیر مع فتح الخبیر کامل
- صرف الفوز الکبیر (عربی)
- سطعات مع جزو لطیف کاغذ خستہ
- "بستان المحدثین" از شاہ عبد العزیز رح
- "عجالہ نافعہ"
- تفسیر عزیزی فہرست ہذا کے صفحہ ۲ پر ملاحظہ ہو
- فتاویٰ عزیزی " صفحہ ۲

کتب رد خاکساریت

- خاکسار تحریک مذہب و سیاست کی روشنی میں
- المشرقی علی المشرقی
- غیر جاری
- خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟
- مشرقی اور اسلام — خاکساری فتنہ
- عیسائیت کے دو پردے
- تبصرہ بر تذکرہ — ضرب کاری

کتب رد مرزائیت

قیمت — اصلی — رعایتی

- قادیانی مذہب ... سب سے آخری مکمل ترین ایڈیشن ...
- ختم النبوت کامل ہر سہ حصہ
- عشرہ کاملہ
- مباحثہ پاکٹ بک مجلد
- مسیح موعود کی پہچان
- اسلام اور مرزائیت
- مغلظات مرزا
- دعاوی مرزا
- عقائد قادیانی منظوم
- امراض مرزا — چیستان مرزا
- فتویٰ تکفیر قادیانی — اول المسلمین

رد شیعہ کی جوابی کتابیں

- نصیحۃ الشیعہ مجلد کامل
- فتنۂ ابن سبا
- ... تفضیلیہ کے خلاف ... حضرت مولانا ثناء اللہ
- تنبیہ الحائرین مع تکملہ
- الاول من المائتین ہر چہار حصہ
- الثالث من المائتین
- الرابع من المائتین
- الخامس من المائتین
- تحریف کی خانہ ساز حقیقت کا جواب
- قاتلان حسین کی خانہ تلاشی
- ابن سبا
- ... آیت المباہلہ
- ذریت ... و قرآن
- عقد ام کلثوم
- مناظرہ امروہہ ہر دو حصہ
- ہزیمت شیعیان پنجاب
- شلغمے روحانی
- ہزیمت ایڈیٹر اصلاح
- الاسئلۃ البدیعیہ
- مناظرہ منٹگمری
- فتح مبین
- تحفۂ انصاف
- مباحثہ لکھیم پور
- الوا ائمہ کی تفسیر

کتب مندرجہ بالا کا مفصل تعارف پہلی فہرستوں میں بار بار کرایا جا چکا ہے جن کتابوں کی دو قیمتیں لکھی گئی ہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ... نیچے کی قیمت ... کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ — ناظم مکتبہ الفرقان بریلی

ردِّ شرک و بدعت کی کتابیں

تقویت الایمان کامل از حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ قیمت ایک روپیہ چار آنہ رعایتی عہ

ایضاح الحق الصریح بدعات مروجہ متعلقہ تجہیز و تکفین و رسوم وغیرہ بعد الموت کی تردید میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی عدیم النظیر فاضلانہ کتاب جو عرصہ دراز سے قطعاً نایاب تھی اصل زبان فارسی میں تھی اب اردو ترجمہ کے ساتھ شایع کی گئی ہے قیمت بارہ آنے (۱۲/) رعایتی دس آنہ (۱۰/)

مسائل اربعین محشّی (فارسی) بدعات اور رسوم مروجہ کی تردید و تنقیح میں حضرت شاہ اسحٰق صاحب دہلوی کا یہ ایک قابل دید رسالہ ہے جس میں ۴۰ مباحث ہیں ہر مسئلہ کا ثبوت قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ فقہ سے دیا گیا ہے قیمت ۴/ رعایتی ۳/

رفاہ المسلمین ترجمہ اردو مسائل اربعین، قیمت ۸/ رعایتی قیمت ساڑھے چھ آنہ ۶/

تنشیط الاذان اذان خطبہ کے اندرون مسجد مشروع ہونیکے ثبوت میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا لاجواب رسالہ بہت کمیاب ہے قیمت ۲/ رعایتی ۱/

دلیل الخیرات تجہیز و تکفین و ایصال ثواب کی مروجہ بدعات کا رد از حضرت مفتی کفایت اللہ قیمت ۱۰/ رعایتی ۹/

التصدیقات بریلوی خرافات کے رد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا قابل دید رسالہ ہے علماء دیوبند کے عقائد حقہ کا مدلل بیان اور علماء حرمین شریفین و علماء مصر و شام کی تائیدات قیمت ۶/ رعایتی پانچ آنے ۵/

الشہاب الثاقب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے رد میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب شیخ الحدیث کا بہترین اور لاجواب رسالہ ہے قیمت ۸/ رعایتی ۷/

مائۃ مسائل شہزادگان تیموریہ نے اپنے زمانہ کے علماء میں اختلاف دیکھ کر حضرت شاہ اسحٰق صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں سو سوال پیش کیے اور اصرار کیا کہ ان کا مفصل جواب کتب معتبرہ سے لکھا جائے چنانچہ انہی کے جواب میں شاہ صاحب موصوف نے یہ کتاب لکھی تھی جس میں اختلافی مسائل بالخصوص مروجہ رسوم و بدعات پر نہایت سیر حاصل اور فیصلہ کن مباحث ہیں مضامین کی صحت و عمدگی کیلئے حضرت مصنف کا نام نامی ہی کافی ضمانت ہے قیمت ۶/ رعایتی ۵/

امداد السائل یہ مائۃ مسائل کا اردو ترجمہ ہے جس میں حسب موقع مباحث کی توضیح و تشریح بھی کر دی گئی ہے قیمت ۱۲/

براہین قاطعہ میلاد، عرس، فاتحہ مروجہ، تیجہ، دسواں وغیرہ بدعات مروجہ کی تردید میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مبسوط کتاب ہے جس میں اہل بدعت کے تمام شبہات کے تفصیلی جوابات بھی دیے گئے ہیں قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے (۱۸/) رعایتی ایک روپیہ چار آنے عہ

طریقہ مولد میلاد کا صحیح طریقہ اس میں بتلایا گیا ہے قیمت ۱/

النفائس المرغوبہ دعا ثانیہ کو بدعت بلکہ مکروہ ہونیکا ثبوت از حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قیمت ۸/ رعایتی ۷/

فتاوی میلاد شریف اس میں مروجہ میلاد کے متعلق اکابر علماء ہندوستان کے مدلل و مستند فتاوی جمع ہیں قیمت ۲/ رعایتی ۱/

حفظ الایمان مع بسط البنان و تغییر العنوان حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کی مشہور ترین کتاب ہے قیمت ڈیڑھ آنہ رعایتی ۱/

تحریری مناظرہ شرک و بدعت کے رد میں مختصر اور بہت مفید رسالہ قیمت ۱/ رعایتی ۱/

مولانا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب کے مناظرانہ رسائل

تزکیۃ الخواطر خانصاحب بریلوی کے جعلی تکفیری فتوی حسام الحرمین اور ان کی مایہ ناز کتاب تمہید ایمان پر لاجواب تنقید کر کے ان کی الہ فریبیوں کا پردہ چاک کر دیا گیا ہے قیمت ۴/ رعایتی ۳/

الطامۃ الکبری فی الحقیقت بریلوی پارٹی کیلئے یہ رسالہ قیامت کبری ہے قیمت ۱/

احدی الستۃ و التسعین مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ترکی بہ ترکی جواب ہیں دیا گیا ہے اور ان کے کفر کے فتووں کو انہی کی منطق سے انہی پر لوٹا گیا ہے ۲/ رعایتی ۱/

تسہیل علی الجہیل قیمت رعایتی ۱/

بئس المہاد لمن یخلف المیعاد قیمت ۱/

بریلوی کا نادان دوست ۱/ رعایتی

اسکات المعتدی ابن شیر خدا کی مناظرانہ قابلیت کا خاصا ہے اس میں قریباً ڈیڑھ سو مناظرانہ سوالات کیے گئے ہیں ضرور ملاحظہ فرمائیے قیمت ۴/ رعایتی ۳/

انتصاف البری خانصاحب بریلوی کو مناظرہ کا پیغام اور مباحث کی تنقیح قیمت ۱/ رعایتی ۱/

توضیح البیان فی حفظ الایمان حفظ الایمان کی عبارت کی توضیح میں فاضلانہ کتاب ہے جس میں خود خانصاحب بریلوی کو الزام ثابت کر کے دکھایا گیا ہے آج تک لاجواب ہے قیمت ۲/ رعایتی ۱/

الکوکب الیمانی علی اولاد الزوانی ۲/ ۱/

نئے مجدد کا نیا ایمان ۱/ رعایتی ۱/

سلسلۂ ردِّ بدعت و اہلِ بدعت میں مکتبۃ الفرقان کی اپنی مطبوعات

شرک و توحید

از افادات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ حضرت شاہ صاحب کے ایک بے نظیر عربی مقالہ کا ترجمہ ہے قیمت ۱۰/ رعایتی ۱/

اسلامی توحید

توحید و شرک کے بیان میں قابل دید رسالہ ہے قبر پرستی وغیرہ کا نہایت موثر رد صرف قرآن سے کیا گیا ہے قیمت ۳/ رعایتی ۲/ قسم دوم ۲/ رعایتی ۱/

ہماری گیارھویں

توحید و سنت کی حمایت اور شرک و بدعت کی مذمت میں غوث اعظم کے گیارہ مضامین ان کی کتابوں سے اس میں جمع کیے گئے ہیں قیمت ۲/ رعایتی ۱/

حضرت مجدد الف ثانی اور زمانہ حال کے اہل بدعت

اس میں اہل بدعت کے گمراہانہ عقائد کا رد صرف حضرت مجدد الف ثانی کے ارشادات سے کیا گیا ہے قیمت ۳/ رعایتی ۲/

مشائخ چشتیہ اور سماع مزامیر

قیمت ۱/ رعایتی ۳/

حاضر و ناظر

عقیدہ حاضر و ناظر کے رد میں حضرت مدیر "الفرقان" کا مختصر مگر قابل دید مقالہ قیمت ۱/ رعایتی ۳/

معانی تنظر فی ذوات القبر

بعض مقامات پر میت کے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینے کی بدعت رائج ہو گئی ہے اس کے رد میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب کا قابل دید رسالہ ہے جس میں علاوہ اس خاص مسئلہ کے بدعت کے متعلق نہایت محققانہ عام اصولی بحث بھی کی گئی ہے جس سے تمام مروجہ بدعات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور حامیان بدعت کی تمام ابلہ فریبیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے قیمت ۳/ رعایتی ۲/

بوارق الغیب حصہ اول

اہل بدعت کے خانہ ساز عقیدہ علم غیب کلی اور علم جمیع ما کان و ما یکون کی تردید میں یہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی مدیر "الفرقان" بریلی کی معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں پچاس صاف صریح قرآنی آیات اور دو سو ساٹھ احادیث نبویہ و ائمہ سلف کے ارشادات سے عقیدہ علم غیب کا بطلان ثابت کیا گیا ہے صرف اس حصہ میں حدیث و تفسیر وغیرہ کتب معتبرہ دینیہ کے تین سو ساٹھ حوالے ہیں جن کی خوبی آپ صرف مطالعہ ہی سے معلوم فرما سکیں گے ضخامت ۲۰۰ صفحات تا مکمل زرین و بیز کاغذ قسم اعلیٰ سفید گلیز قیمت ۱۲/ رعایتی ۱۰/ ایضاً قسم دوم کاغذ رف ۸/ رعایتی ۱۲/

مروجہ مجالس موی اور محافل میلاد پر تبصرہ

یہ ایک محققانہ مقالہ ہے جو ایک بریلوی مولوی صاحب کے میلادی مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہے باوجود اختصار کے قابل دید اور فیصلہ کن ہے قیمت ۱۰/ رعایتی ایک آنہ

تیجہ

تیجے دسویں وغیرہ رسوم مروجہ بعد الموت کے بدعت اور ناجائز ہونے کے ثبوت میں مدیر الفرقان کا رسالہ جس میں فقہ حنفی کی کتب معتبرہ کے علاوہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب کے اقوال سے بھی ثبوت دیا گیا ہے قابل دید ہے قیمت رعایتی ۱/

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

قیمت ۰/ رعایتی

شارع حقیقی

اہل بدعت کے گمراہانہ عقیدوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریع یعنی شریعت مقرر کرنے میں مختار مطلق تھے، جس چیز کو چاہتے اپنی طرف سے حرام کر سکتے تھے، جس کو چاہتے حلال کر سکتے تھے، جس پر چاہتے کوئی چیز فرض کر دیتے اور جس سے چاہتے کوئی فرض ساقط کر سکتے تھے اس خیال باطل کے رد میں یہ ایک محققانہ رسالہ ہے جس میں اہل بدعت کی تمام ان چیزوں کا نہایت شافی جواب دیا گیا ہے جو وہ اس سلسلہ میں پیش کرتے ہیں قیمت قسم اول چار آنے (۴/) رعایتی ۳/ قسم دوم ۳/ رعایتی ۲/

احکام النذر لاولیاء اللہ

اس رسالہ میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے نذر لغیر اللہ کے شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس مسئلہ میں بعض بدعت نواز مصنفین نے اپنی کج بحثیوں سے جو پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں ان سب کو سلجھا کر مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے نیز آیت کریمہ "وما اھل بہ لغیر اللہ" کی صحیح تفسیر مدلل طور پر کر کے مبتدعین کی تمام بیجا موشگافیوں پر پانی پھیر دیا گیا ہے قیمت ۲/ رعایتی ۱/

تاریخ میلاد

اس کتاب میں مروجہ مجلس میلاد اور قیام کی مکمل تاریخ اور مفصل سرگزشت لکھی گئی ہے کہ ان کو کب، کہاں، اور کس نے ایجاد کیا۔ یہ لوگ کس مذہب کے تھے۔ ہر زمانہ کے علماء نے اس کے متعلق کیا خیالات ظاہر کیے۔ اپنے موضوع میں بے نظیر اور قابل دید کتاب ہے قریب الختم ہے اور طبع ثانی کی امید بھی نہیں ہے۔ ۱۵۰ صفحات قیمت دس آنے (۱۰/) رعایتی ۸/

خاکسار تحریک مذہب و سیاست کی روشنی میں

اگر آپ خاکسار تحریک پر متین و سنجیدہ تنقید اور منصفانہ تبصرہ دیکھنا اور اس تحریک کے مذہبی نتائج اور سیاسی انجام معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ایڈیٹر الفرقان بریلی کی یہ کتاب ملاحظہ فرمائیں جو اسی کتابی سائز کے ۲۰۹ صفحات پر ہے اس تحریک کے متعلق ایسی محققانہ اور بصیرت افروز کتاب ابھی تک نہیں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب نے خاکسار تحریک کے جن خاص مذہبی و سیاسی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے ان تک بہت کم نظروں کی رسائی ہو سکتی ہے قابل دید کتاب ہے قیمت ۱۰/ رعایتی ۸/

خاکسار تحریک کیوں قابل قبول نہیں؟

خاکسار تحریک کے متعلق مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی ایک بصیرت افروز تقریر ہے قیمت ۱/ رعایتی ۳/ سو نسخے خریدنے کی صورت میں تین روپے فی سیکڑہ۔

مسئلہ علم غیب معرکہ خیز اور فیصلہ کن مناظرہ

یہ لاہور (پنجاب) کے اس معرکۃ الآراء مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو حضرت مدیر الفرقان اور بریلوی پارٹی کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین مسئلہ علم غیب پر ۲۱ محرم ۱۳۵۳ھ میں ہوا تھا۔ اس موضوع پر ایسا مکمل مناظرہ اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ غالباً آئندہ ہو۔ اس مناظرہ نے فی الحقیقت اس بحث کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اہل بدعت کے تمام دلائل کے جوابات اور اہلسنت کے بے شمار لاجواب دلائل آپ اس میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ پورا مناظرہ مجلس مناظرہ ہی میں ایک سہ نویس اور مختصر نویس کی خاص کوشش سے قلمبند کر لیا گیا تھا، آپ اس کے مطالعہ میں مناظرہ ہی کا لطف آئیگا۔ قیمت قسم اول ۸؍ رعایتی ۶؍ قسم دوم ۷؍ رعایتی ۵؍

فتح بریلی کا دلکش نظارہ

یہ مرکز بدعت بریلی کے اس معرکۂ مناظرہ کی مکمل روئداد ہے جو محرم ۱۳۵۳ھ میں رضاخانیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ ثالث مناظرہ نے جو بریلی ہی کے باشندے تھے اہلسنت کے حق میں زبردست فیصلہ دیا۔ وہ بھی آخر میں درج ہے۔ ضخامت ۲۳۶ صفحات قیمت قسم اول ۱۲ آنے رعایتی ۸؍ قسم دوم ۶؍ رعایتی ۴؍

تحریری مناظرہ

اس میں آپ کو اہل بدعت کے اکثر مشہور اختلافی مسئلوں پر مدلل بحث ملے گی۔ قیمت دو آنہ رعایتی ۱؍

ہدایت ربانی برائے فرقہ رضاخانی

یعنی "روئداد مناظرہ گیا" یہ اس عظیم الشان تحریری اور تقریری مناظرہ کی روئداد ہے جو "حسام الحرمین" کی تکفیری بحث پر اواخر ۱۳۵۳ھ ہجری میں مدیر "الفرقان" اور رضاخانیوں کے نقیب اعظم مولوی حشمت علی صاحب کے مابین صوبہ بہار کے مشہور شہر گیا میں تین دن متواتر ہوا تھا عجیب و غریب تحقیقات پر حاوی ہے ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ۸؍ رعایتی ۶؍

کتب آریہ و عیسائی

مباحثہ سماج بریلی

تناسخ اور الہام وید کے موضوع پر یہ جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان اور آریہ سماج کے مشہور مایۂ ناز مناظر پنڈت رامچندر جی دہلوی کے ایک معرکۃ الآرا مناظرہ کی روئداد ہے۔ مولانا ممدوح کی طرف سے وید کے غیر الہامی ہونے کی لاجواب دلیلیں اور تناسخ کے ابطال میں دس نہایت روشن براہین اس میں آپ کو ملیں گی۔ قیمت تین آنے رعایتی سوا دو آنے (۲؍)

حدوث روح و مادہ

یہ حضرت مدیر الفرقان دام فیضہ اور پنڈت رامچندر دہلوی کے ایک عجیب مناظرہ کی روئداد ہے۔ اس میں مدیر ممدوح نے روح و مادہ کے حادث ہونے پر عقلی و نقلی دلائل پیش کیے تھے۔ قیمت ۱؍ رعایتی ۱؍

عدم تحریف انجیل

اس رسالہ میں نہایت زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جو انجیل خدا کی طرف سے حضرت مسیح پر نازل ہوئی تھی وہ دنیا میں کہیں موجود نہیں۔ قیمت تین آنے رعایتی صرف دو آنہ (۲؍)

میلہ خدا شناسی

از حضرت مولانا محمد قاسم صاحب۔ تمام مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی حقانیت اور صداقت کا ثبوت۔ قیمت تین آنے (۳؍) رعایتی سوا دو آنے (۲؍)

کوائف بمبئی

مع روئداد مناظرہ

جس میں مولوی حشمت علی وغیرہ رضاخانی مولویوں کی ناکام مہم، شورش، اور مسلمانان بمبئی کی بے حد اصرار اور استدعا پر مناظرہ کے لیے حضرت مدیر الفرقان کا سفر بمبئی اور اس کے کوائف و حالات۔ قیمت ۲؍ رعایتی ۱؍

جہنم کی بشارت

قبلہ خان بریلی کی طرف سے ایک رسالہ بنام "موت کا پیغام" شائع ہوا تھا۔ یہ اس کا دندان شکن جواب ہے، بجیب بھی نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھی ہے کہ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اپنے فتوے اور اپنے اصول سے خود کافر ٹھہرتے ہیں۔ بالکل لاجواب ہے۔ قیمت ۳؍ رعایتی صرف ۲؍

رضاخانیت پر کاری ضرب

یعنی رسالہ "مقامع الحدید" اس رسالہ میں تحریک رضاخانیت کی تاریخ اور اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رضاخانیوں کے ان تیس اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے جو اکابر علماء دیوبند پر کیے جاتے ہیں نیز رضاخانی مذہب کا نہایت دلچسپ فوٹو رضاخانی لٹریچر سے پیش کیا گیا ہے۔ یقین ہے کہ آپ نے اس موضوع پر ایسی پر لطف کتاب ملاحظہ فرمائی ہو گی۔ ضخامت سو صفحات کاغذ اعلیٰ قیمت ۶؍ رعایتی ۵؍

وہابی کی پہچان

بڑی دلچسپ پر لطف کتاب ہے جو عرصہ سے نایاب ہو گئی تھی۔ ابھی ابھی چھپوائی گئی ہے۔ پڑھیے اور خوب ہنسیے اور سبق حاصل کیجیے۔ قیمت ۱؍ رعایتی ۳؍

الکوکب الیمانی

اس کا موضوع ثبوت ہے کہ خان صاحب بریلوی کے فتوے سے ان کے کسی معتقد کا نکاح درست نہیں ہو سکتا۔ قیمت دو آنے (۲؍) رعایتی ڈیڑھ آنہ (۱؍)

نئے مجدد کا نیا ایمان

دلچسپ اور مدلل۔ قیمت ۱؍ رعایتی ایک آنہ ۱؍

مکتبہ الفرقان کی خاص اصلاحی کتابیں

تذکرہ امام ربانی

یعنی الفرقان کا مجدد الف ثانی نمبر ۱۳۵۷ھ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت امام ربانی کے بعد تجدیدی کارناموں کو دنیا نے یکسر بھلا دیا تھا تین سو برس کے بعد ادارۂ الفرقان کی اس کوشش نے پھر اس کی یاد تازہ کر دی ہے اس نمبر میں حضرت مجدد الف ثانی کے حالات زندگی اور مساعی احیاء ملت کے متعلق مشاہیر علماء کرام و ارباب تحقیق کے بیس نہایت بلند پایہ اور ایمان افروز مقالے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد ہی آپ کو بعض اکابر کے اس ارشاد کی صداقت معلوم ہوگی کہ جس نے یہ نمبر نہ دیکھا وہ بڑی نعمت سے محروم رہا اب چند ہی نسخے باقی ہیں۔ قیمت کاغذ اعلیٰ ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ) کاغذ قسم دوم ایک روپیہ

نماز اور خطبہ کی زبان

نماز اور خطبے کے عربی زبان ہی میں ہونے کی عقلی و نقلی وجوہات اور اس کی سیاسی حکمتیں اس رسالہ میں بیان کی گئی ہیں نئی روشنی کے حضرات بھی اس سے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں قیمت صرف دو آنہ رعایتی ۱ر

داڑھی اور فطرت

یہ مقالہ درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہ کے چند اشارات کی تشریح ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ موچھیں کٹوانے اور داڑھی منڈانا خطرہ ... قیمت صرف ۳ر رعایتی ۲ر

تمدن اسلام کا پیغام بیسویں صدی کی دنیا کے نام

یہ مولانا عبدالماجد دریابادی بی اے ایڈیٹر صدق کا مقالہ ہے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بزم تاریخ و تمدن اسلام کے روبرو پڑھا گیا تھا قیمت ۱۰ رعایتی ۸ر

فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد

فتنۂ تفضیلیت کے رد میں اگرچہ علماء کرام نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں لیکن حضرت امام ربانی نے اپنے مختلف مکتوبات میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل بے نظیر ہے بعض مضامین کے متعلق تو خود حضرت نے ارقام فرمایا ہے کہ الہام کے ذریعے سے ان کا انکشاف ہوا ہے۔ حضرت کے یہ تمام مضامین اس رسالہ میں جمع کر دیئے گئے ہیں، مکتوبات کی اصل فارسی عبارت کے ساتھ ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے قیمت تین آنے (۳ر) رعایتی صرف سوا دو آنے

تذکار شہید

یعنی الفرقان کا شہید نمبر ۱۳۵۵ھ الفرقان کا یہ نمبر حضرت شاہ اسمٰعیل شہید فی سبیل اللہ کی یادگار میں شائع ہوا تھا اس میں شہید ممدوح کی سوانح حیات آپ کی دینی و ملی خدمات اعلائے کلمۃ الحق کیلئے آپ کی تحریک جہاد اور احیاء توحید و سنت کیلئے آپ کی عام مساعی کا نہایت مکمل و مفصل تذکرہ ہے نیز اہل بدعت نے آپ کے خلاف جو بعض ناپاک الزامات تراشے ہیں ان کا نہایت مدلل اور بلیغ رد کیا گیا ہے قریب الختم ہے۔ قیمت آٹھ آنے (۸ر)

اسلام کا نظریہ سیاسی

اسلام کے سیاسی نظام پر متکلم اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ ہے جس میں اسلامی سیاست کے بنیادی اصول کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کیئے گئے ہیں قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا وہ بصیرت افروز مقالہ جو موصوف نے شعبۂ تاریخ و تمدن اسلامی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک خاص مجلس منعقدہ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۰ء میں پڑھا تھا، ہر تعلیم یافتہ مسلمان کے لیئے اس کا مطالعہ آجکل بیحد ضروری ہے قیمت ۳ر رعایتی ۲ر

جدید تعلیم اور علمائے کرام

اس رسالہ میں مسلمات یعنی شہادات اور ناقابل تردید دلائل کی روشنی میں بتلایا گیا ہے کہ سر سید احمد خاں کی تعلیمی تحریک سے علماء کا اختلاف کس بنیاد پر تھا اور وہ اس میں کیا ترمیم چاہتے تھے، نیز یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ اس مغربی نظام تعلیم کے نتائج کے متعلق اب سے ساٹھ سال پہلے علماء کرام نے جو خدشات ظاہر کیئے تھے اب وہ سب واقعات بن کر سامنے آچکے ہیں۔ اور خود سر سید احمد خاں کے جانشین آج علماء کی اصابت رائے کا اعتراف کر رہے ہیں بلکہ علماء کی اسی پالیسی کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں خود سر سید احمد خاں کے رفیقوں کی شہادت سے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی جس کی ذمہ داری غریب علماء پر ڈالی جاتی ہے وہ خود سر سید احمد خاں کی مخصوص پالیسی کا نتیجہ ہے غرض گویا ہے وہ قابل دید رسالہ ہے قیمت صرف ۳ر رعایتی ۲ر

سیرت نبویہ سے متعلق ساڑھے تین سو جدید نظریات

پیغمبر اسلام کو برہان کامل کی صورت میں پیش کرنیوالی پہلی کتاب

النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

(تصنیف رئیس التحریر حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ العالی)

کاغذ بہترین، کتابت طباعت عمدہ مجلد خوشنما۔ قیمت ایک روپیہ رعایتی اس وقت ۱۳ر

اشتراکیت اور مذہب و اخلاق

یہ رسالہ ایک پالسی نظر کر یہ مٹ کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ ہے۔ اختصار کے باوجود اشتراکیت کی حقیقت اور اس کے نتائج سے واقف ہونے کے لیے بالکل کافی ہے قیمت کثرت اشاعت کیلئے صرف ۱ر رکھی گئی ہے

مسلمانوں کا روشن مستقبل

اس کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے بالخصوص ہر اس مسلمان کیلئے ضروری ہے جو ہندوستان کی سیاسی صورت حال کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا چاہے آخری ایڈیشن جس میں بہت کچھ اضافات ہو چکے ہیں قیمت وہی ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

ملنے کا پتہ:- مکتبہ الفرقان بریلی یو۔پی

وہ خاص بڑی کتابیں جنکی قیمتوں میں خصوصی رعایت کیجاتی ہے

تمام عربی درسی کتابوں کے متعلق تو ہم نے یہ اصول مقرر کر لیا ہے کہ جو کمیشن اُن پر ہمکو ملتا ہے ہم اس کا نصف اپنے ہر خریدار کو دیتے ہیں بشرطیکہ فرمایش آٹھ روپے سے کم کی نہ ہو۔ پس جو کتابیں یہاں درج نہیں کی جاتی ہیں وہ سب آپکو اسی حساب سے دی جائینگی اور اگر فرمایش آٹھ روپے سے کم کی ہوگی تو بھی کچھ نہ کچھ مناسب رعایت آپ کو ضرور دی جائیگی ——— جن کتابوں کی رعایتی قیمتیں یہاں درج کیجاتی ہیں البتہ ان پر اس کے علاوہ کوئی اور رعایت نہ ہوگی۔)

صحیح بخاری شریف
مصری چھپا

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے مکمل قدیمی حاشیہ اور اسماء الرجال کے ساتھ اس مرتبہ خاص الخاص اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ حاشیہ پر حل لغات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے اور شروع میں علاوہ قدیمی مقدمہ کے حضرت شاہ ولی اللہ کا پورا رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری بھی لگا دیا گیا ہے بے انتہا کوشش اور بیدریغ روپیہ صرف کر کے متعدد علماء سے اس کی تصحیح کرائی گئی ہے۔ خط بلنسبت سابقہ نسخوں کے جلی اور روشن ہے طباعت بہت صاف ہوئی ہے۔ کاغذ نہایت اعلیٰ سفید چکنا لگایا گیا ہے اور باوجود اسکے قیمت وہی ہے جو پہلے تھی یعنی ۲۵ لیکن اس وقت اس کے نصف یعنی صرف ساڑھے بارہ روپیہ میں آپ کو مل سکتی ہے وقت کو غنیمت جانیئے (۱۲/۸)

صحیح مسلم شریف مع شرح نووی

اصح المطابع دہلی کی چھپی ہوئی ہے اپنی اعلیٰ صحت نفیس کتابت طباعت کی صفائی اور کاغذ کی عمدگی کے لحاظ سے مشہور و مقبول ہو چکی ہے قیمت اصلی گیارہ روپیہ رعایتی صرف سات روپیہ (۷)

مشکوٰۃ شریف

مطبوعہ اصح المطابع خط کی وضاحت اعلیٰ صحت طباعت کی صفائی اور کاغذ کی عمدگی کے لحاظ سے مشکوٰۃ کے تمام نسخوں پر فائق ہے۔ قیمت اصل ۵، رعایتی ۴/۱۲

جلالین شریف

ایضاً مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہر حیثیت سے نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، حواشی طلباء و اساتذہ سب کیلئے بہت مفید ہیں قیمت اصلی چھ روپیہ رعایتی

کوکب دری یعنی تقریر ترمذی شریف

از حضرت مولانا گنگوہی دو جلد جس کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تعلیقات اور اضافات نے ترمذی شریف کی ایک مستقل اور کامل شرح بنا دیا ہے قیمت اصلی ہر دو جلد ۱۰، ر ۸

اوجز المسالک شرح موطا مالک ، عربی متن از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب موجودہ دور کی قابل فخر تصنیف ہے، تین ضخیم ترین جلدیں قیمت اصلی ہر سہ جلد ۲۵ رعایتی اس وقت گیارہ روپیہ (۱۱)

مسوی مصفیٰ ، موطا امام مالک کی دو شرحیں از حضرت شاہ ولی اللہ ایک عربی دوسری فارسی دونوں کا یکجا طبع ہوئی ہیں، دو جلد قیمت سات روپیہ (۷) اس وقت صرف ۵

فتح الملہم شرح صحیح مسلم

تالیف حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر دار العلوم دیوبند۔

یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب نے "صحیح مسلم" کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ "صحیح مسلم" کی یہ شرح زمانہ حاضر کے مذاق کی رعایت رکھ کر لکھی گئی ہے۔ شروع میں قریباً سو صفحہ کا بصیرت افروز مقدمہ ہے جس میں فنون متعلقہ حدیث پر مبسوط کلام کیا گیا ہے علمی اور فنی نقطہ نظر سے "علم حدیث" میں عصر حاضر کا بہترین شاہکار ہے بلاد اسلامیہ کے علماء نے بڑی قدردانی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا ہے اُس وقت تک تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں باقی زیر تالیف ہیں قیمت ہر جلد چھ روپیہ رعایتی پانچ روپیہ (۵)

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح

تالیف حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی استاذ حدیث و تفسیر دار العلوم دیوبند اس بے نظیر کتاب کے متعلق اہل بصیرت علماء کرام کی رائے ہے کہ یہ صرف "مشکوٰۃ" ہی کی شرح نہیں ہے بلکہ فن حدیث کی کتابوں میں ایک نہایت قابل قدر بلکہ عصر حاضر کے لیئے قابل فخر اضافہ ہے اگر اس شرح کی روشنی میں حدیث کا درس ہو تو دین میں خاص بصیرت پیدا ہو سکتی ہے۔ نہایت اعلیٰ کاغذ پر دمشق میں طبع ہوئی ہے ابھی چار جلدیں تیار ہوئی ہیں دو باقی ہیں قیمت چہار جلد سولہ روپیہ (۱۶)

الفوز الکبیر (عربی)

اصول التفسیر پر حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ رسالہ فارسی زبان میں تھا پہلے اس کا عربی ترجمہ ایک مصری عالم نے کیا تھا لیکن نہ معلوم کیوں آخری فصل ان سے رہ گئی تھی اب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہ استاذ دار العلوم دیوبند نے اس کی تکمیل کر کے خاص الخاص اہتمام سے اس کو چھپایا گیا ہے قیمت

شرح نقایہ ۔ فقہ حنفی میں ملا علی قاری کی مستند اور بہترین کتاب ہے بہت سی جگہ شرح وقایہ کی جگہ داخل درس بھی ہو چکی ہے مصحح مولانا اعزاز علی صاحب مدظلہ العالی قیمت ۔ ر

السہم المصیب ۔ خطیب بغدادی نے امام ابو حنیفہ پر جو اعتراضات کیے تھے اُن کا جواب شاہ ابن اسلام میں ہر ایک ملا نہ وقت بادشاہ لکھا تھا جو صرف جدہ کے ایک کتب خانہ میں قلمی موجود تھا۔ خاص کوششوں سے اس نسخہ کو حاصل کر کے ہندوستان میں پہلی مرتبہ اس نادر تحفہ کو عام کرنے کیلئے چھاپ کر شائع کر دیا گیا۔ اہل علم کے لیئے قابل دید اور لائق قدر ہے۔ قیمت ۱، رعایتی صرف (ایک روپیہ)

چند خاص کتابیں

فقط مرا یک دو ہی نسخے اس وقت کتب خانہ میں ہیں

عمدۃ القاری شرح بخاری شریف المعروف بہ عینی ۲۵ جلد طبع جدید مصری کاغذ نہایت اعلیٰ سفید مجلد ہر جلد قیمت ساٹھ روپیہ ۔ **تفسیر ابن کثیر** کاغذ نہایت اعلیٰ سفید ولایتی **المبسوط للسرخسی** ۳۰ جلد **حجۃ اللہ البالغہ** مصری کاغذ اعلیٰ سفید ۔ **مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر** مصری پانچ روپیہ **المنجد** (لغت) سب سے آخری اور مکمل ترین اڈیشن مجلد نہایت اعلیٰ قیمت ۔ **شرح شفا** از ملا علی قاری مجلد ہر چہار جلد پانچ روپیہ

ہر فن کی درسی کتابیں

یعنی کتب تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، لغت، معانی، صرف، نحو، منطق، فلسفہ وغیرہ مکتبہ الفرقان سے طلب فرمائی جا سکتی ہیں۔ امکانی رعایت ہمارا التزامی اصول ہے۔

ملنے کا پتہ مکتبہ الفرقان بریلی (یو۔پی)